

حکماء اسلام

وہ عظیم الشان اور علمی کتاب جس میں شیعہ مذہب کی ابتداء ان کے بے شمار فرقہ شیعوں کے اسلاف و علماء اور ان کی کتابیں و احادیث اور ان کے راویوں کے حالات۔ ان کے طریقے جن سے وہ سادہ لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف لاتے ہیں۔ الوہیت، نبوت، معاد اور امامت کے بارے میں ان کے عقائد ان کے پوشیدہ فقہی مسائل، صحابہ کرامؓ، ازواج مطہرات اور اہل بیت کے متعلق ان کے عقائد و اقوال۔ ان کے اوہام و تعصبات اور بغضات کی تفصیل۔ غرض اس کتاب میں اس موضوع کے تمام مباحث جمع کر دیئے گئے ہیں۔

تصنیف: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

ترجمہ اردو: مولانا خلیل الرحمن نعمانی (مظاہری)

دارالاشاعت

اردو بازار کراچی ۷ فون ۲۴۳۱۸۹۱

تحفہ انشاء عشریہ اردو

وہ عظیم الشان کتاب جس میں شیعہ مذہب کی ابتداء، ان کے بے شمار فرقے شیعوں کے اسلاف علماء اور ان کی کتابیں و احادیث اور ان کے راویوں کے حالات، ان کے مکرو فریب کے طریقے جن سے وہ سادہ لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف لاتے ہیں۔ الوہیت، نبوت، معاد اور امامت کے بارے میں اُن کے عقائد اُن کے پرشیدہ فقہی مسائل، صحابہ کرامؓ و اربعہ مطہرات اور اہل بیت کے متعلق ان کے عقائد و اقوال۔ اُن کے جھوٹ، مکاروں و مطاعن، ان کے اوہام و تعصبات اور بطلان کی تفصیل۔ غرض اس کتاب میں اس موضوع کے تمام مباحث جمع کر دیے گئے ہیں۔

تصنیف: حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ

ترجمہ اردو: مولانا خلیل الرحمن نعمانی (مظاہری)

ناشر

دارالاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی۔

اُردو ترجمہ کے جملہ حقوق طباعت و اشاعت محفوظ

اشاعت اول

ماہنامہ ضیاء اشرف عثمانی
تأثر دارالاشاعت کراچی
طباعت پریس کراچی

ملنے کے پتے

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ اردو بازار کراچی
ادارۃ المعارف ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی
مکتبہ دارالعلوم ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی
ادارۃ اسلامیات ، ۱۹ ، انارکلی ، لاہور
بیت القرآن اردو بازار کراچی

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مختصر حالات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ آمین

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت اور دفاع کا کام ہمیشہ اپنے منسوس بندوں اور علماء کرام و اولیاء عظام سے ہی لیا ہے۔ جس زمانہ میں بھی کسی قدر نے سر اٹھایا، تو یہی جانا باز اور سر فروش بندے سر سے کفن باندھ کر اس فتنہ کے مقابلے کے لئے میدان میں آئے اور ہر قسم کی قربانیاں پیش کر کے اس فتنہ کو ہمیشہ کے لئے دبی کر دیا اور اسلام کے پرچم کو سر بلند رکھا۔ فتنہ اعتراضی ہو یا فتنہ مدحی، فتنہ غلامیت ہو یا فتنہ بدعت۔ ان سب کے مقابلے پر ہمیشہ یہی بندگانِ خدا ہمت سامنے آئے اور اپنا اپنا کام کر گئے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ہندو پاکستان بھی ہمیشہ طرح طرح کے فتنوں کی آماجگاہ بنے رہے ہیں۔ منلیہ دور میں اگر اکبر بادشاہ کے دین الہی کا فتنہ اٹھتا ہے تو اس کی سرکوبی کے لئے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ میدان میں آ جاتے ہیں اور اس فتنہ کو یز و بن سے اٹھا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیتے ہیں۔

اور جب رخص و بدعت سر اٹھاتے ہیں تو اس کے مقابلے کے لئے اللہ تعالیٰ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے لائق فرزند اور صحیح جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کو پیدا فرمادیتا ہے اور ان سے اپنے دین کی حفاظت کا کام لیتا ہے۔ جو دین میں طرح طرح کی آمیزشوں اور آلائشوں کو اپنی تحریر و تقریر سے پاک و صاف کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہندو پاکستان کا ہر مسلمان حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا مرہونِ محنت ہے کیونکہ آج دین کی جو کچھ صحیح شکل و صورت نظر آتی ہے وہ اسی خاندان کی اسلامی خدمات کی بدولت ہے۔

جنہوں نے یہاں تمام علوم اسلامی اور خصوصاً تفسیر و حدیث اور فقہ اسلامی کی ایسی شاندار اور بے بہا خدمات انجام دی ہیں جو رہتی دنیا تک انشا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے مشکل راہ اور ان کے لئے ہمیشہ کے لئے ایک مدد و توجہ ثابت ہوں گی۔

ان کے خاندان کے لئے فی الحقیقت یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے۔

ایں سلسلہ از طلائے ناب است ایں خانہ تمام آفتاب است

ایسے ہی بوریشین اور خدا مست علماء میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سر فہرست ہیں۔ اس کے لئے عقیدہ ہے کہ موقع کی مناسبت سے بیان ان کے کچھ حالات زندگی اور کارناموں کا ذکر کیا جائے۔

لیکن انہوں کو ایسے عظیم المرتبت ولی کامل اور دیکانہ دوزگار مفسر، محدث اور فقیہ اور جامع کمالات شخصیت کے حالات زندگی کیجانی طور پر بہت کم ملتے ہیں۔ کافی تلاش و جستجو سے ہیں ان کے جو حالات میسر آ سکے وہ ہم بیان مختصر درج کر رہے ہیں۔ لیکن ان کے حالات سے پہلے کچھ ان کے زمانہ اور عہد کا حال معلوم کر لیا جائے تو بہتر ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے جن حالات اور جس زمانہ میں آنکھ کھولی وہ زمانہ انتہائی سخت فتنہ کا زمانہ تھا۔ جس میں اظہار حق سخت دشوار تھا اس لئے شاہ صاحب ترویج دین کا کام نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ کرتے تھے اور فتنہ انگیز عنوانات سے پرہیز کرتے تھے اور وجہ یہ تھی کہ شاہ صاحب کا جن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا وہ دین سے بالکل نا آشنا تھے ایسے لوگوں کو راہ پر لگانا سخت دشوار تھا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے اپنی کمال حکمت و دانائی سے ان کو

یاد پر لگایا اس زمانہ میں روافض کا غلبہ اور نجف علی ناں کا تسلط تھا جس نے حضرت شاہ ولی اللہ کے پیچھے اترائے تھے۔ تاکہ کچھ لکھ نہ سکیں۔ اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں کو شہید کرا دیا تھا۔

اور روافض نے خود شاہ عبدالعزیز کو دوسرے تہ ذہر دوا دیا تھا۔ دوسرے مصنوعی صوفیوں کا غلبہ تھا جن کا اثر بادشاہ شاہزادوں اور شاہزادیوں پر تھا۔ ایسا سخت زمانہ تھا جس میں حضرت شاہ صاحب کو اپنا کام انجام دینا تھا۔ جس میں وہ اپنی فہم فراست اور حکمت و دانائی سے بڑی مددگار کامیاب ہوئے۔

شاہ صاحب کی پیدائش نام و نسب اور حلیہ آپ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ دہلی میں ۱۰۵۹ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۷۴۶ء کو یوسف علیہ السلام کے والد ماجد نے ان کا نام عبدالعزیز رکھا اور آپ کا تاجی نام غلام علیم رکھا اور آپ نے ہی نام مصلحتاً تحفہ اشاعرہ پر اپنا تکریر فرمایا ہے۔ آپ کا نسب چونتیسویں پشت میں حضرت فاروق اعظمؓ عمر بن الخطاب سے جا ملتا ہے۔ آپ نے تمام علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ سے حاصل کئے۔ اور بعض کتب کی سند شاہ صاحب کے بعض تلامذہ سے بھی حاصل کی۔ آپ اپنے والد ماجد ہی سے بیعت ہوئے۔ اور پھر فرقہ خلافت پہنا۔ جس وقت شاہ عبدالعزیز کی عمر سترہ برس تھی تو حضرت شاہ ولی اللہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے جانشین ہوئے۔ آپ دراز قد، گندم رنگ، لاغر جسم اور آنکھیں بڑی بڑی رکھتے تھے۔ چہرے پر خوبصورت گول داڑھی تھی۔ آپ کی زینہ اولاد کوئی نہ تھی البتہ تین صاحبزادیاں تھیں۔

آپ کے چند محاسن و کمالات آپ کی ذات ایسی جامع کمالات اور مجموعہ صفات تھی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ آپ نرم طبیعت، خوش اخلاق اور حجاج میں نہایت خوش طبع تھے ہر چیز میں نہایت سحر و مذاق رکھتے تھے۔ صاحب علم و علم، زہد و درسا و تقویٰ اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ تمام علوم متداولہ اور فنون عقلیہ و نقلیہ میں عبور و دستگاہ رکھتے تھے حافظہ ایسا قوی کہ صحاح ستہ از بر تھیں۔ تعبیر خواب میں خصوصی مہارت اور دماغ ایسے کہ عوام و خواص، علماء و فقہاء، ائمہ سلاطین و امرا سب ہی آپ کی مدح و تحسین میں رطب اللسان تھے۔ صاحب دلائل و برہان تھے اور موافق مخالف شیعہ و سنی سب آپ کے معتقد تھے۔

آپ نے ساری عمر درس و تدریس افتاء و عظمت و نصائح میں ہی بسر فرمائی۔ اور خصوصاً علم حدیث کا فیض ہندوستان میں عام کیا۔ ہندوستان کے اکثر محدثین کا سلسلہ اسناد آپ تک اور آپ کے ذریعہ حضرت شاہ ولی اللہ تک پہنچا ہے۔ دکن و سر سے لوگ آپ کی خدمت میں آتے اور علم کی پیاس بجھاتے اور سند کی تکمیل حاصل کرتے اور اپنی اس نسبت فخریہ کو باعث صد فخر جانتے۔ آپ مرجع علماء و مشائخ اور قلب ارشاد تھے۔

آپ کی معلومات جہ صد وسیع تھیں جو صرف اسلامی علوم و فنون تفسیر، حدیث، فقہ اور ان کے متعلقہ علوم ہی تک محدود نہ تھیں بلکہ زبان، لغت، انشاء و شاعری، موسیقی، خوش خلقی، تعبیر خواب، تیر اندازی، گھڑ سواری اور پرکاری غرض کوئی علم و فن ایسا نہ تھا جس میں آپ کو کامل دستگاہ نہ ہو۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ جو علوم میں نے مطالعہ کئے ہیں اور اپنی استعداد کے مطابق مجھے یاد بھی ہیں ان کی تعداد ایک سو پچاس ہے۔ انہیں سے نصف کے قریب تو وہ علوم ہیں جو امت مسلمہ کی تخلیق ہیں اور باقی نصف دوسری امتوں کے اور تو اور آپ کو فن موسیقی کے علمی پہلوؤں سے پوری واقفیت تھی اور مختلف راگوں کو پوری طرح پہچانتے تھے۔ اس زمانہ کی شعر و شاعری اور ادبی معاملات میں بھی آپ کی رائے ایک جہت اور سند سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جب شاہ نصیر دہلوی (جو مشہور شاعر ذوق کے استاد ہیں) نے ذوق کی غزل درست کرنے سے انکار کر دیا تو ذوق دہلی کے

سب اساتذہ کو چھوڑ کر شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جب آپ نے غزل کے متعلق اس کی تسلی کردی تو ذوق نے کسی اور سے اصلاح لئے بغیر بے وعشک اس غزل کو مشاعرہ میں پڑھا۔

اور ذوق کا تعلق جب شاہ نصیر سے ختم ہو گیا تو وہ اکثر شاہ صاحب کے وعظ میں مشرک ہوئے لگا۔ کسی دوست نے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ شاہ صاحب اردو زبان دانی میں شاہ نصیر سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اس لئے میں ان کے بیان و گفتگو سناتا ہوں اور اردو زبان کے عاویسے اور روزمرہ ماد کرتا ہوں۔ دراصل شاہ عبدالعزیز چھٹن میں اپنے والد محترم کے حکم کے بموجب خواجہ میر درد کی خدمت میں اردو زبان سیکھنے جایا کرتے تھے۔ اور خواجہ میر درد اردو زبان کے مجدد و مجدد ہیں۔

الغرض کہاں تک آپ کے کمالات گنوائے جائیں اس کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے۔ صاحب تذکرہ علامہ ہند کہتے ہیں کہ شاہ صاحب۔ بالجلد دسے جامع علوم بلکہ آیتہ از آیات الہی برو

اور علامہ اقبالؒ نے شاید ایسے ہی لکڑوں کے لئے فرمایا ہے۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ وریلا حضرت شاہ صاحب کی وفات آپ کی وفات اسی سال کی عمر میں برشوال ۱۲۳۹ھ مطابق ۵ جون ۱۸۲۳ء کو صبح کے وقت ہوئی۔ اور کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں ہجوم کا یہ عالم تھا کہ آپ کی نماز جنازہ پچیس مرتبہ پڑھی گئی۔ اور وہی میں اپنے والد ماجد کے قریب آپ مدفون ہوئے۔

مشہور شاعر محکم مومن خاں مومن نے جو اپنے اصلی نام حبیب اللہ سے نہیں بلکہ شاہ صاحب کے دیئے ہوئے نام مومن خاں کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ تاریخ وفات بھی تھی۔

دست بے داد اہل سے بے سرو پا ہو گئے
فیقر و دین۔ فضیل و مہنجر۔ لطیف و کرم۔ علم و عمل (۱۲۳۹ھ)

حضرت شاہ صاحب کے چند تلامذہ آپ کے شاگردوں کی تعداد تو بے شمار ہے ہم یہاں چند نام درج کرتے ہیں
شاہ رفیع الدین محدث دہلوی۔ شاہ محمد اسماعیل محدث دہلوی۔ مفتی صدر الدین دہلوی۔ شاہ غلام علی صاحب۔ مولانا عفو اللہ صاحب۔ مولانا عبدالحی صاحب۔ مولانا میر محبوب علی صاحب۔ مفتی الہی بخش صاحب کاٹھلوی۔ مولانا فضل حق خیر آبادی۔ مولانا سید احمد بریلوی۔

آپ کی تصانیف آپ کا دیارہ تر وقت درس و تدریس اور خدمت فرائض و حدیث میں گذرا۔ اس لئے تصانیف کے لئے زیادہ وقت دہل سکا۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی جو تصانیف ہیں وہ سب نہایت عال اور بلند پایہ ہیں۔ جن سے آپ کی جلالت شان اور عظمت مرتبہ کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ ان میں

تفسیر عزیزی ہے جو اپنے طرز کی منفرد تفسیر ہے۔ مجاز و نافع اصول حدیث میں بے مثل کتاب ہے۔ بستان الحمد میں جو محدثین کے حالات میں نہایت عمدہ اور جامع کتاب ہے ستر الشہادتین ہے۔ آپ کا مجموعہ فتاویٰ ہے جو ہر قسم کے مسائل پر مشتمل ہے ان کے علاوہ اور بھی چند رسائل آپ کے تصانیف ہیں۔ لیکن آپ کی سب سے زیادہ مشہور اور عظیم المرتبہ کتاب تحفہ اشاعت عشرہ یہ ہے ہم یہاں اس اہم کتاب کا تعارف قدرے تفصیل سے کرنا چاہتے ہیں۔

ملہ رود کوثر محمود الم آب حیات

ملہ رود کوثر محمود الم آب حیات
ملہ شاہ عبدالغنی مولانا مملوک اعلیٰ۔ مولانا محمد قاسم ناٹووی۔ مولانا رشید احمد ٹنگوہی۔ کا سلسلہ اسناد انہی کے واسطے سے حضرت شاہ ولی اللہ تک پہنچتا ہے۔

تحفہ اشاعت مشرقیہ فارسی

جیسا کہ ہم شروع صفحات میں لکھ چکے ہیں کہ شاہ صاحب کا زمانہ بڑے نقوش کا زمانہ تھا۔ اور شاہ صاحب ہر معاملہ میں بڑے حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے لیکن دین حق اور کلمہ حق کے معاملہ میں آپ جبری ایسے تھے کہ خالص انگریزوں کے تسلط کے زمانہ میں سب سے پہلے آپ ہی نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ اور معاملہ ہم ایسے تھے کہ جب انگریزوں نے دہلی کا لٹے قائم کیا تو مسلمان اس میں تعلیم حاصل کرنے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن آپ نے ہی سب سے پہلے مسلمانوں کو اس کا لٹے میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی اور پھر اسی دہلی کا لٹے سے ایسے ایسے نیکانہ و درو زگار علماء و فضلا پیدا ہوئے کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔

آپ کی اسی حق گوئی دے ہاکی نے انتہائی نامساعد اور کٹھن حالات میں آپ سے تحفہ اشاعت مشرقیہ جیسی عظیم المرتبت کتاب تصنیف کرائی۔ جو بلا شک ایک بہت بڑا علمی کارنامہ تو تھا ہی۔ لیکن نجف خاں جیسے جابر و ظالم کے زمانہ اقتدار میں اس کتاب کی تصنیف و اشاعت کوئی دل لگی یا آسان کام نہ تھا۔ بلکہ یہ ایک بہت بڑی اخلاقی جرأت اور بہت مردانہ کام تھا۔ حضرت شاہ صاحب تحفہ کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

ہمارے زمانہ میں اور ہمارے شہروں میں شیعہ مذہب کی اشاعت کی اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ کوئی گھر ایسا نہ ہو گا جس میں ایک دو آدمی اس مذہب کے قائل اور شیعہ خیالات سے متاثر نہ ہوں۔

چنانچہ اسی فقرہ کی سرکوبی کے لئے یہ کتاب تالیف کی گئی۔ اصل کتاب فارسی زبان میں تصنیف کی جو بڑے سائیکس تقریباً پانچ سو صفحات پر محیط ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ سنہ ۱۳۰۹ھ میں مطبع مشرق ہند کھنوسے شائع ہوئی۔ اور پھر ڈاکشور پریس وغیرہ مطابع میں بھی چھپتی رہی ہے۔

تحفہ اشاعت مشرقیہ فی الحقیقت ایک عمدہ آفریں کتاب ہے۔ جس کی تالیف میں شاہ صاحب نے سب سے حد محنت و جانفشانی سے کام لیا ہے۔ قوت بیان اور غدرت کلام اور ایجاد و اختصار کے ساتھ مطالب و معانی اور بے شمار ناقابل تردید دلائل ایسے دل نشین اور متین آگاز میں تحریر کئے گئے ہیں کہ اس سے قبل ایسی جامع و مانع کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں شیعہ سنی مسائل و مباحث کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے کہ جس کے بعد اس موضوع پر کسی اور کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور بحث و مناظرہ میں اکثر علماء اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیونکہ شیعہ سنی معاملات کے تمام مباحث

اس کتاب میں نہایت جامعیت

کے ساتھ آگئے ہیں۔ کہ اگر تحفہ کو ان مسائل کی انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو وہ بالکل درست ہو گا۔

تحفہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ روایات اور بیان کے انتخاب میں اصول حق کووری طرح ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ اور شیعہ مذہب و خیالات کے بیان میں صرف مستند و معتبر شیعہ کتب پر انحصار کیا گیا ہے۔ اور تواریخ و تفسیر و حدیث میں سے صرف انہی چیزوں کو چننا ہے جن پر شیعہ سنی دونوں متفق ہیں اور طرز بیان بھی نہایت متین اور مہذبانہ ہے۔

لے شاید انہی حالات کی وجہ سے شاہ صاحب نے کتاب پر اپنا فارغی نام غلام تعلیم تحریر فرمایا ہے۔ لے خواب آکٹ نے اس کاملی زبان میں ترجمہ کر کر عرب میں بیجا تھا۔

پہلے وہ ہے کہ اٹھارویں صدی میں شیعہ مذہب کا جو فروغ شروع ہوا تھا اس کو روکنے اور لاکھوں بلکہ کروڑوں لوگوں کے شکوک و شبہات دور کر کے راہِ راست پر لانے میں تہذیبِ اسلامیہ نے زبردست کارنامہ انجام دیا۔ اس کتاب کی تصنیف و اشاعت نے شیعہ مقلدوں میں ایک پل پیدا کر دی اور پوری جماعتِ شیعہ کے سامنے اب سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس کا جواب کھو کر اس کتاب کے اثرات کو رد کا اور ذائل کیا جائے۔ لہذا اس میں بہتوں نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور ہندوستان و ایران کے بہت سے شیعوں نے اس کے جواب لکھے۔ کھنڈ کے شیعہ علماء میں سب سے ممتاز نام مولوی دلدار علی مجتہد اولیٰ کا ہے جنہوں نے اس کی تردید میں چھ کتابیں اور رسالے لکھے۔ ان کے علاوہ بعض شیعوں نے تو اپنی پوری عمر ہی اس کے جواب لکھنے میں صرف کر دی۔ لیکن یہ سب جواب بلاشبہ جواب و ہرزہ گوئی اور دور راہ کار باتوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ پوری جماعتِ شیعہ کی جہدِ بیخ کے بعد بھی آج تک اس کتاب کا جواب نہ ہو سکا۔

اس کتاب کے جواب کے سلسلے میں ایک دلچسپ فقہ کتاب اربعۃ ثلاثہ (جو مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیف ہے) میں بھیایت کتاب امیر الروایات درج ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے۔

خان صاحب نے فرمایا کہ جب شاہ صاحب کا مقدمہ کھنڈ پہنچا تو کھنڈ کے جواب نے جو اس وقت برسرِ حکومت تھا قاضی مجتہدین شیعہ سے درخواست کی کہ اس کا جواب لکھا جائے۔ چنانچہ مجتہدین میں سے دلدار علی خان نے جواب لکھنے کا بیڑہ اٹھایا۔ لیکن تہذیب کی زبان چونکہ بے نظیر تھی۔ اس لئے مرزا قتیل سے درخواست کی گئی کہ مضامین تو قبلہ و کعبہ لکھیں اور آپ اپنی عبارت میں اس کو ادا کر دیں تاکہ مضامین کا جواب مضامین سے اور عبارت کا جواب عبارت سے ہو جائے۔ لیکن مرزا قتیل نے یہ کہہ کر عذر کر دیا کہ میں شاہ صاحب جیسی عہدِ عبارت لکھنے پر قادر نہیں ہوں۔ ناچار قبلہ و کعبہ نے خود ہی جواب لکھا تو اس جواب کو قاضی صاحب نے مرزا قتیل کے سامنے پیش کیا اور پھر چھاپا کہ قبلہ و کعبہ کیسیا جواب ہے؟ مرزا قتیل نے دیکھ کر کہا کہ اگر ناگوار خاطر ہو تو عرض کروں؟ قاضی صاحب نے کہا فرمائیے۔ مرزا قتیل نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ قبلہ و کعبہ کو تو اپنی کتاب کا نام بھی رکھنا نہ آیا۔ شاہ صاحب تو تہذیب پیش کر رہے ہیں اور قبلہ و کعبہ تہذیب کا جواب بتوارے دیتے ہیں۔ (قبلہ و کعبہ نے اپنی کتاب کا نام ذوالفقار رکھا تھا) اس کے بعد قبلہ و کعبہ نے فرمایا کہ اچھا عبارت کی نسبت فرمائیے۔ قتیل نے کہا کہ حضور کہاں جاؤں گا جو لاہ اور کہاں دلی کی بیڑھیوں کا بیٹھنے والا مشہور ہو۔ قتیل نے یہ اس لئے کہا کہ قبلہ و کعبہ ہمارے لئے تھے جہاں کے جو لہجے مشہور ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کتاب کا نام تہذیبِ اسلامیہ اس مناسبت سے رکھا ہے کہ بارہویں صدی ہجری کے اختتام پر یہ کتاب جلوہ گر ہو رہی ہے۔ اللہ دیباچہ کے آخر میں فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو بارہ اماموں کی تعداد کے مطابق بارہ ابواب پر مرتب کیا گیا ہے۔

لے نقل از اربعۃ ثلاثہ حکایت ۲۴ بروایت امیر شاہ خان صاحب۔ لے ناظرین سے درخواست ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے قبل اس کا دیباچہ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

تحفہ اثنا عشریہ کا اردو ایڈیشن

یہ عظیم الشان اہل کتاب تو فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اردو خوانوں کے لئے اردو ایڈیشن کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس کے متعدد اردو ترجمے شائع ہوئے۔ غالباً پہلا اردو ترجمہ تو یہ مجید یہ ہے جو مولانا عبدالمجید خان پٹیل بھیتی نے آج سے تقریباً نوے سال قبل کیا تھا۔ دوسرا ترجمہ مولانا سعد حسن خان ٹونگی نے بھی کیا تھا جو شائع بھی ہو چکے ہیں۔ لیکن آج سے نوے سال قبل کی اردو زبان اور محاورے اب بالکل نامافوس ہو چکے ہیں۔ اور اس زمانہ کے لوگ ان کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ دوسرے یہ ترجمے عرصہ سے کیا بے نایاب ہیں۔

اس لئے ایک ایسے جدید اردو ترجمہ کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ جو سادہ اور آسان زبان میں ہوتا کہ ہمارے زمانہ کے عام لوگ بھی اس عظیم المرتبہ کتاب سے پورا پورا فائدہ حاصل کر سکیں۔ خدا کا شکر ہے کہ احقر کے قدیم کرم فرما مولانا غلیل الرحمن نعمانی مظاہری نے احقر کی درخواست پر تحفہ اثنا عشریہ فارسی کا نہایت سلیس اور شگفتہ اردو زبان میں مکمل اردو ترجمہ فرما دیا ہے۔ جو احقر پر اور مسلمانوں پر ان کا ایک احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر آخرت میں عطا فرمائے۔

اور خدا کا بے حد شکر ہے کہ اب یہ نفیس تحفہ کتابت، طباعت، کاغذ اور جلد بندی کے اعلیٰ معیار کے ساتھ دارالاشاعت کراچی سے شائع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف ملائم کو اس کے مترجم کو اور اس کے ناشرین اور وہ سب لوگ جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے ان سب کو اپنے حبیب پاک کے مدد میں زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے۔ اور اس کو ہمارے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلائق محمد و آلہ واصحابہ اجمعین برحقک یا ارحم الراحمین۔ والآخر
دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

فقط ننگ اسلاف

جمعہ ۱۶ اشوال ۱۴۱۲ھ
مطابق ۶ اگست ۱۹۹۲ء

احقر محمد رضی عثمانی مدیر دارالاشاعت

فہرست مضامین تحفہ اثنا عشریہ اردو

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۲	۱۵۔ فرقہ غزالیہ : (ان کا عقیدہ ہے کہ جبریل نے غلطی سے وحی حضور کو پہنچائی)	۲۸	حضرت شاہ عبد العزیز کے مختصر سوانح
۴۳	۱۶۔ فرقہ ذہابیہ : (جو حضرت علی کو الہ مانتا ہے)	۲۹	فہرست مضامین
"	۱۷۔ فرقہ ذہبیہ : (یہ حضرت علیؑ کی الوہیت کا قائل ہے۔)	۳۱	دیباچہ مصنف
"	۱۸۔ فرقہ اثینیہ : (یہ آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ دونوں کو خدا مانتا ہے۔)	۲۲	باب۔ شیعہ مذہب کی ابتداء اور ان کا فرقوں میں بٹنا
"	۱۹۔ فرقہ خمیہ : (جو پانچوں کو خدا مانتا ہے)	۴۰	مالی شیعوں کے چوبیس فرقوں کی تفصیل
"	۲۰۔ فرقہ نصیریہ : (ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؑ میں خدا حلول کر گیا ہے۔)	"	۱۔ فرقہ سبائیہ : (عبد اللہ بن سبا کے پیروکار)
"	۲۱۔ فرقہ اسماعیلیہ : (یہ بھی حضرت علیؑ میں خدا کے حلول کے قائل ہیں۔)	"	۲۔ فرقہ مفضلینہ : (مفضل صیرفی کے ساتھی)
"	۲۲۔ فرقہ غلبانیہ : (یہ بھی حضرت علیؑ کی الوہیت کا قائل ہے۔)	۴۱	۳۔ فرقہ سیرغیہ : (سیرغ کے ہم عقیدہ لوگ)
"	۲۳۔ فرقہ ذراویہ : (یہ تارک فرائض اور حرام کو حلال بتاتے ہیں۔)	"	۴۔ فرقہ بیزغیہ : (بیزغ بن یونس کا گروہ)
"	۲۴۔ فرقہ متغیرہ : (یہ حضرت حسینؑ کے بعد متغیر کو خدا مانتے ہیں۔)	"	۵۔ فرقہ کاملیہ : (کمال کے ساتھی)
"	فرقہ کیسانیہ اور اس کے چھ فرقوں کی تفصیل	"	۶۔ فرقہ مغیریہ : (مغیرہ بن سعید علی کی ٹولی)
۴۵	فرقہ زیدیہ کے نو فرقوں کے حالات	"	۷۔ فرقہ جناحیہ : (یہ لوگ تناسخ ارجاح کے قائل ہیں)
۴۶	فرقہ اسماعیل فریقے بھی شامل ہیں۔	"	۸۔ فرقہ بیانیہ : (بیان بن سمان ہمدی کا گروہ)
۵۲	(پہلا فائدہ) شیعہ علمین کے حالات	۴۲	۹۔ فرقہ منصورہ : (ابو منصور علی کا گروہ)
۵۵	(دوسرا فائدہ) شیعوں کی ریاست و حکومت کیلئے کوششیں	"	۱۰۔ فرقہ غلامیہ : (جس کو زبیر بھی کہتے ہیں)
		"	۱۱۔ فرقہ انویہ : (یہ حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ کی نبوت میں شریک مانتا ہے۔)
		"	۱۲۔ فرقہ تقوینیہ : (ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے دنیا کے امور حضور کو تفویض کر دیئے)
		"	۱۳۔ فرقہ خطابیہ : (ابو الخطاب محمد بن ربیع کا گروہ)
		"	۱۴۔ فرقہ معمریہ : (معمر کا گروہ جو امام جعفرؑ کی امامت کے قائل ہیں۔)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۸	دھوکہ دہا اہل سنت خود کو شارع جانتے ہیں	۹۰	{ تفسیر فائدہ اپنے مذہب کی طرف ترغیب دلانے کے طریقے
۸۹	{ دھوکہ دہا مذہب اٹھارہ مشری حق اور اہل سنت باطل پر ہیں۔	۹۱	دعوت مذہب کے اسباب
۹۱	{ دھوکہ دہا علامہ شیخ اپنی کتابوں میں ناحق اہل سنت پر عیب لگاتے ہیں	۹۲	عبداللہ ابن سبا یہودی کی فتنہ انگیزی
۹۰	{ دھوکہ دہا ۱۳ خلفائے ثلاثہ نے قرآن میں تحریف کر دی ہے۔	۹۰	باب ۱: شیعوں کا مکرو فریب سے اپنے مذہب میں لانے کے مختلف طریقے
۹۰	{ دھوکہ دہا ۱۴ عوام کو فریب دینے کے لئے حجت علیؑ کی جھوٹی حدیثیں لاتے ہیں۔	۹۱	{ (پہلی فصل) دھوکہ دینے کے قواعد کلیہ
۹۲	{ دھوکہ دہا ۱۵ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت معلّم کے بارہ خلیفہ مقرر کئے۔	۹۲	{ دعوت کے سات مرتبے
۹۳	{ دھوکہ دہا ۱۶ تفسیر کی آڑ میں جھوٹی حدیث وضع کرتے ہیں۔	۹۳	{ (دوسری فصل) روافض کے دھوکوں کی تفصیلی جزئیات
۹۴	{ دھوکہ دہا ۱۷ اہل سنت سے صحابہ کی مذمت میں جھوٹی حدیثیں وضع کرتے ہیں۔	۹۴	{ دھوکہ دہا اہل سنت خدا کو تارک الواجب مانتے ہیں۔
۹۵	{ دھوکہ دہا ۱۸ اپنے مذہب کے مطابق مرفوع احادیث وضع کرتے ہیں۔	۹۵	{ دھوکہ دہا ۲ اہل سنت خدا سے برائی کا صدور مانتے ہیں۔
۹۶	{ دھوکہ دہا ۱۹ سنی رجال کے ہم نام راویوں سے اہل سنت کو دھوکہ دیتے ہیں۔	۹۶	{ دھوکہ دہا ۳ اہل سنت اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم منسوب کرتے ہیں۔
۹۷	{ دھوکہ دہا ۲۰ قرآن کی من مانی تفسیر کرتے ہیں	۹۷	{ دھوکہ دہا ۴ اہل سنت کا عصمت انبیاء کی نسبت غلط عقیدہ ہے۔
۹۸	{ دھوکہ دہا ۲۱ اہل سنت کے بطلان میں خود کتاب لکھ کر سنی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔	۹۸	{ دھوکہ دہا ۵ اہل سنت انبیاء سے سہو مانتے ہیں۔
۹۹	{ دھوکہ دہا ۲۲ اہل سنت کے بطلان میں نادر کتب کا فرضی حوالہ دیتے ہیں۔	۹۹	{ دھوکہ دہا ۶ اہل سنت پیغمبروں سے کلمہ کفر جائز مانتے ہیں۔
۱۰۰	{ دھوکہ دہا ۲۳ اپنے بعض علماء کو دھوکہ دینے کے لئے متعصب سنی کہتے ہیں۔	۱۰۰	{ دھوکہ دہا ۷ پانچ چھ کے علاوہ تمام صحابہ اہل بیت سے بغض رکھتے تھے
۱۰۱	{ دھوکہ دہا ۲۴ اہل سنت اہل بیت کے دشمن ہیں۔	۱۰۱	{ دھوکہ دہا ۸ اہل سنت قرآن کی مخالفت کرتے ہیں۔
۱۰۲	{ دھوکہ دہا ۲۵ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فاطمہؓ کا گھر جلا دیا۔	۱۰۲	{ دھوکہ دہا ۹ اہل سنت حدیث کی مرید مخالفت کرتے ہیں۔

دھوکہ دہا ۲۶ شیعہ چونکہ اہل بیت کے تابع ہیں اس لئے وہ حق پر ہیں۔

دھوکہ دہا ۲۷ ایک حبشی لڑکی نے علماء سنی کو عاجز کر دیا۔

دھوکہ دہا ۲۸ شیعہ کوئی کتاب لکھ کر کسی عورت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

دھوکہ دہا ۲۹ کرفلاں شخص نے دونوں مذاہب میں سے شیعہ کو قبول کر لیا۔

دھوکہ دہا ۳۰ شیعہ لوگ سنی یا شافعی بن کر کتاب لکھتے ہیں۔

دھوکہ دہا ۳۱ بعض شیعہ سنیوں کے نام سے کتاب لکھ کر دھوکہ دیتے ہیں۔

دھوکہ دہا ۳۲ بعض شیعہ نے اہل سنت کی نقاب میں تحریف کر دی ہے۔

دھوکہ دہا ۳۳ نقل روایت میں عیانت کرتے ہیں

دھوکہ دہا ۳۴ خلفائے اربعہ کی اس طرح مدح لکھتے ہیں جو خلفائے ثلاثہ کی شان میں قدرج ثابت ہو۔

دھوکہ دہا ۳۵ اہل سنت کے ڈر سے اپنی بعض کتب کو منسوخ کر دیا ہے۔

دھوکہ دہا ۳۶ بعض شیعہ شکر کہہ کر بتاتے ہیں کہ یہ سنیرں کے ہیں۔

دھوکہ دہا ۳۷ شیعہ اپنے کلام کو کامیوں کے کلام سے ملا کر دھوکہ دیتے ہیں۔

دھوکہ دہا ۳۸ فضائل علیؑ میں جھوٹی حدیث وضع کی ہے۔

دھوکہ دہا ۳۹ یہ ہے کہ متفق علیہ کو لیں مختلف فیہ کو ترک کر دیں۔

دھوکہ دہا ۴۰ شیعہ کو اپنی نہایت کا یقین ہے اس لئے وہ جنتی ہیں۔

دھوکہ دہا ۱ اہل سنت غیر معصوم کی پیروی کرتے ہیں۔

دھوکہ دہا ۲ شیعوں کا الزام کہ صحابہ نے قرآن میں تحریف کی ہے۔

دھوکہ دہا ۳ یہ کہ پیغمبر شعیان علیؑ میں شامل ہونے کی دعا کرتے تھے۔

دھوکہ دہا ۴ حضرت علیؑ کو تمام انبیاء پر فضیلت دیتے ہیں۔

دھوکہ دہا ۵ خلفاء راشدین دوازہ صلوات پر شتم افضل عبادت ہے۔

دھوکہ دہا ۶ رسول اللہؐ پر وحی آئی کہ دعا کریں کہ ہم آپؐ کو حب علیؑ عطا کریں

دھوکہ دہا ۷ بعض شیعہ سنی بن کر دھوکا دیتے رہے۔

دھوکہ دہا ۸ بہت سے مشائخ اہل سنت شیعہ ہو گئے تھے۔

دھوکہ دہا ۹ کہ آنحضرتؐ نے کسی بزرگ شاعر کی خواب میں تعریف کی

دھوکہ دہا ۱۰ بعض شیعہ سنی بن کر اپنی جھوٹی احادیث گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔

دھوکہ دہا ۱۱ شیعہ سنی مؤرخ بن کر اپنی کتابوں میں جھوٹی روایات داخل کرتے ہیں۔

دھوکہ دہا ۱۲ شیعہ مؤرخین اہل سنت کی تواریخ میں اپنی اپنی روایات شامل کرتے ہیں

دھوکہ دہا ۱۳ شیعہ مؤرخین صحابہ کی خدمت بلا سند لکھتے ہیں۔

دھوکہ دہا ۱۴ بعض شیعہ اپنی کتب کلامیہ میں اہل سنت کی حدیث سے حجت قائم کرتے ہیں۔

۱۱۲

۱۱۳

۱۱۵

۱۱۶

۱۱۷

۱۱۸

۱۱۹

۱۲۰

۱۲۱

۱۲۲

۱۲۳

۱۲۴

۱۲۵

۱۲۶

۱۲۷

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۴	دھوکہ دہ ۶۶ قیامت کا ہول شیعوں کے علاوہ سب کو ہوگا۔	۱۳۵	دھوکہ دہ ۵۵ اپنا من گھڑت مضمون حضرت علیؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔
۱۳۶	دھوکہ دہ ۶۷ اہل سنت پر الزام کہ تمام شیعوں کے دل میں بغض ملی ہے۔	۱۳۶	دھوکہ دہ ۵۶ اپنی کتاب کو ائمہ طاہرین سے منسوب کر دیتے ہیں۔
"	دھوکہ دہ ۶۸ قیامت میں شیعوں کے تمام اعمال گرد ہو جائیں گے۔	۱۳۸	دھوکہ دہ ۵۷ کہ حضرت علیؑ و ماہیں خلفائے ثلاثہ پر لعن کرتے تھے۔
۱۳۸	دھوکہ دہ ۶۹ اہل سنت کی صحاح میں ہے کہ حضورؐ کو نماز میں سہو ہوا ہے۔	"	دھوکہ دہ ۵۸ فضائل علیؑ کے اشعار بیوردی یا نصرانی سے منسوب کر دیتے ہیں۔
"	دھوکہ دہ ۷۰ اہل سنت کی حدیث کہ لیلۃ القدر میں حضورؐ کی صبح کی نماز قضا ہوئی۔	۱۳۹	دھوکہ دہ ۵۹ فضائل اہلبیت علیؑ کے متعلق ایک حدیث کی غلط نسبت
۱۳۹	دھوکہ دہ ۷۱ اہل سنت خارجوں سے حدیث لیتے ہیں۔	۱۴۰	دھوکہ دہ ۶۰ شیعیان علیؑ سے قیامت میں حساب نہ ہوگا
۱۴۰	دھوکہ دہ ۷۲ اہل سنت شیطان کی طرح خاک کی ٹیکہ پر سجدہ نہیں کرتے۔	"	دھوکہ دہ ۶۱ شیعیان علیؑ پر قیامت میں انبیاء بھی رشک کریں گے۔
۱۴۲	دھوکہ دہ ۷۳ شیعوں سے مباہلہ کرنے والے ہلاک ہو گئے۔	۱۴۱	دھوکہ دہ ۶۲ انبیاء کرام شیعوں علیؑ ہونے کی آرزو کرتے رہے۔
"	دھوکہ دہ ۷۴ شیعوں کو آتشیں درزخ کچھ نہ کہے گی۔	"	دھوکہ دہ ۶۳ جبرائیلؑ پر حضرت علیؑ کا احسان و انعام
۱۴۳	دھوکہ دہ ۷۵ شیعہ خود کتاب لکھ کر کسی امام کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔	۱۴۲	دھوکہ دہ ۶۴ حضرت علیؑ نے ملائکہ کو تسبیح و مناجات کی تعلیم دی۔
۱۴۴	دھوکہ دہ ۷۶ مہاجرین اولین میں اہل باغ مشید تھے۔	"	دھوکہ دہ ۶۵ حضرت علیؑ نہ ہوتے تو انبیاء اور فرشتے بھی نہ ہوتے۔
"	دھوکہ دہ ۷۷ تاریخ طبری کے خلاصہ میں شیعوں نے اپنی روایات ملا دیں۔	"	دھوکہ دہ ۶۶ مذاب و ثواب کے فرشتے حضرت علیؑ کے تابع ہیں۔
"	دھوکہ دہ ۷۸ بعض ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن سے دھوکہ ہو کہ یہ اہل سنت کی ہیں	۱۴۳	دھوکہ دہ ۶۷ اہل سنت پر ایک حدیث کے سلسلہ میں الزام
"	دھوکہ دہ ۷۹ شیعوں نے بعض ائمہ پر الزام کا ارادہ کیا	"	دھوکہ دہ ۶۸ کہ اہل سنت مومن کی طرح منافق سے بھی حدیث لیتے ہیں۔

۱۸۷	دھوکہ ملا ۹۷ اہل سنت کے نزدیک حضرت ابراہیمؑ سے تین جھوٹ ثابت ہیں۔	۱۴۷	دھوکہ ملا حضرت ابوبکرؓ کو اپنی خلافت میں شک تھا۔
۱۸۸	دھوکہ ملا ۹۸ اہل سنت کی روایت سے حضرت عمرؓ کی انبیاء پر فضیلت ثابت ہوئی۔	۱۴۸	دھوکہ ملا ۹۸ حضرت علیؓ کے فضائل ہی ایسے تھے کہ لوگ اُن کی الوہیت کے قائل ہوئے۔
۱۹۱	دھوکہ ملا ۱۰۱ سنیوں کی روایت سے بلالؓ کی آنحضرتؐ پر فضیلت۔	۱۵۱	دھوکہ ملا سنی ائمہ اور بزرگ تو مذہب اختیار کرتے ہیں اہل بیت کا نہیں۔
۱۹۳	دھوکہ ملا ۱۰۲ سنیوں کی روایت سے حضرت عمرؓ کی فضیلت آنحضرتؐ پر۔	۱۵۲	دھوکہ ملا ۹۹ اہل سنت کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے کھڑے ہو کر پشاپ کیا۔
۱۹۴	دھوکہ ملا ۱۰۳ اہل سنت کے نزدیک کھال پر غار درست ہے۔	۱۵۵	دھوکہ ملا ۱۰۰ غلاب قبر صرف سنیوں کو ہوگا۔
۱۹۵	دھوکہ ملا ۱۰۴ اہل سنت شطرنج کو جائز سمجھتے ہیں۔	۱۵۶	دھوکہ ملا ۱۰۱ سنی اہل بیت کے دشمنوں کو دوست رکھتے ہیں۔
۱۹۶	دھوکہ ملا ۱۰۵ اہل سنت کے نزدیک گانا بجانا جائز ہے۔	۱۵۷	دھوکہ ملا ۱۰۲ اہل سنت امامت کے سلسلہ میں بزدل کو ترجیح دیتے ہیں۔
"	دھوکہ ملا ۱۰۶ اکثر شیعہ ائمہ کے پاس جاتے تاکہ ان سے روایتیں لی جائیں۔	"	دھوکہ ملا ۱۰۳ اہل سنت خدا کو محبوب جسم و مجبور مانتے ہیں۔
۱۹۹	دھوکہ ملا ۱۰۷ سب سے بڑا ان کا دھوکہ تفتیہ ہے۔	۱۵۸	دھوکہ ملا ۱۰۴ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نبی کے گھر گزریاں کھیلتی تھی۔
۱۹۹	باب ۳: شیعوں کے اسلاف کے حالات	۱۵۹	دھوکہ ملا ۱۰۵ اہل سنت کی روایت ہے کہ حضورؐ نے عائشہؓ کو تماشا دکھایا۔
۲۰۰	طبقة ۱ وہ لوگ جو عبداللہ بن سبا کے ساتھی ہیں۔	۱۶۰	دھوکہ ملا ۱۰۶ سنیوں کی روایت کہ حضرت موسیٰؑ نے عزرائیل کو عقیدہ مارا۔
"	طبقة ۲ حضرت علیؓ کے وہ ساتھی جو بظاہر غلط مگر منافق تھے۔	۱۶۱	دھوکہ ملا ۱۰۷ رسول اللہؐ کو اپنی نبوت میں شک تھا۔
۲۰۴	طبقة ۳ جنہوں نے حضرت حسنؑ سے بیعت کر کے بعد میں غداری کی	۱۸۵	
۲۰۸	طبقة ۴ وہ لوگ جنہوں نے حضرت حسینؑ کو کوفہ بلا کر اُن کو غدادی۔	۱۸۶	
"	طبقة ۵ وہ گروہ جس نے امام زین العابدینؑ سے انحراف کر کے مختار کو نبی مانا۔		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶۰	ہمیشگی میں تنہائی کے مخالف ہے۔ ۱۔	۲۰۸	{ طبقہ ملا جنہوں نے حضرت زید کو ناجیوں کے قبضہ میں چھوڑ دیا۔
۲۶۱	{ عقیدہ ملا اللہ تعالیٰ زندگی اور علم اور صفات کے ساتھ زندہ ہے شیعوں کے مخالف ہیں۔	۲۰۹	{ طبقہ ملا وہ اللہ کی شاگردی کے مدعی ہیں جبکہ ائمہ ان کو کافر کہتے ہیں۔
"	{ عقیدہ ملا اللہ تعالیٰ قدیم ہے مگر شیعوں اس کے بھی مخالف ہیں۔	۲۱۲	{ شیعی علماء اور ان کی کتابیں۔
۲۶۲	{ عقیدہ ملا اسماعیلی اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار کے مخالف ہیں۔	۲۲۸	{ (فائدہ) اشاعہ شریعت کی چار کتب جن کو وہ اسمع اکتب کہتے ہیں۔
"	{ عقیدہ ملا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن امامیہ اس کے مخالف ہیں۔	۲۳۰	باب: شیعوں کے اقسام حدیث اور اسناد
"	{ عقیدہ ملا اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کی پیدائش سے پہلے جانتا ہے شیعوں کے مخالف ہیں۔	۲۴۰	شیعوں کے مجہول راوی۔
۲۶۳	{ عقیدہ ملا موجودہ اصل قرآن کو شیعوں اصلی نہیں مانتے۔	۲۴۸	تتمہ باب: شیعوں کے بقیہ دلائل۔
"	{ عقیدہ ملا اسماعیلی اللہ تعالیٰ کے ارادہ قدیم کے مخالف ہیں۔	۲۴۹	مذہب شیعوں میں خبر موافق ناقابل اعتبار ہے۔
۲۶۸	{ عقیدہ ملا اللہ تعالیٰ جسم اور طول عرض سے ماوراء ہے شیعوں کے مخالف ہیں۔	۲۵۰	اجماع شیعوں کا حال۔
۲۶۹	{ عقیدہ ملا اللہ تعالیٰ لامرکان ہے شیعوں اس کے مخالف ہیں۔	۲۵۱	عقل شیعوں مذہب میں حجت نہیں۔
۲۸۳	{ عقیدہ ملا شیعوں غلام اللہ تعالیٰ کے حلول و مراتب کے قائل ہیں۔	"	فائدہ جلیلہ عقلی دلائل و براہین (دوسرا اہم فائدہ) قرآن پاک اور اہل بیت سے شیعوں کی مخالفت
۲۸۵	{ عقیدہ ملا اللہ امرض سے متصف نہیں شیعوں اس کے خلاف ہیں۔	۲۵۶	{ وہ معائب جو شیعوں اہل بیت پر لگاتے ہیں۔
"	{ عقیدہ ملا اللہ کی ذات کسی چیز میں چھپ نہیں سکتی شیعوں اس کے خلاف ہیں۔	۲۵۹	{ ذیلی فائدہ: وہ روایات جو شیعوں ائمہ سے لائے اور امام زادوں نے ان کی تکذیب کی
۲۸۶	{ عقیدہ ملا اللہ تعالیٰ کے لئے بڑا کی نسبت جائز نہیں شیعوں اس کے خلاف ہیں۔	۲۶۵	
		۲۶۹	باب: مسائل الہیات
		۲۶۹	{ عقیدہ ملا معرفت الہی میں شیعوں سنی اختلاف۔
		۲۷۰	{ عقیدہ ملا اسماعیلیہ فرقہ اس کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔
		"	{ عقیدہ ملا شیعوں کے مختلف فرقے اللہ کی وحدانیت کے خلاف ہیں۔
		"	{ عقیدہ ملا شیعوں کے بعض فرقے اللہ تعالیٰ کی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳۴	عقیدہ ۹ بعض شیعہ یہ کہتے ہیں علی بن ابی طالب خاتم النبیین ہیں۔	۲۹۲	عقیدہ ۱۵۔ اللہ تعالیٰ کسی کے کفر پر راضی نہیں۔ لیکن شیعہ مخالف ہیں۔
۳۳۶	عقیدہ ۱۰ اللہ کو پوشیدہ طور پر خاتم النبیین بتاتے ہیں	۲۹۷	عقیدہ ۱۶ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں لیکن شیعہ اس کے خلاف ہیں۔
۳۳۸	عقیدہ ۱۱ معراج کے متعلق عقائد	"	عقیدہ ۲۰ اللہ تعالیٰ ضرور شرکاء خالق ہے شیعہ اس کے خلاف ہیں۔
۳۴۰	عقیدہ ۱۲ نص قرآنی و حدیث کے ظاہر و غیر ظاہر پر محمول ہونا۔	۳۰۰	عقیدہ ۲۱ بندہ کو خدا سے مکانی یا جسمانی قرب ممکن نہیں۔ شیعہ مخالف ہیں۔
۳۴۱	عقیدہ ۱۳ حضرت علیؑ پر درجی آتی تھی	"	عقیدہ ۲۲ مومنین کو اللہ تعالیٰ کا دیار حاصل ہو گا۔ شیعہ اس کے مخالف ہیں۔
"	عقیدہ ۱۴ پیغمبر کے بعد شرعی احکام امام موقوف کر سکتا ہے۔		
۳۴۲	عقیدہ ۱۵ حکم شرعی کو امام منسوخ یا تبدیل کر سکتا ہے۔		باب: انبیاء پر ایمان اور ان کی نبوت
۳۴۳	باب: امامت کا بیان	۳۱۰	عقیدہ ۱۷ پیغمبروں کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔
۳۴۳	مسئلہ ۱ در اختلافی مسائل	۳۱۲	عقیدہ ۱۸ اللہ تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔
۳۵۲	مسئلہ ۲ امام کا ظاہر ہونا شرط ہے لیکن شیعہ انکاری ہیں۔	۳۲۳	عقیدہ ۱۹ انبیاء گناہ سے معصوم ہیں۔ شیعہ اس کے خلاف ہیں۔
۳۵۳	مسئلہ ۳ امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں لیکن شیعہ ضروری سمجھتے ہیں۔	۳۲۵	عقیدہ ۲۰ اللہ تعالیٰ دروغ و بہتان سے پاک ہے لیکن شیعہ اس کے خلاف ہیں۔
۳۵۶	مسئلہ ۴ یہ ضروری نہیں کہ تقریباً امام پر اللہ کا حکم صریح آئے لیکن شیعہ ضروری کہتے ہیں	"	عقیدہ ۲۱ انبیاء کے لئے نبوت پہلے یا بعد واجبات ایمان کا علم ضروری نہیں ہے
۳۵۷	مسئلہ ۵ امام کے لئے ضروری نہیں کہ اپنے ساتھیوں سے افضل ہو۔ لیکن شیعہ منکر ہیں۔	۳۲۷	عقیدہ ۲۲ پیغمبروں سے ایسے گناہوں کا صدور ہوتا ہے جن کا انجام ہلاکت ہے۔
"	مسئلہ ۶ امام بلا فضل صدیق اکبرؑ ہیں۔ شیعہ حضرت علیؑ کو کہتے ہیں۔	۳۲۹	عقیدہ ۲۳ حضرت آدمؑ آئمہ سے بعض رکھتے تھے۔
۳۹۳	بحث امامت بلا فضل کے سلسلے میں انکے دلائل کی اقسام	۳۳۳	عقیدہ ۲۴ بعض انبیاء نے رسالت قبول کرنے سے عذر کیا ہے۔
۳۹۵	امامت بلا فضل کے سلسلے میں قرآنی سے ان کے دلائل کاراستہ دلائل		

امامت بلا فصل کے سلسلہ میں اہل امامیت

- ۴۱۸ حدیث ۱۰ غدیر خم ہے جس کا بڑا چرچا ہے۔
- ۴۲۳ حدیث ۲۰ جس کا مفہوم یہ ہے تم میرے لئے
- ۴۲۶ { ایسے ہر جیسے ارکان کے لئے مولا
- حدیث ۱۱ اِن عَلَیَّ صَلَواتِی وَاَنَا مِیْنُ عَلَیَّ
- حدیث ۲۰ حضرت انس بن مالک کی حدیث
- ۴۲۶ ہے جو حدیث طبر کے نام سے مشہور ہے
- حدیث ۲۰ حضرت بابر کے ہے انا مدینۃ العلم والی باجہا
- حدیث ۲۰ عن ادادان یظہر الی آدم فی علیہ ۱۰
- حدیث ۲۰ عن ناصب مدینۃ اخلاص تم مولا کا
- حدیث ۲۰ کنت انا مدنی نوراً بین یدی اللہ ۱۰
- حدیث ۲۰ لا تعین المرایۃ غداً۔ رجلاً حبیب اللہ رسولہ ۱۰
- حدیث ۲۰ ارحم اللہ مدینۃ اللہم ادر الحق معہ حیث دار
- حدیث ۲۰ انک تقابل علی نادی القرآن ۱۰
- حدیث ۲۰ الی تارک فیکر الثقلین ۱۰

امامت بلا فصل کے متعلق شیعوں کے چھ عقلی دلائل

- ۴۲۵ پہلی دلیل۔ امام کے لئے معصوم ہونا ضروری
- ۴۲۶ { اور واجب ہے۔
- دوسری دلیل۔ امام وہ ہے جس نے کبھی کفر نہ کیا ہو۔
- ۴۲۸ تیسری دلیل۔ امام کی امامت نفس سے ثابت ہو۔
- چوتھی دلیل۔ حضرت علیؑ ہمیشہ خلفائے راشدین کے شاکی رہے۔
- ۴۵۲ پانچویں دلیل۔ حضرت علیؑ نے دعویٰ امامت کے
- ساتھ معجزات بھی دکھائے۔
- چھٹی دلیل۔ حضرت علیؑ کے متعلق
- ۴۵۶ کسی نے موجب لعن
- روایت نہیں کی ہے۔
- ۴۵۷ امامت کی بحث کا خاتمہ

باب ۸: متعلق آخرت (امور معاویہ میں کتا
و عمرت سے شیعہ مخالفت

- ۴۵۵ عقیدہ ۱ اکثر شیعہ فرتے اس کے قائل
- ۴۵۶ { ہیں کہ جسم کینے معاویہ نہیں اور
- ۴۵۶ { ادراج کا ٹھکانا بھی ضرور ہے۔
- عقیدہ ۲ شیعہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ پر
- ۴۵۶ { حشر و نشر مفلاً واجب ہے۔
- ۴۵۹ عقیدہ ۳ شیعوں کے اکثر فرتے عذاب
- ۴۵۹ { قبر کے منسک ہیں۔
- ۴۸۲ عقیدہ ۴ قیامت کے دن سوال جواب
- ۴۸۲ { سزا و جزا کے بھی منکر ہیں۔
- عقیدہ ۵ شیعوں کے اکثر فرتے تاریخ کے قائل ہیں۔
- ۴۸۵ { عقیدہ ۶ شیعوں قیامت سے پہلے اللہ کے
- ۴۸۵ { دنیا میں بولنے کے قائل ہیں۔
- عقیدہ ۷ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں
- ۴۸۶ { ان کو عذاب نہ ہو گا۔ چاہے گناہ
- ۴۸۶ { کبیرہ ہی کیوں نہ کیا ہو۔

باب ۹: احکام فقہیہ: جن میں شیعوں
نے ثقلین سے اختلاف کیا ہے

- ۴۹۲ صحابہ کی تکفیر کرنا۔
- ۴۹۲ حضرت عمرؓ پر لعنت کو ذکر پر فضیلت دینا۔
- ۴۹۳ نماز پنجگانہ کے بعد کبار صحابہ پر
- ۴۹۳ { لعنت کو واجب قرار دینا۔
- عید غدیر جو ۱۸ رذی الحجہ کو مناتے ہیں۔
- ۴۹۶ { ایک اور نئی عید یعنی قاتل عمرؓ کی عید
- ۴۹۶ { جو ۹ ربیع الاول کو مناتے ہیں۔
- ۴۹۶ { عجمیوں کی عید نوروز کی تعظیم کرنا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب : خلفاء ثلاثہ و کبار صحابہ پر مطاعن	۴۹۲	ظالم بادشاہوں کے لئے سجدہ کو جائز قرار دینا۔
	اور ان کے جواب	"	(۱) نبی پانی کو پاک قرار دیتے ہیں۔
۵۱۶	حضرت ابو بکر صدیقؓ پر مطاعن مع جواب	۴۹۵	(۲) شراب کو پاک قرار دینا۔
"	اعتراف صدیق اکبرؓ ممبر پر تھے تو حسینؓ نے کہا چارے نانا کے ممبر سے اتر جاؤ۔	"	(۳) مذی کو شیعہ پاک کہتے ہیں۔
۵۱۷	اعتراف ۱۲ حضرت خالدؓ نے بجا قتل کیا تو حضرت صدیق نے قصاص لیا۔	"	(۴) شیعہ کہتے ہیں کہ مذی نکلنے سے وضو نہیں ڈھتا۔
۵۲۰	اعتراف ۱۳ حضرت صدیقؓ نے لشکر اسلام میں تاخیر کی۔	۴۹۶	(۵) یہودی کو بھی پاک کہتے ہیں اور اس سے وضو بھی نہیں ڈھتا۔
۵۲۳	اعتراف ۱۴ آنحضرتؐ نے ابو بکرؓ کو کبھی دینی معاملات سپرد نہیں کئے۔	"	(۶) پاک ناپاک وضو غسل وغیرہ میں ان کا اختلاف
۵۲۶	اعتراف ۱۵ ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنایا	۴۹۷	نماز کے مسائل میں شیعوں کا اختلاف
"	اعتراف ۱۶ ابو بکرؓ پر ابو العباسؓ و اسامہؓ کو امیر بنایا۔	۴۹۹	میت پر زور و ماتم کرنے کا حائز کہتے ہیں۔
۵۲۷	اعتراف ۱۷ ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کی مخالفت کرتے ہوئے عمرؓ کو خلیفہ بنایا	۵۰۰	مسائل روزہ و عیادت
۵۲۸	اعتراف ۱۸ ابو بکرؓ کا قول ہے کہ میرے پیچھے ایک شیطان لگا ہوا ہے	"	زکوٰۃ کے مسائل میں اختلاف
۵۳۱	اعتراف ۱۹ ابو بکرؓ کی بیعت بغیر نور و خمر اچانک ہوئی۔	۵۰۱	مسائل حج میں شیعوں کا اختلاف
۵۳۲	اعتراف ۲۰ ابو بکرؓ نے کہا کہ علیؓ کے ہوتے میں بہتر نہیں۔	۵۰۲	مسائل جہاد میں اختلاف
۵۳۳	اعتراف ۲۱ ابو بکرؓ کو اپنا پیغمبر بنا کر پھر آنحضرتؐ نے منکر کر دیا۔	"	مسائل نکاح میں اختلاف
۵۳۷	اعتراف ۲۲ ابو بکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو درجہ نہیں دیا۔	۵۰۳	مسائل تہجد اور ذہن میں اختلاف
		"	مسائل قرض و غصب و امانت و عیادت کا اختلاف
		۵۰۴	اجارہ، ہبہ، صدقہ امد و وقف کے مسائل میں اختلاف
		۵۰۵	مسائل نکاح میں اختلاف
		"	مسائل متعہ، متعہ کو جائز کہتے ہیں۔
		۵۰۶	مسائل رضاع و طلاق میں اختلاف۔
		۵۱۰	مسائل عتاق و ظہار و لعان میں اختلاف۔
		۵۱۱	ایمان و تہذیب کے مسائل میں اختلاف۔
		۵۱۲	مسائل قعدا و عوی و شہادت میں اختلاف۔
		۵۱۳	مسائل صید و ذبائح و طعام میں اختلاف۔
		۵۱۴	فرائض و وصایا۔
		۵۱۵	حدود۔ رجم وغیرہ مسائل میں اختلاف

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۴۳	(مطالعہ عثمانیہ) مع جواب اعترافیہ عثمانیہ نے غلاموں کو امیر بنایا۔ اعترافیہ مروان کے باپ کو آنحضرتؐ نے مدینہ سے نکال دیا تھا لیکن عثمانؓ نے واپس بلا لیا۔	۵۴۶ ۵۴۶	اعترافیہ ۱۳ ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کی وصیت کے باوجود حضرت فاطمہؓ کو نکک دینے سے منع کر دیا۔ اعترافیہ ۱۴ ابو بکرؓ کو شرعی مسائل کا بھی علم نہ تھا
۵۹۸	اعترافیہ ۱۵ عثمانؓ نے اپنے اقرباء کو بہت مال سے نوازا۔ اعترافیہ ۱۶ عثمانؓ نے اپنے عہد میں صحابہؓ کو معزول کیا۔ (قائد جلیل) مطالعہ عثمانیہ اکثر اصول شیعہ کے بھی خلاف ہیں۔	۵۵۰ ۵۵۲ ۵۶۸	(مطالعہ عمر) مع جواب اعترافیہ ۱۷ حضرت عمرؓ کے والدین مع جوابات اعترافیہ ۱۸ عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کا مکان جلا دیا اور ایسی ضرب لگائی جس سے آپؐ کا حمل ضائع ہو گیا اعترافیہ ۱۹ عمرؓ نے آنحضرتؐ کے وصال کا انکار کیا اعترافیہ ۲۰ عمرؓ نے شرعی مسائل سے ناواقف تھے اعترافیہ ۲۱ عمرؓ نے سو کھڑوں کی جگہ سوشائے کھڑی مارنے کا حکم دیا اعترافیہ ۲۲ عمرؓ نے چار گواہوں کے باوجود مغیرہ بن شعبہؓ پر حد زنا کو ترک کر دیا۔
۶۰۵	اعترافیہ ۲۳ عثمانؓ نے عبد اللہ ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کا وظیفہ جو مقروض تھا وہ بند کر دیا۔ اعترافیہ ۲۴ عثمانؓ نے عبد اللہ بن عمرؓ سے قصاص نہ لیا۔	۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۵ ۵۴۶	اعترافیہ ۲۵ عمرؓ کو ہر کے مسئلے میں ایک عورت نے قائل کر دیا۔ اعترافیہ ۲۶ عمرؓ نے خمس میں سے اہلبیت کو حصہ نہ دیا۔ اعترافیہ ۲۷ عمرؓ نے بہت سی نئی نئی باتیں پیدا کیں۔
۶۱۹	اعترافیہ ۲۸ عثمانؓ نے اپنی بیعت کو جو مدینہ کی چراگاہ تھی فرق کیا۔ اعترافیہ ۲۹ عثمانؓ نے اپنے دوستوں کو جاگیریں دیں۔ اعترافیہ ۳۰ عثمانؓ کے قتل پر تمام صحابہؓ خوش تھے	۵۶۸ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۵ ۵۸۶	اعترافیہ ۳۱ عمرؓ نے دادا کی میراث میں ایک سو فیصلے نافذ کئے۔ اعترافیہ ۳۲ عمرؓ نے عورتوں سے مستحکم ممانعت کی۔
۶۲۳			
۶۲۴			
۶۲۵			

صفحہ	مضنون	صفحہ	مضنون
	سے کسی قریشی جوان کا شکار کروں گی (عام صحابہ کرام پر اعتراض) مع جواب		مطالعہ عن عائشہ صدیقہؓ
۶۴۲	اعتراض ۱۰ صحابہؓ نے دوسرے گناہ	۶۳۰	اعتراض ۱۰ عائشہؓ نے اللہ کے حکم کے خلاف دین سے مکہ و بصرہ گئیں۔
۶۴۳	اعتراض ۱۱ صحابہؓ نے خلیفہؓ کی آنحضرتؐ کو تنہا چھوڑ گئے۔	۶۳۱	اعتراض ۱۱ عائشہؓ نے خونِ عثمانؓ کے قصاص کے لئے سفر کیا۔
"	اعتراض ۱۲ اہل سنت کی صحاح میں یہ روایت ہے سیحانہ بحال تین امی فیہ خذیم ذات الشمال فان قول اصحابی۔	۶۳۲	اعتراض ۱۲ عائشہؓ نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی۔
۶۴۷	اعتراض ۱۳ آنحضرتؐ نے جب قریشی طلب کیا تو حیلے حوالے کئے۔	۶۳۳	اعتراض ۱۳ عائشہؓ کے لشکر کرنے بصرہ کے بیت المال کو لوٹ لیا۔
۶۴۸	اعتراض ۱۴ صحابہؓ نے آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل سے ہی چلے گئے۔	۶۳۴	اعتراض ۱۴ عائشہؓ نے آنحضرتؐ کا راز افشا کیا۔
۶۵۰	اعتراض ۱۵ میں تمہاری کمر بپا کر آگ سے کھینچتا ہوں اور تم گرتے ہی پلے جاتے ہو۔	۶۳۵	اعتراض ۱۵ عائشہؓ کا قول ہے کہ میں نے حضرت خدیجہؓ سے غیرت کھائی۔
۶۵۰	اعتراض ۱۶ آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ جب تم پر دم و فائز کے خزانے کھل جائیں گے تو حدودِ حرمی کر لگے۔	۶۳۸	اعتراض ۱۶ عائشہؓ کا قول ہے کہ میں نے علیؓ سے لڑائی کی کہ آرزو کرتی ہوں کہ میں بھولی بھری ہوتی۔
۶۵۱	اعتراض ۱۷ صحابہؓ نے آنحضرتؐ کے ارشاد کے برخلاف علیؓ اور غازیؓ کا لڑنا پر متفق ہو گئے تھے۔	۶۳۸	اعتراض ۱۷ عائشہؓ نے پیغمبر کے حجرہ میں اپنے والد اور ان کے دوست عمرؓ کو وہاں دفن کرایا۔
۶۵۹	اعتراض ۱۸ رسول اللہؐ نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت اگلی اُمتوں کی باتیں اختیار نہ کرے۔	۶۴۰	اعتراض ۱۸ آنحضرتؐ نے حجرہ عائشہؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فتنہ وہاں ہے۔
۶۶۰	اعتراض ۱۹ آنحضرتؐ نے عائشہؓ سے فرمایا کہ تیری قوم کا درد نہ ہوتا تو کعبہ کو بنا دیتا۔	۱۲۱	اعتراض ۱۹ عائشہؓ نے اپنی پالی ہوئی ایک روٹی کا شکار کر کے کہا کہ اس

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۱۴	ہفتہ سلسلہ موجودہ قرآن کو تحریف شدہ کہنا	۷۹۱	باب خصوصیات مذہب شیعہ
" "	ہفتہ سلسلہ واسطہ الارض سے عزت علیٰ مراد ہیں	۷۹۱	فصل شیعہوں کے ہمیں قسم کے اوہام
۷۱۵	ہفتہ سلسلہ عورتوں کی شرکاء ہوں کو حلال سمجھنا	۷۹۰	فصل شیعہوں کے ہمیں تعصبات کی تفصیل
۷۱۵	ہفتہ سلسلہ ۲ عورتوں سے منع کرنا بہترین عبادت ہے	۷۸۴	فصل شیعہوں کے تینیں ۲ ہفتوات کا ذکر
	(خاتمہ باب خلاصہ حساب)	" "	ہفتہ سلسلہ تقیہ کی حقیقت
۷۱۷	کے سلسلہ میں وہ بارہ آیات قرآنی جن سے مذہب اہل	۷۹۹	فائدہ عظمیٰ
۷۳۱	سنت کی حقانیت ثابت ہے۔	۷۹۵	ہفتہ سلسلہ شیخین منافق تھے
	باب ۱۲ - قولاً اور تیبرا (محبت و عداوت)	" "	ہفتہ سلسلہ شیخین اصحاب حقہ میں سے تھے
۷۳۲	مقدمہ سلسلہ اعلیٰ لعنت و عداوت میں فرق	۷۹۶	ہفتہ سلسلہ امام کا وجود محض لطف ہے
" "	مقدمہ سلسلہ محبت و عداوت کبھی جمع بھی ہو سکتے ہیں	" "	ہفتہ سلسلہ حضرت علیؑ نہیں فدائی اوصاف تھے
۷۳۴	مقدمہ سلسلہ عداوت مومنین ایمان میں خلل انداز نہیں	" "	ہفتہ سلسلہ اللہ نے تمام رسولوں کو حضرت علیؑ کی ولایت
۷۳۵	مقدمہ سلسلہ دینی عداوت کفر ہے اسلئے ہر کافر دشمن ہے		کے لئے بھیجا تھا
۷۳۶	مقدمہ سلسلہ مومنین و کافر کے ساتھ محبت و عداوت کے	۷۹۷	ہفتہ سلسلہ قرآن مجید کی تحریف کرتے ہیں
	مختلف دہے	۷۹۸	ہفتہ سلسلہ روز جزا کے حاکم و مالک آنحضرت مسلم و
	مقدمہ سلسلہ فریقین اس پر متفق ہیں کہ صحابہ کرام و ازواج مطہرات		حضرت علیؑ ہی ہو گئے
۷۳۹	سے کوئی بات ایسی نہیں ہوئی جو کفر کا باعث ہو۔	۷۹۹	ہفتہ سلسلہ حضرت علیؑ نے حضرت علیؑ کے قتل کی تیسری
۷۴۹	مقدمہ سلسلہ ایماندار اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو اس پر لعن	" "	ہفتہ سلسلہ لعنت طاعت کرنے کو ذکر اللہ سے افضل کہتے ہیں
	جائز نہیں	۸۰۰	ہفتہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کا کرنا کامیابی کو حکم
۷۵۱	مقدمہ سلسلہ بزرگوں میں اختلاف کوئی عیب نہیں ہے	۸۰۰	ہفتہ سلسلہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر مسرت تھے
۷۵۳	مقدمہ سلسلہ اکثر امور عجمیہ کے باعث طے شدہ اصولوں	" "	ہفتہ سلسلہ حضرت عمرؓ خطاب کے صلیٰ لہ کے نہ تھے
	سے غفلت طاری ہو جاتی ہے	۸۱۱	ہفتہ سلسلہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو ہر سال پھانسی دی جاتی ہے
۷۵۴	مقدمہ سلسلہ اگر خاص فضیلت نہ ہو تو فضیلت عام	۸۱۱	ہفتہ سلسلہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے
	کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔	۸۱۲	ہفتہ سلسلہ حضرت عائشہ صدیقہ سے بغض
۷۵۹	مصنف کا حرف آخر	۸۱۳	ہفتہ سلسلہ زمین کا چھتہ معصوم کے بدن سے چھوئے وہ
			کعبہ سے بہتر ہے۔
	فہرست ختم شد	۸۱۳	ہفتہ سلسلہ حقیقی صاحب امر ہمدی منتظر ہیں
		۸۱۴	ہفتہ سلسلہ خاص وقت کے علاوہ جہاد کو غلط سمجھنا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ دیباچہ مصنف

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصاً على سيد الومى صاحب قاب
قوسین اوادنى بدم الدجاشمس الضحى نور المهدى محمدنا المجتبى وعلى آله واصحابه
ذوى الدراجات العلى

حافظ غلام عظیم (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا تاریخی نام) بن شیخ قلیب الدین احمد (المقلب بشاہ ولی اللہ) بن شیخ ابوالفضل
(شاہ عبدالرحیم) دہلوی، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی مغفرت فرمائے اور صالح و نیک بندوں میں ان کا حشر فرمائے۔ فرماتے
ہیں کہ :-

یہ ایک کتاب ہے جو شیعوں کے حالات کی پوری وضاحت کرتی اور یہ بتاتی ہے کہ ان کے اصول کیا ہیں۔ ان
کے مذہب کی بنیاد کیا ہے؟ اور دوسروں کو اپنے مذہب کی دعوت دینے کا طریقہ کیا ہے! ان کے اسلاف کون تھے! ان
کی رفاہیوں اور امامدیت کے راوی کون اور کس حیثیت کے لوگ تھے!

ان باتوں کے علاوہ اس کتاب میں ان کے ان عقائد پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جو وہ الوہیت، نبوت، امامت،
اور معاد کے متعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ان مسائل کو فقیہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ جن کی اصل ملت حنفیہ سے معنی اور پوشیدہ ہے
اسی کے ساتھ وہ اقوال و افعال بھی زیر بحث لائے گئے ہیں جو یہ حضرات صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) از و ارج مطہرات اور
اہل بیت نبوی رحمۃ اللہ علیہم کے بارے میں کہتے ہیں۔

میں نے اس کتاب کا نام تحفہ اثنا عشریہ اس مناسبت سے رکھا ہے کہ بارہویں صدی ہجری کے اختتام پر یہ کتاب منظر
وجود پر جلوہ گر ہو رہی ہے۔

ان گذشتہ صدیوں میں شیعہ حضرات بالخصوص فرقہ امامیہ اثنا عشریہ، اہل سنت کے مقابلہ میں گفتگو اور مناظرہ بازی کے
دوران جو باتیں کہتے رہے ہیں مع اسباب و علل ان کا بیشتر حصہ اس کتاب میں درج کر دیا گیا ہے اور جو حصہ نظر انداز کر
دیا گیا ہے اس کا اندازہ درج شدہ حصہ سے واضح ہو جائے گا۔

اس کتاب کو فضیحة المؤمنین و فضیحة الشیاطین کا لقب دیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تالیف کی غرض اور ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ جس دور سے ہم گذر رہے اور جس زمانہ میں
ہم زندگی گزار رہے ہیں اس میں اثنا عشریہ کا غلبہ اور شہرہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ مشکل کوئی ایسا گھر ہو گا جس میں کوئی
نہ کوئی یہ مذہب اختیار نہ کر چکا ہو۔ یا اس سے متاثر نہ ہوا ہو۔ لیکن ان میں سے اکثریت چونکہ اپنے علم تاریخ اور مسائل
مذہب سے کوری ہے۔ اور اپنے اسلاف اور بزرگوں کے حالات سے یکسر بے خبر اور غافل ہے۔ اس لئے جب اہلسنت
کی مجلسوں میں گفتگو کی ذمیت آتی ہے تو وہ بے ربط و بے عمل اور لالچی ہوتی ہے۔

ان حالات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کتاب کو مرتب کیا گیا، تاکہ مناظرہ اور مذاکرہ کے وقت یہ لوگ باوجود انصاف سے نہ ہٹ جائیں اور بے علمی کے سبب اپنے ہی اصولوں سے انحراف نہ کرنے لگیں، اور امور واقعی و حقیقی میں شک و تردد کو جو گمراہی ہو۔

اس کتاب میں اس امر کی پابندی کی گئی ہے کہ شیعہ مذہب یا ان کے اصول اور ان الزامات کے بیان و حوالہ کے وقت جو ان سے منسوب کیے جائیں ان کی معتبر کتب کے حوالہ کے سوا کسی اور کتاب سے حوالہ نہ دیے جائیں اور قرین انصاف یہی ہے کہ شیعہ حضرات کی طرف سے اہل سنت و اہل علم پر جو الزامات عائد کیے جائیں وہ بھی اہل سنت کی روایات کے مطابق ہوں ورنہ انصاف نہیں ہو سکے گا اور فریقین میں سے ہر ایک باہم تعصب و عناد سے ایک دوسرے کو مستہم کرے گا۔ اور باہم بھروسہ و اعتماد کی صورت پیدا نہ ہوگی۔

اس کتاب میں جو تاریخی واقعات یا گزشتہ تقصیر و حکایات بیان کی گئی ہیں وہ بھی صرف وہی ہیں جن پر ہر دو فریق متفق ہیں۔ اور تفسیر قرآن مجید اگرچہ ہر دو فریق کی تقریباً یکساں ہیں تاہم حوالے صرف شیعہ تفسیر ہی سے دیے گئے ہیں تاکہ کسی کو اتہام لگانے کا گمان نہ ہو۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔

اس کتاب کے ناظرین اور سامعین سے التماس ہے کہ وہ مطالعہ کے وقت درج ذیل چند امور کو ملحوظ خاطر رکھیں۔
اول :- اہل بیت عظام، یا اصحاب و ازواج مطہرات خیر الانام، کی شان میں جو کچھ طعن و تشنیع یا انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نقائص سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز اس کتاب میں صراحتاً یا ضمناً درج ہوئی ہو اس سے معصفت کو بری الذمہ سمجھیں، کیونکہ وہ ہزار لاکھ بار ایسے نازیبا و ناشائستہ الفاظ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہے اور ایسی بے ادبی اور ہرزہ سرائی سے ہزار بار اپنی ہیزاری کا اظہار کرتا ہے لیکن چونکہ سابقہ ایسے فرقہ سے ہے کہ یہ باتیں اس کے اصول مذہب میں شامل ہیں اس لئے نقل کفر کفر نباشد کے مصداق، انہیں کی کہی ہوئی باتیں مجبوراً نقل کی گئی ہیں۔

دوم :- جہاں کہیں کلام کو مطلق چھوڑ کر، مذہب شیعہ کا بیان شروع کر دیا ہے یا جہاں اہلسنت کے مذاق کے مطابق کلام کو مستفید لاکر ان کی پیروی کی ہے تو ایسے موقعوں پر یہ خیال نہ کیا جائے کہ کلام مطلق ہمارے مذہب پر مبنی ہے۔ حاشا وکلا۔

سوم :- ہماری یہ کتاب اسی شخص کے لئے مفید ہو سکتی ہے جو اہل سنت و اہل جماعت اور شیعہ مذہب ہر دو کے اصول و فروعی احکامات پر پوری پوری مہارت و دسترس رکھتا ہو اور جو ایک مذہب کو بانٹتا ہو اور دوسرے کی داعی سی شدہ رکھتا ہو وہ اس کتاب سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔

ہاں جو شخص مذہب شیعہ پر تو عبور رکھتا ہو مگر مذہب اہل سنت سے چنداں واقف نہ ہو اس کے لئے بھی یہ کتاب نافع اور مفید ثابت ہوگی، البتہ جو شخص مذہب شیعہ سے تو لحاظ، واقف نہ ہو اور مذہب اہل سنت پر عبور رکھتا ہو تو اسے بھی چنداں فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کتاب میں گفتگو اور کلام کی بنیاد شیعہ اصول اور روایات پر رکھی گئی ہے۔
چہارم :- اس کتاب میں شیعوں کی معتبر کتابوں سے جتنے حوالے بھی دیئے گئے ہیں ان میں افتراء، کذب اور بہتان کا شائبہ بھی نہیں۔ اس لئے کہ سارے کے سارے حوالے شیعہ مذہب کی معتبر اور مشہور کتابوں کے ہیں۔ شک و شبہ

میں پڑ کر نادانی کے ارتکاب کے بہائے ہمارے حوالہ کا ان کی اصل کتابوں سے موازنہ کر لے۔ اور اس بات کا خوف نہ کرے کہ نقل و حوالہ کی صحت اگر ثابت ہو گئی تو اسے اس کی پیروی لازمی ہوگی۔

نتیجہ:- اپنے دل میں کسی تاویل کے احتمال کو جگہ نہ دے اور یہ نہ سوچے کہ گویہ سب کچھ شیعوں کی معتبر کتابوں میں ہے لیکن ممکن ہے ان کی کوئی ایسی تاویل کی جاسکتی ہو جس تک ہمارے ذہن کی رسائی نہ ہو پائی ہو۔ کیونکہ منافقہ کے وقت ایسی خیالی آرائی اور گوگو کی کیفیت مابری اور بیچارگی کی علامت ہے اور جہالت و نادانی پر دال ہے اور مزید گفتگو سے نااہلی کی شہادت!

اس کتاب کو ”بارہ اماموں“ کی تعداد کے مطابق بارہ بابوں پر مرتب کیا گیا ہے۔ پہلا باب:- اس بیان پر مشتمل ہے کہ شیعہ مذہب کس طرح وجود میں آیا۔ اور کب اور کس طرح مختلف فرقوں میں بٹا۔ دوسرا باب:- شیعوں کے مختلف فرقوں، دھوکے بازی اور قریب کاری کے بیان میں کہ وہ دوسروں کو کس طرح قریب دیتے اور گمراہ کرتے ہیں۔

تیسرا باب:- شیعوں کے اسلاف علماء اور کتابوں کے بیان میں۔
چوتھا باب:- ان کے اخبار و روایات اور راویوں کے ذکر میں۔
پانچواں باب:- اکیات میں۔

چھٹا باب:- انبیاء کرام علیہم السلام کے بیان میں۔
ساتواں باب:- امامت کے بیان میں۔
آٹھواں باب:- معاد کے بیان میں۔
نواں باب:- مسائل فقہیہ کے بیان میں۔

دسواں باب:- اس طعن و تشنیع کے بیان میں جو شیعہ، خلفاء راشدینؓ، ام المؤمنینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی شان میں کرتے ہیں۔

گیارہواں باب:- مذہب شیعہ کے غوامس کے ذکر میں۔ اور یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ فصل اول شیعہ اوہام میں؛ فصل دوم، شیعوں کے تعصبات اور فصل سوم، شیعوں کی بے اصل و بے بنیاد باتیں۔ بارہواں باب:- قول (حجت) اور تبرک کے بیان میں۔ یہ باب دس مقدمات پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ عز و شانہ وجل سلطانہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ ان بزرگوں کی ذوات عالیہ کی برکت سے اس رسالہ کو قبولیت سے سرفراز فرمائے گا۔
واللہ الہادی الی سبیل الرشاد والمہم ملحق والسداد۔

باب: شیعہ مذہب کی ابتدا - اور ان کا فرقوں میں بٹنا

واضح ہے کہ شیعہ مذہب ابتدائے وجود ہی سے رنگ برنگ شکلوں اور طرح طرح کے پیروں میں رونما ہوتا رہا ہے اور اگر یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے کہ شیعہ مذہب روحانی مذہب نہیں بلکہ ایک سیاسی مذہب ہے تو اس پر تلمذی اور طرح طرح کے پیروں کا جواز سمجھ میں آ جاتا ہے۔

غرض یہ ہر وقت ان کے رنگ اور نئے طرز سے دنیا کے سامنے آتا رہا۔ تا آنکہ عراق و خراسان میں صفوی سلاطین نے اس مذہب کے اصول و قواعد کو ضبط میں لانے کی صورت نکالی اور اس کے تحفظ و ترویج میں اپنے شاہی اثرات استعمال کیے۔ اور علماء و دقت نے بہت جلد جہد کے ساتھ اس کے اصول و فروع کی کاٹ چھانٹ کر کے ایک صورت دی۔ اور اس کو کتابوں میں مدون کیا۔ تب کہیں جا کر اس کی رنگارنگی اور تغیر و تبدل بند ہوا۔ اور ایک حالت پر قرار نصیب ہوا۔ مگر چونکہ تغیر و تبدل اس مذہب کی خصوصیت بن چکا ہے۔ اس لئے بانیان مذہب شیعہ وقت و زمانہ کے مطابق اپنا خاص مذہب تراشتے رہے۔ اور کسی ایک خاص طریقہ پر قرار نہیں لیا بھی وجہ ہے کہ اس مذہب کے اصول و ارکان میں بڑا اختلاف و اختلاف پیدا ہو۔

بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ گودہ فروع میں ایک دوسرے سے مختلف رہے مگر انہوں نے اصول کبھی نہ بدلے اور ارکان مذہب میں تبدیلی کو کبھی روا نہ رکھا۔ اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے دور میں یہود و نصاریٰ، مجوس و مشرکین کے دیار و امصار اللہ تعالیٰ کی عنایت سے صحابہ کرام و تابعین نظام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر فتح ہوئے اور کفار کو قتل و قید اور ذلت و ادبار سے سابقہ پیش آیا۔ غلامی کی ذلت برداشت کرنی پڑی اور جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ تو اس حالت سے نکلنے کے لیے اول دو خلفائے کرامؓ کے زمانہ میں انہوں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ میدان حرب و ضرب گرم کئے۔ مگر چونکہ نصرت الہی اسلام کی پشت پناہ تھی اس لئے بجز ذلت و خواری کچھ ہاتھ نہ آیا۔ تو انہوں نے کھلے کفر کو منافقت کا حلہ پہنانے کا فیصلہ کیا اور خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان میں سے بہت سے لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے، اور در پردہ فوراً اسلام کو بھجانے اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد اور بغض و عناد کو ہوا دینے کی تدبیروں میں لگ گئے، ناگاہ جب تقدیر الہی سے دور خلافت ختم ہونے لگا تو مصریوں کی ایک جماعت نے خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور ان کی اطاعت سے منکر ہو گئے۔ بنادیت کی آگ بھڑکانے میں یہ گروہ سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ اس گروہ کے دیگر افراد جو اطراف و اکناف خصوصاً کوفہ اور نواحی عراق میں پھیلے ہوئے تھے موقع غیبت جان کر مدینہ میں سمٹ آئے اور وہ سارے فتنہ انگیز پروگرام جو سالوں سے ترتیب دیے جا رہے تھے اور جن کو بدیدہ اسلام کے سبب زبان پر لانے کی جرأت نہ کر پا رہے تھے۔ علی الاعلان ان پر عمل شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور خاتم الخلفاء حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی خلافت قائم ہوئی۔ تو منافقوں کے اس گروہ نے اپنے آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخلص مجاہدین کے رنگ میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ اور اپنے آپ کو شیعیان علیؓ کہنے لگے۔ وہ اس

انقلاب پر بے حد خوش تھے! اب انہوں نے اپنے لئے حالات سازگار دیکھ کر اپنے پروگرام کو بڑے کار لانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔

اس گروہ کا سرغنہ عبداللہ بن سبا یعنی، صنعتی تھا جو اصلاً یہودی تھا! جو یہودی ہونے کے زمانہ میں اسلام و مسلمانوں کا کھلا دشمن تھا۔ دھوکے اور فریب کاری کا ماہر، حرب و ضرب کی چالوں سے خوب واقف، فتنہ انگیزی میں یکساں سیاسی چالوں سے آشنا، اس نے جب دیکھا کہ جو شورش خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت برپا ہو گئی تھی۔ اب ماند پڑتی جا رہی ہے اور جو فتنہ ان لوگوں نے کھڑا کر دیا تھا وہ اپنی موت آپ مرتا جا رہا ہے اور مسلمانوں میں انفراتق و انتشار کا جو منصوبہ ان کے پیش نظر تھا وہ ناکام ہوا چاہتا ہے۔ تو یہودی سیاست کو بڑے کار لا کر اس نے طریقہ وادات بدل دیا۔ اور اجتماعی ہنگامہ آرائی سے ہٹ کر افراد پر توجہ دینی شروع کی۔ اور ہر فتنہ پرداز کو نئے طریق سے فریب دینا شروع کیا اور ہر ایک کی استعداد کے مطابق اس کے دل میں گمراہی کی کاشت کرنے لگا۔

سب سے پہلے خاندان نبوی کے ساتھ خلوص و محبت کا حربہ اختیار کیا اور لوگوں کو اہل بیت کی محبت پر مضبوط و پختہ رہنے کی تلقین کرنے لگا۔ خلیفہ برحق کی جانبداری، دوسروں کے مقابلہ میں ان کو ترجیح، اور ان کے مخالفین کی باتوں پر کان نہ دھرنے کی پالیسی اختیار کرنے کو کہنے لگا، اور یہ باتیں ایسی تھیں کہ ہر خاص و عام کا مطیع نظر تھیں، اور کہیں سے بھی ان کی مخالفت متوقع نہیں تھی۔ اس لئے ان کی کافی پذیرائی ہوئی، اور لوگوں میں اس کا اعتماد بہت بڑھا۔ اور اس کو مسلمانوں کا غیر خواہ سمجھا جانے لگا۔ اس کے بعد اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے اقرب انسان ہیں۔ کیونکہ آپ رسول اللہ کے وصی، بھائی اور داماد ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق قرآن مجید میں جو آیات فضائل ہیں یا احادیث مروی ہیں وہ سب اور اسی کے ساتھ اپنی طرف سے احادیث گھڑ گھڑ کر لوگوں میں پھیلانی شروع کیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے شاگرد اور ماننے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انفعیلت پر ایمان لے آئے اور ان کے ذہنوں میں یہ بات جڑ پکڑ گئی کہ تو اپنے بہت ہی خاص لوگوں اور اپنے بھائیوں کو نہایت رازداری کے ساتھ بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بنیبر علیہ السلام کے وصی تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے الفاظ میں ان کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا اور یہ کہ آپ کی خلافت قرآن مجید کی اس آیت اِنَّمَا وَلِیْکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُکُمْ سے ظاہر ہوتی ہے۔

لیکن صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے مکر سے اور اقتدار کی خاطر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وصیت کو ضائع کر دیا اور خدا و رسول کی اطاعت نہیں کی۔ اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے حق کو تلف کر دیا۔ دنیا کے لالچ میں آکر دین بھی چھوڑ بیٹھے۔ اور باغ و فساد کے سلسلہ میں سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا اور خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے مابین شکر ربی ہو گئی۔ جو صلح وصفائی کے بعد ختم بھی ہو گئی تھی۔ اپنے قول کے ثبوت میں سند و دلیل کے طور پر بیان کیا۔ اور ان حراریوں کو یہ راز چھپانے کی از حد تاکید کی۔ اور یہ کہا، کہ اگر لوگوں سے اس مسئلہ پر تہاری بحث ہو جائے تو بطور حوالہ میرا نام ہرگز نہ لینا۔ بلکہ مجھ سے نفرت و بیزاری ظاہر کرنا۔ کیونکہ میں نام و نمود اور شہرت کا خواہاں نہیں۔ نہ جاہ و مرتبہ کی خواہش رکھتا ہوں۔ اس نصیحت سے میرا مقصد صرف ایک حق بات کہنا اور ایک واقعہ کو ظاہر کر دینا ہے۔ اس کی اس و سوسہ اندازی کا یہ نتیجہ نکلا کہ خود جناب علی کریم اللہ و جہد کی فوج میں ان باتوں کا تذکرہ اور غلط

پر طعن و دشنام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مناظرہ باؤی اور جھگڑوں کا آغاز ہو گیا۔ حتیٰ کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے برسر منبر خطبوں میں اس جماعت سے اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار فرمایا۔ بعض سرگرم لوگوں کو دھمکایا اور شرعی سزا کا خوف دیا۔ ابن سبائے دیکھا کہ تیر نشانہ پر بیٹھا اور شہد کی انگلی کام کر گئی۔ اور مسلمانوں کے عقیدہ میں نقشہ و فساد کا بیج باراد ہو گیا۔ مناظرہ بازی میں ایک دوسرے کی عزت و آبرو کا کوئی پاس نہیں رہا۔ تو اگلے قدم کے طور پر اپنے مخصوص ترین شاگردوں کی ایک اور جماعت منتخب کی اور راز داری کا ملت لینے کے بعد، پہلے بھید سے بھی زیادہ باریک اور نازک، راز، کائنات کیا۔ کہ جناب علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے چند ایسی باتوں کا ظہور ہوتا ہے جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں۔ مثلاً کرامتیں۔ ذاتوں کا بدل دینا۔ غیب کی خبریں سنانا۔ مرقوں کو زندہ کر دینا۔ اللہ کی ذات اور دنیا کے حقائق بیان کرنا۔ باریک اور گہری جانچ۔ حائر جوابی۔ الفاظ و عبارت میں فصاحت و بلاغت۔ زہد و پرہیزگاری۔ بلند و برجہ پادری اور وہ قوت و طاقت کہ دنیا والوں نے نہ دیکھی نہ سنی۔

تم جانتے ہو یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہے؟ اور اس کا راز کیا ہے؟ سب نے عاجزی کا اظہار کر کے کہا نہیں (استاد) ہم نہیں جانتے آپ فرمائیے۔ جب ان کے جذبہ شوق کو خوب بھڑکا چکا تو رازوں کو چھپانے کی تاکید مزید کر کے کہنے لگا کہ یہ سب کچھ خواص الودہیت ہیں، جو لباس بشریت میں جلوہ گر ہیں۔ غیر فانی لباس فنا میں خود کو نمودار کر رہے۔ فاعلموا ان علیا هو الاله دلا الہ الا هو یعنی جان لو کہ علی ہی معبود ہیں ان کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور اپنے قول کی شہادت و تائید میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وہ کلمات پیش کئے جو بحالت وجد و کیفیت جو کبھی اولیاء اللہ پر غالب طاری ہو جاتی ہے۔ آپ کے منہ سے نکلے تھے۔ مثلاً انا حی لاموت میں زندہ ہوں نہیں مروں گا۔ انا بعث من فی القبور قبروں سے مردوں کو میں اٹھاؤں گا۔ انا مقیم القیامۃ میں ہی قیامت برپا کروں گا۔

چنانچہ ہونٹوں نکلی کوٹھوں چڑھی، کے مصداق یہ ناز یا کلام بھی راز نہ رہا۔ اور لوگوں میں پھیلتا چلا گیا اور جناب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے صبح مبارک تک بھی پہنچا۔ آپ نے استاد شاگرد سب کو پکڑا۔ اور فرمایا تم نے ان خرافات سے توبہ نہ کی تو سب کو آگ میں جلا کر مار ڈالو گا۔ چنانچہ سب نے توبہ کی۔ اس کے بعد ابن سبا کو ملائین میں جلا وطن کر دیا گیا۔ مگر وہ وہاں بھی اپنی حرکتوں اور غلط و گمراہ عقائد کی تعلیم و اشاعت سے باز نہیں آیا۔ اپنے خاص گروں کو آذربائجان اور عراق کے علاقہ میں پھیلا دیا۔ اور ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ شام کی مہم اور کار خلافت کے سبب اتنے مصروف مشغول رہے کہ ابن سبا اور اس کے چیلوں کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ یہاں تک کہ اس ملعون کے پھیلائے ہوئے غلط عقائد نے لوگوں کے دلوں میں جڑ پکڑ لی، اور وہ خوب مشہور ہوئے۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ کے فوجی اس دوسرے کو قبول کرنے اور نہ کرنے کی بناء پر چار فرقوں میں بٹ گئے۔

(۱) پہلا فرقہ ان غلط فہم اور جاں نثار ساتھیوں کا ہے جو اہل سنت و الجماعت کے مقتدا و پیشوا ہیں یہ حضرات اصحاب کبار، ازواج مطہرات کی حق شناسی اور ظاہر و باطن کی پاسداری نیز جنگ و بیدل کے باوجود سینہ کو بے کینہ اور پاک صاف رکھنے میں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قدم بقدم رہے۔ ان کو ہی شیعیان اولیٰ، اور شیعیان غلط فہم کہتے

ہیں اور بعد ازاں آیت کریمہ اِنْ يَبَاهِجْ لَيْتَنَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا (البقرہ میرے خاص بندوں پر تیرا غلبہ نہ ہو سکے گا) یہ حضرت ہرچشیت سے اس دھوکہ باز شیطان کے شر سے محفوظ و مامون رہے۔ اور ان کے دامن پر اس شیطان کے گندے ہاتھ کا کوئی دھبہ نہ لگ سکا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود اپنے خطبوں میں ان لوگوں کی مدح فرمائی اور ان کے ردیہ کو سراہا۔ (۲) دوسرا فرقہ تفذیل شیعوں کا تھا۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہؓ سے افضل کہتے تھے ایہ ابن سبا کے ادنیٰ شاگردوں میں سے تھے کہ انہوں نے اس دوسرے کے ایک مختصر سے حصے کو تسلیم کیا۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی ڈانٹا ڈپٹا، اور فرمایا کہ اگر کسی کے بارے میں، میں نے یہ سنا کہ وہ مجھے جناب شیعین رضی اللہ عنہما پر نفیست دیتا ہے تو میں اُسے اُتراد کی شرعی عداوتی کوڑے ماروں گا۔

(۳) تیسرا فرقہ تہرانی شیعوں کا تھا ان کو شیعہ سنیہ بھی کہتے ہیں، یہ لوگ عقیدۂ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کو ظالم، غاصب، بلکہ کافرو منافق مانتے اور کہتے تھے۔ گویا یہ اس شیطان مجسم کے درمیانی درجہ کے شاگرد تھے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تنازعہ ان لوگوں کے مذہب کے لئے مؤید اور ان کے خیال کے لئے محرک بن گیا۔ اور چونکہ ان جھگڑوں کی بنا غلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی۔ اس لئے لامحالہ ان لوگوں نے ان کی شان میں بھی زبان طعن دراز کی، اور جب کہ غلیفہ سوم کی خلافت کی بناء یحییٰ رضی اللہ عنہا کی خلافت پر تھی اور حضرت بلال بن رباحؓ اسکے پیچال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بحیثیت ثالث بانی مبنی تھے اس لئے ان بد بختوں کے تیر طاقت کا یہ حضرات بھی نشانہ بنے۔ اور غلصین کے ذریعہ جب بھی اس دشنام و تبری کی اطلاع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سچ مبارک تک پہنچی۔ آپ خطبہ عام کے وقت ان لوگوں کو برا بھلا کہتے اور ان لوگوں سے اپنی کھلی بیزاری کا اظہار فرماتے۔

(۴) چوتھا فرقہ غالی شیعوں کا تھا۔ اور یہ ابن سبک کے خاص الخاص شاگردوں اور راز دار دوستوں کا گروہ تھا۔ اور یہی گروہ جناب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل تھا۔

پھر جب غلصین نے سختی کے ساتھ ان پر سخت الزامات مائد کئے اور کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں تو الوہیت کے آثار کے خلاف بشریت کے تقاضے موجود ہیں تو بعض لوگوں نے صریح الوہیت کے عقیدہ کو ترک کر دیا مگر یہ پھر بھی کہتے رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جسم فانی میں روح الہی حلول و سلطیت کئے ہوئے ہے۔

اور جس طرح قرآنی آیت وَتَفَخَّنَا فِیْہِ مِنْ شَوْجٰنَا۔ (کہ ہم نے ان میں اپنی روح پھونکی) سے دھوکہ کھا کر نساہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے مذہب کی صحت ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض کلمات کی لچر اور دراز کار تاویلات سے اپنے لچرو بیہودہ عقیدہ کی صحت کی کوشش کرتے رہے۔

تو یہ ہے شیعہ مذہب کے وجود میں آنے کی حقیقت اور اصل بنیاد، اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اواصل اہل تشیع کے بنیادی طوع پر تین فرقے بیک وقت وجود میں آئے اور ان تینوں کا موجد اور بانی یہی بد باطن، وفاق پیشہ یہودی تھا۔ جسے دنیا عبد اللہ بن سبا کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔ یہ ہر شخص کو اسی کے مذاق و صلاحیت کے مطابق اپنے جال میں پھانست اور سبز باغ دکھا کر اپنے قابو میں رکھتا تھا۔

غالی فرقہ کی کھی اور تہرانی فرقہ کی کثرت کی وجہ | فرقہ دارادہ تفریق و اختلاف کے بعد ایسے امور بکثرت رونما ہوئے

جو تبارائی عقیدہ کے لئے ہمیں ثابت ہوئے۔ مثلاً:-

اول انفا تا اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم سے جنگ جمل چھڑ گئی اور یہ چونکہ سب خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے قریبی متعلقین تھے اور خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص کے دعویدار! اس لئے لا محالہ تبارائی فرقہ کے لوگوں کے درمیان دونوں خلفاء کی طرف سے بغض و عناد نے جگہ بنائی۔ اور ان کے نزدیک شیعیت مرتضیٰ گویا صرف اسی بغض کا نام قرار پایا۔ اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے وہ اقوال جو شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح و تعریف میں صادر ہوئے تھے اور وہ دھمکیاں اور سختیاں جو آنحضرت ان بد زبان لوگوں کے خلاف عمل میں لاتے تھے۔ ان منب کو تقاضائے مصلحت اور اصول و لداری و ظاہر واری پر معمول کرتے، جو اکثر دنیا طلب سردار برتا کرتے ہیں۔

خلیفہ اول کے ساتھ بایںوں کا بغض و عناد ہی خلیفہ دوم کے ساتھ بغض کا سبب بنا اس لئے کہ خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ کی خلافت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تابع تھی اور ہر دو اصحاب کا رویہ اور طریقہ زندگی ایک تھا یہاں تک کہ گویا ہر دو حضرات نے سیرت اور طریقہ زندگی میں ایک دوسرے کی اتباع و اقتداء کو لازمی جان رکھا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حیثیت زور و شیر کی سی تھی۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو فدک سے باز رکھنے نیز دیگر تنازعات میں آپ خلیفہ اول کے جہیال اور شریک کار تھے۔

یہ واقعات و اسباب تبارائیوں کے ذہن و خیال پر اس بری طرح حاوی ہوئے کہ وہ تعلقات و نسبت خاص جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تھی مثلاً داماد ہونا۔ رشتہ دار ہونا دین و خلافت کے اہم معاملات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے طلب رائے اور شریک مشورہ بنانا، ان سب کو تقیہ پر اور جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کھردری اور بیچارگی پر معمول کرتے رہے۔

اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ اکثر برگزیدہ انصار و مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی طعن کا نشانہ بنایا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی طرح ان خلفاء رسول کی بھی اتباع کرتے، ان کی مدد اور پشت پناہی کرتے ان کے احکامات کی بجا آوری کو اپنے اور پر لازم اور فرض گردانتے تھے۔

دوم یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد جناب حسین رضی اللہ عنہما اور آپ کی اولاد مثلاً زید شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یا دیگر سادات حسینیہ ہمیشہ شام کے مرواتی نواصب (نار جیوں) اور عراق کے عباسی نواصب کے ساتھ برسرِ نزاع اور برسرِ پیکار رہے اور باہم کینہ پروری فروغ پاتی رہی۔ اس لئے ادھر تو بعض نواصب گمراہی کے انتہائی درجے تک پہنچ کر دسیاہی کی زندگی گذارتے اور حضرات مذکورہ کی شان گرامی میں بڑی بے ادبی کا مظاہرہ کرتے۔ شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو نیکی سے یاد کرتے۔ بلکہ مروانیوں نے تو خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف داری میں شرارت و گمراہی کا اندازہ اختیار کر رکھا تھا۔ تو دوسری طرف تبارائی فرقہ بھی ان نواصب کے مقابلہ میں "بغض معاویہ" کے مظاہرہ میں پیچھے نہ رہا اور مسلمانوں کے اسلاف ہر سہ خلفاء رضی اللہ عنہم کے متعلق ہرزہ سرائی و طیہ بنا لیا۔

چنانچہ دونوں نے اپنی اپنی طرف سے جی بھر کے داد بے حیائی دی۔

سوم یہ کہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام آئمہ اطہار رحمۃ اللہ علیہم ان بد نعت خارجیوں کی ظاہری

شرارت، بد ذاتی اور خباثت و بد طبیعت کے پیش نظر لگا ہے گا ہے کچھ کلمات لعن آمیز عام اوصاف کی آڑ میں ارشاد فرماتے رہے۔ مثلاً نواصب کا ظلم و غصب، اہل بیت کے ساتھ تعصب و بغض، سنت رسول کو بدل ڈالنا، بدعات اختراع کرنا اور خلاف شرع احکام گھڑ لینا وغیرہ

گو جناب مرتضیٰ اور ائمہ کا رٹے سخن نواصب کی طرف تھا، مگر حقیقت شناس حضرات سمجھتے تھے کہ بد خیال اور جلد باز گزردہ نے ان کلمات کو صحابہ کرام اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں استعمال کیا کیونکہ وہ اپنے لغو عقیدہ کی بناء پر ان ہی حضرات کو ان کلمات کا محل سمجھتے تھے۔ جب ان لوگوں سے کہا گیا کہ اگر جناب مرتضیٰ اور ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا رٹے سخن ان ہندگ اسلاف کی طرف تھا تو ان حضرات نے ان کے نام کیوں نہ لئے، تو اس کا ان کے پاس ایک ہی گھڑا گھڑایا جواب ہوتا تھا کہ مصلحت و وقت اور تعقیب اس کا سبب تھا۔

دعاۃ امیر کے تبرائی ایک سوچی سمجھی اسکیم کی وجہ سے جانتے بوجھتے صحابہ کرام ازواج مطہرات اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر لعن طعن کرتے تھے۔ تو بعد میں آنے والوں کے لئے ان کا یہ طرز عمل نص صریح بن گیا۔ اور اب لعن طعن شیعہ سیاست کی بجائے مذہب ہو گیا۔

حاصل کلام یہ کہ ان اور ان جیسے اسباب کی وجہ سے تبرائی فرقہ دوسرے تمام فرقوں سے قوت اور تعداد میں بڑھ گیا۔ کیونکہ پہلے پہلے ایسے واقعات رونما ہوتے چلے گئے جو ان کے عقیدہ کے مدد ثابت ہوئے۔

تبرائیوں کے مقابلہ میں غالی فرقہ کا حال روز بروز پتلا، قوت کم اور ذلت وادبار فزوں تر ہوتا رہا۔ اور یہ حال ہو گیا کہ عقیدہ کے کھلے بطلان اور ان وحشت انگیز کلمات کی کھلی برائی کے سبب ان کی بکواس پر اب کوئی کان دھڑ کو بھرتیا رہا تھا۔

اور اگر کوئی بطور فیشن "یہ عقیدہ اپنا بھی لیتا تو کبھی اپنی ہی قتل کی رہنمائی یا کتبہ ہرادی کے افراد کی نصیحت جلد اس عقیدہ سے ہٹا دیتی۔

اب رہے تشنیل، تودہ لآ فی المعیر ولا فی المنہیر۔ کی تصویر بن کر رہ گئے تھے، کہ نزا دھڑ کے رہے نہ اُدھڑ کے رہے۔ تبرائی ان کو نہ منہ لگاتے نہ اپنے میں شامل کرتے، اور کہتے کہ یہ اہل بیت کی محبت کا حق ادا نہیں کرتے جو تبرائیوں کے عقیدہ کے مطابق بعض صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کو گالی بک کر اور لعن طعن کر کے ادا ہوتا ہے۔ دوسرے طرف غلمعین ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ربیع کے خلاف چلتا دیکھ کر اور آپ کی دھکیروں کا مورد ہونے کو حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ہنوز تبرائی ان اہل سنت اور خادیموں میں فرقہ و تمیز نہیں کرتے۔ حالانکہ اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلمعین خاص ہیں خاندان نبوت پر دل و جان سے فدا ہیں۔ شام و عراق اور مغرب کے ناصیوں سے نہ صرف ملحق اور زبانی لڑائی لڑنے میں مشغول ہیں، بلکہ تلواروں کی لڑائی میں بھی دو بدر ہو چکے ہیں۔

اور احکام شریعت کی مدد اور مردانی بدعات کا قلع قمع بھی کر چکے ہیں۔ نواصب کو نہایت بد زبان سمجھتے ہیں۔ اور تعجب بالائے تعجب اس بات پر ہے کہ تبرائیوں کے علماء جو اپنے متعلق یہ غلط فہمی رکھتے ہیں کہ وہ اسلاف کے اخبار اور اہل علم کے اقوال سے باخبر ہیں وہ بھی نواصب کا لفظ شیعیانِ ادنیٰ پر بولتے ہیں۔

کسی دانا نے کیا خوب کہا ہے، کہ

”ہر بیماری کی ایک دوا ہے جس سے وہ جاتی رہتی ہے۔ مگر حاکمیت کہ وہ اپنے معالج کو عاجز کرتی ہے۔“
معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شیعہ لغت میں نواصب کا لفظ ہر اس شخص کے لئے ہے جو ان کے عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔ اس اصول کی بنا پر غالبی شیعہ، تبرائی شیعہ کو اور تبرائی، تفضیلی شیعہ کو اور تفضیلی شیعانِ ادلی (مخلصین) کو نواصب جانتے اور گردانتے ہیں۔

ان شیعانِ ادلی کی مالیت واقعی قابلِ رحم ہے کہ شیعوں کے تمام گمراہ فرقوں اور خارجوں دونوں کی لعنت و ملامت کا نشانہ بننے اور سب کے ساتھ مخالفت اختیار کی۔ گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وراثت میں مسکنیت اور غربت منگی ان ہی کے نصیب میں آئی۔ اور جنگِ ہمدان اور مجاہداتِ شامہ کے لئے ان کے صبیح وراثت بھی قرار پائے۔ درحقیقت یہ حدیث ان ہی کے حال پر ٹھیک منطبق ہوئی اور ان کے انجام کا پتہ دیتی ہے۔

إِنَّ الْمَدِينَةَ بَدَاءٌ عَزِيزِيًّا وَمَسِيحُوهُ خَيْرِيًّا فَطُوبَى لِلْعَسَاكِرِ وَالْمَدِينَةِ

انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب میں آگے چل کر یہ بات کھلے گی کہ شیعانِ ادلی میں مہاجرین و انصار کی اس جماعت کا شمار ہے جن میں سے اکثر سعادت مآب جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں باغیوں، اور قرآن میں تاویل کرنے والوں کے مقابلہ میں جنگ لڑ چکے تھے! ایسے ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کی وفات میں منکرینِ قرآن سے لڑائیوں میں شریک رہے تھے۔ اور ان میں سے بعض ایسے تھے جو انتہائی پرہیزگاری اور اعتدال سے کام لیتے ہوئے اور اہل کلمہ اور اہل قبلہ کے دل سے گریز کرتے ہوئے چند مذر پیش کر کے گوشہ نشینی اختیار کر چکے تھے اور جن کے سب مذر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبول فرماتے تھے اور باوجود اس گوشہ نشینی کے انہوں نے آپ کے منافع و فائدہ کو پھیلانے اور آپ کی محبت پر لوگوں کو ابھارنے اور آپ کی عزت و تعظیم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عمل سے اس آیت کی ترجمانی فرمائی :-

لَيْسَ عَلَى الْمُتَحْسِنِينَ وَ عَلَى الْمُزْنِ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجًا إِذَا انْعَمُوا عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ۔

مَاعَلَى الْمُتَحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ۔ (تجوید) ”نہیں ہے ان متحسینوں، مریضوں اور ان لوگوں پر جو خرچ کے لئے کوئی مال

نہیں رکھتے کوئی حرج، جب کہ وہ اللہ و رسول کے غیر خواہ ہوں اور نیکیوں پر کوئی الزام نہیں۔“

اور آگے چل کر قارئین کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ بیعت رضوان کے حاضرین میں سے تقریباً آٹھ سو حضرات نے جنگ صفین میں وادجاں شامی دی اور تین سو نے جامِ شہادت نوش کیا، ان کے علاوہ دوسرے صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم نے جو خدمات دین و خلافت کی انجام دیں نہ کسی زبان کو اس کے بیان کا یا اسے نہ کسی قلم کو یہ تاب کہ ان کو رقم کر سکے۔ لیکن چونکہ در خلافت ختم ہو چکا تھا اور قائم الخلفاء حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا جامِ حیات لبریز ہو چکا تھا اس لئے دنیاوی طور پر یہ قربانیاں بار آور نہ ہو سکیں بجز اس کے کہ وہ حضرات ثوابِ آخرت اور جنت میں درجات بلند کے حقدار ٹھہرے جو منجملہ دو بھلائیوں کے ایک بھلائی ہے۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد میں شیعیت کے جنم لینے اور چار فرقوں میں بٹ جانے کے بعد شیعہ مذہب میں اور بھی نئی نئی باتیں رونما ہوتی رہیں اس تغیر و تبدل اور فرقہ بازی کا راز یہ ہے کہ ہر انقلابی مؤید و

اس مذہب نے نیا چر لا بد لا۔ اور نئے دھب اور نئے مذہب کی شکل میں دنیا کے سامنے آیا اور اس قسم کے اکثر انقلابات اُس کلام کی شہادت کے موقع پر رونما ہوتے رہے۔

اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو: جب عراق کے بد بختوں نے یزید کی سیاست میں آکر بد بخت زیاد کے بعد کھٹے اور کسانے پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو کيسان نامی نے جو سبط اکبر حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے متبعین میں سے تھا اور آنجناب کی وفات کے بعد آپ کے بھائی محمد بن علی رحمہ اللہ علیہ کی جو محمد بن الحنفیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ صحبت اٹھا چکا تھا۔ بلکہ ان سے عجیب عجیب علوم کا استفادہ بھی کر چکا تھا۔ امام شہید رضی اللہ عنہ کے انتقام کا مدعی بن کر اٹھا۔ اور لوگوں کو بھی اس مہم میں شرکت کے لئے آمادہ کر لیا۔ چنانچہ حضرت شیعان اولیٰ میں سے مثلاً سیمان بن مرد عوامی اور رفاعہ وغیرہ اور کچھ لوگ تہرائی شیعوں میں سے اس کے ساتھ ہو گئے۔ اور ایک جتھہ بنا کر ابن زیاد اور اس کے ماموں الجحہ پڑے، مگر نتیجہ کشت خون کا ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس ناکامی کے بعد تہرائی فرقہ کے ایک شخص منار ثقفی کو اپنا لیڈر اور سردار بنایا۔ منار حکومت و سیاست، فن جنگ و جدال اور حرب و قتال میں ماہر تھا۔ اور سیاست زمانہ پر گہری نظر رکھتا اور مکرو فریب میں ابن سبا ہی کی طرح دسترس رکھتا تھا۔ منار کی سرداری کے ساتھ ساتھ ابراہیم بن ماکہ اشتر کو امیر الامراء مقرر کیا۔

ابن زیاد کے ساتھ منار کے کئی معرکے ہوئے، اور بالآخر ابن زیاد و منار کے ہاتھوں مارا گیا۔ منار نے اس کے بعد کيسان کا مذہب قبول کر لیا۔ کيسان ابتدا میں حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی امامت کا قائل نہیں تھا۔ بلکہ اس کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد، براہ راست جناب محمد بن الحنفیہ امامت کے مستحق اور حقدار تھے۔ اس کے نزدیک حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تو اہلیت امامت اس وہرے سے کھو چکے تھے کہ انہوں نے حضرت مدادیہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام سے صلہ کر لی تھی اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے چونکہ بڑے بھائی کی متابعت کی تھی گو بادل خواستہ تھی اس لئے وہ بھی اس کے عقیدہ کے معیار پر پورے نہیں تھے اور وہ بھی اہلیت امامت سے محروم ہو گئے تھے۔ لہذا مجبور ہو کر محمد بن علی رضی اللہ عنہ جنہا کو بھی اس نے ضرر تقویٰ کا خازن اور نواز امامت کا حامل قرار دے لیا تھا۔ اور ان کے متعلق بیان کرتا تھا کہ ان کو جناب امیر غصے و راشت میں کرامتیں اور عجیب و غریب علوم ملے ہیں۔

منار زمانہ سازی اور حالات کے مطابق اپنے آپ کو بدل کر فائدہ اٹھانے کا فن خوب جانتا تھا اور اسی حکمت و اقتدار کی جاٹ لگ گئی تھی۔ اس لئے بادل خواستہ کو ذکے عوام کو رام کرنے کے لئے کيسان کے عقیدہ کے خلاف حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی امامت کا انکار نہ کر سکا۔ کیونکہ کو ذکے عوام ان ہر دو حضرات کے انتہائی مطیع و فرمانبردار تھے لہذا اس نے اب یہ کہنا شروع کر دیا کہ امام شہید رضی اللہ عنہ کے بعد حق امامت محمد بن علیؑ کی طرف منتقل ہوا ہے۔ اور فراموش (خارجیوں) سے لڑنے اور امام شہیدؑ کا بدلہ لینے کے لئے ہیں انہیں نے مامور کیا ہے۔

اور اس سلسلہ میں جناب محمد بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جھوٹے اور جعلی مہر شدہ فراہم تیار کر کے لوگوں کو دکھانے لگا۔ اور کيسان کی اپنے ساتھ موافقت بطور شہادت پیش کرنے لگا۔ چنانچہ یہ جعل سازی اور پال بازی کامیاب رہی اور بہت سے لوگوں کو اپنے دام تروید میں پھنسا لیا۔ اور عراق کے شہروں دیار بکر، اہواز اور آذر بائیجان پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ تا آنکہ حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی

اور امام شہید رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ کیونکہ جناب سبکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ مختار کی بد اطواریاں دیکھ کر اس پر فوج کشی کی۔ اور اسے واصل جہنم کر کے خلقِ خدا کو اس کے جوہر تشدد سے رہائی دلائی۔

مختار نے اپنے ماننے والوں کے لئے مختاریہ کا لقب دیا تھا۔ جب کہ وہ پہلے کیسانیہ کہلاتے تھے۔ جب مختار کی برائیاں، بد عقیدگیاں اور ظلم و ستم زبان زد خلق ہوئیں اور ہر طرف سے لعنت پھیلنے لگی تو اس کے ماننے والوں نے مختاریہ کا لقب ترک کر کے سابقہ کیسانیہ ہی اختیار کر لیا۔

مختار دینی معاملات میں عدد و جبر بد عقیدہ تھا۔ آخر میں تو اس نے نبوت کا دعویٰ ہی کر دیا تھا اور کہتا تھا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور امراء، صوبہ داروں اور لشکریوں کی خبریں مجھے بتا جاتے ہیں۔

اُدھر جناب محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں مختار کے گندے اور یہود و عتاد و بد اطواریوں پر لعنت بھیجتے تھے اور اس کے کړ قوڑوں سے اظہارِ بیزاری فرماتے تھے۔

مختار ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے رسمِ ماتم عاشورہ اور نوحہ گری کی بنیاد ڈالی، اور وہ یہ سیاست گری اور سارا کھیل اس لئے کھیلتا تھا تاکہ اہلِ کوفہ کو بھڑکا کر اہلِ شام کے ساتھ جدال و قتال پر کھڑا کرے اور اس کی آڑ میں زمامِ سلطنت و اقتدار پر اپنا قبضہ مضبوط رکھے۔ اس کو امام حسین رضی اللہ عنہ سے کیا واسطہ تھا وہ تو خود پیغمبر بن بیٹھا تھا اور اس کے پیرو علی الاعلان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر سب و شتم کرتے تھے۔

جب جناب محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو گئی تو کیسانیہ انتخابِ امام میں ناہم مختلف ہو گئے۔ کہ اب امامت کس کی طرف منتقل ہوئی۔ ابو کرب جواس فرقہ کے سرداروں میں سے تھا یہ کہنے لگا کہ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ غاتم الامر ہیں۔ وہ فرت نہیں ہوئے بلکہ دشمنوں کے خوف سے روپوش ہو گئے کچھ عرصہ بعد ظہور فرمائیں گے۔ اور مطلب اس سے یہ تھا کہ لوگ کسی دوسرے کے پیرو اور گردیدہ ہو جائیں، بدستور سابق میرے ہی مطیع و فرمانبردار بنے رہیں۔

اس کے برخلاف ایک دوسرے سردار اسحاق نامی نے رسل و رسائل کے ذریعہ حضرت ابو ہاشم بن محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا رشتہ جوڑا اور کہنے لگا کہ اب وہ امام ہیں اور انہوں نے مجھے نائب و نمائندہ مقرر کیا ہے۔ ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اسحاق فرقہ ان کی اولاد میں امامت منتقل ہونے کا قائل ہوا۔

ادھر ابنِ حرب جو اسحاقیہ فرقہ کا سردار تھا خود امامت کا دعویٰ کرتے لگا۔

ایک اور جماعت جو عبد اللہ بن جعفر کے چیلے چانٹوں پر مشتمل اور پہلے اسحاقیہ میں شامل تھی حضرت ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر کی امامت کی قائل ہو گئی اور کوفہ کے شیعوں کی بڑی اکثریت ان کے تابع ہو گئی۔

کیسانہ ہی کی ایک جماعت نے یہ کہا کہ حضرت ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد امامت اولادِ ابوطالب سے منتقل ہو کر اولادِ عباس رضی اللہ عنہ کو ملی۔ چنانچہ انہوں نے علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کو امام مانا اور ان کے بعد ان کی اولاد میں امامت کا سلسلہ چلایا تا آنکہ منصور و والفق عباسی کا زمانہ آیا تو یہ سلسلہ بھی سوہم سا ہوا۔

اس سلسلہ میں عجیب تر بات یہ ہے کہ یہ لوگ جن کو اپنے خیال میں امامت کا درجہ دیتے تھے اور ان کی امامت کا ڈھنڈا پیٹتے پھرتے تھے وہ خود اس دعوے سے پورے طور پر بیزاری کا اظہار فرماتے اور اپنے آپ کو اس کھڑاک

سے بے تعلق ظاہر کرتے۔ اور یہ بے حیا لوگ، ان کے انکار اور ہیزی اور کنارہ کشی کو ان کے تقیہ اور دشمنوں کے خوف پر محمول کرتے، کیونکہ ہنوز مدینہ منورہ پر مردانیوں کا قبضہ و تسلط تھا۔

شیعہ مذہب میں تقیہ نے دراصل اسی زمانہ سے جڑ اور شہرت پکڑ لی!

اس زمانہ میں مذہب تشیع صرف دو فرقوں - کیسانہ اور مختاریہ میں بٹا ہوا تھا اور کوفہ کے شیعہ اسی مذہب کے پیرو تھے۔ غالی شیعہ اور تفصیل فرقے بہت کم اور ذلیل و حقیر ہو کر رہ گئے تھے۔ البتہ کیسانہ فرقہ میں زبردست پھوٹ تھی اور وہ خود کئی فرقوں پر تقسیم ہو چکا تھا۔

شیعہ مذہب میں تیسرا انقلاب یہ ہوا کہ جب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اس عالم غالی سے دار بعاد کو سدھارے، تو زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم نے جو زید شہید کے لقب سے مشہور ہیں۔ ہشام بن عبد الملک بن مردان علیہ وقت پر چڑھائی کر دی۔ جب آپ کوفہ و عراق کے گرد و نواح میں پہنچے تو شیعہ غلمین کی ایک جماعت آپ کے ساتھ ہو گئی۔ اس لئے کہ مردان کی اولاد، اپنے ماطوں کے ظلم و ستم کے سبب اور ان کو اس سے روکنے میں ناکام رہنے کے باعث ریاست کی ظاہری قابلیت اور دبہ سے بھی محروم ہو گئی تھی۔ حضرت زید شہید کے اپنے ساتھیوں، غلص شیعوں کے علاوہ تیس ہزار کی ایک جمیعت۔ تہراتی شیعوں کی بھی شامل ہو گئی جس کی اکثریت کیسانوں اور مختاریوں پر مشتمل تھی۔ یہ پورا لشکر یوسف بن عمر ثقفی سے قتال کرنے کے لئے روانہ ہوا جو اس وقت ہشام کی طرف سے امیر العراق تھے۔

جب حضرت زید شہید رحمہ اللہ علیہ نے تہراتیوں کا سب سے ختم اور تہری سنا تو بار بار ان کو ڈانٹا، دھمکایا، اور ان لوگوں کے سرداروں کو پابند کیا کہ وہ اپنے ماتحتوں کو اس لائق نفرت فعل سے باز رکھیں۔ جب بات زبانی کلامی مدد واد سب و شتم سے آگے بڑھ کر تلوار اور بھالے تک پہنچی۔ اور مہمان اہل بیت شیعوں کی علی آزمائش کی گھڑی آپہنچی تو سامے کے سارے تہراتی، آپ کی رفاقت سے منہ موڑ کر اور آپ کو دشمنوں کے حوالے کر کے گھروں میں جا گئے۔ اور مذہ یہ گھڑا کہ ہمکو معاہدہ پر تہرا بازی سے کیوں روکا۔ گویا تاریخ نے اپنے آپ کو بھر دیا اور کوفہ کے شتی لوگوں نے جناب امام حسین رضی اللہ عنہ سے غداری کا جو سلوک کیا تھا وہی سلوک ان کیسانوں اور مختاریوں نے جناب زید شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔ نتیجتاً جناب زید شہید ہو گئے، آپ کی شہادت کے بعد مذہب شیعہ میں ایک عجیب انقلاب آیا کہ وہ جماعت جو جناب زید شہید رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ رہ گئی تھی۔ اس نے اپنا لقب شیعہ رفاصل رکھا۔ وہ اس کے قائل تھے۔ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زید شہید ہی امام برحق تھے۔ اور شہادت جو ان کے باپ دادا کی میراث تھی۔ ان کو نصیب ہوئی۔ لاہ خدا میں اپنی جان پر کھیل گئے اور یہی امام کے شایان شان ہے کہ سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرے اور تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہو، کسی انسان کی رفاقت اور مفارقت کی اس کو پرواہ نہ ہو۔

اور ان لوگوں کو جو جناب زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر اپنے گھروں کو بھاگ گئے تھے۔ روافض کا لقب دیا۔ بلکہ خود جناب زید رحمۃ اللہ علیہ نے ان جھوٹے، بیونا اور غداروں کے حق میں فرمایا: نفقونا فہم الرافض یعنی انہوں نے ہم کو چھوڑا تو وہ روافض ہوئے۔

پھر جب حضرت زید کے یہ ساتھی اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو ان کے سامنے اپنے لئے امام منتخب کرنے کا سوال آیا۔ اس جماعت نے اپنے لئے امامیہ لقب چنا۔ ان میں سے کچھ جناب حسن ثنی بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہم

کی امامت کے قائل ہوئے۔ جب کہ اکثریت نے امام محمد باقر رحمہ اللہ علیہ کو اپنا امام تسلیم کیا۔ جو اس وقت اہل بیت میں سب سے افضل، عالم اور سب سے زیادہ پرمہیز گار اور عبارت گذار تھے۔ اور ان لوگوں نے کیسا تیر اور مختاریہ فرقوں کو اپنے مذہب کی دعوت دینا شروع کی۔ اس مذہب کے داعی جو اس گروہ کے سردار تھے یہ لوگ تھے۔ ہشام بن الحکم حول۔ ہشام بن سالم جوالیقی۔ شیطان الطاق شیشی اور زندار بن امین کوئی۔

امام باقر رحمہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اس گروہ میں پھر اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا کہ وہ زندہ ہیں مرنے نہیں۔ اور ایک جماعت ان کی موت کی قائل ہوئی اور آپ کے صاحبزادے حضرت زکریا رحمہ اللہ علیہ کو اپنا امام مانا یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ وہ زندہ ہیں مریں گے نہیں۔

کچھ لوگوں نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ علیہ کو امام مانا۔ یہ گروہ تعداد میں بڑھ گیا کیونکہ بہت سے لوگ ان کے جہانل جو گئے۔ انہوں نے امامیہ کا لقب اپنے لئے مخصوص قرار دے لیا۔ اور حضرت زید شہید رحمہ اللہ علیہ کو امام ماننے والوں کو زید کے نام سے موسوم کیا گیا۔

پھر امامیہ فرقہ میں سرداروں کی بھرمار کے سبب مذہبی نزاع رونما ہوا۔ ہر رئیس اور سردار نے اپنی خواہش کے مطابق نیا مذہب تراشا اور اپنا گروہ علیحدہ بنایا، اس لئے لامحالہ سرداروں کے ناموں پر ہاشمیہ۔ سامیہ۔ شیطانیہ۔ ہشیمیہ اور زندار یہ فرقے ان میں پیدا ہوئے۔

شیعوں کی مذہبی تاریخ میں یہ چوتھا بڑا اور ہولناک انقلاب تھا جو حضرت جعفر صادق کی وفات پر رونما ہوا۔ کچھ نے یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ جناب صادقؑ زندہ ہی، غائب ہو گئے ہیں، پھر ظاہر ہوں گے۔ ایک فرقہ آپ کی موت کا قائل ہوا۔ اور اس نے آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے جناب کاظم موسیٰ بن جعفر رحمہ اللہ علیہ کی امامت کو تسلیم کیا۔ ایک دوسرے گروہ نے جناب اسماعیل بن جعفر رحمہ اللہ علیہ کو امام ٹھہرایا۔

پھر ان اسمعیلیوں میں بھی تفرقہ پڑا۔ بعضوں نے کہا کہ اسماعیلؑ آخری امام ہیں ان کے بعد کوئی امام نہیں اور ان کے متعلق صحیح الامور کا عقیدہ قائم کر لیا۔ اور بعض دوسرے ان کی موت اور ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ علیہ کی امامت کے قائل ہوئے۔

پھر ان میں بھی پھوٹ پڑ گئی، اس سبب سے کہ جناب اسماعیل بن جعفر رحمہ اللہ حضرت جعفرؑ کی حیات میں وفات پا گئے اور اپنے پیچھے اپنا بیٹا محمدؑ چھوڑا۔ وہ اپنے دادا کے ہمراہ بغداد گئے وہیں وفات پا کر مقابر قریش میں مدفون ہوئے۔ ان کا ایک غلام مبارک نامی تھا۔ جو خرش فریبی، نقش و نگار سازی اور دستکاری میں یکتاے روزگار تھا۔ عبداللہ بن میمون اقتراح اجوازی اس غلام سے آکر ملا۔ اور حضرت جعفر صادقؑ کی وفات کے بعد اس سے کہا کہ میں تیرے آثار رسولی حضرت محمدؑ کے شیعوں میں سے ہوں، غلام کے ساتھ کچھ عرصہ اٹھنے بیٹھنے اور بے تکلف ہونے کے بعد تنہائی میں اس سے کہا کہ مجھے تیرے آقا سے بعض ایسے اسرار اور بھید ملے ہیں کہ ان کی میرے سوا کسی کو انہوں نے سوا کسی نہیں کئے دی۔ پس مقطعات قرآنی کے متعلق فلسفیانہ انداز کی باتیں بتانی شروع کیں کچھ شعبہ سے سحر اور طلسمات بھی مبارک کو دکھائے اور سکھائے۔ اس کے متعلق محمد بن زکریا رازی نے کتاب الحمار بن میں کچھ ذکر کیا ہے۔ یہ عبداللہ بن میمون اقتراح محمد، بدعتیہ، زندیقی اور دین اسلام کا پکا دشمن تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اسلام میں فتنہ و فساد برپا کرے

لیکن کوئی مناسب موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اب مبارک کی دوستی میں اس کو اپنی ناپاک خواہش برلن کے موقعہ میسر آگیا تھا۔ خلاصہ کلام یہ کہ کچھ عرصہ کے بار بار کے بعد دونوں میں باہم کچھ عہد و پیمان ہوئے اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ مبارک تو کوثر چلا گیا اور وہاں اسماعیلی مذہب کا داعی بنکر اس کی دعوت دینے لگا اور اپنے فرقہ کا نام مبارک اور قرطیہ رکھا کیونکہ مبارک اس کا نام اور قرطیہ لقب تھا۔ ادھر عبداللہ بن میمون کو ہستان عراق پہنچا اور کوبستانیوں کو طلسمات و غیر خجالت کے زور پر اپنے جال میں پھانسا، وہ اپنے ہر قبیحہ کو ان الفاظ میں نفیصت کرتا اُسْتُخْرٰی حَبَلًا وَ ذٰی حَیْلًا وَ ذٰمًا حَبَلًا (اپنے سونے، اپنے سفر اور اپنے مذہب کو چھپا)، اس نے اپنے گروہ کو میمونیت کا لقب دیا۔

جب کوبستانیوں کی طرف سے اس کو پورا پورا اطمینان ہو گیا، اور اپنا بازو قوی بنا لیا تو غلبہ نامی ایک شخص کو اپنا نائب بنایا اور دعوت مذہب کی ہدایت کر کے اسکو خراسان، قم اور کاشان کی طرف روانہ کیا اور خود بعمرہ کا رخ کیا۔ اور وہاں کے لوگوں کو گمراہ کرنے اور بہکانے میں مشغول ہو گیا۔

غلبہ پہلے طبرستان گیا، اور وہاں کے شیعوں کو مذہب میمونیت کی دعوت دینے لگا۔ وہ کہتا تھا کہ اہل بیت کا مذہب یہی ہے اور اَخْلَی الْبَشَرِ اَدْوٰی بَصَافِیۃ (صاحب خانہ ہی گھر کی چیزوں کو اچھی طرح جانتا ہے)، اور مسلمانوں کی اکثریت نے اپنے اپنے الگ مذہب گھڑ لئے ہیں اسی وجہ سے وہ معاصب اور نکالیف کا شکار ہوئے اور لڑاؤ و طلیبات سے تہی دست!

وہاں سے اس نے نیشاپور کا رخ کیا۔ اور وہاں کے شیعوں کو بھی اسی آفت میں ڈالا۔ اور خود نیشاپور کے کسی گاؤں میں اقامت پذیر ہو گیا۔ اہل سنت کو جب اسکی فتنہ پھیلنے لگا تو وہ اس کے پیچھے پڑ گئے اور وہ چھپ کر بھاگ گیا۔ وہاں سے رے پہنچا اور وہاں بھی یہی فتنہ انگیزی شروع کر دی۔ غرض جب تک زندہ رہا۔ یہی کرتا رہا۔ جب مر گیا تو اس کے بیٹے احمد نے باپ کی جگہ لے لی۔ اور غیاث نامی ایک شخص کو اپنا نائب بنا کر عراق میں بھیجا۔ غیاث ادیب، شاعر، مکار اور غدار آدمی تھا۔

فرقہ باطنیہ کا بانی صہبائی اور اول معصنف یہی ہے۔ "مذہب باطنیہ کے اصول کے بیان میں" نامی کتاب اسی نے لکھی ہے۔ جسے دلہندہ اشعار اور امثال عرب سے مزین کیا۔ اور اپنی دلیل میں آیات و احادیث کے بہت حوالے دیتا ہے۔ وضو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر احکامات کو باطنی فرقہ کے مطابق بیان کر کے ثبوت میں لغت کے حوالے پیش کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ان سب امور سے شارع (علیہ السلام) کی یہی مراد ہے، عام لوگوں نے ان کے جو معانی و مطالب سمجھے ہیں سراسر غلط ہیں۔

غیاث کے فتنہ میں باطنی فرقہ نے بڑا زور پکڑا۔ اور عوام کو یہ نیا اور آسان طریقہ جس میں بے باکی اور پوری پوری آزادی ملتی تھی، بہت مغرب اور دلچسپ معلوم ہوا، یہی وجہ تھی کہ ہزاروں جاہل اور فاسق و فاجر اس کی اطاعت کے جال میں پھنس گئے۔ اور دور دراز کے شہروں سے سمت سمت کر اس کی طرف آنے لگے۔ یہ واقعہ سنہ ۳۸۷ھ کا ہے، جس کی طرف حدیث صحیح کے الفاظ ظہور الایات بعد المائتین، میں صاف اشارہ ملتا ہے کہ "دوسری صدی کے بعد نشانہوں کا ظہور ہو گا" اس وقت شیعہ مذہب کو یا کفر و فلسفہ کا سمجھ کر بن گیا تھا جس کی مثال بول و براز اور خون جیغ کے ملغوبے کی سی تھی۔

غیاث جب گمراہی کے بام عروج پر تھا اور اس کا ہر بار گمراہی، اور اس کی جادوگری کے ڈسکے بک رہے تھے اسے خبر ملی، کہ اہل سنت کے رؤساء و سلاطین سے مار ڈالنے کی فکر میں ہیں جان پیاری ہے قربھاگ جا۔ وہ یہ جھٹٹا کر خبر سنتے ہی بدحواسی کے عالم میں بھاگ اٹھا اور مرد شاہجہان میں جا پہنچا۔ اور ایک مدت تک خاموشی اور گمنامی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ لیکن اس خاموشی میں بھی وہ اپنے مشن سے غافل نہیں ہوا جو بھی اسے ملتا بہکانے سے باز نہ آتا ایک عرصہ کے بعد پھر سے جا پہنچا، مگر پھر خطرے کی بھینک پا کر دوبارہ بھاگ نکلا مگر راستہ ہی میں تھا کہ پیک اہل نے رشتہ حیات منقطع کر دیا۔

عبداللہ بن یحیون کو اس کی موت کا بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ آخر وہ اسی صدمہ میں سرگیا۔ اور بصرہ میں دفن ہوا۔ اس نے اپنے لڑکے احمد کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا جو فتنہ کی آگ بھڑکانے میں باپ سے بھی دو قدم آگے تھا۔ اور شرارت گمراہی میں باپ سے کسی طرح بھی کمتر نہ تھا۔

پہلے تو وہ بصرہ سے شام گیا مگر وہاں مروانیوں کے اخلاف اور ان کے تعصب کی وجہ سے اس کی دال نہیں مگی۔ اس کے بعد وہ مغرب گیا اور وہاں ایک جماعت کو بہکانے میں کامیاب رہا پھر شام ہوتا ہوا بصرہ آیا۔ جہاں اہل نے اسے بھی باپ کے پاس پہنچا دیا۔

اس کا جانشین اس کا بیٹا محمد ہوا۔ وہ پہلے مغرب گیا جہاں اس کی بڑی پذیرائی ہوئی اور بڑی عزت و قدر اور بڑا مرتبہ نصیب ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے یہ دعویٰ کر دیا کہ مہدی موعود میں ہی ہوں۔ اس دعویٰ پر غریب کا بھی بہت لوگ شکار ہوئے، غرض یہ بڑا فتنہ اور دوسرے مغربی شہروں پر چھا گیا۔ اپنے ماننے والوں کو اس نے مہدیہ کا لقب دیا۔ ایک مدت کے بعد مہدیہ میں بھی اندرونی اختلاف و افتراق پیدا ہو گیا اور یہ فرقہ بھی دو فرقوں میں بٹ گیا۔ اور اس کا سبب یہ ہوا کہ مستنصر جو محمد مہدی مذکور کی اولاد میں سے تھا۔ اور مصر و دیار مغرب کا بادشاہ تھا اس نے پہلے تو اپنے بعد اپنے بھائی نزار کی امامت کا حکم دیا۔ مگر پھر اپنے بیٹے مستعلیٰ کی امامت کا بھی دوسرا حکم جاری کر دیا۔ لہذا ایک جماعت نے تو پہلے حکم کی تعمیل میں نزار کو امام مانا۔ اور حکم ثانی کو لغو قرار دیا کیونکہ حکم اول نفاذ پا چکا تھا۔ اور ایک دوسری جماعت نے حکم ثانی کو حکم اول کا نسخہ قرار دے کر مستعلیٰ کو امام برحق تسلیم کیا۔

پھر ۲۵۵ھ میں اسمعیلیہ فرقہ میں سے ایک شخص محمد بن علی برقی نامی ابوازیں امامت کے دعویٰ کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور خود کو علویہ کی طرف منسوب کیا۔ اگرچہ یہ خود علوی نہ تھا مگر اس کی ماں سے کسی علوی نے نکاح کر لیا تھا۔ اور اس نے اس علوی کے گھر میں پرورش پائی تھی اس لئے اس نے علوی کی طرف اپنی نسبت ظاہر کی۔ اور غزوستان بصرہ و ابوازیں پر اپنا اقتدار جالیا، اور بڑی غفلت کو گمراہ کر ڈالا۔ اس نے اپنے فرقہ کو برقیہ کا لقب دیا۔ معتقد عباسی خلیفہ نے اس کی سرکوبی کو لشکر بھیجا جس نے اسے شکست دے کر بھاگ دیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر اس نے شورش کی اور شکرست پائی مار دھاڑ کی یہ آنکھ مچولی پندرہ برس جاری رہی بالآخر شکست میں ایک بہت بڑی فوج اس کی سرکوبی کو بھیجی گئی، باوجودیکہ اس کے ہراہیوں نے جان کی بازی لگادی مگر شکست سے نہ بچ سکے ہر قید ہو کر بغداد گیا اور معتقد نے اسے سولی چڑھا دیا۔

۲۵۹ھ میں اسمعیلیہ فرقہ میں حکم بن ہشام نامی ایک اور شخص پیدا ہوا۔ اس نے اپنا لقب مقتب رکھا۔ یہ ایک فلسفی

اور سائنسدان شخص تھا۔ ہر صنعت میں ماہر و خصوصاً فنِ بلاغت علم شعبہ بازی، جید گری، فلسفہ، سحر اور غیر نجات۔ میں بہت دسترس رکھتا تھا، علوم فلسفہ سے خوب واقف تھا۔ اور عجیب و غریب باتیں اس سے سرزد ہوتی تھیں، اس نے شہرِ سنف میں ایک کنواں بنایا تھا۔ مغرب کے وقت اس کنویں سے ایک چاند نکلتا تھا جس کی روشنی سے پانچ فرسنگ تک کا علاقہ روشن رہتا تھا، رات بھر یہ چاند روشن رہتا تھا اور طلوع فجر سے پہلے فاش ہو جاتا تھا۔ مقنع چار خداؤں میں سے اپنے آپ کو چھ خدا کہتا تھا۔ شیعہ اس کی باتوں کی تصدیق کرتے جاتے اور اس طرح اس کی جہیت میں اضافہ ہوتا رہتا۔ یہ تعداد اتنی بڑھی کہ سلاطین، ماوراء النہد اس سے عاجز آ گئے، بالآخر غلیظہ بغداد امرائے خراسان اور ملوک ماوراء النہر نے اس کی سرکوبی کو اپنے اپنے بھاری لشکر بھیجے۔ اس نے بھی امکان بھر جم کر ان کا مقابلہ کیا۔ آخر جب ہر طرف شکست ہی شکست دکھائی دینے لگی تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک مضبوط قلعہ میں جرایسے ہی کسی خطرہ کے پیش نظر پہاڑ کی چوٹی پر بنایا تھا۔ پناہ گویں ہو گیا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر کے اس کی رسد بند کر دی۔ جب اسے موت سامنے نظر آنے لگی تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آگ کا بہت بڑا لاؤ روشن کرو۔

پھر ان سب کو زہر آمیز شراب پلا کر ختم کر دیا ان کی لاشوں کو آگ میں جلا کر ان کی راکھ ہوا میں اڑادی۔ سب کے بعد خود ایک ایسے ٹھکے میں بیٹھ گیا جس میں تیزاب فاروق بھرا ہوا تھا، اس تیزاب کی یہ خاصیت تھی کہ اس میں جو کچھ بھی ڈالا جائے پانی ہو کر رہ جاتے۔ چنانچہ وہ بھی پانی بن کر ختم ہو گیا۔ محاصرین کو اندازہ کچھ پتہ نہ تھا وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ اندر موجود ہے۔ اسی قلعہ کے کسی گوشہ میں ایک نوجوان عورت کسی مرض کے سبب بیہوش پڑی تھی۔ جب اُسے ہمیش آیا تو اس نے آگ کے الاؤ وغیرہ کے مناظر دیکھے۔ مگر وہ گشتہ سے نہیں ٹکلی اور جب سب کچھ ختم ہو گیا تو باہر نکل کر محاصرین کو بتایا کہ قلعہ خالی ہے

میرے سوا کوئی نہیں۔ یکسٹو کچھ فرجی برجن اور فضیلوں پر چڑھ کر قلعہ کے اندر آئے۔ قلعہ کے دروازے کھولے اور فرج اندر گھس آئی۔ خوب دیکھ بھال کی گئی، وہاں انسانی جسم کا نشان تک ان کو نہ ملا۔ آخر اس عورت نے جو کچھ دیکھا تھا ان کو بتایا تب پتہ چلا کہ وہ مرتے مرتے بھی اپنے پس ماندگان کے گمراہ ہونے کے لئے کیا چال بازی کر گیا۔ چنانچہ جب ان ساتھیوں کو جب پہلی شکست کے بعد ہی منتشر ہو کر ادھر ادھر دیہات وغیرہ میں چھپ گئے تھے یہ حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے اس واقعہ کو اس کے معبود ہونے کی جہی اور بچی دلیل سمجھ کر خوشی کا اظہار کیا کہ بے شک وہ خدا تھا جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ آسمان پر چلا گیا۔ اور بے کاش کہ ہم بھی اسی کے ساتھ چلے جاتے اور اس ترقی سے فائز المرام ہوتے۔

معتقد عباسی کے عہد میں اسی اٹلیلی فرقہ سے ایک شخص ابو سعید بن الحسن بن بہرام جاناں چیدا ہوا ابتداً بحرین میں ظاہر ہوا پھر رفتہ رفتہ ہجر، لما اور قطیف اور تمام بحرین کے شہروں پر قابو پا گیا۔ لوگوں کو باطنی مذہب کی تعلیم دیتا تھا۔ اپنے متبعین کو جاناہ کا لقب دیا۔ ان کا اصول زندگی سکھوں کے اصول سے ملتا جلتا تھا۔ ان کا پیشہ اور ذریعہ معاش دیہاتوں میں لوٹ مار اور مویشی چرانا، قافلوں پر ٹلکے مارنا اور مسلمانوں کو قتل کرنا تھا۔ بالآخر اسی کے ایک خدمتگار نے حام میں اس کو مار ڈالا۔ یہ واقعہ سننے میں پیش آیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا طاہر پاپ کا قائم مقام ہوا۔ اور کافی زور پکڑ گیا۔ سنہ ۱۷۰ میں حامیوں کو پہلے پہل اسی نے لوٹا۔ مذہب باطنی کو رائج کیا۔ جب غفاد اور ملوک کی مدافعت کو کشش سے اس کی شرکت اور وہد بہ کا زور ٹوٹا تو ایک دوسرا شخص ہمدان نامی قرامطہ میں سے نکلا، اور محمد بن اٹلیلی مذکورہ بالا

کی امامت کی طرف لوگوں کو دعوت دینے لگا۔ اور کہنے لگا کہ وہ نہ مرے ہیں نہ مریں گے، بلکہ وہ زندہ ہیں اور مہدی موعود وہی ہیں۔ وہ ظاہر ہوں گے اور دنیا کو بدل دینا صاف سے بھر دیں گے۔ اس نے اپنے ماننے والوں کو قرامطہ کا لقب دیا اور یہ لقب ان پر ایسا غالب ہوا کہ پھر کوئی مبارکیہ کو قرامطہ نہیں کہتا تھا بلکہ صرف اس کے تبعین ہی اس لقب سے پکارے جاتے تھے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لقب تمام مبارکیہ کا ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ اپنے موقع پر بیان کیا جائے گا۔

مدائن کے بعد ایک شخص ابن ابی السمرطیؒ کھڑا ہوا، یہ مدائن کا مخالف تھا۔ اور کہتا تھا کہ اسماعیل کے بعد امامت ان کے بھائی محمد کو ملی، پھر ان کے بھائی مزی کاظم رحمہ اللہ علیہ کو ان کے بھائی عبداللہ النبط بن حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ علیہ اور ان کے بعد ان کے بھائی اسحاق بن جعفرؒ امام ہیں۔

وہ محمد بن اسماعیل کی امامت کا معبر نہیں تھا البتہ ان کی حیات اور پھر ظاہر ہونے کو نہیں مانتا تھا اس نے اپنے گروہ کا نام شیطیہ رکھا۔ پس یسویہ، غلیہ، برقیہ، مقنیہ، جنابیر اور قرطبیہ سب کی سب باطنی فرقہ کی شاخیں ہیں۔ اصول و عقائد میں سب کے سب متفق ہیں۔ البتہ بعض فرقہ میں باہم مختلف ہیں، باطنی فرقہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ احکام کے باطن پر عمل کرنا فرض ہے ظاہر پر نہیں۔ اسی لئے ان کو باطنیہ کہا جاتا ہے۔ البتہ ان میں سے مقنیہ فرقہ کا اختلاف نیازی ہے۔ اس لئے کہ وہ مقنیہ کی رسمیت کے قائل ہو گئے تھے۔

ابلی تاریخ لکھتے ہیں کہ برقی، مقنی اور ذراسلی باہم خفیہ مراسلاتی روابط رکھتے ہیں اور سب کے سب اغراض و مقاصد میں متفق تھے۔ کیونکہ ایک واحد مقصد جس رنگ اور جس طریقہ سے بھی ممکن ہو مسلمانوں کو قتل کرنا، ان کے مذہب کو درہم برہم اور اہل اسلام کی بیخ کنی اور لوگوں کے مذہب سے برگشتہ کرنا تھا۔ ان میں اتحاد اہواز ہی وہ پہلا شخص ہے۔ جس نے باطنی مذہب ایجاد کیا اور برقی وہ پہلا آدمی ہے جس نے تقیہ ترک کر کے علی الاعلان اور براہ راست مذہب کا اظہار کیا۔ اس کے بعد اس کے بعد مقنی، اور جنابی پھر زید میں سے حسن اور اس کی اولاد اور مہدیہ کہ جس کے آغاز کا حال پہلے معلوم ہو چکا ہے یہ سب اگر ہم اصل عقیدہ کے لحاظ سے اکٹیل تھے، لیکن جب معمر ازرقہ کی ولایت ان کے ہمسائیہ میں آئی تو لوگوں کو خوش کرنے کی خاطر ظاہری احکام شریعت کی پابندی کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ یہ خود بھی ظاہری احکام شریعت کے نفاذ پر بہت زور دینے لگے مگر تنہائی میں اپنے خاص خاص لوگوں میں باطنی مذہب کی تلقین بھی کرتے رہتے تھے۔

مذکورہ بالا تعلیمات سے زید و سیدہ، لوگ درج ذیل نتائج تک ضرور سامان حاصل کر سکتے ہیں۔

اول۔ شیعہ مذہب کے وجود میں آنے کا باعث وہ اتفاق یا وطنی تھی۔ جو اس کے موجد مسلمانوں کے بارے میں رکھتے تھے، جیسے عبداللہ بن سبا اور اس کے بھائی، کہ وہ یہودیت کے سبب مسلمانوں سے زخم اٹھا کر اور ذلیل و خوار ہو کر، اپنے دلوں میں غار رکھتے تھے۔

دوسرے۔ حکومت و اقتدار کا دلچ۔ جو واقعہ خوار و کیسان سے ظاہر ہے۔

تیسرے۔ امام زادہ حضرت زیدؑ علیہ السلام کے ساتھ مخالفت، جو شاہین اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے ظاہر ہوئی۔ چوتھے۔ کفر والوں سے لگاؤ اور تکالیف شرعیہ سے گریز، جس خیال میں کہ عبداللہ بن میمون اقوام لگا ہوا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب کے اصولی صرف پانچ ہیں، کیونکہ ابتدائی فرقے بھی پانچ تھے، یعنی شیعہ اولی، خلاۃ، کیسانہ، زیدیہ، اور امامیہ شیخان اولی کے دو فرقے شمار ہوتے ہیں۔ پہلا فرقہ ان اہل سنت و اہل امت مخلصین کا

ہے جن میں ہاجیرین و انصار صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم شامل ہیں، جو ہمیشہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے رفیق اور ان کی خلافت کے مددگار رہے۔ ان کا مذہب یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ برحق ہیں اور ان کی اطاعت سب مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ کہ وہ اپنے زمانہ کے موجودین میں سب سے افضل ہیں۔ ان کی خلافت کی مخالفت کی مخالفت اور ان کو لائق خلافت نہ سمجھا وہ باغی و کفر اور خطا کار ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ و علم و تدبیر رضی اللہ عنہم کو ان کی خلافت کے بارے میں کوئی نزاع نہ تھا بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فاعلوں سے تمام لینے میں جلست امداس میں تاخیر کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف تھا۔ اور یہ اختلاف بھی دور ہونے والا اور باہم صلح و صفائی ہوا ہی چاہتی تھی کہ عبداللہ بن سبا اور اس جیسے لوگوں نے طرفین کے سرداروں کے مشورہ اور مرضی کے بغیر لڑائی چھیڑ دی، اور پھر جو کچھ نہ ہوا تھا ہوا۔

مطلوبہ تمام بزرگوں نے خصوصیت کے ساتھ خلافت کے معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لیاقت و قابلیت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ ان کو اہل عصر میں بہترین جانتے اور مانتے تھے ان کے حاسن اور خوبیوں کے نہ صرف معتبر تھے بلکہ علی الاعلان ان کو بیان بھی کرتے تھے۔

اور اس فرقہ کا یہ بھی مذہب تھا کہ جس طرح کلام اللہ اور کلام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر پر محمول کیا جاتا ہے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال اور کلام کو ظاہر پر محمول کرنا چاہیے نہ کہ تفسیر اور ظاہر داری پر۔ کیونکہ خلیفہ برحق پیغمبر کا نائب ہوتا ہے تو پیغمبر کے اقوال جس طرح ظاہر پر محمول ہوتے ہیں ایسے ہی خلیفہ کے کلمات کا بھی معاملہ ہے۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ بعض صحابہ کو خود پر فضیلت دینے کے بارے میں فرماتے یا ان اصحاب کے حاسن و خوبیوں بیان فرماتے ہیں جو آپ سے برسرِ بیکار تھے۔ ان سب پر بلا شک و شبہ یقین کرنا اور ان کو ماننا چاہیے کہ وہ حول اعتقاد یا عمل سنت مصطفیٰ علی صاحبہا الف الف تحنیتہ جو صحابہ کرام کی روایت سے ثابت ہے اس کو غائب مرنے والی رضی اللہ عنہ نے درست اور ٹھیک فرمایا ہے۔ اور تمام صحابہ کی درجہ بدرجہ درجہ توصیف فرمائی ہے، جسکی تفصیلات انشاء اللہ اس کتاب میں آگے آئے گی۔ اس فرقہ کے ان ہی خیالات و عقائد کی بنا پر ان کو اہل سنت و الجماعت کا لقب دیا گیا، کیونکہ یہ لوگ ان تمام اقوال و کلمات کو جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صحابہ کے حق میں فرمائے ظاہر پر محمول کیا اور سب صحابہ رضوان اللہ علیہم کے درجہ بدرجہ معتقد ہوئے۔ دوسرا فرقہ تفسیلیہ ہے، جو اگرچہ شیعیانِ اولیٰ میں تو داخل نہیں ہے لیکن ایک مسئلہ تفسیل کو چھوڑ کر باقی تمام مسائل و معاملات میں اہل سنت کے ساتھ متفق اور ان کا اعتقاد و عمل بھی صحابہ کرام سے مروی ہے اس لئے اختلاف و انتشار کو پیش

اور بات کو منکر کرنے کے محاورے و اصول کے مطابق ان کو بھی شیعیانِ اولیٰ میں شامل کئے جاتے ہیں، ان کا مذہب یہ ہے کہ صرف حضرت علی اور ان کی اولاد (رضی اللہ عنہم) ہی خلافت کی حقدار ہے، تاویذ و تکیہ وہ خود اپنی مرضی سے اپنا یہ حق دوسروں کو منتقل نہ کر دیں اس بنا پر چونکہ جناب عقیلی رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سب کا اتفاق ہو چکا تھا ان کی خلافت کو حق جانتے اور درست تسلیم کرتے ہیں، اور یہ حقداران جب خود دعویدار ہوں تو پھر کسی دوسرے کو اس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں۔ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل الناس مانتے ہیں۔ اور صحابہ کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں۔ اور ظلم، و غصب اور گمراہی کی نسبت ان کی طرف ہرگز نہیں کرتے۔ گویا یہ لوگ سوائے مسئلہ تفسیل کے کسی بھی مسئلہ میں شیعیانِ اولیٰ سے مخالفت نہیں رکھتے۔

اور فرقہ اسماعیلیہ کا مذہب اگرچہ امامیہ ہے، بالکل جدا ہے۔ انتشار کو کم کرنے کی غرض سے ان کو امامیہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ شیعیان ادنیٰ جس میں اہل سنت اور اہل تفسیل دونوں شامل ہیں، پہلے شیعہ ہی کہے جاتے تھے مگر جب سے خلاۃ (عالی، درافض، زیدیوں، اور اسماعیلیوں نے اپنے لئے شیعہ لقب اختیار کیا اور ان کے اعمال و عقائد کی تباہی اور مخرطہ ہونے لگے تو حق و باطل کے مل جانے کے خطرہ کے پیش نظر فرقہ شیعہ و تفسیلیہ نے اس لقب کو اپنے لئے ناپسند کر کے ترک کر دیا اور اس کی بجائے اہل سنت والجماعت کا لقب اختیار کیا۔ اسی سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ تاریخ کی قدیم کتابوں میں اساطین اہل سنت کے لئے حمیہ الفاظ فلاں من الشیعۃ و من شیعۃ مذکور ہیں۔ تو یہ الفاظ اپنی جگہ درست ہیں کیونکہ پہلے ایسے حضرات شیعیان ادنیٰ کا یہ لقب تھا۔ واقعہ کی تاریخ اور استیعاب ہیں اس قسم کے الفاظ بہت آتے ہیں لہذا اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ یہ حضرات مذکورین سرگز ایسے شیعہ نہ تھے۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور مددگاری کے سبب شیعیان علی (علی کے ساتھی) کہلاتے تھے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا خلاۃ کیسا نبیہ اور اسماعیلیہ فرقے ایسے ہیں کہ جن کو بجا اختلاف کا فرمایا جاسکتا ہے یا سر نہ ٹھیرایا جاسکتا ہے۔ باقی رہے زیدیہ و دروافض جو خود کو امامیہ کہتے ہیں ان کی تکفیر میں اختلاف ہے اس میں حق بات یہ ہے کہ ان کو باہم ایک دوسرے پر نفیلت ہے۔ اس کا بیان بھی انشاء اللہ آگے آئے گا۔

اور خلاۃ کیسا نبیہ، زیدیہ اور دروافض (امامیہ) بہت سے فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں جن کے ناموں اور مذہبوں کی تعداد کتب مل و دخل اور دوسری بڑی کتابوں میں ملتی ہے اس کا تذکرہ یہاں بے فائدہ ہے اس لئے کہ اصل کی پہچان کے بعد تابع کی پہچان خود بخود ہو جاتی ہے اور اصل کے فساد سے تابع کا فساد خود ہی عیاں ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم تاخری کتاب کی دلچسپی اور تفریح کے طور پر، اس تفصیل کا مختصر اجمال بیان کرتے ہیں۔

عالی شیعوں کے چوبیس فرقے

خلاۃ (عالی فرقہ) کے چوبیس فرقے ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

(۱) فرقہ سبائیہ۔ یہ پیرو فرقہ جبرائیل بن سبا کے شاگردوں، ساتھیوں اور پیغمبر عقیدہ لوگوں کا ہے۔ یہ کہتے تھے کہ حضرت علی معبود حقیقی ہیں وہ شیعہ نہیں ہونے بلکہ ابنِ علم نے ایک شیطان کو مارا ہے جو آپ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ (نور ہائے) بجلا شیطان لعین آپ کی پاک شکل میں کیسے منتقل ہو سکتا تھا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ابرہ میں پوٹھیرہ ہیں، اور یہ بجلی کا کرکڑا آپ کی آفتاب ہے اور بجلی آپ کا کرکڑا ہے۔ اسی لئے جب یہ لوگ ہادی کی گرجا سٹنٹے تھے تو کہتے ہیں الصلۃ والسلام علیک یا امیر المؤمنین ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپ ایک مدت کے بعد خود دل فرمائیں گے اور اپنے دشمنوں کو زبردست ہر کر ڈالیں گے۔ ان لوگوں کے کلمات باہم ایک دوسرے کا رد کرتے ہیں اور لا یلعین ہیں اس لئے کہ ابرہ کی سنت کو رکھ کر بجلی گرا کر جب ایک عالم کو مار سکتے ہیں تو اپنے دشمنوں کے بارے میں یہ ٹھیک کیوں اور یہ انتشار کس کا ہے۔

(۲) فرقہ مفسیلیہ۔ یہ فرقہ مفسیل میری نامی ایک شخص کے ساتھیوں کا ہے جب سبائی مذہب برائوں کا نشانہ اور لعنت و لعن

کا بدلتا قرآن لوگوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اور یوں کہنے لگے کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ سے وہی نسبت ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے تھی۔ بقول نصارے کہ لا ہوت ونا سوت دونوں نام مل کر ایک چیز ہو گئے ہیں۔

اس فرقہ کا مذہب یہ ہے کہ نبوت و رسالت کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا اور جس میں کسی کا اتحاد ذات لاہوت سے ہوا وہ نبی ہے اور جس نے، ہمنامی عالم اور گمراہوں کی ہدایت کو اپنا پیشہ بنا دیا وہی رسول ہے۔ اس لئے اس فرقہ میں نبوت و رسالت کے عقیدہ بہت گہرے ہیں۔

(۳) فرقہ میسرغیہ۔ یہ فرقہ میسرغ کے ساقیوں کا ہے۔ ان کا بھی وہی مذہب ہے جو مفسلیہ کا ہے فرقہ مروت اٹنا ہے کلان کے عقیدہ کے مطابق لاہوت کا حلول صرف پانچ ہستیوں میں ہوا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت جبرائیل، حضرت علیؓ حضرت جعفرؓ اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہم۔

(۴) فرقہ جیزغیہ۔ یہ گروہ جیزغ بن یونس کے ساقیوں کا۔ یہ فرقہ حضرت جعفرؓ کے لاد ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اپنی اصلی صورت میں نظر نہیں آتے تھے۔ بظاہر جس ہستی کو لوگ جعفرؓ کہتے تھے۔ وہ ان کی اصل شکل و صورت نہ تھی۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور اہم الٰہیت نہیں رکھتا۔ البتہ وحی کا نزول، معراج کا حصول اور عالم ملکوت کی سیر یہ باتیں تمام انہ کو حاصل ہوتی ہیں۔

(۵) فرقہ کا ملیہ۔ یہ کامل کے ساقیوں کی جماعت ہے۔ یہ لوگ مدحوں کے تنازع کے قائل ہیں، یعنی کہ روح ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہوتی رہتی ہے، یہ کہتے ہیں کہ روح الٰہی پہلے آدم علیہ السلام کے بدن میں آئی۔ پھر شیث علیہ السلام کے پھر اسی طرح سلسلہ مسلسل تمام انبیاء علیہم السلام دائرہ کے ابدان میں منتقل ہوتی رہی اسی طرح بنی آدم کی ارواح ایک دوسرے کے ابدان میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

یہ لوگ صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی اور شاہانہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی کافر کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنا جائز حق کیوں چھوڑا۔ اسی سے یہ بات معلوم ہوتی کہ ان کے نزدیک انتقال و حلول روح الٰہی کے لئے ایمان بھی شرط نہیں درہ حضرت علیؓ کی تکفیر ممکن نہیں تھی۔

(۶) فرقہ مغیریہ۔ یہ مغیرہ بن سعید علیؓ کی ٹوٹی ہے، یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نورانی شخص کی صورت میں ہے جس کے سر پہ تاج ہے اور اس کا دل حکمتوں کا سرچشمہ ہے۔

(۷) فرقہ جناحیہ۔ یہ لوگ بھی تنازع ارواح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ روح الٰہی حضرت آدم و شیث علیہما السلام اور تمام انبیاء کے ابدان سے منتقل ہوتی ہوئی پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک آئی، اور پھر جناب علی رضی اللہ عنہ و حسنین رضی اللہ عنہما اور محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ علیہ میں اور ان کے بعد عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر میں منتقل ہوئی یہ بات بھی اسی ترتیب سے مانتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک بدن انسانی میں روح الٰہی کے حلول ہی کا نام نبوت یا امامت ہے۔ یہ قیامت کے منکر ہیں اور حرام ہشیاد کو ملال کہتے ہیں۔

(۸) فرقہ بیانہ۔ یہ بیان بن سحمان ہمدی کا گروہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اسی شکل و صورت کے ساتھ مانتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن میں حلول کیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بدن میں پھر محمد بن الحنفیہ کے بدن میں پھر ابو ہاشم ابن محمد بن الحنفیہ کے بدن میں۔ اس کے بعد بیان بن سحمان

کے بدن میں۔ اور کہتے ہیں کہ لا موت، ناسوت کے ساتھ مل کر میان کے رُپ پہ میں ایسا سرایت کر گیا ہے جیسے کوئلے میں آگ اور مٹی میں گلاب۔

(۹) فرقہ حنفیہ دہلیہ۔ یہ ابو منصور غزالی کے ساتھیوں کا گروہ ہے۔ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسالت ختم نہیں ہوئی۔ عالم قدیم ہے احکام شریعت ملاؤں کی گھڑت ہے۔ جنت و دوزخ خیالی ہیں ان کو کوئی حقیقت نہیں۔ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کے بعد ابو منصور کو امام مانتے ہیں۔

(۱۰) فرقہ عثمانیہ۔ اس فرقہ کو زہر بھی کہتے ہیں۔ یہ اس بات کے معتقد ہیں کہ پروردگار عالم موسم بہار میں ابر کی شکل میں زمین پر نازل فرماتا ہے اور دنیا میں پکڑ لگا کر پھر آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔ اور یہ سب پھول پھولاری میوہ و غلہ اور باغ و بہار اس کا اثر ہے۔

(۱۱) فرقہ ارمویہ۔ یہ فرقہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نبوت و رسالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک و ہمہ انا ہے۔

(۱۲) فرقہ تفسویضیہ۔ اس فرقہ کے لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے امور دنیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سپرد کی اور چار سو بیسے ملے۔ اور جو کچھ دنیا میں آج کے لئے حلال کر دیا تھا۔

اس فرقہ کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ چار سو بیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کی گئی تھیں۔ اور بعض دوسرے اس کے قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کے سپرد کیا تھا۔

(۱۳) فرقہ خطابیہ۔ یہ فرقہ ابو الخطاب محمد بن ریب الاصفہانی کے ساتھیوں پر مشتمل ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ تمام ائمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، اور حضرت علی اور جعفر و دونوں کو اللہ مانتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بڑا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو چھوٹا۔

اور ابو الخطاب کو پیغمبر ماننے کے بعد ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ گذشتہ تمام انبیاء کرام علیہ السلام نے نبوت ابو الخطاب کے حوالہ کر دی ہے۔ اور سب لوگوں پر اس کی اطاعت فرض کر دی ہے۔

ابو الخطاب اپنے ماننے والوں کو یہ نصیحت کرتا تھا کہ اپنے ہم مذہبوں کے لئے بوقت ضرورت جھوٹی قسم کھا لینا۔ اس لئے فقہ کی کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ خطابیہ کی گواہی غیر معتبر اور ناجائز ہے۔

(۱۴) فرقہ معمریہ۔ یہ فرقہ معمر کی طرف منسوب ہے۔ یہ امام جعفر کی امامت کے قائل ہیں اور ان کے بعد ابو الخطاب کو نبی جانتے ہیں اور اس کے بعد معمر کو۔ ان کا عقیدہ ہے کہ احکام شرع معمر کو سپرد ہو گئے تھے اور وہ چکر آ کر الانبیاء تھے اس لئے اس نے تمام احکام ساقط کر دیئے اور تکلیفات شرع کو ختم کر دیا۔ یہ فرقہ خطابیہ ہی کی ایک شاخ ہے۔

(۱۵) فرقہ طراہیہ۔ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا مگر انہوں نے پہچان میں غلطی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دی اور ایسا اس وجہ سے ہوا کہ یہ دونوں حضرات شکل و شبابت میں ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے تھے۔ ان دونوں کی شبابت اس سے بھی زیادہ تھی جتنی ایک کوئے کو دوسرے کوئے سے ہوتی ہے۔ لہذا حضرت جبرائیل کے لئے ان میں باہم تمیز ممکن نہ رہی۔ حضرت جبرائیل کی اسی غلطی میں واقعی کیشک ہو سکتا ہے کہ نو سو سالہ فخر طراہ کے اور چالیس سالہ بزرگ میں بھی تمیز نہ

کہ نیک کہ بچے کے لئے دی گئی دجی اور پھر عمر بزرگ کو پہنچادی اور پھر ۲۳ سال مسلسل اس بھول کا شکار رہے (مترجم)۔
اس فرقہ کے ایک شاعر نے اسی خیال کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ حَقَّقَ الْاٰمِیْنَ فَاَوْفَا حَاقِنَّ حَیْدَیْ۔ یعنی جبرائیل
نے غلطی کی کہ حضرت علی کو چھوڑ کر دجی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادی۔
ایک دوسرا فارسی گو شاعر کہتا ہے۔

جبریل کہ آمد ز بر خالق بے چوں در پیش محمد شد و مقصود علی بود،

اور یہ باتیں قرآن کے پڑھے لکھے لوگوں کی ہیں، جاہل تو لعنة اللہ علی صاحب الریش کے صریح الفاظ کے ساتھ حضرت
جبریل علیہ السلام پر لعنت بھیجتے ہیں۔

(۱۶) فرقہ ذبا بیہ۔ یہ فرقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آلہ مانتا ہے۔ یہ کہتے ہیں ان
حضرات کی صورتوں میں اس سے زائد مشابہت تھی جتنی ایک کبھی کو دوسری کبھی سے ہوتی ہے۔ یہ فرقہ غرابیہ کا وہ فرقہ ہے
جس نے اپنے عقیدہ کو چھوڑ کر دوسرا عقیدہ اختیار کر لیا ہے۔

(۱۷) فرقہ ذمیر۔ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آلہ نہیں۔ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی
طرف اس لئے بھیجا تھا کہ وہ انہیں علی کی طرف دعوت دیں لیکن اس کے برخلاف وہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینے لگے۔ اسی لئے
یہ فرقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برائی کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ اسی سبب سے اس کا نام ذمیر ہو گیا۔

(۱۸) فرقہ اثنی عشریہ۔ یہ فرقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مانتا ہے اس فرقہ میں پھر دگر وہ ہونے ایک
صوفی خدائی کو ترجیح دیتا اور غالب و قوی مانتا ہے۔ جبکہ دوسرا حضرت علیؑ کو۔

(۱۹) فرقہ خمسیہ۔ یہ وہ فرقہ ہے جو پانچوں کو خدا مانتا ہے۔ یہ لفظ فاطمہؑ میں تاثیر کی تا نہیں لگاتے۔ اور کہتے کہ پانچوں
در حقیقت شخص واحد ہیں۔ کہ ایک ہی روح سب میں حلول کئے ہوئے ہے ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں۔ پانچوں سے
مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ رضی اللہ عنہم ہیں۔

(۲۰) فرقہ نصیریہ۔ یہ فرقہ حضرت علیؑ اور آپؐ کی اولاد میں سے جن کو وہ امام مانتے ہیں، کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے
کہ ان میں خدا حلول کر گیا ہے اور کبھی یہ مجازاً اسم اللہ حضرت علیؑ کے لئے بولتے ہیں گویا سال کا اطلاق علیؑ پر کرتے ہیں۔

(۲۱) فرقہ اسماعیلیہ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ زمین کبھی بھی پیغمبر سے خالی نہیں رہتی۔ یہ بھی حضرت علیؑ اور ان میں خدا
کے حلول کے قائل ہیں البتہ اس امر میں باہم اختلاف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد پہلے کس میں حلول ہوا۔

(۲۲) فرقہ غلبانیہ۔ یہ غلبانہ ادویہ اسدی با اوسی کے ساتھیوں کا فرقہ ہے، یہ بھی حضرت علیؑ کی الوہیت کے قائل
ہیں اور آپؐ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل مانتے ہیں یہ بھی کہتے ہیں حضور نے علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انکی متابعت
خود پر لازم کر لی تھی۔

(۲۳) فرقہ ندرامیہ۔ ان کے نزدیک سلسلہ امامت یوں ہے، حضرت علیؑ، بعدہ محمد بن الحنفیہ پھر ان کے بیٹے ابو ہاشم
پھر ان کی وصیت کے مطابق علی بن عبد اللہ بن عباس ان کے بعد محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس، اسی طرح سلسلہ جاری رکھتے ہوئے
منصور و درانی تک پہنچاتے ہیں۔ اور ابو مسلم مروزی میں جو صاحب دعوت جمادی ثانی، اللہ تعالیٰ کا حلول مانتے ہیں اسی وہ سب سے
کا شمار بھی قادیان میں ہوا، یہ لوگ تارک فرائض ہیں اور حرام چیزوں کو حلال مانتے ہیں۔

(۶۴) فرقہ متعظیم یہ یہ گروہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد متعظیم کو الہ مانتے ہے اور کہتا ہے کہ خدا چار ہیں۔ متعظیم کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، یہ دراصل اسمعیلی تھا، جب اہل بیت کا دعویٰ بار ہوا تو غالبوں میں اس کا بھی شمار ہوا۔

اس ساری تفصیل سے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ مذہب خلاۃ کا دار و دار بنی، امام کو الہ یا اس میں الہ کے حلول کو مانتے ہوئے ہیں۔ لیکن تین میں امام کے بارے میں خود ہی تین مذہب کیسا نیہ، زیدیہ، امامیہ۔ پیش نظر ہیں۔ ان خلاۃ میں بعض کیسا نیہ ہیں اور بعض امامیہ، البتہ زیدیہ میں سے اب تک کسی کو خلاۃ نہیں سنا گیا کہ وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ میں سے یا ان کی اولاد میں سے کسی کو الہ مانتے یا ان میں الہ کے حلول کے قائل ہوں۔ اس لئے ان جو ہیں فرقوں میں ان کا نام نہیں آیا۔

کیسان۔ اور اس کے فرقے | فرقہ کیسا نیہ کے متعلق یہ واضح رہے کہ کیسان کے متعلق تحقیق میں خاصا غفلت پایا جاتا ہے جو ہری صاحب صحاح اللغات کی تحقیق ہے کہ مختار کا نام ہی کیسان ہے اور صاحب قاموس اور اکثر اہل لغت بھی اس کی تائید کرتے ہیں لیکن ثقہ اور معتد اہل تاریخ کے نزدیک وہ ایک الگ شخصیت ہے جو حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا پیر و اور جناب محمد بن الحنفیہ کا شاگرد تھا۔ آپ سے اس نے اکتساب فیض کیا اور بہت سے عجیب و غریب علوم حاصل کئے۔ اسی کیسان کے متعلق ابوہریرہ کا روایت کیا نیہ کہتے ہیں۔

کیسان کے پیروؤں کے پھر گروہ اور فرقے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے۔

(۱) فرقہ کریمیہ۔ یہ ابو کریم مزید کے ساتھیوں کا فرقہ ہے یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد جناب ابراہیم بن محمد بن الحنفیہ کی امامت کے قائل ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعمرہ میں نشان لگوان ہی کے سپرد کیا تھا اگر بالان کے نزدیک یہ امامت پر دلیل قطعی ہے۔ یہ لوگ ان ہی محمد بن الحنفیہ کے متعلق جی لائبرٹ (زندہ ہیں مریں گے نہیں) کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ صاحب الزمان ہیں، کوہ روضی کے دعوں میں قدرت الہی سے ان کے لئے دو ہیں دو چٹے شہد اور دودھ کے جاری ہیں۔

ایک شاعر کثیر غزہ نامی بھی اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، اس کے یہ اشعار اس عقیدہ کا ثبوت دیتے ہیں وہ کہتا ہے۔

وَسَبَّحْتُ لَا يَذُوقُ الْمَوْتَ حَتَّى يَفُودَ الْخَيْلُ يَعْبُدُ مَهْجَا الْوَلَدِ
يَتَّبِعُ فَلَا يَرْتَدُّ فِيهِ تَمَانَا بِرَحْمَتِي عِندَ حَسَنٍ وَمَاءِ

ترجمہ۔ یہ وہ بیٹا ہے جو اس وقت تک موت سے ہٹتا نہیں ہوگا جب تک آسمان اترے ہوئے جھنڈے والے لشکر کی قیادت کرے۔ اس وقت تک وہ قائب رہے گا اور لوگ اپنے میں ان کو مدد دیکھیں گے کوہ روضی میں اس کے پاس پانی اور شہد موجود ہے۔

شیعروں میں ابو کریم وہ پہلا شخص ہے جو امام صاحب الزمان کے قائب ہو جانے کا قائل ہوا اور امام کا دشمنوں کے شکنجے سے چھینا اور کھرمہ ظاہر ہونے کے عقیدہ کا بھی یہی مؤید ہے۔ شیعروں کے تمام فرقوں نے امام مفقود کے بارے میں دل کی تسلی کے لئے یہ سبق اسی ابو کریم سے سیکھا ہے۔

(۲) فرقہ اسماعیلیہ۔ یہ فرقہ اسماعیل بن عمر کے ساتھیوں پر مشتمل ہے یہ لوگ جناب محمد بن الحنفیہ کی موت کے قائل ہیں اور

کہتے ہیں ان کی وفات کے بعد امامت ان کے بیٹے ابو ہاشم کو منتقل ہو گئی نہ جو ان کی اولاد اور اولاد منتقل ہوئی۔ کیونکہ ہر امام اپنے بیٹے کے لئے وصیت کر جاتا تھا۔

(۳) فرقہ حمزمیہ۔ یہ فرقہ کندی بھی کہلاتا ہے۔ یہ لوگ عبداللہ بن حرب کندی کے پیرو ہیں۔ یہ جناب ابوالخیرؒ کے بعد عبداللہ بن حرب کو امام مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابوالخیرؒ نے اس کے حق میں وصیت فرمادی تھی۔

(۴) فرقہ جماعیہ - اس فرقہ کے لوگ علی بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کو جناب ابو ہاشم کی وصیت کی بنا پر امام مانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے منتقل ہوتی ہوئی منحصر جماعی ملک پہنچی ہے۔

(۵) فرقہ گیارہ یہ۔ ان کا کہنا ہے کہ بمطابق وصیت جناب ابو ہاشم، جناب عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب امام ہوئے۔

(۶) فرقہ مخنّار یہ - اس گروہ کے لوگ حضرت مسیحین رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں کیسا نبیہ سے اختلاف راستے رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت مسیحین رضی اللہ عنہما نے امامت پائی اور ان کے بعد حضرت محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ علیہ نے۔ اس اختلاف کا سبب پہلے بیان ہو چکا ہے۔

نہید یہ اور اس کے فرقے | اس فرقہ کے اصحاب اپنے آپ کو جناب زید بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مگر اختلاف سے یہ بھی محذور نہیں ہے۔ اور وہ فرقوں میں بٹ گئے، جن کا بیان یوں ہے۔

(۱) خالص زید لے۔ یہ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب ہیں جنہوں نے اولاد محمد الملک بن موان پر لشکر کشی کرتے وقت آپ سے بیعت کی، یہ اصول مذہب اور کچھ فروعات کی روایت جناب زید سے کرتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تبری نہیں کرتے۔ بلکہ سب کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں اور اسی تہرانہ کرنے پر مصدقہ روایات حضرت زید سے نقل کرتے ہیں۔

یہ کہتے ہیں کہ گواہ امت کا حق حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پہنچا تھا مگر آپ نے جناب شیعیان و ذی النورین رضی اللہ عنہم کے بارے میں خود اپنے حق سے دست برداری فرمائی تھی۔

یہ اس کے بھی قائل ہیں کہ خلافتِ ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کی خلافت درست تھی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے راضی تھے اور معصوم کبھی غلط اور باطل پر راضی نہیں ہوتا۔ غرض تمام مسائل امامت پر ان کا مذہب اہل سنت کے مذہب سے ملتا جلتا ہے۔ اختلاف صرف اتنا ہے کہ یہ امام کے لئے فاطمی ہونے کو شرط قرار دیتے ہیں اور اس کے سپرد کرنے کے کسی دوسرے کو امام مانتے ہیں۔ گویا شیعیان اولیٰ کا فرقہ ثانیہ اس فرقہ کی اصل ہے لیکن ان کے پچھلے لوگوں نے معتزلہ اور دوسرے شیعوں کے میل جول اور اثر میں آکر اپنا مذہب بدل ڈالا۔ اور اصل مذہب سے بہت دور جا پڑے؛ کہا جاتا ہے کہ جناب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت زید کی امامت سے متفق تھے۔ ان کے خروج کو درست جانتے تھے اور لوگوں کو ان کی رفاقت کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ اسی لئے زید سے فروع میں مذہب حنفیہ سے متفق ہیں مگر اصول میں معتزلہ کی پیروی کرتے ہیں۔

(۲) فرقہ جہاد دویہ - یہ گروہ ابوالجہاد و نہاد بن ابی زیاد کے دوستوں کا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بدلیل وصفت، مذہب لیل تعین نام حضرت علی رضی اللہ عنہ امام تھے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے چونکہ ان کی اقتداء

نہیں کی اس لئے ان کو کافر قرار دیتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد بہترین حضرات حسین رضی اللہ عنہما کو امام مانتے ہیں۔ اور ان کی امامت کے بعد انکی اولاد میں امامت شریعی کے معتقد ہیں کہتے ہیں کہ ان میں جو تنوار تمام کراٹھ کھڑا ہوا اور وہ عالم دشمنان بھی ہو وہی امام وقت ہے۔ چنانچہ زید بن علی اور یحییٰ بن زید کو بھی امام مانتے ہیں۔ البتہ امام منتظر کے بارے میں ان میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں وہ محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسن ہیں جو ہمد منصور میں مدعی امامت ہوئے۔ اور مقتول ہوئے ان کے اقتقاد میں یہ اب بھی زندہ ہیں مقتول نہیں ہوئے۔

یعنی رد مسد ہے کہتے ہیں کہ محمد بن حسن طالقانی ہیں جو منعم کے ہمد میں آئے قتال کیا اور قید آئے اور حالت اسیر میں ہی وفات پائی۔ مگر یہ ان کی وفات کے منکر ہیں۔

ان کی ایک اور جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ یحییٰ بن عمر ہیں جو جناب زید بن علی بن حسین کے پوتوں میں سے ہیں جن کو صاحب الکوفہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مستقیم کے ہمد میں ہوئے قتال کیا اور پھر مقتول ہوئے۔ مگر یہ جماعت ان کے قتل کی بھی منکر ہے۔

(۳) فرقہ جریر یہ۔ اس فرقہ کو سلیمانہ بھی کہتے ہیں، یہ سلیمان بن جریر کے پیروکاروں کی جماعت ہے یہ بھی امامت شریعی کے معتقد ہیں اور کہتے ہیں کہ دونیک بخت مسلمانوں کی رخصت مذبی سے بھی امامت درست تسلیم کر لی جاتی ہے حضرت ابوبکر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت کو تو مانتے ہیں مگر ان سے بیعت کرنے والوں کو خطا کا کہتے ہیں اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ان حضرات کی بیعت کیوں کی، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کو کافر بتاتے ہیں۔

(۴) فرقہ تبریہ۔ اس کا لقب زبیر بھی مشہور ہے۔ یہ مغیرہ بن سعد جس کا لقب تبر تھا کے ساتھیوں کا گروہ ہے یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت خطا پر مبنی نہیں تھی کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر سکوت فرمایا تھا اور جس بات پر معصوم سکوت کرے حق ہوتی ہے، البتہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی امامت تسلیم کرنے میں ان کو تامل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رخصت مذبی و سکوت اس معاملہ میں حب و لجاجت ثابت نہیں۔ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت سے امام مانتے ہیں۔

(۵) فرقہ نجیبہ۔ یہ نعیم بن الیمان کے دوستوں کا گروہ ہے، ان کا اور تبر یہ کا مذہبی ملک ایک ہے۔ فرقہ صرف یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے ہیں اور ان پر تبری بھی کرتے ہیں۔ باقی صحابہ کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں۔

(۶) فرقہ دکنیہ۔ جو فضل بن دکن کی طرف منسوب ہے ان کا مذہب جارود ہے سے ملتا ہے فرقہ یہ ہے کہ یہ حضرت طلحہ و حضرت زبیر اور ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں اور باقی اصحاب رسول کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں۔

(۷) فرقہ خشبیہ۔ یہ خلف بن عبد الصمد کے ساتھیوں کا گروہ ہے۔ یہ اولاد قاطعہ میں امامت شریعی کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ جب کوئی غیر مستحق جامعہ امامت زبیر بر کرے تو اس کی مخالفت واجب ہے ان کو خشبیہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے وقت کے بادشاہ کے خلاف اٹھ کر رہے، ہوئے قریب و تنوار سے مسلح ہونے کے بجائے لاطھی اور ڈنڈے ان کا ہتھیار تھے اور انت عرب میں خشب لکڑی کو کہتے ہیں۔

(۸) فرقہ یعقوبیہ - یہ یعقوب کے ساتھیوں کی ٹولی ہے۔ یہ رجعت کے قائل ہیں، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت کو نہیں مانتے بلکہ ہر دو حضرات گرامی پر تقرری بازی کرتے ہیں۔

(۹) فرقہ صالحیہ - جو حسین بن صالح کی طرف منسوب ہے۔ یہ بھی اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں امامت شوری کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فاطمہ بن علی سے جو بھی صفات علم تھا امت اور رسالت سے متصف ہو کر ابھرے وہ امام ہے ان کے اور زیدیوں کے نزدیک ایک زمانہ میں ایک ملک میں ایک وقت کئی اماموں کا ہونا ممکن ہے۔

امامیہ - اور اس کے فرقے | اب یہ فرقہ امامیہ قرآن کے مذہب کا دار مدار اور ان کے تمام فرقوں کا مشترکہ عقیدہ یہ ہے کہ دامن تکلیف شرع ائمہ فاطمیہ سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ اس ایک فرقہ سے ان تالیس فرقوں نے جنم لیا۔ جن کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(۱) فرقہ حسنیہ - اس فرقہ کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو امام مانتے ہیں ان کے بعد ان کے بیٹے حسن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو جن کو فاضل آل محمد بھی کہتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ان کے صاحبزادے جناب عبداللہ کو امام تسلیم کرتے ہیں اور وہ تزارع اور مدد کہ جہان کے اور جناب جعفر صادق کے درمیان ہوا اور جس کا حوالہ کتب اثنا عشریہ میں موجود مذکور ہے اور اس کو ملا محمد رفیع واعظ نے ابواب الجنان میں کلینی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

ان عبداللہ کے بعد ان کے بیٹے محمد نفس زکیہ کو، پھر ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کو امام مانتے ہیں۔ یہ دونوں بھائی منصور دوانیقی کے زمانہ میں لکے، لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی لوگوں کی کافی جمعیت نے ساتھ دیا بالاخر جنگ و جدل اور میدان کارزار گرم ہوا مگر امرائے منصور کے ہاتھوں دونوں بھائی قتل ہو گئے۔

(۲) فرقہ نقیبیہ - یہ بھی حسنیہ ہی کا ایک فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ نفس زکیہ قتل نہیں ہوئے بلکہ غائب اور چھپے ہوئے ہیں چند روز بعد پھر ظہور فرمائیں گے۔

(۳) فرقہ حکمیہ - اس کا نام ہشامیہ بھی ہے۔ کیونکہ یہ اصحاب ہشام بن حکم پر مشتمل ہے ان کا کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد امامت حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد میں آئی۔ اور اس سلسلہ امامت کو بالترتیب حضرت جعفر تک چلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ جمہ صریح رکھنے کے قائل ہیں گویا وہ اپنے معبود کو جسم شکل میں مانتے ہیں جو طول و عرض و عمق ہر سہ اطراف تو برابر رکھتا ہے۔ مگر ان ظاہری اجسام میں سے کسی صورت سے مشابہ نہیں۔

(۴) فرقہ سالمیہ - اس فرقہ کا نام جوالیقیہ بھی ہے۔ کیونکہ یہ ہشام بن سالم جوالیقی کے ساتھیوں پر مشتمل ہے امامت اور اللہ تعالیٰ کی جمیعت کے بارے میں ان کے عقائد بھی فرقہ حکمیہ سے ملتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو بصورت انسانی مانتے ہیں۔

(۵) فرقہ شیطانیہ - اس فرقہ کا ایک نام نغانیہ بھی ہے کیونکہ یہ محمد بن نغان حیرنی جو کہ شیطان املاق کے لقب سے مشہور ہے مانتے والوں کا گروہ ہے۔ یہ امامت کا سلسلہ جناب موسیٰ کاظم رحمہ اللہ علیہ تک چلاتے ہیں، اور خدا تعالیٰ کو مجسم مان کر اس کے اعضاء و جوارح ثابت کرتے ہیں۔

(۶) فرقہ زرارہیہ - یہ فرقہ زرارہ بن ابیہن کوئی کے اصحاب پر مشتمل ہے۔ ان کے نزدیک امامت کا سلسلہ حضرت جعفر تک آتا ہے یہ صفات الہی کو حادث مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نہ عیادت رکھتا تھا نہ علم نہ قدرت نہ

سبح ولبیر۔

(۷) فرقہ یونسیہ - یہ یونس بن عبد الرحمن مکی کا گروہ ہے، یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔

(۸) فرقہ بدائیہ - یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر یہ الزام دیتے ہیں کہ وہ بعض باتوں کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے ارادہ پر نادم ہوتا ہے کہ ایسا ارادہ کرنا خلاف مصلحت تھا۔ ہر سہ مختلفہ درجہ ان اللہ علیہم کی خلقت اور ان کے مناقب و محاسن پر اسی خیال کو منطبق کرتے ہیں۔

(۹) فرقہ مفوضہ - ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی پیدائش کا معاملہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپ رکھا ہے لہذا دنیا اور اس کی مخلوقات سب کی سب آنحضرت کی پیدا کردہ ہیں۔ ایک گروہ انہیں میں سے اس خیال کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر چسپاں کرتا ہے۔ اور ایک تیسرا طبقہ ہر دو پر!

مذکورہ بالا میں سے سات فرقے خلاۃ امامیہ کے ہیں یہ اتفاقاً کافر ہیں۔ ان سب کا مشترک عقیدہ ائمہ ستہ کی امامت ہے۔

(۱۰) فرقہ باقریہ - یہ فرقہ حضرت باقر رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں حی لایوت کا عقیدہ رکھتا ہے۔ اور ان کو امام منتظر مانتا ہے۔

(۱۱) فرقہ حاضرہ - ان کا کہنا ہے کہ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے بیٹے زکریا امام ہوئے جو اب حاضر ہیں چھپے ہوئے ہیں۔ اور اس وقت تک چھپے رہیں گے تا آنکہ ان کو غیب سے خروج کا حکم نہ ملے۔

(۱۲) فرقہ نادرسیہ - اصحاب عبد اللہ بن نادر کا یہ فرقہ کہتا ہے کہ امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ زفرہ ہیں مگر پردہ غیب میں ہیں۔ وہی مہدی موعود ہیں اور وہی قائم منتظر۔ ان میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ بالکلیہ غائب نہیں ان کے دست کبھی ان کی خلوت و تنہائی میں دیکھ بھی لیتے ہیں۔

(۱۳) فرقہ عماریہ - یہ اصحاب عمار ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ جناب جعفر رحمۃ اللہ علیہ مرچکے ہیں اور ان کے بعد ان کے بیٹے محمد امام ہیں۔

اسماعیلی۔ اور ان کے فرقے (اسماعیلی بھی اگرچہ امامیہ میں شامل ہیں مگر الگ شاخ ہے اس لئے ان کے فرقوں کا علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے) یہ فرقے جن کی تعداد آٹھ بلکہ دس ہے۔ ان کا مشترک عقیدہ یہ ہے کہ خود جناب جعفر کے اسی قول صریح یعنی **إِنَّ هَذَا لَأَمْرٌ فِي الْكُتُبِ مَا لَمْ يَكُنْ بِهِ مَاحَظٌ** (یہ امامت بڑے بیٹے میں ہی رہے گی۔ تا آنکہ اس میں کوئی عیب نہ ہو) کے مطابق بڑے بیٹے اسماعیل امام ہیں۔

ملاوہ ازیں حضرت جعفر کی اولاد میں سب سے زائد شریف النفس ہیں کیونکہ ان کی ماں فاطمہ بن حسن بن علی کی بیٹی ہیں۔

(۱۴) فرقہ مبارکیہ - یہ فرقہ اسی مبارک کے ساتھیوں کا ہے جس کا کچھ حال پہلے بیان ہو چکا ہے یہ لوگ جناب اسماعیل کے بعد ان کے بیٹے محمد کو امام مانتے ہیں اور ان کو خاتم ائمہ قائم منتظر اور مہدی موعود یقین کرتے ہیں۔

(۲) فرقہ باطنیہ۔ یہ جناب اسماعیلؑ کے بعد ان کے قول سابق کی وجہ سے جو بعد میں آ گیا امام ہوتا گیا کے قائل ہیں وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ عمل باطن کتاب پر واجب ہے نہ کہ ظاہر پر۔

(۳) فرقہ قمر مطبیہ۔ اس کے متعلق اہل لغت بہت مختلف خیال ہیں بعض کہتے ہیں کہ قمر مطہ مبارک مذکورہ کا نام یا لقب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنس یہ کسی اور شخص کا نام ہے، جو کوفہ کے مقامات میں سے کسی جگہ کا رہنے والا تھا۔ اور مذہب قمر مطبیہ کا بانی تھا۔ بعض کے نزدیک اس کا نام محمد بن قمر مطہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ واسطہ کے ایک گاؤں کا نام ہے، محمد بن یہاں کا رہنے والا تھا تو وہ قمر مطی ہوا اور اس کے متبعین قمر مطہ کہلائے۔ بہر حال یہ کوئی بھی ہوں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اسماعیل بن جعفرؑ خاتم الانبیاؑ ہیں۔ اور حجتی لامیت، محرمات شرعیہ کو یہ لوگ چار نہ سمجھتے ہیں۔

(۴) فرقہ شمشطیہ۔ یہ یحییٰ بن ابی غنمط کا فرقہ ہے۔ ان کا قول ہے کہ جناب جعفرؑ اوق کے بعد امامت اس ترتیب سے ان کے بیٹوں تک پہنچی۔ (۱) اسماعیلؑ (۲) محمدؑ (۳) موسیٰ کاظمؑ (۴) عبداللہ افطحؑ اور (۵) اسحاقؑ رحمہم اللہ۔

(۵) فرقہ میمونینہ۔ اس میں عبداللہ بن میمون اقداح اسوازی کے ساتھی شامل ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ظاہر پر عمل حرام ہے اور یہ قیامت کے بھی منکر ہیں۔

(۶) فرقہ خلیفہ۔ یہ کہتے ہیں کہ قنار، روزہ، حج، زکوٰۃ یا دیگر اعمال کتاب و احادیث میں جہاں مذکور ہیں وہاں ان کے لغوی معنی ملو وہی اصطلاحی نہیں۔ یوم آخرت اور جنت و دوزخ کے یہ بھی منکر ہیں۔

(۷) فرقہ برقیہ۔ یہ محمد بن علی برقی کے ساتھیوں کا فرقہ ہے۔ یہ احکام شرعیہ کا انکار کرتے ہیں۔ نصوص میں تاویل کرتے ہیں۔ بعض انبیاء کی نبوت کو بھی نہیں مانتے بلکہ ان پر لعنت کو واجب مانتے ہیں۔

(۸) فرقہ جنابیر۔ یہ ابو طاهر جنابی کے پیروکاروں کا گروہ ہے۔ وہ اس مذہب میں اور بھی آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ قیامت و احکام شرعیہ کے منکر ہی نہیں ان پر عمل کرنے والوں کو واجب القتل سمجھتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے حجاج بیت اللہ الحرام کو قتل کیا، حجر اسود کو کھود کر لے گئے۔ تاکہ لوگ بدعتیہ ہو کر خانہ کعبہ کا قصد نہ کریں اور اس کا طواف چھوڑ دیں۔

مذکورہ فرقوں میں سے شمشطیہ، میمونینہ، خلیفہ، برقیہ اور جنابیر قمر مطہ میں داخل ہیں اور ان ہی میں ان کا شمار ہے۔ اس لئے اسماعیلیہ فرقوں کو آٹھ بتایا ہے ورنہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ چنانچہ اسماعیلی اصول کی بنا پر نواں فرقہ سببیہ ہے۔

(۹) فرقہ سببیہ۔ ان کا قول ہے کہ وہ انبیاء و شریعت لائے اور رسول ہیں ان کی تعداد سات ہے۔ آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، محمد و مہدی (علیہم السلام)

اور درود رسولوں کے درمیان سات اور دوسرے آدمی ایسے ہوتے ہیں جو سابق شریعت کو آنے والی شریعت تک باقی رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسماعیل بن جعفرؑ ان ہی سات آدمیوں میں سے ایک تھے کہ انہوں نے حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام مہدیؑ کے درمیان شریعت کو باقی رکھا۔

اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے سات آدمیوں کا ہونا ضروری ہے جو اقتدار کے قابل ہوں۔

(۱۰) فرقہ مہدیہ۔ یہ اصول اسماعیلیہ پر ایک فرقہ ہے۔ یہ فرقہ ملک کے طول و عرض میں کافی پھیلا ان میں صاحبان تصنیف

و تالیف اہل علم بھی گزرتے ہیں اور ملک مغرب کے سلاطین و ملوک بھی اس مذہب کے ماننے والوں میں شامل ہیں۔ گویا تسلط و اقتدار اس فرقہ کے حصہ میں آیا۔ امامت کا سلسلہ اس طرح مانتے ہیں۔ اسماعیلؑ کے بعد ان کے بیٹے محمدؑ میں پھر ان کے بیٹے احمدؑ دینی، ان کے بعد ان کے بیٹے محمد تقیؑ، پھر ان کے بیٹے عبداللہ رضی پھر ان کے بیٹے ابوالقاسم عبداللہ پھر ان کے بیٹے محمد ملقب محمد مدہدی ان کے بعد ان کے بیٹے احمد قائم بامر اللہ پھر اسماعیل بن احمد منصور بقرۃ اللہ پھر محمد بن اسماعیل معز الدین اللہ ان کے بعد ابو منصور نزار بن محمد عزیر باللہ پھر ابو علی منصور بن نزار حاکم بامر اللہ پھر ابو الحسن علی بن منصور ظاہر الدین اللہ پھر محمد بن علی بن منصور مستنصر باللہ۔

کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں باپ اپنے بیٹوں کے لئے وصیت کرتے گئے۔ جب امامت مدہدی کا جہد آیا تو اس نے اپنا حکم ملک مغرب میں نافذ کیا اور وہاں کا بادشاہ بننا چاہا اسوقت بے شمار مخلوق اس کے زیر اثر تھی۔ اس نے اقل بلاد افریقہ پر اقتدار قائم کیا پھر رفتہ رفتہ بلاد مصر پر قبضہ جمایا۔ مغرب اور مصر اس کی اولاد کے قبضہ میں رہے۔ بلکہ اس کی اولاد میں سے کچھ نے بلاد شام پر بھی اپنا تسلط قائم کر لیا اہل یمن نے بھی اس مذہب پر لبیک کہا اور یہی مذہب اختیار کیا۔ مستنصر کے بعد امام تین ہونے لگے اس مسئلہ پر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مستنصر نے پہلے تو اپنے بھائی نزار کی امامت کے احکامات جاری کیے، مگر کچھ عرصہ بعد اپنے بیٹے ابوالقاسم احمد متعلیٰ باللہ کے امامت کا اعلان کر دیا۔ جن لوگوں نے حکم ثانی کو اولیٰ کا ناسخ قرار دے کر متعلیٰ کو امام مانا ان کو مستعلویہ کہتے ہیں اور متعلیٰ کے بعد اس کے بیٹے منصور بن احمد آمر باحکام باللہ کو امام مانتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے بھائی عبدالحمید ابوسمون بن احمد حافظ الدین اللہ کو اس کے بعد اس کے بیٹے منصور محمد بن عبدالحمید ظاہر بامر اللہ کو اس کے بعد اس کے بیٹے ابوالقاسم علی بن محمد فائز بن ناصر اللہ اور پھر اس کے بیٹے محمد بن علی عاصد الدین اللہ کو امام تسلیم کرتے ہیں۔

جب امامت پر عاصد فائز تھا تو امراء و ملوک شام نے اس پر چڑھائی کی اور اس کو گرفتار کر کے حوالہ زندان کر دیا اور وہی قید خانہ میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ اب مدہدی کی اولاد میں امامت کا کوئی دعویٰ باقی نہ رہا۔ ادھر دوسرے گروہ نے حکم اولیٰ کی موجودگی میں دوسرے حکم کو لغو اور مہمل قرار دے کر نظر انداز کر دیا اور نزار کو امام تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے ہادی کو پھر اس کے بیٹے حسن کو، مگر ان کی یہ سب روایتیں جھوٹی ہیں، مورخین نے اس معاملہ میں کہا ہے کہ احمد متعلیٰ جب بادشاہ ہوا تو اس نے نزار اور اس کے دو چھوٹے بیٹوں کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا اور ان تینوں کی موت جیل ہی میں واقع ہوئی۔ ان کی نسل میں کوئی نہیں رہا۔

فرقہ نزاریہ کو صحابہ و حمیرہ بھی کہتے ہیں جس کی وجہ تشبیہ ابھی معلوم ہوگی۔ نیز نزاریہ کو ہی مسقطیہ اور سقطیہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے مذہب میں امام فروعی احکامات کا مکلف نہیں اور اسے حق پہنچتا ہے کہ کچھ یا سب کی سب تکلیفات شرعیہ لوگوں سے ساقط کر دے۔

اور ان سے وابستہ لغویات میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے کہ حسن بن صباح حمیری معری آیا اور نزار کی جرموں میں اس کے بھتیجے کی قید میں تھیں ان سے ملا۔ ان سے ایک چھوٹا بچہ لے لیا اور ظاہر یہ کیا کہ یہ نزار کا بیٹا ہے۔ اس بچے کو رستے لے گیا اور اسے ہادی کے نام سے شہرت دی اور اسی کے نام سے لوگوں کو دعوت دینے لگا۔ جب اس کے پاس ابھی خاصی جمعیت اکٹھی ہو گئی تو قلعہ الموت اور دوسرے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اپنے اہل و عیال مال و اسباب اور ہادی کو

ہی میں رہ گیا تھا۔ امامت کا مدعی ہوا اور مجدد الدولہ لقب اختیار کیا۔ جب تاری اسرار کو اس کی خبر ہوئی تو اس کی سرکوبی کے لئے فوج بھیجی جس نے قلعہ تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے ساتھی ادھر ادھر پر گنبد و منتشر ہو گئے اور یہ خود طبرستان کے کسی گھاٹوں میں مرکب کیا۔ اس کے بعد پھر کوئی مدعی امامت نہ اٹھا۔

گویا اسماعیلی فرقوں میں باطنیہ، قرامطہ، سبعیہ اور حمیریہ تہذیبیں، مہمدیہ بظاہر شرع کے معتقد ہیں۔ ان فرقوں میں حمیریہ زیادہ شدید الکفر ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ اسماعیلیہ کے دس فرقے ہیں، اور پر امامیہ کے تیرہ فرقوں کا تذکرہ ہوا دونوں مل کر تعداد تیس ہو گئی، باقی فرقوں کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

(۲۴) فرقہ اقطاعیہ۔ اس فرقہ کو علانیہ بھی کہتے ہیں اس لئے کہ یہ عبدالرحمن بن عمار کے پیرو ہیں۔ یہ گروہ عبداللہ بن جعفر صادق رحمہ اللہ علیہ کی امامت کا قائل ہے اس کا لقب اقطع تھا کیونکہ اس کے پاؤں چوڑے تھے اور یہ اسماعیل بن جعفر کے حقیقی بھائی تھے یہ لوگ ان کی موت اور پھر ظاہر ہونے کے معتقد ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے بعد کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی کہ نسل میں امامت کا سلسلہ چلتا۔

(۲۵) فرقہ اسحاقیہ۔ یہ لوگ اسحاق بن جعفر رحمہ اللہ علیہ کی امامت کے معتقد ہیں، یہ واقعی علم و تقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنے مالی قدر پر بڑے گوارے کے بہت مشابہ تھے۔

چنانچہ سفیان ابن عیینہ اور دیگر ثقہ محدثین نے ان سے روایات لی ہیں۔

(۲۶) فرقہ قطعیہ۔ یہ مفضل بن عمر کا گروہ ہے اس لئے مفضل بھی کہلاتے ہیں یہ جناب موسیٰ کاظمؑ کی امامت کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کی وفات پر امامت کے سلسلہ کو ختم کرتے ہیں۔

(۲۷) فرقہ موسویہ۔ یہ لوگ جناب موسیٰ کاظمؑ کی موت و حیات میں متروک اور مشکوک الخیال ہیں اس لئے ان کی امامت پر توقف کرتے ہیں اور سلسلہ امامت ان کے آگے نہیں چلائے۔

(۲۸) فرقہ مخطوریہ۔ یہ جناب موسیٰ کاظم رحمہ اللہ علیہ کی حیات کے قائل ہیں اور ان کو مہدی موعود اور منتظر مانتے ہیں اپنے عقیدے ثبوت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے دلیل لاتے ہیں **سَابِعُهُمْ قَائِمُهُمْ سَيِّدُهُمْ** مناجات النبوة۔ یعنی ساتواں امام خروج کرے گا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم نام ہوگا۔

ان کو مخطوریہ کہنے کا سبب یہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے فرقہ قطعیہ سے مناظرہ کیا۔ قطعیہ کے رئیس یونس بن عبدالرحمن نے ان سے کہا کہ تم ہمارے نزدیک بھٹکے ہوئے کتوں سے بھی زیادہ حقیر ہو۔ یہ فقرہ ان پر ایسا چپاں ہوا کہ اس کے بعد یہ ان کا لقب ہی بن گیا جو آج تک باقی ہے۔

(۲۹) فرقہ رجعیہ۔ اس فرقہ کے لوگ جناب موسیٰ کاظمؑ کی موت کے قائل ہیں مگر دوبارہ ظہور کے منتظر ہیں۔ مذکورہ بالا یہ تینوں فرقے واقعیہ بھی کہلاتے ہیں کیونکہ یہ تینوں امامت کو جناب موسیٰ کاظمؑ پر ختم مانتے ہیں۔

(۳۰) فرقہ احمدیہ۔ یہ جناب موسیٰ کاظمؑ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے احمد بن موسیٰ کو امام مانتے ہیں۔

(۳۱) فرقہ امامیہ۔ یہ گویا اس فرقہ کے اصل اصول ہیں۔ لفظ امامیہ جب بغیر کسی قید کے بولا جائے تو یہی فرقہ مراد ہوتا ہے۔ یہ آٹھ عشرہ ہیں ان کے نزدیک سلسلہ امامت اس طرح ہے۔ پہلے علی موسیٰ الرضاؑ ان کے بعد ان کے بیٹے

محمد تقی جو اجداد کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کے بعد ان کے بیٹے علی نقی معروف بہاؤی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے حسن مکی ان کے بعد ان کے بیٹے محمد ہدی ان کو یہ قائم منظر بھی مانتے ہیں اور ان کے خرمج کے منظر ہیں۔ پھر ان ہی کے وقت غیبت اربعہ سال میں مختلف الخیال ہو کر یہ چند فرقوں میں بٹ گئے۔ بلکہ بعض بعض ان کی موت اور رجعت کے بھی قائل ہیں ان فرقوں کو شامل کر کے گویا ان کی مجموعی تعداد اسیس تک پہنچتی ہے۔

(۳۲) فرقہ جعفریہ۔ یہ حسن عسکری کے بعد جعفر بن علی کی امامت کے قائل ہیں۔ جو ان کے بھائی تھے کہتے ہیں کہ حسن عسکری نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ یہ تولد ہدی کے بھی منکر ہیں۔

اسی بیان کے ذیل میں یہاں چند فائدہ لائق تحریر ہیں ناظرین انہیں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا فائدہ: شیعہ کے لقب سے سب سے پہلے وہ انصار و مہاجرین لقب ہوئے جو ہر پہلو سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی متابعت اور ہمدردی میں سرگرم رہے اور خلافت کے وقت آپ کے رفیق محبت رہے۔ آپ کے مخالفین سے لڑتے رہے۔ آپ کے ادا و نفاذ ہی کو تسلیم کرتے رہے۔ دراصل مخلصین شیعہ ہی حضرات تھے، یہ لقب پہلے پہل شیعہ میں روشناس ہوا۔ اس کے بعد تین سال بعد فرقہ تفضیلیہ وجود میں آیا۔ ابوالاسود دلی جو علم نحو کا موجد اور امام مانا جاتا ہے اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا وہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شاگرد تھا۔ اور آپ ہی کے حکم اور تعلیم کے مطابق علم نحو کے مدون اور تالیف کرنے میں مشغول ہوا۔

ابوسعید سہمی بن یحییٰ مروانی جو تابعی تھے۔ اسی فرقہ میں سے تھے اور عبداللہ بن سہید مدوی سے میل ملاقات رکھتے تھے۔ یہ قرأت، تفسیر، نحو اور لغات عرب کا بڑا عالم اور ماہر تھا۔ اس کا شمار بصرہ کے فراء میں ہوتا ہے اور نحو میں ابوالاسود مذکور کا شاگرد تھا۔

قاضی شمس الدین احمد بن خلیکان۔ وفیات الاعیان میں بیان کرتے ہیں کہ سہمی بن یحییٰ شیعانِ اولیٰ کے اس فرقہ سے تعلق رکھتا ہے جو اہل بیت کی تفضیل کے قائل تھے۔ بغیر اس بات کے کہ دیگر صاحبان فضل حضرت کی برائی میں ملوث نہ ہو! یہ حضرات بھی اسی فرقہ سے متعلق تھے۔

(۱) سالم بن ابی حفصہ، جو امام محمد باقر اور امام جعفر سے حدیث کا راوی ہے۔

(۲) عبدالرزاق صاحب مصنف جو اہل سنت کے معروف و مشہور محدث ہیں۔

(۳) ابو یوسف یعقوب بن اسحاق، جو اصلاح المنطق کے مصنف ہیں۔ ان کو ہی ابن سکیت کہتے ہیں۔

اس کے بعد برائی شیعوں کا فرقہ وجود میں آیا۔ یہ بد بخت بڑے مدبیلہ القدر صحابہ کرامؓ اور امامات المؤمنین و رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نہ صرف لعن و طعن کرتے تھے بلکہ گالیاں بھی دیتے تھے۔

یہ بیان شدہ ترتیب مذاہب کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ یہ سب فرقے امیر المؤمنین کے عہد ہی میں عبداللہ بن سبا کے درغلانے اور ہر کانے سے وجود میں آچکے تھے۔

باقی کے معروف فرقوں کی سنین پیدائش حسب ذیل ہیں۔

کیسانہ ۹۲ھ میں مختار یہ ۱۱۷ھ میں ہشامیہ ۱۱۸ھ میں زبیدیہ ۱۱۸ھ میں جو الیقینہ اور شیطانیہ ۱۱۸ھ میں درانیہ، مغربیہ، باریہ، تادسیہ اور عامیہ ۱۲۵ھ میں، اسماعیلیہ ۱۵۱ھ میں (اسماعیلیہ میں سے) مبارکیہ ۱۵۶ھ میں

(اور امامیہ میں سے) واقعہ ۸۳ھ میں جسٹین ۱۹۵ھ میں۔ اٹھارویں صدی ۱۷۵۰ھ میں (اسماعیلیہ میں سے) مہدیہ ۲۱۹ھ میں۔

اس فرقہ کے لوگ محمد بن عبداللہ بن عبید اللہ کے جن کا لقب ان کے خیال میں مہدی تھا۔ کی امامت کے قائل ہیں۔ یہ مہدی خود کو اسماعیل بن جعفر کی اولاد میں شمار کرتا تھا اور امامت کا مدعی تھا۔ سند مذکور میں اطراف مغرب میں اس نے خرخرچ کیا اور سنتہ ۷۷ میں افریقہ پر اقتدار حاصل کر لیا۔

یہ اپنا نسب یوں بیان کرتا تھا۔ محمد بن عبداللہ بن عبید اللہ بن قاسم بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن جعفر۔ علامہ نسب اس نسب کے بیان میں اسے دروغ گو قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اسماعیل بن جعفر اپنے والد سے پہلے فوت ہو چکے تھے اور انہوں نے سولہ تھے محمد کے اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی تھی۔ اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ یہ محمد اپنے دادا کے ساتھ بغداد گئے اور وہیں لاؤلف فوت ہوئے۔ شیعوں میں بھی سب کو اس نسب نامہ کی سمیت سے انکار ہے۔

تو پھر اس کا حقیقی نسب کیا تھا؟ اس میں علمائے انساب کا اختلاف ہے، مغرب کے علمائے انساب کہتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن سالم بصری کی اولاد میں سے ہے۔ اور اس کا باپ بصری میں نان بائی تھا۔ اور عراق کے علمائے انساب کا کہنا ہے کہ وہ بطریق بیان بالا عبداللہ بن میمون اقلح اجوازی کی نسل سے ہے۔

بہر حال مہدیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ محمد بن عبداللہ مذکور مہدی موعود ہے۔ اس کے نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ عَلٰی رَأْسِ ثَلَاثِ مِائَةٍ تَطْلُعُ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبٍ بِهَا تَقْسِرُ مَدْيَیْكَ الْقَتَامُ بِرُسُورِجِ اَيْسَ عَرْشِ هُوْنِیْ كِی سَمْتِ سَی طُلُوعِ هُوْكَ اَوْرُ سُرُجِ سَی مَرَادِ مَدْيِ اَوْرُ مَغْرِبِ سَی مَرَادِ مَلِكِ مَغْرِبِ لٰكِن حَقِیْقَتِ یَہ ہے کہ حدیث اور مرادی معنی دونوں ہی ان کے من گھڑت ہیں۔

اگر ہم بغور جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسماعیلیوں کا اصل عقیدہ یہ ہے کہ شرع کے احکام کا انکار کیا جائے اور نظم و انصرام کو رد کر دیا جائے۔ چنانچہ اس فرقہ مہدیہ کے ایک بادشاہ نے جو نام بھی تھا مصر میں یہ فرمان جاری کیا تھا کہ مجلس میں جب اس کا نام آئے تو لوگ سجدہ میں گر جائیں۔ وہ خدا سے ہمکلامی کا بھی دعویدار تھا اور علم غیب کا مدعی بھی! اگر اس کی بد اعمالیاں اور بد فعلیاں دیکھنی ہوں تو کتب تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

مہدیہ کفر و الحاد کو دل میں چسپا کر، بظاہر ہر پرہیزگاری، کثرت طاعت اور نفاذ احکام شرع میں بڑے سرگرم دکھائی دیتے اور زور دیتے تھے۔ تاکہ لوگوں کو اپنی طرف زیادہ سے زیادہ مائل رکھ کر فوجوں کے لئے نفری حاصل کر سکیں۔ یہی طرز عمل حمیریہ کا بھی تھا۔ کفر و الحاد کا برملا اظہار قرامطہ کی ایجاد ہے۔ یہ قرامطہ مقتدر عباسی کے خلاف معروف پیکار ہوئے، بعض شہروں اور دیہات پر قبضہ کر لیا ج کے دنوں میں مکہ معظمہ پہنچے اور تین ہزار عابیوں کو بیدردی سے شہید کیا۔ یہ واقعہ ۳۱۷ھ میں پیش آیا اس گروہ کا سردار ابوسعید جنابی قرمطی تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بھی باپ کے قدم بقدم چلا۔ بلکہ دو قدم آگے ہی رہا۔ اس نے بھی بڑے لاؤشکر کے ساتھ حج کے دنوں میں مکہ معظمہ پر چڑھاؤ کی، قمر و سرکشی کا یہ عالم کہ گھوڑے پر سوار مسجد الحرام میں گیا، شراب کا پیالہ ہاتھ میں تھا وہاں شراب پیتا رہا اور حاجی اس کے سامنے اس کے حکم سے قتل کئے جاتے رہے۔

گستاخی اور پاجبی پن کی انتہا کر دی کہ گھوڑے کو شہنشاہ اور علیٰ مسجد الحرام میں پیشاب کرایا، فوجیوں کو حکم دے

کہ حجر اسود کھڑا یا پہلے تو اسے کوفہ کے گھوڑوں پر لادایا۔ پھر اٹھوا کر اپنے قبضہ میں کر لیا، چنانچہ حجر اسود اس ملعون کے قبضہ میں رہا۔ عباسی خلیفہ مطیع لامر اللہ البراق نام فضل بن المقتدر نے تیس ہزار اشرفیوں کے عوض اس سے خرید لیا۔ خریداری کے سونے کے وقت یہاں ابوطاہر بن ابرہہ حجر اسود لے کر کوفہ کی مسجد میں آیا اور ایک ستون پر اس کو لٹکا دیا۔ شہر کے سربراہ آدرہ لوگوں کو جمع کیا اور ان کی موجودگی میں اسے خلیفہ کے وکیل کے حوالہ کیا۔ اس مجلس میں محدث ابن حکیم بھی موجود تھے۔ انہوں نے ایک حدیث بیان کی جس میں حجر اسود کی بعض ملامت مذکور ہیں۔

يُحْتَسَرُ هَذَا الْحَجَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَمَّا عَيْنَانِ يَصْبِرُ بَيْنَهُمَا وَرِسَانٌ يَنْكَلِمُ بِهِمْ يَشْفَعُ لِمَنْ اسْتَلَمَهُ بِعَقِبِ قَرْنِهِ كَحَجَرٍ يَطْمَعُ عَلَى الْمَاءِ وَلَا يَحْتَرِفُ يَا الشَّارِدَ۔ (قیامت کے دن حجر اسود کے آنکھیں بھی ہوں گی جن سے وہ دیکھتا بھی ہوگا، اس کے زبان بھی ہوگی جس سے وہ بولتا ہوگا۔ جس شخص نے اس کا استلام کیا ہوگا۔ اس کے شتلق گواہی دے گا۔ یہ وہ پتھر ہے جو پانی پر تیرتا ہے اور آگ اُسے جلا نہیں سکتی)

ابوطاہر نے اس کے یہ اوصاف سنے تو طنز و مذاق سے ہنسنے لگا۔ استمان کے لئے آگ منگائی حجر اسود کو اس میں ڈالا محروم نہ جلا۔ پھر پانی منگو کر اس میں ڈالا تو وہ پانی پر تیرتا رہا۔ وہ بڑا حیران ہوا اور بے ساختہ کہنے لگا۔ آج مجھ پر اسلام کی حقانیت واضح ہو گئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں اس کی بیخ کنی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مگر بیٹ دھرمی دیکھئے کہ اس صریح اعتراف کے بعد بھی اپنے مذہب و عقیدہ سے کسکش نہیں ہوا اسی سے چٹا رہا۔

مہدیہ میں کافرتہ حمیریہ جس کو المونیہ بھی کہتے ہیں۔ اور جس کا بیان اوپر آچکا ہے سلسلہ میں ظاہر ہوا اور ان کا فرقہ مستقل بھی فتنہ تانا شروع ہونے کے بعد وجود میں آیا۔

دوسرا فائدہ۔ جب شیعہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے، تو ہر فرقہ کا داعی مذہب، شہر شہر، ملک ملک پھیل گئے، تاکہ ملکی اور ریاستی تسلط و غلبہ حاصل کرنے کے لئے اپنے متبعین کی تعداد بڑھائیں۔ اس سلسلہ میں ان کا ہام رابطہ قائم رہتا اور وہ اپنی اس جدوجہد میں صلاح مشورہ بھی کرتے رہتے! اپنے مذہب اور فرقہ کی ترویج اور لوگوں کو اپنی طرف بلانے کی جتنی کوشش اور سعی شیعہ فرقوں نے کی کسی اور فرقہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کا اصل راز یہ ہے کہ ان کے مذہب کی بنیاد بعض خاص اشخاص کی امامت پر منحصر ہوتی تھی۔ اور امامت جو نہ ریاست کا ایک شعبہ ہے بلکہ اعلیٰ قسم کی ریاست ہے اس لئے ان کے لئے ناگزیر تھا کہ وہ اپنے امام کے حالات کا زیادہ سے زیادہ پردہ پگینڈا کریں اور لوگوں کو ترغیب دے کر ان کا معتقد بنائیں تاکہ امامت ریاست و اقتدار کی شکل اختیار کرے۔ بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ ان کا اصل مذہب ریاست سے کوئی خاص شغف نہیں رکھتا۔

شیعوں کے جن فرقوں کی تقدیر نے باوری کی ان کو اقتدار و جاہ و ثروت حاصل ہو گئی اور بعض ناکامیوں کا داغ دل پر لئے رخصت ہوئے۔ پھر جن کو جاہ و ثروت حاصل ہوئی تو بعض کے ہاں دو تین پشت تک اس کا سلسلہ چلا۔ اور بعض دوسروں کے ہاں چاروں کی چاندنی ثابت ہوئی۔ اس لئے ان میں ہر فرقہ کا زمانہ وجود مختلف رہا۔

اہل تاریخ کے بیان کے مطابق بغداد میں تاوسیہ فرقہ کی منشا کے دوران بہت کثرت تھی۔ شیعوں کے دوسرے فرقے اکثر مصر، شام، عراق، فارس اور خراسان میں پھیلے ہوئے تھے۔ جب تاریخی فتنہ نمودار ہوا تو یہ اپنے شہر چھوڑ کر دور دراز اطراف و جوانب میں جا پڑے اور وہاں کے شہریوں کے لئے مصیبت اور وبال جان

دایمان بن گئے، لوگ ان کے بہکائے میں آکر راہ راست سے بھٹک کر گمراہی میں جا پڑے۔ مگر فتنہ آتارنے کبھی کو مدد بخشا، ان کے اکثر فرقے بے نام و نشان اور نصیحت و تابود ہو گئے، سوائے چند غلّۃ اور باطنیہ کے، البتہ زید بن ابیہ اشعث عشریہ اور مہدیہ کی خاصی تعداد بچ گئی۔

غلّۃ میں سب سے بڑا فرقہ سبائیہ کا ہے۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اردو بیل اور آذربائیجان کے کچھ شہروں میں یہ برائے نام موجود ہیں۔ ان کی عبادت صرف یہ ہے کہ سال بھر میں تین روزے رکھ لئے جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ ترکی کے شہر بغداد میں بھی کچھ موجود ہیں۔ ان کا سردار کہتا ہے کہ وہ یحییٰ بن زید بن علی بن حسین کی نسل سے ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس شہر کے سارے باشندے قدرتی طور پر بے داروغہی کے ہوتے ہیں۔ البتہ سردار لبس داروغہی والا ہوتا ہے۔ زابلستان کے دیہات میں بھی ان کا کچھ پتہ چلتا ہے۔

غلّۃ کے دوسرے فرقوں میں سے مغنلیہ اور نصیریہ ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اللہ تعالیٰ کے حلول کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان میں مغنلیہ کا زمانہ وجود کان رازنہ ہوا اور وہ اب تک بلا و گنجو میں موجود ہیں اور نصیریہ بھی کہ ان کا زمانہ وجود بھی کافی دراز ہے اور وہ اب تک کوہستان خراسان میں اور کہیں کہیں خراسان کے شہروں میں بھی موجود ہیں، ان میں سے بعض محمد شاہ (غالباً رگیلہ) بادشاہ دہلی کے زمانہ میں ہندوستان بھی آئے تھے اور امیر خانی کے گھرانے سے تھے۔ چند معتبرین سے ان کی ملاقات بھی ہوئی، و دران ملاقات انہوں نے بتایا کہ کوہستان خراسان میں ابجیان نام کا ایک گاؤں ہے وہاں کے باشندے سب کے سب غلّۃ اور نصیریہ ہیں۔ اس گاؤں میں ان کا ایک امام ہے جو خود کو علوی کہتا ہے۔ خراسان کے ہر ایک شہر میں اپنا ایک نائب اور ایک واقعہ نویس بھیجتا ہے۔

ان کی اصطلاح میں امام کو الہ نائب کو رسول اور واقعہ نویس کو جبرئیل کہتے ہیں۔ ان کو مذہب سے کوئی سروکار نہیں۔ کسی عبارت سے واقف نہیں۔ سوائے اس کے کہ اپنے امام کو خمس ادا کرتے ہیں۔ ابجیان کے قرب و جوار کے دیہات میں بھی اسی مذہب کے لوگ آباد ہیں۔ دیہ نصیری اور غلّۃ علوی اب پندرہویں صدی ہجری میں بھی عراق و شام میں نہ صرف موجود ہیں بلکہ حکومت و اقتدار پر بھی آجکل ان کا قبضہ ہے۔ (۱۲ غنائی)

ان کے عقوٰقیدوں میں سے چند یہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کبھی زمین کی رہائش سے اکتا جاتا ہے تو وہ ابر کو حکم دیتا ہے تو وہ سیڑھی کی طرح قائم ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر چڑھتا ہے اور آسمان پر پہنچ کر وہاں کی سیر کرتا ہے اور پھر زمین پر اتر آتا ہے۔ وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرستادہ ہیں۔

یہ قیامت کے منکر ہیں، اور اجسام و ابدان میں تناسخ ارواح کے قائل ہیں، کہتے ہیں کہ وہیں ہمیشہ ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے نزدیک جنت اس انسان کے بدن کا نام ہے جو صاحبِ نعمت ہو اور دوزخ اس انسان کے بدن کا نام ہے جو صاحبِ عذاب ہو (یعنی بھوکا ننگا)

اور زید بن بلاد عرب میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہاں تک بعض شرفاء حنفیہ جو زیدی مذہب رکھتے تھے بلاد میں پر مسلط ہو گئے۔ انہوں نے زیدیوں کو مین میں بلا کر اکٹھا کر لیا۔ اور اب تک یہ وہیں جمع ہیں۔ مین کا نصبت غلّۃ جو بلند اور کوہستانی غلّۃ ہے اور محمد مین کہلاتا ہے زیدیہ مذہب کے لوگوں سے آباد ہے اور دوسرے نصف، یعنی

نیشی اور سائل علاقے میں شافعی المذہب لوگ سکونت پذیر ہیں۔

اور اسماعیلیہ فرقہ میں سے باطنیہ بعض بلاد خراسان، کوہستان بدخشان دریائے شسر کے ساحلوں اور گجرات ہند میں موجود ہیں جن کو اہل خراسان کی اصطلاح میں مین کہتے ہیں۔ چیمپک میمنان جہاں سے عمدہ اور اچھے گھوڑے برآمد کئے جاتے ہیں۔ مینوں سے آباد و معمور اور بھرا پڑا ہے۔

اسماعیلیہ فرقہ کی شاخ مہدیہ کی رسی بہت دراز ہوئی۔ اور ان کی طاقت و قوت باہم عروج تک پہنچی۔ چنانچہ محمد بن عبد اللہ کے حالات میں سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔

یہ شخص جس نے اپنا لقب مہدی رکھا ۲۹۱ھ میں بلاد مغرب میں اٹھا اور مقتدر عباسی کے امراء سے برسرِ پیکار ہوا جو ان اطراف کے صوبہ دار تھے۔ بالآخر ان پر قابو پا کر افریقہ پر فائز ہوا اور اپنا اقتدار اور قبضہ جما لیا۔ مہدی مغرب بجو مدت تک اس کی اولاد کے زیرِ نگیں رہے۔ رفتہ رفتہ مین واسلے بھی ان کے مذہب کے سلقہ بخوش آئے۔

ان کی سلطنت و اقتدار کو راز ابتداء انتہاء و سوساٹھ برس ایک زمانہ سے چلانا آئیے حسن صباح حمیری نے ۳۸۵ھ میں سراٹھایا اور ان پر تسلط حاصل کر کے حسن الموت کو اپنا مستقر بنایا۔ اور حسن الموت سے ہر ایک موصوعہ بنا کر ریاضات شاذہ میں مشغول ہو گیا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ اس کے تقویٰ و پرہیزگاری کو دیکھ کر دھوکہ کھا جائیں اور اس کے دامِ ترویج میں پھنس جائیں اور اس کا یہ مکر کامیاب رہا۔ اور قزاقین، اطریہ اور کوہستان کے لوگ جو حق و راجح اس کی عقیدت کا پھندا لگے۔ میں ڈال کر اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس کے بعد اس نے مذہب نزاریہ کو ظاہر کیا۔ اور اہل سنت کی جان کا لاگو ہو گیا۔ اور ان کی ایذا رسانی میں کوئی مکر، کوئی حیلہ باقی نہیں چھوڑا۔ ان کا سب سے بڑا مکر یہ تھا کہ اپنے متبعین میں سے فتنہ پرداز اور اندھے متقلد قدامیوں کو چھانٹ چھانٹ کر اسلامی شہروں میں بھیجتا اور ان کو ہدایت کرتا کہ اہل سنت کے علماء، امراء اور حکام کو جس طرح اور جب بھی موقع ملے قتل کر دیں۔ چنانچہ کچھ فدائی طالب علم بن کر بعض علماء کے شاگرد بن کر رہے۔ جلوت و غلوت میں حدیث کر کے ان کا اعتماد حاصل کیا اور جب موقع ملا ان کو شہید کر کے چلتے بنے۔

اس حیلہ و فریب سے اہل سنت و الجماعت کے بہت سے علماء، امراء اور علماء کی ایک جماعت کو قتل کر لیا جب قوت و اقتدار میں کافی اضافہ کر لیا تو اب امراء و حکام اور بادشاہوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہو گیا۔ اور ان کو شکست دی۔ یہ بات پہلے مذکور ہو چکی ہے کہ حسن صباح کا وقت آخر قریب آیا تو اس نے ابن کیا کو اپنا نائب بنا کر اپنا منہ جاری رکھنے کی تاکید کی۔ ابن کیا نے مرنے وقت اپنے بیٹے محمد کو اور اس نے اپنے بیٹے حسن کو جو اپنا نائب ہوا بن نزار سے ملانا تھا، اپنا نائب بنایا۔ یہ حسن کفر و التماذ کا گویا مجسمہ تھا۔ اس کے اسلاف نے جن باتوں کو چھپا رکھا تھا یہ ان کو بر ملا ظاہر کرتا تھا۔ اس کے نائبوں اور پیروکاروں کی بادشاہت ایک سو اکتھتر برس تک رہی۔ بالآخر تارکیوں نے ان کا نام و نشان تک مٹا ڈالا۔ گویا قدرت نے ان کا قلع قمع کرنے کو ہی تامل ہی پیدا کئے تھے۔

فرزہ مستعلویہ کی بادشاہت پانچ سو ساٹھ برس رہی۔ مگر اب ان چند لوگوں کے سوا جن کا کچھ پتہ مین کے انتہائی اطراف میں یا دریائے سندھ کے کنارے ملتا ہے کوئی باقی نہیں بچا۔ واللہ اعلم

واضح رہے کہ ہندوستان میں ایک اور جماعت ہے جنہوں نے اپنا نام مہدیہ رکھا ہوا ہے۔ جن کا خیال ہے

کہ حضرت مہدی آئے بھی اور پہلے بھی گئے۔ یہ لوگ بلادِ دکن اور راجپوتانہ میں کافی تعداد میں ہیں۔ مگر ان کا کسی قسم کا کوئی تعلق اثناعشریہ مہدویہ سے نہیں ہے یہ ایک جُدا اور مستقل جماعت ہے اس کا مسئلہ امامت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اہل سنت سے فردی مسائل مثلاً دعائیں ہاتھ اٹھانے یا تقسیم میراث میں کچھ اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ سید محمد جوہری کے پیروکار ہیں جو اپنے آپ کو مہدی موعود سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی خیال کے رد میں علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح احادیث پر مشتمل ایک رسالہ تصنیف کیا جس میں مہدی موعود کی علامات بالتفصیل بیان کی ہیں۔

اب اسے اثناعشریہ، تو یہ ابتداً عراق کے گرد و نواح میں متفرق جماعتوں کی شکل میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ لوگ اکثر خود کو اہل سنت میں شمار کرتے اور تقیہ و اخفا سے کام لے کر دور دور رہتے تھے۔ یہاں تک کہ بلادِ عراق میں آلِ بویہ یا آلِ برسرِ اقتدار آئے۔ ان کا پہلا بادشاہ حماد الدولہ تھا۔ جس نے اپنے علاقہ کے بادشاہ کو زیر کر کے اس سے حکومت چھین لی، پھر مقتدر عباسی کی خلافت کے زمانہ میں اطراف و جوارب کے بادشاہوں سے بڑی بڑی لڑائیاں لڑ کر فتح حاصل کی۔

در حقیقت اس کا باپ اور بھائی بامقصد پیشہ شکاری تھے، جو پرندوں اور پھلیوں کا شکار کر کے ان کو فروخت کر کے گذر بسر کرتے تھے۔ اسی حال میں انہوں نے ولیم کے کوہستان سے عراقِ عجم کا سفر کیا، وہاں کسی شہر میں ٹھہرے ذرا دھنگ کا لباس پہن کر ایک امیر سے ملاقات کو گئے، وہ ان کی جسمانی وجاہت اور لچھے دار باتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ ان کو بادشاہ کے پاس لے گیا۔ وہاں ان کو کٹ کر یں میں بھرتی کر لیا گیا۔ یہ اپنی کارگزاریوں اور تعلق و چرب زبانی کے باعث بلند سے بلند مہدوں پر فائز ہوتے رہے۔ تا آنکہ امامتِ عظمیٰ تک جا پہنچے، جب بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو حماد الدولہ جو عقل و تدبیر سے اہل خانہ میں اپنا اعتماد ججاچکا تھا۔ تختِ شاہی پر متمکن ہو گیا۔ یہ سلسلہ کا واقعہ ہے ان کا دور حکومت ایک سو ستائیس برس تک دراز ہوا۔ اور اس دوران ان کی حکومت بلادِ فارس، عراقِ عجم اور ولیم میں مضبوط و مستحکم ہو گئی۔

ان کا پورا خاندان غلامۃ اثناعشری تھا۔ اس لئے سارے کے سارے اثناعشریہ ادھر ادھر سے سمٹ کر ان کے شہروں میں اکٹھے ہو گئے، اور آفدہ بایمان، خراسان، جرجان، مازندران، جیلان اور جبالِ ولیم تک جو ان کی فکر و کی آخری حد تھی اسی مذہب کا زور ہو گیا۔

اس مذہب میں کثرت سے اہل علم پیدا ہوئے۔ جنہوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن اس غلبہ اور قوت کے باوجود تقیہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یہاں تک کہ ان کا وزیرِ اعظم صاحبِ بوادِ خود کو معتزلی بتاتا تھا مالانہ در پردہ بڑا سخت اور کٹر افضی تھا۔

جب دیا لمہ (ولیم والوں) کی سلطنت کا شیرازہ پراگندہ ہوا۔ اور سلطنت جاتی رہی تو اکثر اثناعشریوں نے تقیہ سے کام لیا اور معتزلیوں اور اہل سنت سے کشیدہ شکر ہو گئے۔ تا آنکہ فتنہ تاتار کا ہنگامہ برپا ہوا جس نے سب خشک و تر کو جلا کر خاک کر ڈالا۔ اس وقت کے عباسی خلیفہ کا نام وزیرِ عظمیٰ تھا۔ جو فداری کر کے در پردہ تاتاریوں سے ساز باز رکھتا تھا۔ اول اول تو اس نے بہت زور بھرا مگر بالآخر تباہی و بربادی کی ذلت سے دوچار ہوا۔ پھر جب اسلام بن کچھ ضعف ہوا۔ اور اہل سنت کا ڈر دلوں سے نکلا تو پھر اس فرقہ نے پرچہ زبے نکالے

اور خاص قوت پکڑ گئے۔ امدان شہزاد میں پھر اپنے مذہب کی اشاعت شروع کر دی۔

جب سلاطین غلامان بن ارمغان بن الباقین ہلاکو بن توتلی بن چنگیز خاں۔ مسلمان ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہزاروں لاکھ کری اور اس کے پیروکار بھی مسلمان ہو گئے۔ اس نے اپنا نام محمود رکھا۔ اور طریق اہل سنت کے موافق نہایت سلامت روی کے ساتھ حکومت کی اور زندگی گذاری۔ اس کے بعد اس کا بیٹا الچایق خدائندہ بادشاہ بنا۔ یہ فن تعمیر کا دلدادہ، کھیل تماشاؤں اور لہو و لعب کا شوقین تھا۔ اتفاقاً ایک اثنا عشری رافضی جس کا نام تاج الدین تھا اس سے آگیا۔ اس نے بادشاہ کو اپنے مذہب کی ترغیب دی، بادشاہ اس سے متاثر ہوا، اور اس کے بہ کائے میں اگر اپنا مذہب ترک کر کے شیعہ ہو گیا۔ اس بات سے شہ پاک کو تاج الدین نے ندر شور سے اپنے عقائد کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی۔ اپنے مذہب کے علماء و علماء ابن مسلمان کو دربار شاہی میں کھینچ لایا۔ بادشاہ کے سامنے تعریف و ترمیم کر کے ابن مسلمان کی قدر و منزلت بادشاہ کے دل میں اتاری۔ اور رفتہ رفتہ سلطان کو یہ بار کر اوریا کہ سب اسلامی فرقوں میں نجات یافتہ فرقہ میں اثنا عشری ہی ہے۔ کھنڈہ اس سلطان جو نو مسلم ہی تھا، حقیقت دین سے ناواقف اور تاریخ اسلامی سے ناہد۔ اس لئے تاج الدین کا بار اس پر اچھی طرح چلی گیا۔ اور سلطان کو مع اہل خانہ و متبعین اپنے مذہب میں گھسیٹ لایا۔

ابن مسلمان کی کتابیں مثلاً بیچ الحق۔ منہج الکرامہ وغیرہ صغوی طور پر سلطان اور اس کے امراء و متبعین کے لئے لکھی گئیں۔ غرض اس زمانہ میں مذہب اثنا عشریہ کا غلبہ خوب بلند ہوا۔ ابن مسلمان نے الفین شرح تجرید، استبصار نہایت غلامہ اور مبادی در اصول بیسی کتابیں اس فرقہ کے لئے لکھیں۔

سلطنت میں سلطان کا بیٹا تخت نشین ہوا تو علمائے اہل سنت کے بھانے بھانے سے مذہب رافضی سے توبہ کر لی، اور اس عقیدہ بد سے بیزاری کا اظہار کر کے تمام رافضیوں کو اپنی قلمرو سے نکال دیا، اور علی کا بریا یسترجی گول ہو گیا۔

غرض ان کے تمام علماء اور داعی ادھر ادھر روپوش ہو گئے۔

تا آنکہ تراکم نے جو دراصل اثنا عشری تھے، دیار بحر اور اس کے گرد و نواح میں قوت حاصل کر کے اپنی سلطنت قائم کر لی، تو پھر سے ہونے آوارہ گرد، علماء اور فریب کار پھر ایک جگہ جمع ہو گئے اور تقریباً پچاس برس تراکم کے زیر سایہ سب دشمن کا غورہ مچاتے اور اپنی عاقبت خراب کرتے رہے۔ جب تراکم کی حکومت کمزور پڑی۔ تو اس مذہب کا دور ٹوٹا۔ مگر جب سلطنت میں سلاطین حیدریہ جو اپنے آپ کو صفوی کہتے تھے اور جن کی تراکم سے قربت ظہری اور سمدھیانے کی رشتہ داری تھی۔ تراکم کی سلطنت پر قابض ہو گئے۔ اور عراق، عجم، کرمان، مازندران، آذربائیجان، خراسان اور تبریز بغیر کسی مقابلہ و محاذ کے ان کے زیر اقتدار آ گئے تو ایک بار پھر ان کو یکجا ہونے کا موقع ہاتھ آیا۔ اور اس فرقہ کے علماء بڑے شد و مد سے پھر جمع ہو کر اپنے شیطانی کام میں جٹ گئے، اس دفعہ ایک نئے فتنہ کی داغ بیل ڈالی، کسی خوشامدی عالم نے بادشاہ کو نائب صاحب الزماں قرار دے کر مسجد کی رسم جاری کرائی۔ اس کی چال پلوسی جب کامیاب ہوئی اور معاجرت شاہی کا اعزاز مل گیا تو بادشاہ کے کان بھرے کہ وہ لوگوں کو مسجد پر مجبور کرے اور مرتد بن کر دے دے کہ حوالہ تیغ کرے۔ جمعہ و جماعت کی ادائیگی سے مسلمانوں کو جبراً رکے۔ تحویل قبلہ بکاتب یسار لکھے

غلیبوں کے لئے فرما جاری کرے کہ منبروں پر ہی نہیں لگی کوچوں میں بھی تبلیغی القادری صحابہ کرام اہل بیت علیہم السلام حضرت صدیق و حضرت حنفیہ رضی اللہ عنہم پر علی الاعلان گال گلوچ کریں۔ مجوز نے تبریٰ اور من مین کے وجہ پر کہتا ہیں شائع کیس۔ وہ جو کہنا بادشاہ دل و جان سے اس کو ماننا، علمائے اہل سنت کی ایک جماعت اس کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ مساجد پرانہ و برباد ہوئیں۔ صالحین امت میں سے عین القضاۃ ہمدانی، قاضی ناصر الدین بیضاوی و رحما اللہ کی میتوں کی بے حرمتی کی حتیٰ کہ ان کی قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال کر نذر آتش کی گئیں۔ البتہ بہت سے اور بزرگ علماء و علماء مثلاً شیخ الاسلام احمد جامی، شیخ ابوالحسن غیر قانی، ابو زید بسطامی، شیخ الاسلام عبد اللہ القاری اور تمام مشائخ ہرات رحمہم اللہ تعالیٰ جو وفات پا چکے تھے حمایت ایزدی سے اس فتنہ اور بے حرمتی سے محفوظ رہے۔

اس پر فتنہ دور میں اہل سنت کی جائے پناہ بلاد ماوراء النہر تھے۔

جو شخص بھی ان کے جوہر دستم سے بچ نکلتا وہ کسی نہ کسی صورت سرزمین توران پہنچتا اور ان کی بربریت و ظلم و شقاوت کی مجسم تصویر وہاں کے حکمرانوں کو دکھاتا۔ بہت سے اہل دین اور علمائے کرام کی طرح ہرات کے ملازمے بھی ان کے منہ سے نہ بچ سکے، جب وہ ظلم دستم سہ کر اور بے انتہا دکھ جھیل کر توران پہنچے تو خاقان اعظم عبید اللہ خاں کے پاس گئے اور اس کو مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کی سرکوبی کے لئے غیرت دلائی، چنانچہ اس نے اس کا اثر لیا اور خراسان پر چڑھائی کر کے نہ صرف مظلوموں کا پرہیز پرہیز لیا بلکہ ظالموں کا اقتدار بھی خاک میں ملا کر خراسان سے بے دخل کر کے خود اس پر قبضہ کر لیا۔

عبید اللہ خاں کے انتقال کے بعد صفوریوں نے گو خراسان پر دوبارہ قبضہ کر لیا، مگر ملک تجارت و بلخ نے انہیں مین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ اڑبک اور ترک ہر سال پے پے ان سے برسریا کرتے رہتے۔ دوسری طرف بلوک و امرائے خوارزم ان سے برابر جہاد کرتے رہتے اور قتل و غارت اور ان کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے، اُدھر قیصر روم تبریز اور اردبیل کی طرف سے ان کے سر پر سوار رہتا۔ غرض دو سال بد نظمی اور اختلاف کے ساتھ گزار کر بالآخر خاقان کے قدموں تلے روندے گئے۔ اور ذلت و خواری سے دوچار ہوئے۔ ان افغانوں نے بادشاہ وقت کو اصغہاں میں نرسے میں لے لیا۔ بالآخر حصار کی بندشوں اور بھوک کی تکلیف سے تنگ آ کر انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ افغانوں کا سردار شہر میں فاتحانہ داخل ہوا بادشاہ اور اس کے گھر والوں کو گرفتار کر کے مملکت پر قابض و متصرف ہو گیا۔ یہی وقت تھا کہ اس مذہب کے لوگ ان شہروں سے بھاگ بھاگ کر ہندوستان میں پناہ گیر ہوئے اور اچھا تھا جتھہ جمع ہو گیا۔ وہ یہاں کے امراء، تجار اور ملک کے سامنے ہر ممکن طریقہ اور حربے سے اپنا اعتبار جا لینے میں کامیاب ہو گئے۔ اور پھر یہاں بھی انہوں نے اپنی فطرت کے جوہر دکھانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، رفتہ رفتہ یہاں بھی ان کا مذہب پھیل گیا۔ اور بالآخر ہندوستان کی وزارت، امارت اور صوبہ واریاں قبضانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں انہوں نے عراق و خراسان کی طرح اثر و رسوخ قائم کر لیا۔

تیسرا فائدہ :- شیعی فرقوں میں سے ہر فرقہ میں داعیان مذہب ہوتے تھے جن کو دُعا کہتے تھے۔ یہ صرف اپنے اپنے فرقہ کے مذہب کی طرف بلاتے تھے۔ ان کی دعوت کے چار طریقے تھے۔ (۱) علم (۲) مال (۳) زبان (۴) تلوار۔ (۱) علم سے وہ اس طرح کام لیتے کہ شبہات کو شہرت دیتے اور ان پر ایسی موزوں اور چچی تلی گفتگو کرتے

کہ ہر خاص و عام کے دل میں آجڑ جائے۔ اور ہر شخص کی قابلیت، عادت اور مذاق کے مطابق ہر کام کرتے۔ اہلسنت کے دلائل توڑ مروڑ کر اپنے مذہب کی تائید و تہلیل میں اور دوسرے کے مذہب کی مذمت میں استعمال کرتے۔

(۲) مال سے کام لینے کا طریقہ۔ مثلاً اس مذہب کو قبول کرنے والوں کو، ہدیئے، تحفے اور انعامات دینا۔ غلاموں کی بہت تعلیم کرنا اور ان کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اپنے ہم مذہبوں کو ملازمتوں اور عہدوں کے ذریعہ فائدہ پہنچانا۔ غیر مذہب والوں کو ملازمتوں سے نکالنا۔ اور ان کو حقیر و ذلیل رکھنا۔ مقدمات، میں ہم مذہبوں کے ساتھ رعایت اور جانبداری کا سلوک کرنا۔ غیر مذہب والوں کو علوم و قصود وار ٹھیرانا۔

(۳) زبان سے دعوت کا کام لینے کی صورت۔ قبولیت مذہب پر اچھے و بدہ کرنا۔ حوان کے مذہب کی طرف مائل ہو کر محبت و شفقت، آمیز گفتگو کرنا، اور حوان کے مذہب کا مخالف ہو کر اس سے تیزی چڑھا کر بات کرنا اور سختی و درشتی سے ہر کام ہونا۔

(۴) اور تلوار سے یوں کام لیتے ہیں کہ مخالف مذہب کو قتل کر دیتے، لوگوں کو مذہب قبول کرنے پر مجبور کرتے۔ مخالف مذہب کے افراد و حکام سے جنگ کرتے۔ تاکہ ان کی شوکت کم ہو۔

جو داعی دعوت دینے کے لئے چاروں طریقے استعمال کرے وہ مکمل داعی کہلاتا، مگر ایسا داعی نادر الوجود ہوتا ہے بعض داعی، دو طریقے اور بعض تین طریقے استعمال کرتے۔ پھر دعوت کے اسباب بھی کئی ہیں۔

دعوت مذہب کے اسباب

پہلا سبب :- اہل مذہب کو گمراہ کرنا۔ ان کی جمعیت میں بھڑک اٹالنا اور افتراق پیدا کرنا تاکہ اپنے ہم مذہب ان کی برائیوں سے امن و حفاظت میں رہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا اور اس کے بھائی بندوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ دوسرا سبب :- لشکر کی تعداد بڑھانا تاکہ ان کی کثرت کے سہارے اپنے پروردگار پر دے کر سکیں جیسا کہ کیسیا بیوں نے کیا۔

تیسرا سبب :- حکومت و اقتدار اور جاہ و مرتبہ کی محبت اور ملک و مال کا معول۔ جیسا کہ مختار کا حال تھا، کہ اس نے مذہب کو ترجیح اقتدار و حکومت بنایا، اور اس کے ذریعہ جاہ و مرتبہ اور مال و دولت اکٹھا کیا۔

اس فرقہ میں ائمہ و امامیہ کے درمیان بہت سے لوگ سفیر و وکیل کا کام انجام دیتے تھے خصوصاً صاحب الزماں کی غیر موجودگی میں۔ دور عباسیہ میں تو اکثر ائمہ اسمن رائے اور بغداد میں نظر بند ہوتے تھے عوام سے ان کا براہ راست رابطہ نہیں تھا۔ بلکہ یہی سفیر اور وکلاء سرگرم رہتے تھے۔ اور ائمہ کی طرف سے بنادنی خطوط اور جعلی دستاویزات پیش کر کے لوگوں کے دلوں میں ائمہ کی مصلحت، بٹھاتے تھے۔ صرف اس لئے کہ تمام شیعہ ان داعیوں یا وکلاء اور سفراء کو اپنا پیشوا تسلیم کریں وہ شخص مال کے حقدار نہیں۔ امہات اولاد اور باکو و کنواری بڑکیاں ان کے لئے حلال قرار دی جائیں وہ ہر تکلف و عوتیں اڑا سکیں۔ انہیں نذرانے پیش کئے جا سکیں۔

یہ لوگ جو وکلاء اور سفراء کہلاتے تھے مندرجہ بالا فوائد حاصل کرنے کے لئے ائمہ کی طرف سے سراسر جھوٹی داعی پیش کیا کرتے تھے۔ فروعات شیعہ میں اکثر خرابی کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔

چوتھا سبب :- صاحبان دولت و ثروت کی خوش آمد اور چاہوسی کرتے رہنا تاکہ وہ ان کے مذہب کا

دلدار اور اہل مذہب کا بنارس ہے۔

پانچواں سبب :- دعوت مذہب کے کام میں اللہ تعالیٰ سے آجرو ثواب کا امیدوار رہنا۔ مگر اس فرقہ نے اس سبب کو کبھی مقصد دعوت نہیں بنایا۔

چھٹا سبب :- ہم مذہب دوستوں، عزیزوں کے ساتھ مذہبی اتحاد باقی رکھنا، تاکہ باہم روابط استوار رہیں۔ اور گھری میں نہ بھوٹ پڑ جائے۔

ساتواں سبب :- بنی نوع انسان کو مذہب دوزخ سے نجات دلانا۔ بعض سادہ لوح احمق لوگوں نے اس غرض سے یہ تبلیغ کی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اصفہان میں کسی مشہدی خواجہ نے اپنے گھر میں ایک عجیب باغ لگایا تھا موسم بہار میں اذنِ عام دینا کہ ہر خاص و عام آکر باغ کی خوش منظری سے لطف اٹھائے اور اس کے پھولوں پھلوں سے بہرہ ور ہو۔ اب اگر اس مجمع میں کوئی اہل سنت بھی آ جاتا تو خواجہ ہائے ہائے کے چلاتا اور روتا تھا۔ لوگ سبب پوچھتے تو کہتا کہ مجھے بنی نوع انسانی کے ان لوگوں پر رحم آتا اور صدمہ ہوتا ہے کہ یہ پیچارس دوزخ میں جلیں گے۔

آٹھواں سبب :- اہل سنت کے درمیان بغض و عناد اور دشمنی کا ایسا بیج بونا کہ ایک گھروالے بھی آپس میں گھٹم گھٹا ہو جائیں اور ایک دوسرے کی کاٹ میں لگ جائیں۔ تاکہ ان کا روزگار تباہ اور زندگی تلخ ہو جائے۔

گذشتہ تحریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر فرقہ کا پہلا داعی ہی اس فرقہ کا بانی یا موجد ہے۔ ان میں سب سے پہلا داعی عبداللہ بن سبا تھا۔ اس کی مذہبی دعوت کا سبب بھی یہی تھا کہ کسی طرح اسلام میں رخنہ اندازی کی جائے اور مسلمانوں میں تفرقہ اور بھوٹ ڈالی جائے۔ چنانچہ تاریخ طبری کے ترجمہ میں جس کا مترجم بھی شیعہ ہی ہے۔ اس کی دعوت کا تفصیلی واقعہ درج کیا گیا ہے وہ کہتا ہے کہ سید محمد کے آغاز میں مذہب رجعت رونما ہوا، اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) پر فتنوں کا ہجوم ہوا۔ اس مذہب رجعت کا بانی یہ عبداللہ بن سبا ہی ہے۔ یہ مین کا رہنے والا ایک یہودی تھا۔ قدیمی کتب کا مطالعہ کئے ہوئے تھا۔ یہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا اور کہا میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں، اس اسلام لانے کا مطلب جو یہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھا، یہ تھا کہ جب میں ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوں گا تو یہ میری ناز برداری کریں گے۔ مگر حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے اسے منہ لگایا تو یہ ناراض ہو گیا۔ اب یہ جہاں بیٹھتا آپ کی برائی کرتا جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے اسے شہر بدر کر دیا۔ وہاں سے یہ سسر پہنچا، پڑھا لکھا، عقلمند و چالاک اور عیار و چرب زبان تھا، چند ہی دنوں میں اس کے پاس اچھا خاصا جگمگ ہونے لگا۔ اور جب لوگوں نے اس کی ملنی باتیں سنیں تو اس کی قدر کرنے اور اس کی باتوں کی طرف دھیان دینے لگے۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ لوگ میری باتوں پر توجہ دیتے اور ان سے متاثر ہوتے ہیں تو ان کے سامنے اپنا یہ نظریہ رکھا کہ عیسیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے قائل ہیں، اس قسم کا عقیدہ اگر مسلمان حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے متعلق رکھیں تو زیادہ حق بجانب ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ مَیْلَکَ الْمُقْرَآنَ لَرَاٰکَ اِلٰی مَعَاہِجٍ۔ بے شک وہ خدا جس نے مجھ پر قرآن نازل کیا تجھے دھنسنے کی جگہ پر دوبارہ لوٹائے گا۔

کچھ لوگوں نے اس نظریہ کو بڑا پسند کیا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ لوگ اس بات کو بہنم کر گئے اور اس پر چم

گئے ہیں تو ایک اور شوشہ چھوڑا اور کہنے لگا کہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آچکے ہیں اور ہر نبی کا ایک وزیر ہوتا رہا ہے تو ہمارے پیغمبر کا وزیر کیوں نہ ہو؟ ہمارے پیغمبر کے وزیر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) تھے اور انہیں کو بائیسینی اور خلافت کا حق تھا۔ مگر عثمان (رضی اللہ عنہ) نے ظلم و ستم سے یہ حق لے لیا۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس مسئلہ کو شوریٰ کے حوالہ کر دیا تھا۔ اہل شوریٰ سب علی (رضی اللہ عنہ) کی خلافت پر متفق اترے تھے۔ عبدالرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ پکڑا کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کر لیں اور عمر بن ابی (رضی اللہ عنہ) نے دھوکہ دے کر بیعت کرا دی۔ ادھر خود عثمان (رضی اللہ عنہ) خود بھی اس ناحق بات کے لئے آمادہ ہو گئے۔ لوگوں نے اس کی یہ بات بھی ٹھنڈے پٹیوں برداشت کر لی۔ اور اس کے خیال کی تائید کرنے اور اس کی بات ماننے لگے۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں لوگوں نے کھلے دل سے قبول کر لی ہیں، تو کہنے لگا کہ دیکھو جس طرح نماز روزہ فرض ہے اسی طرح ہر مسلمان پر امر بالمعروف بھی فرض ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِينَ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَذَلِكَ مِنْ لَدُنِّ يَاسْتَدِينُ يا اُدْبَارُ اس میں تمہیں بہتر امت بنا کر اس لئے اُٹھایا گیا ہے کہ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اب ہم عثمان (رضی اللہ عنہ) کے معاملہ میں اتنا کر سکتے ہیں کہ ان کا حکم مانیں اور نہ ان کے کارندوں کا۔ اور یوں ان کے ظلم سے اپنے کو محفوظ بنالیں۔

غرض ان باتوں سے عبداللہ بن سبا کی یہ تھی کہ لوگوں کو حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے احکام کی خلاف ورزی پر لوگوں کو ہمت و حوصلہ دلائے، اور انہیں جری و بے باک بنا دے۔ مرثیہ دلوں کے لئے یہ مذہب "نسوة شفا تھا لوگوں کو یہ مذہب بہت اچھا لگا اور رحمت کے قائل ہو گئے، حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کو علی الاملان تو نہیں مگر دل میں کافر کہتے تھے، آخر ابن سبا کا یہ گزروہ اس بات پر متفق ہو گیا کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو معزول کر دیا جائے اور ان کی جگہ کسی دوسرے کو غلیظ بنایا جائے۔ ابن سبا نے سب سے وعدہ لیا کہ سب کے سب فلاں دن مدینہ میں جمع ہو جائیں۔ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو بھی اس کی اطلاع مل گئی کہ شہروں میں لوگ جمع ہو ہو کر یہ فیصلے کر رہے ہیں کہ ان کو معزول کر دیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ

خلاصہ کلام یہ کہ اس پورے ہنگامہ اور غلغلا میں ابن سبا اور اس کے ساتھیوں کا یہ کام رہا کہ جب بھی معاملہ کو رو باصلاح دیکھیں تو ہر طریقے سے اُسے ناکام بنائیں اور معاملات کی اصلاح نہ ہونے دیں۔ بالآخر فتنہ کی یہ آگ پورے زور سے بھڑک اٹھی، اور مصر کے مندوؤں اور باشوں نے حضرت ذوالنون (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر کے اس کی ولی مُراد پوری کر دی۔

جب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی بیعت خلافت ہو چکی تو اسے پھر اندیشوں نے گھیر لیا کہ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں میں سکون لوٹ آئے اور جہاد کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے، تو اب اس نے شیخان علی میں شمولیت اور شرکت کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ باہر رہنے کی نسبت اندر رہتے ہوئے حالات پر قابو رکھنا آسان ہے۔ چنانچہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے گرد جو اپنے اور پرلے جمع ہو گئے تھے۔ ان میں سے اپنے مطلب کے آدمی چھانٹ کر شیطانی و غلیظ انجام دینے میں خوب موقع ملا۔ اہل بیت کی نئے سرے سے بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد اس کے چھوڑے ہوئے کام کو کیسان اور مختار ثقفی

نے انجام دیا کیونکہ اس کے بعد یہی دونوں اس فرقہ کے داعی تھے۔

اب ان کا بھی طریق دعوت ملاحظہ فرمائیے، شام و عراق کے شقی لوگوں نے جب جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا (اگرچہ قاتلان حسین میں شیعان کو ذہ کا حصہ بھی کچھ کم نہیں) تو کیسان نے جس کا حال ماقبل میں بیان ہوا۔ یہ دعویٰ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد دراصل محمد بن الحنفیہ امام ہیں نہ کہ حسین رضی اللہ عنہما (کیونکہ یہ دونوں حضرات اہل شام سے زمی کا سلوک فرماتے اور زمانہ سازی سے کام لیتے تھے۔ مختار ثقفی بھی کیسان کے پیروکاروں میں شامل تھا۔ اور یہی اس کا مذہب تھا۔

جب مختار ثقفی کے ہاتھ میں کوذہ اور گرد و نواح کے زمام ولایت و اقتدار آگئی، تو اس نے اپنے مذہب کی دعوت دینی شروع کی۔ مگر کوذہ کے شیعوں کی دلداری کی خاطر اپنے اور اپنے مرشد کیسان کے عقیدہ میں ترمیم کر کے جناب حسین رضی اللہ عنہما کی امامت کو بھی تسلیم کر لیا اور محمد بن الحنفیہ کو ان کے بعد کا دوسرا دیا۔ لگو یا تھوک کر چاٹ لیا، اس لئے کہ حسین رضی اللہ عنہما کی امامت سے یہ اسی لئے منکر تھا کہ وہ حضرات سیاست یا زمانہ سازی سے کام لیتے تھے، اور اب جو اس نے کوذہ کی شیعہ اکثریت کی خاطر اپنے عقیدہ کی ترمیم کی تو وہ سیاست یا زمانہ سازی نہیں تو اور کیا تھا۔ نہائی)

مختار کے عقیدہ میں ترمیم کر لینے سے کوذہ کے سب شیعوں نے اس کی متابعت اختیار کر لی۔ اب اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ نواصب مروانیہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے انتقام اور بدلہ لینے کے لئے جناب محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اپنا نائب بنایا ہے اور مفتوحہ شہروں کی امامت بھی مجھے مرحمت فرمادی ہے۔ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں رسلے شیعہ کو ایک سرنبد اور ہر شہ خط دیا اور ان سے کہا کہ سب کے سامنے اسے گھولیں اور حاضرین کو پڑھ کر اس کا مضمون سنائیں۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

”محمد بن الحنفیہ کی طرف سے شیعان کوذہ اور اس کے رُسا کے نام، فلاں بن فلاں، فلاں بن فلاں، فلاں بن فلاں معلوم کریں کہ میں نے مختار بن ابی عبیدہ کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ پس اس کے حکم کی اطاعت کریں اور اس کی ہر کال میں جان و مال سے دشمنوں سے جہاد کریں۔ اپنے متبعین اور پیروں کو دشمنوں سے لڑنے اور مختار کی اطاعت پر پابند کریں۔“

اس فرقہ کی موجودگی میں کسی کو اب دم زون نہیں تھی سب نے اس کی اطاعت کو قبول کیا۔ اولیٰ اول انہوں نے کوذہ میں قاتلان امام کو تلاش کیے قتل کیا، امیر کوذہ، اب مقابلہ نہ پا کر کوذہ سے بھاگ نکلا۔ تو مختار ثقفی کوذہ کا امیر بن بیٹھا۔ اس کے بعد ان لوگوں سے جہاد کے لئے جو مروانیوں کے ساتھی یا پیروکار تھے اور عراق میں رہتے تھے۔ ابراہیم بن اشتر کو نامزد کیا۔ چنانچہ ابراہیم کوذہ سے نکلا اور جو نا بوا گیا قتل کرتا پلا گیا۔ تا آنکہ بلاد عراق و اہواز پر قبضہ کر لیا اور دیار بحر، آذربائیجان پر بھی اپنا اثر جمایا۔ اس کے بعد شام اور دمشق پر حملہ کا ارادہ کیا۔

جب عبدالملک بن مروان کو اس کے ارادوں کی جنگ ملی۔ تو اس نے عبداللہ بن زیاد کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ابراہیم کے ساتھ صرف بارہ ہزار فوج تھی، گھسان کی لڑائی کے بعد ابراہیم بن اشتر نے ایک لاکھ کے لڑکے کو شکست دی اور ابن زیاد قتل ہوا۔ ان واقعات کے بعد شیعوں کی نظر میں مختار کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ گئی۔ اور بڑی فادہ فادہ ہوئی۔ یہاں تک کہ مخلص شیعوں نے بھی جو اہل سنت سے تعلق رکھتے تھے مروانی فوج

کی شکست اور ابن زیاد کے قتل پر سجدہ شکر ادا کیا اور مختار کے اس کارنامے کو گو وہ ملک و ریاست کے لاپٹ میں کیا گیا تھا۔ بہت سراہا۔ مختار کی یہ اقبال مندی دیکھ کر چاروں طرف سے شیعہ سمٹ سمٹ کر اس کے پاس آئے گئے اور اس کا مذہب اختیار کرنے لگے۔

مختار کی حکومت تقریباً دس سال تک رہی اور جب دشمنوں کی طرف سے اسے غلط فہمی طینان وستی ہو گئی تو وہ اپنے اصل جامہ میں ظاہر ہو گیا اور دین میں تحریک اور ایجادات میں مشغول ہوا

پہلے پہل اس نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرسی کو تابوت الکینہ کا نام دے کر بتوں کی طرح اس کی پوجا کرائی، حالانکہ تاریخی حوالہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ امیر المؤمنین کی کرسی ہرگز نہیں تھی بلکہ طفیل بن جعدہ کسی رخت فروش کی دکان سے اٹھا لایا تھا۔ اس کے بعد وہ بلند بانگ دعووں پر اتر آیا مثلاً کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آتے ہیں۔ اور مجھے غیب کا علم حاصل ہے۔ اس قسم کی باتیں بطور عقیدہ اپنے تک نہیں رکھتا تھا بلکہ لوگوں کے سامنے علی الاعلان کہتا تھا اس کی انہیں سفوات کی بناء پر کوفہ کے شیعوں کی اکثریت اس سے متنفر ہو گئی اور آپس میں بحث و مناظرہ کا دروازہ کھل گیا۔ بالآخر یہ تمام واقعات حضرت عبداللہ بن زبیر کے گوش گزار ہوئے اور لوگوں نے اس کا دوا کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے داماد اور جناب سکینہ رحمہ اللہ علیہا کے شوہر تھے۔ مختار کی سرکوبی اور اس کے پھیلنے سمئے فتنہ کے دفعیہ کے لئے نامزد فرمایا۔ تاکہ کوفہ کے شیعہ ان کو مختار کے مقابلہ میں ریاست و سیادت کا زیادہ حقدار سمجھ کر مختار سے کنارہ کش ہو جائیں۔

حضرت مصعب پہلے بصرہ گئے اور اپنے برتاؤ اور طرز عمل سے ان کو اپنا گرویدہ بنایا۔ ادھر کوفہ کے شیعوں سے طرسلانی رابطہ قائم کر کے مختار سے برگشتہ اور اپنے ساتھ وابستہ کیا۔ اور ابراہیم بن اشتر کو جو مختار کا دست و بازو اور شمشیر بران تھا موصل و دیار بصرہ کی سرداری کا لالچ دے کر اپنے ساتھ لایا اور جب ہر طرف سے مختار کو تنہا کر دیا تو اس پر حملہ آور ہو کر قتل کر ڈالا، اور اس کی جمیعت کو پراگندہ و منتشر کر کے اس فتنہ کو پامال کیا۔ مختار کے زمانہ میں کلیدی اور بڑے بڑے عہدے مختاریوں اور کیسانیوں کے پاس تھے، ان عہدوں پر اہل سنت کو فائز و سرفراز کیا۔ کیسانیوں کی اکثریت نے اپنے مذہب سے توبہ کی اور جہنم سے وہ رادھر اُدھر روپوش ہو گئے۔ ان بچے ہوئے کیسانیوں میں یقیناً امام میں اختلاف پیدا ہوا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

آخر ان بچے کچھ کیسانیوں کے سرداروں میں سے ہشام احول، ہشام بن سالم اور شیطان الطاق فرقہ امامیہ کے داعی بن کر اٹھے، اور خود کو امام زین العابدین رحمہ اللہ علیہ اور ان کی اولاد سے رشتہ و عقیدہ مندی کے ذریعہ وابستہ کیا۔ اور محمد بن الحنفیہ اور ان کی اولاد پر تبری بھینچنے لگے۔

تفصیلیوں کا ایک گروہ اور مختاریوں کے باقی ماندہ میں سے کچھ لوگ بھی ان کے مذہب میں شامل ہو گئے۔ اور اسی وقت انہیں ان لوگوں کے ذریعہ مذہب امامیہ وجود میں آیا۔ اور یہی لوگ اس مذہب کے داعی ہیں اور امامیہ کے اسلاف اور پیشوا اور راویان اخبار ہیں اور اس مذہب کے پیروؤں نے دین و ایمان، عقیدہ و عمل جو کچھ لیا انہیں مذکور الصدر میں داعیوں سے لیا ان کے نزدیک ان کا قول و فعل قابل تقلید اور لائق اعتماد و پیروی ہے۔

یہ کیسے لوگ تھے، اور ان کے کیا کرتوت تھے ان کا بیان اس کتاب میں عنقریب مذکور ہوگا تو معلوم ہوگا

کہ مجھ پر مصرعہ ہیں (کھلا بھید ہیں) جو اپنے معبود و موبہم کو اپنے ذہن میں ترتیب دے کر اور تراش کر ہزاروں برائیوں سے اس کا حامن آوردہ کرتے ہیں۔

اور وہ امام کرام رحمہ اللہ جن سے یہ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے، وہ خود ان سے ان کے لغو عقائد سے ہمیشہ بیزار و متنفر رہے ان پر لعنت بھیجتے رہے۔ اور ان کو بد بخت اور گمراہ ٹھہراتے رہے۔

ان ہی دونوں میں ایک اور فرقہ۔ فرقہ زید یہ پیدا ہوا، اور اس کے داعی اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو گئے، اس فرقہ کا مقصد پیدائش یہ تھا کہ حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم مروانیوں کے غلات اٹھ کھڑے ہوئے شیعیان مخلصین تفعیلیہ اور کوفہ والوں کو اپنی طرف دعوت دی، چنانچہ بہت بڑی جماعت نے ان کی دعوت پر لبیک کہی۔

جناب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو مبنی بر تحقیق اور درست سمجھتے تھے اور اہل کوفہ کو آپ کی متابعت کی ترغیب دلاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر میرے پاس لوگوں کی قابلِ دلیلی امانتیں نہ ہوتیں یا مجھے اپنے پس ماندگان کے متعلق یہ اطمینان نہ ہوتا کہ ہر ایک امانت کو اس کے مالک تک پوری دیانت داری سے سپرد کرنے کی ان میں اہلیت ہے تو میں جناب زید کے شانہ بشانہ دشمنوں سے جہاد کرتا۔ (اسی کے ساتھ یہ بات بھی مین ممکن ہے کہ اپنی فراست مومنانہ کوفہ کے شیعوں کے متعلق یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ اپنی تاریخِ مذہد ہر لئے بغیر نہیں رہیں گے اور جو یہ ایک مرتبہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے کر چکے ہیں وہی کچھ جناب زید سے بھی کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے علی شریعت کے بجائے ترتیب و تائید کا راستہ اختیار کیا۔

ان شیعوں نے امام زید کے ساتھ جو کچھ کیا اب اس کا قصہ پڑھئے۔ (منزل چہم)
القصہ جب جناب زید رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ مروانیوں سے ہوا۔ تو کوفہ کے تیس ہزار شیعہ مین عالم جنگ میں امام موصوف کو چھوڑ کر اپنے اپنے بلوں میں جا گئے۔ بات یہ تھی یہ لوگ تمام قابلِ احترام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی شاہد میں گستاخیاں اور تبریٰ بازیاں کرتے تھے۔ جس کو جناب زید نہ صرف یہ کہ پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو سختی سے منع فرما دیا اور اس پر ڈانٹ پھٹکار بھی کرتے تھے۔ (یہ لوگ بد بخت نہ ہوتے اور ان کو امام کا یہ طرز عمل اچھا نہیں لگتا تھا تو جنگ کے نازک لمحے کے پیش آنے سے پہلے امام کا ساتھ چھوڑ کر چلے جاتے تو ان کا وہ عذر قابلِ قبول بھی ہوتا اور جناب زید کو بھی آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے کا موقع مل جاتا۔ مگر عزت و ذلت دینے والے رب کریم نے ان کو ذلت کے قعرِ عظیم میں دائمی طور پر گرانا ہی تھا اس لئے وہی سرزد ہوا جو ان کی فطرت تھی۔ (نہانی)

چونکہ اس جنگ میں ان کو موت نظر آ گئی تھی اس لئے جناب زید کو اپنی جانوں کا صدقہ بنا کر دشمنوں کے حوالہ کر کے خود بھاگ گئے۔ اور عذر یہ تراشا کہ چونکہ جناب زید ہم کو صحابہ کرام پر تبریٰ سے منع کرتے ہیں تو یہ ہمارے مذہب و عقیدہ کے نہیں ہیں اس لئے ہم ان کے جھنڈے کے نیچے کیسے لڑ سکتے ہیں۔

بہر حال جناب زید شہادت کی سعادت و عزت سے سرفراز ہوئے، اور ان کے بچے کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو امام زادہ سے وابستہ کر لیا۔ اور ایک نئے فرقہ کی تشکیل ہو گئی۔ ان لوگوں میں سربراہ آوردہ داعی یحییٰ بن زید بن علی بن حسین ہیں۔

حسن ابن حسن بن علی (رحمۃ اللہ علیہم) کی نسل سے ایک شخص یحییٰ بن حسین بن ہاشم حسنی تھا جس کا لقب ہادی تھا۔
۳۵۰ھ میں اس نے خروج کیا۔ اس نے پہلے بلادِ یمن پر اور پھر بلادِ حجاز پر اقتدار حاصل کیا۔ فقہ مذہبِ زید یہ میں اس نے ایک کتاب بعنوان احکام، اپنی یادگار میں چھوڑی۔

اس کا بیٹا مرتضیٰ اور دو پوتے، حسن بن احمد بن یحییٰ اور یحییٰ بن احمد بن یحییٰ بھی اس فرقہ کے داعی رہ چکے ہیں۔
بعض زیدیوں نے اپنے مذہب میں تحریف بھی کر ڈالی، مذہبِ امامیہ اور اسماعیلیہ سے چند باتیں اپنے مذہب میں شامل کر لیں۔ اور پھر خود ہی اس تحریف شدہ مذہب کے داعی بن بیٹھے، اور صاحبِ فرقہ کہلائے۔ چنانچہ ابوالجارود، سلیمان بن جریر، تبرقونی، حسین بن صالح، نعیم بن الیمان اور یعقوب، یہ سب اب زید یہ فرقے میں شمار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

فرقہ امامیہ کے داعی دراصل ہشام بن، شیطان الطاق اور اس کے ساتھی ہیں۔ لوگوں کے بہکانے اور اپنے مذہب کی طرف دعوت دینے میں جس مکر و فریب سے ان لوگوں نے کام لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان بھی ان کے سامنے کان پڑنا ہے۔ اور درجالت بھی اس پر حیران ہے۔ اسی لئے فرقہ امامیہ کی تعداد دوسرے تمام فرقہ والوں سے بڑھ گئی۔

جب فرقہ امامیہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہوا تو ہر فرقہ کا علیحدہ اپنا داعی بنا۔ ہر امام کی وفات کے بعد یہ اختلاف اور وسیع ہوتا۔ بعض تو ان کی وفات تسلیم کر کے ان کے کسی بیٹے کو امام مانتے، بعض کسی دوسرے بیٹے کو۔ اور بعض ان کے بھائی کو امامت کی سند پر بٹھاتے۔ اسی طرح ائمہ کے آخری سلسلہ تک اختلاف و اختلاف پیدا ہوتا گیا اور ان کا تفرقہ بڑھتا ہی گیا۔ و حقیقت یہ اس آیت کریمہ کے صحیح مصداق و محل ہے۔ (إِنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبْعَةِ مِثْقَاطٍ مِنْهُ خُفِي شَيْئًا) (یہ شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور فرقے فرقے ہو گئے۔ آپ ان سے بالکل علیحدہ ہیں)

یہاں تک کہ امامِ مسکریؒ کا زمانہ آیا، اور ان کی وفات پر یہ لوگ پھر مختلف المائے ہوئے۔ بعضوں نے کہا ان کے کوئی بیٹا نہیں۔ لہذا ان کے بھائی جعفر بن علیؒ امام ہیں۔ بعضوں نے کہا انہوں نے ایک لڑکا محمد نامی چھوڑا ہے جو مہدی موعود اور قائمِ الائمہ ہیں۔ لیکن دشمنوں کے خوف سے چھپے ہوئے ہیں۔

البتہ جس بات پر یہ سارے متفق ہوئے وہ ائمہ کی تعداد ہے۔ جو بارہ پر مشتمل ہے۔ اسی لئے ان کو اثنا عشری کہتے ہیں۔

ائمہ کے خاتمہ کے بعد، دعوت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ہر ایک داعی مذہب بن بیٹھا پھر دعوت کو سفارت کا نام سے دیا گیا۔ اور ہر ایک سفارت کا مدعی بنا۔ اور کہنے لگا کہ میں امامِ غائب اور امامیہ کے درمیان سفیر ہوں، یہ واقعات ۳۶۶ھ کے ہیں۔ ہر سفیر مرتے وقت اپنا ایک خلیفہ بنا جاتا اور سفارت اس کے سپرد کر جاتا۔ سفارت کا یہ سلسلہ ۳۱۶ھ میں علی بن محمد تک پہنچا اور وہ خاتمِ السفراء کہلا یا۔

کہتے ہیں علی بن محمد کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی، اس کے بعد پھر کوئی امامِ نائب کی طرف سے سفارت کا مدعی نہ بنا۔ گویا امام کو پھر غیبتِ کبریٰ حاصل ہو گئی۔

ان داعیانِ مذہب میں سفیروں کی طرح بعض اصحابِ کتابت بھی ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام

کے ساتھ ان کا خط و کتابت کا رابطہ تھا۔ جھوٹے اور جعلی خط شیعوں کے سامنے پیش کر کے کہتے تھے کہ یہ امام کے وہ دستخطی خط ہیں جو انہوں نے ہماری درخواستوں کے جواب میں تحریر فرمائے۔

اور ان میں سے کچھ لوگ مدعا میں جو مذہبی کتابوں کی تصنیف و تالیف کے لئے وقت ہو کر علم، فقہ اور کلام کے معرشمہ بنے اور کچھ وہ راویان اخبار ہیں جو ائمہ یا ان کے اصحاب سے اصول، فروع یا فضائل افعال کو بواسطہ یا بلا واسطہ روایت کرتے ہیں۔ ان سب کا حال بھی انشاء اللہ عنقریب رقم ہوگا۔

اور ان میں سے چند وہ بادشاہ بھی ہیں جو کبھی تلوار کے زور سے اور کبھی انعام و احسان کا لالچ دے کر لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کرتے رہے ہیں۔ ان کے حالات بیان کرنے کی ذمہ دار تاریخ ہے۔

ناوسیع اور اسمعیلیہ، دونوں امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کے انکار پر متفق ہیں۔ لیکن امام جعفرؑ کے بارے میں ہام مخالف ناوسیع کہتے ہیں کہ امام جعفرؑ مرے نہیں، پوشیدہ ہیں اور پھر چند دن بعد ظاہر ہوں گے۔ ان کا داعی عبداللہ بن نادر ہے۔

اسمعیلیہ کہتے ہیں کہ امام جعفرؑ مر گئے، ان کے بعد ان کے بیٹے اسمعیلؑ امام ہیں حالانکہ اہل تاریخ اس پر متفق ہیں کہ وہ اپنے والد کی زندگی ہی میں وفات پا کر جنت البقیع، مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔ پھر اسمعیلؑ کو ایک گروہ زندہ اور منتظر موعود مانتا ہے، اور اس کا داعی مبارک ہے اور اس کے غفار اس کے قدم بقدم چلے ہیں۔

امام اسمعیلی امام جعفرؑ کے بعد محمد بن اسمعیلؑ بن جعفرؑ کو امام مانتے ہیں اور ان کے بارے میں امام صادقؑ کی وصیت نقل کرتے ہیں۔ ان کا داعی حمدان بن قمرط ہے۔

چند اور دوسرے لوگ کہتے ہیں اسمعیلؑ نے امام جعفرؑ کے بعد وفات پائی۔ اور امامت ان میں اور ان کی اولاد میں جاری رہی۔ اس طرح کہ ہر جانے والا آنے والے کے لئے وصیت کرتا گیا۔ ان کا داعی عبداللہ بن میمون اقداحؑ ابوازی ہے۔

اب مہدویہ کو لبس جن کا تفصیلی مال بیان ہو چکا ہے۔ یہ لوگ سلسلہ امامت کو محمد بن عبداللہ ملقب بہمدی تک پہنچنے لگے ہیں۔ ملک مغرب میں انہوں نے اقتدار پایا۔ اور اپنے داعیوں کو مصر و شام اور دوسرے اسلامی شہروں میں پھیلا دیا، ان کے داعی اکثر صاحب شوکت تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے مصر کی زمام حکومت سنبھال لی۔ علمائے وقت نے مال و دولت کی حرص میں ان کی صحبت اختیار کی اور ان کے مذہب کی طرف مائل ہوئے، لہذا اسی وقت سے ان کے ہاں بھی عالم داعی ہوئے۔ مثلاً نعمان بن محمد بن منصور، علی بن نعمان، محمد بن نعمان، عبدالعزیز، محمد بن مسیب، مفضل بن مسیب، عقیل، ابو الفتوح رجوان اور محمد بن عمار کتابی ملقب بائین الدین، وغیرہ وغیرہ

پھر جب مصر و مغرب کی زمام سلطنت مستنصر کے ہاتھ میں آئی تو عامر بن عبداللہ راجی کا شمار بڑے داعیان مذہب میں ہونے لگا۔ ادھر علی بن محمد بن علی الصلیبی جن کے والد سبھی المذہب، صالح اور جمد بن عالم اور یمن کے قاضی تھے، دولت کے لالچ میں مستنصر سے آئے۔ اور اس کے مذہب کو قبول کر لیا۔ پھر یہ عامر راجی کے خلیفہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ عامر سوار ہو کر خود اس قاضی زادے کے پاس جاتا اور بڑی توقیر و عزت اور انعام و احسان کا رتاؤ کر کے اسے مسرور

دعویٰ دل کرتا۔

بعض اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ عامر کے پاس تصویریں کی ایک کتاب تھی جس میں وہ علی صلیبی کی تصویر دیکھ چکا تھا۔ بڑی رازداری اور خفیہ طریقہ سے علی کو بھی وہ تصویر دکھائی اور موجودہ آئینہ کی طرح خبری سنائی۔ موت کے وقت اس کو اپنے علم اور کتب پر حلیفہ بنایا۔ تصویروں کی یہ کتاب عامر کے پیش بہاذخیروں میں شمار ہوتی تھی۔ الغرض مہدویہ اور علی صلیبی عامر کے مذہب سے بہت متاثر تھے۔

علی صلیبی، نہایت ذکی، فہیم اور زیرک تھا۔ مختصر سی مدت میں ادبی، کلامی، علمی اور فقہی علوم میں کمال حاصل کر کے دولت بیدریہ میں چوٹی کا فقیہ شمار ہوا۔ اور کافی عرصہ تک اس کا یہی حال رہا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ پندرہ سال تک لوگوں کو کچ کرنا تھا۔ وہ حجاج کے قافلے کا امیر لالچ بھی ہوتا تھا۔ ہر خاص و عام اس کی نوازشات اور انعامات و احسانات کا مورد ہوتا تھا۔

۳۲۵ھ میں سامندریہ کے ساتھ عین کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جا چڑھا۔ وہاں اپنے ساتھ کے آدمیوں سے پختہ عہد و پیمان لے کر اس بات پر بیعت لی کہ وہ لوگوں کو مہدوی مذہب کی دعوت دیں گے اور مستنصر کو قتل کرنے کے لئے لوگوں سے بیعت لیں گے۔ وہاں بہت بڑی تعداد میں لوگ اس کے پاس اکٹھے ہوں گے۔ اور اس نے اسی پہاڑ پر بہت سنگین اور مضبوط قلعہ کی بنیاد رکھی۔

ظاہر میں تو تہامہ کے رئیس نجاج کے ساتھ اس کے تعلقات بڑے دوستانہ اور خوش گوار تھے مگر در پردہ اسے اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے ساز باز میں لگا ہوا تھا کیونکہ وہ اسے اپنے مقاصد کے حصول میں ایک رکاوٹ سمجھتا تھا۔ نجاج کو قتل کرنے کے سلسلے میں خفیہ طور پر بذریعہ خط و کتابت اس کا مستنصر سے بھی رابطہ تھا۔ بالآخر اظہار دوستی کے طور پر نجاج کو ایک کنیز تحفہ بھیجی وہ کنیز نہایت حسین ہونے کے ساتھ آداب ملوکانہ سے بھی آراستہ و پیراستہ تھی، آداب مجلس میں ماہر اور انداز گفتگو دلنشین، خوش گو، خوش محاورہ، ہمہ صفت موصوف تھی۔

رئیس تہامہ نجاج کو یہ کنیز بہت پسند آئی۔ اور دل کو بہت بھائی۔ اور پھر ۳۵۲ھ میں اسی کنیز نے علی صلیبی کے ایما پر نجاج کو زہر سے کر مار ڈالا۔ جب یہ کانٹا درمیان سے نکل گیا تو ۳۵۳ھ میں مستنصر کو لکھا کہ اگر اجازت ہو تو دعوت کا کام علی الاملان شروع کر دیں کیونکہ جو رکاوٹ تھی وہ تو راستہ سے ہٹا دی گئی۔ مستنصر نے اجازت دیدی۔ چنانچہ اس نے بلاد عین پر رفتہ رفتہ اپنا تسلط جمانا شروع کیا۔ بہت سے قلعوں پر قبضہ کر لیا، اور دو سال کی مختصر

مدت میں حسن تدبیر سے تمام عین کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اور اس کے اثر سے عین کی اکثریت نے مہدوی مذہب قبول کر لیا۔ ۳۵۳ھ میں دو ہزار سواروں کے ساتھ جن میں ایک سو ساٹھ نفر اس کے عزیز و اقارب تھے۔ حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا جب ہیرام معبد نامی ایک گاؤں میں پہنچا، رئیس تہامہ نجاج کا بیٹا سعید اور اس کا بھائی جو شہر زید میں اس کی گھات لگائے بیٹھے تھے۔ ایک بیک اس پر ٹوٹ پڑے۔ فوجیوں کی اکثریت اپنی ضروریات کے سلسلے میں ادھر ادھر منتشر تھی، اس کے پاس بہت کم آدمی تھے۔ اس لئے ان کے قابو آ گیا، سعید نے اسے قتل کر دیا اور سر کاٹ کر لے گیا۔ اس کے علاوہ اس کے بھائی اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی تہ تیغ کیا۔ اور اس طرح اس فتنہ کی پوری پوری سرکوبی ہو گئی۔

صلاح بن زریک ارمی مہدوی فرقہ کا ایک اور داعی ہے جو بڑے داعیوں میں شمار ہوتا ہے یہ فائز بن ظافر عیدی کا دہریہ تھا۔ اس نے ہزاروں لوگوں کو دولت اور عہدوں کے لالچ دے کر شیعی مذہب قبول کرنے پر مجبور کرنا لیا۔

تاریخ میں کامصنف فقیہ حارثی بھی مہدوی فرقہ کے داعیان مذہب میں سے تھا۔ یہ خوش کلام مشہور شاعر تھا۔ اہل میں تو یہ شافعی المذہب تھا مگر دولت کی حرص میں پھنس کر مہدوی مذہب قبول کر کے ان کے مذہب کا داعی بنا۔ ان تمام حالات کے باوجود آخر عمر تک درپردہ شافعی المذہب ہی رہا۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ فقیہ حارثی باوجود یکہ درپردہ خود مہدوی مذہب سے بیزار تھا مگر خلفاء امراء اور وزرائے عبیدہ کامرچون کرم اور نیک خوار تھا عین اس وقت جب کہ سلطان صلاح الدین ایوبی دولت عبیدہ کا تختہ الٹ کر مصر کو اپنے زیر اقتدار لیا، اور ان کے بچے کچھ لوگوں کو ٹھکانے لگانے میں مصروف تھا، یہ سلطان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس کوشش میں لگ گیا کہ عیدی حکومت از سر نو قائم ہو جائے چنانچہ اس نے اور اس کے ساتھ دولت عبیدہ کے سات سربراہان اور دہ لوگوں نے باہم اتفاق کر کے ساحلی انگریزوں سے ساز باز کر لی اور ان سے کہا کہ وہ سامان حرب و منرب جہازوں میں بھر کر لائیں اور عاصد کے بیٹے کو تخت نشین کریں۔ جب سلطان کو اس ساز باز اور سازش کا پتہ چلا تو اس نے سامنے سرخروں کو سولی پر چڑھا کر زمین کو ان کے بوجھ سے ہلکا کر دیا۔ اس کے بعد مہدوی فرقہ صغیر ہستی سے بالکل نابود ہو گیا۔ مگر اور اس کے گرد و نواح میں اس مذہب کا کوئی نام لیوان نہ رہا۔ کیونکہ سلاطین ایوبیہ ان کی بیخ کنی میں لگ گئے، اور ان کا نام و نشان مٹا کر چھوڑا۔ وہی تھوڑے سے لوگ بچ سکے جو کشتیوں یا جہازوں میں بیٹھ کر سند کے آخری اطراف یا چین و جواتر میں نکل گئے۔

چونکہ قرطبہ اور نزار یہ کے داعیوں کا حال ہم صفات، مابقی میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے اس کے علاوہ کوئیے فائدہ کچھ کر نظر انداز کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ اس باب میں جو کچھ لکھا گیا وہ گو بظاہر قصہ کہانی یا افسانہ طرازی سے زیادہ کچھ حشیت نہیں رکھتا مگر اس کو بھی بے فائدہ جان کر نظر انداز نہ کرنا چاہیے، بلکہ اس کو اپنے حافظہ میں محفوظ رکھنا چاہئے کیونکہ اس کے لفظ لفظ میں ایک نقطہ اور اس کے ہر قصہ میں ایک کھلی حکمت ہے آئندہ ابواب میں جن کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

دوسرا باب

شیعی مکروفریب اور ورغلا کر اپنے مذہب کی طرف لانیکہ طریقے

یہ ایک ایسا علم ہے جس کی بنیاد وہو کہ پراسرار ہوتی ہے اور جس کی بے شمار شاخیں ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اول ہم اس فن کے اصول و کلیات بتائیں اور پھر ان کے مکروفریب کی جزئیات پر تفصیل بحث کریں۔ لہذا یہ باب دو فصلوں پر مشتمل و مرتب ہے۔

پہلی فصل۔ ورغلائے اور دھوکہ دینے کے قواعد کلیہ | یہ بات جان لینا چاہیے کہ اہل تشیع کے نزدیک مذہب کی بنیاد کے لئے سات قسم کے آدمی ضروری اور لازمی ہیں۔

اول۔ امام، کہ اس کو پردہ غیب سے بلا واسطہ علم ملتا ہے اور وہ علم حاصل کرنے کے لئے ونبیر کی آخری کھلی ہے۔
دوسرا۔ جنت، یہ وہ ہے جو مخاطب یا سامع کے مذاق کے مطابق اصول خطابت و برہان کی رعایت کرتے ہوئے

امام کے علم کو بیان کرتا ہے۔

تیسرا۔ دومتقہ۔ یہ وہ ہے جو علم کو حجت کے ذریعہ چستا، یا کھینچتا ہے۔ کیونکہ عربی لغت میں محض پستان سے دورہ چرنے کو کہتے ہیں۔

چوتھا۔ ابواب۔ ان کو دوسرے لفظوں میں دواعی بھی کہتے ہیں۔ ان کے چند مراتب ہیں، سب سے بڑا داعی ہے جو مومنین کا درجہ بڑھائے اور ان کو حقیقی کی راہ پر لگا کر امام و حجت سے قریب کرے۔

پانچواں۔ داعی ماذون۔ یہ وہ ہے جو لوگوں سے ہمد و پیمان لے کر ان کو مذہب میں شامل کرتا ہے۔ اور ان پر علم و معرفت کی راہیں کشادہ کرتا ہے۔

چھٹا۔ مکتب۔ یہ وہ ہے جو اگرچہ بذات خود بلند مرتبہ کا مالک ہے۔ لیکن وہ دعوت مذہب کا جواز نہیں۔ اس کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ دلیل و حجت سے لوگوں کو ہموار کرے، اور ان کو گھیر گھا کر داعی کی صحبت میں کھینچ لائے۔ اس کو شکاری کہتے ہیں۔ تشبیہ دی ہے۔ جو شکار کو بانگ کر اور ہر طرف سے اس کا راستہ بند کر کے شکاری کے پاس لے آتا ہے۔ ویسا ہی یہ مکتب ہے کہ آدمی کے مذہب میں شبہات ڈالتا ہے اور اس کے ہر احتمال کا جواب دیتا ہے۔ جب وہ آدمی متحرک ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں حق طلبی کا جذبہ اور حق جوئی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ مکتب اس کو داعی ماذون کے پاس لے جاتا ہے اور داعی ماذون اس سے ہمد و پیمان لے کر دومتقہ کے حوالے کرتا ہے اگر اس شخص کی استعداد قابلیت و ذمہ داری بلند تر ہو تو وہ اس کو حجت تک پہنچاتا ہے اور وہ اس کو اسی طرح امام تک، بشرطیکہ امام مفقود نہ ہو۔

ساتواں۔ وہ متبع مومن جو مکتب اور داعی کی کوشش سے امام کی تصدیق کر دے۔ اور دل میں امام کی متابعت کا عزم بالجزم رکھے۔

مراتب دعوت | پھر اسی طرح دعوت کے بھی سات مراتب ہیں۔

اول مرتبہ۔ ذوق۔ یعنی عقل و فراست سے مدعو کے پاس میں صمیم جانچ پرکھ کر وہ دعوت کے قابل ہے یا نہیں یا اس پر دعوت اثر کر گئی یا نہیں کیونکہ انہیں کے بقول بجز زمین میں تم ریزی نہیں کئی ہائیے یعنی جو دعوت کی قابلیت نہ لکھا ہو اسے دعوت نہیں دینی چاہیے اٹکا یہ بھی قول ہے کہ جہاں روشنی ہو وہاں دم نہیں مارنا چاہیے۔ یعنی جس جگہ اہل سنت کا اصول، یا منظم عالم ہو وہاں لب کثائی مناسب نہیں۔

دوسرا مرتبہ۔ مدعو کو غصے و نفوس کرنا۔ اور ہر شخص کے مذاق کے مطابق اس کی دلجوئی کرنا مثلاً اگر ایک شخص نہ بد و طاقت کی طرف زیادہ مائل اور اس کا ولادہ ہے تو اس کے سامنے اپنے آپ کو بھی زیادہ متقی ثابت کرتا۔ اگر کمزور سے ذہب و طاقت کے ثواب کو بڑھا پڑھا کر بیان کرتا

یا کوئی دوسرا جوازات و زیورات پر مذاہبے اور ان کا ثنوقین ہے تو اس کے سامنے متیقن و یا قوت اور فیوض کی تفسیروں کی روایات بیان کرتا۔ اور اس پر ثواب عظیم کا وعدہ دیتا۔ اسی طرح دیگر تمام امور غصہ مٹا کھائے، اولاد و مردوں باغات یا گھوڑوں یا ان کے علاوہ معاملات میں مخاطب کے طبعی رجحان کے موافق بات کرنا۔

تیسرا مرتبہ۔ تشکیک۔ یعنی فریق مخالف کے عقائد و اعمال میں شک و شبہ پیدا کرنا۔ مثلاً قلعہ مذکب بیان کرنا۔ اور اس میں حدیث قرطاس کا بیان چھیڑ دینا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ معین نہ کرنا۔ اور ایسے ہی آپ

کے نسک کی تصحیح و تفتیش نہ کرتا۔ کہ آیا وہ صحاح افراد عطا یا قرآن میت۔

یا اہل سنت کے مسائل میں فروغی اختلاف کو چھوڑنا۔ مثلاً رتبہ پیر کرنا نہ کرنا بحکم اللہ بالجہر پڑھنا یا نہ پڑھنا۔ یا ان مقطعات قرآنی کا ذکر درمیان میں لانا یا مٹا بہات کے بارے میں تفاسیری اختلاف کو چھوڑنا موصوع بحث بنانا۔ یا ان جہی کسی اور بات کی طرف کلام کا رخ بار بار پھیرنا۔ اور اس پر اظہارِ تعجب کرنا کہ سامع کے دل میں تردد اور شک پیدا ہو اور مطالب ان امور کی تحقیق حق کی طرف مائل ہو جائے۔ اور اپنے اہل سنت کے مذہبوں سے دایس ہو کر دوسرے مذہب کی طرف جھک جائے۔

پھر محتاط مرتبہ۔ ربط۔ یعنی عہد و پیمان کرنا اور ہر شخص سے اس کے اعتقاد کے موافق پختہ قول و اقرار کرنا کہ وہ ان مجیدوں کو ناش نہ کرے اور ان کو منظر عام پر نہ لائے، ان میں بعض ایسے ہیں جو مرتبہ تفکیک کے بعد مرتبہ چہارم میں حوالہ کرتے ہیں ان کی اصلاح میں حوالہ کے یہ معنی ہیں کہ جو امور اپنے سے حل نہ ہو سکیں ان کی تشریح کے لئے امام کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہ بھی ظاہر کر دینا چاہیے کہ امام دراصل اسی کام کے لئے ہے کہ علم بلا واسطہ غیب سے حاصل کر کے امت تک پہنچائے اور ایسی پریشانی کے دنوں میں سبتہ امور کا حل بیان کر کے اختلافات کی جڑ کاٹے۔ اگر اہل سنت بھی اپنے علوم کا استفادہ امام سے کرتے تو آج اس ذوقِ بک بک میں نہ پڑتے اور الٹی سیدھی باتیں نہ کرتے پانچواں مرتبہ۔ تدلیس۔ یعنی ان اکابر دین، اکابر علماء اور برگزیدہ اولیاء کے بارے میں جو با جماع امت اس مذہب کے مخالف تھے یہ دعویٰ کرنا کہ وہ ہمارے ہم مذہب تھے مثلاً انہوں نے یہ کہا کہ حضرت سلمان فارسی ابوذر غفاری، مقداد کندی، اور عمار یا سرد رضی اللہ عنہم، شیعہ مذہب رکھتے تھے اور ان کے بعض کلمات کو اپنے جھوٹے دوس پر بطور دلیل پیش کرنا۔ اور کہنا کہ حضرت حسان بن ثابت، حضرت محمد بن عباس رضی اللہ عنہم، حضرت اویس قرنی اور تابعین میں سے حضرت حسن بصری اور امام غزالی ملقب بجمۃ الاسلام بھی شیعہ تھے۔

اور کتاب سرالعلمین کو جو محض ان بزرگ پر افتراء و بہتان ہے۔ اپنے دعویٰ کا شاہد بنانا اور کہنا کہ حکیم سنائی رحمانی دوم، خمس تبریز اور غواہ شہر ازی رحمہم اللہ بھی باطن میں شیعہ تھے۔ اور ان اہیات کو جو ان سے منسوب ہیں یا ان کی مشنوبات اور دہرائوں سے ملتی ہیں اپنے کلام کا گواہ بنانا۔

یہ ساری دروغ گوئی اس غرض سے کرتے ہیں کہ سامع کا میلان مذہبِ شیعہ کی طرف زیادہ ہو اور وہ سوچے کہ جس چیز کو ان اکابر دین نے اختیار کیا اور یہ پوشیدہ رکھ لیا اس میں بھی کوئی مجید اور راز ہے۔

چھٹا مرتبہ۔ تائیس۔ یعنی اپنے قاعدوں و مناہطوں کو سامع کے ذہن میں رشتہ رشتہ جمانا۔ اور ان کے اصول و مبادیات کو جو بمنزلہ بنیاد کے ہیں۔ ایسے طریقہ پر ان کے ذہن نشین کرنا کہ جب نتیجہ ان کے سامنے لایا جائے تو سوچ بچار کی گنجائش نہ رہے اور اس کو قبول کرتے ہی رہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ قرآن مجید تمام مسلمانوں کا خوردین و ایمان ہے کسی کلاس سے محال انکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ فرمایا ہے۔ واجب القبول اور لائق تسلیم ہے۔ یہ کہہ کر پھر کہتے ہیں کہ آپ قل لا استغفر علیہ اجر الا المودۃ فی العزۃ ہے۔ آپ کہتے ہیں اس ہدایت پر قربات داروں سے جنت کے کوئی مزدوری نہیں ملے گی، کیا معنی رکھتی ہے۔ اور الفاظ لا لغتۃ اللہ علی الخالین پھر دہرائوں کے ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ کے متعلق کیا کہتے ہو۔ اور قراءۃ متواترہ ان جلیلکثر (ذریعہ کے ساتھ) کیا مطلب ظاہر کرتی ہے؟ اور قراءۃ

پہلا دھوکہ ۱۔ یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ذمہ جو چیز واجب ہے اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے۔ اور جو بات اس کے مرتبہ الوہیت کے شان نمایاں اور لائق ہے اس کو چھوڑتا ہے۔ یہ کھلا جھوٹ اور محض افتراء ہے۔ کیونکہ اہل سنت نہ تو صراحتاً و صائراً اس کے قائل ہیں اور نہ ہی ان کے اصول و قواعد سے یہ بات لازم آتی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف اہل سنت فرمے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں کیونکہ کسی چیز کے وجوب کی نسبت اس کی طرف کرنا تصور عقل سے باہر ہے جب واقعہ یہ ہو تو پھر کرتا ہی کرنے یا چھوڑ دینے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ البتہ خود شیعوں کے اصول کے مطابق یہ بات لازم آتی ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ہے۔ اور وہی اللہ تعالیٰ کی نسبت ایسی بات کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تو درحقیقت ان ظالموں کی کچی ہونی ہاتھوں سے بہت ہی بلند و بالا تر ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ایک وقت معلوم تک کے لئے ابلیس کو پیدا کیا اور مہلت دی۔ اور مہلکے اور گمراہ کرنے کی اس کو طاقت بخشی حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ بات لازم تھی کہ گمراہ کرنے اور مہلکے کے ارادہ کے بعد اس کو ایک لمحہ کی فرصت نہ دیتا بلکہ فوراً اس کی جان مارتا، کہ اس کے مکلف بندے اطمینان قلب کے ساتھ اس کی عبادت و طاعت میں لگ جاتے۔ اور اگر مہلت دیتا بھی تو اس کو چاہیے تھا کہ گمراہ کرنے کی طاقت اس کو بخشتا۔ کیونکہ شیعی قاعدہ ہے کہ جو امر بندوں کے حق میں زیادہ بہتر ہو اس کو انجام دینا اللہ تعالیٰ پر فرض و واجب ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے اس فرض کو چھوڑ دیا۔

اہل سنت تو اصل وجوب ہی کے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ لَا يَسْتَلِمْ مَنَّا يَفْعَلُ ذَنْبًا يَسْتَكُونُ اللہ تعالیٰ سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ بلکہ وہ سب سے باز پرس کرے گا اگر اس پر کوئی چیز واجب و فرض ہوتی تو وہ بھی مخلوق کی طرح منکرم اور کسی کے زیر فرمان ہوتا۔ حالانکہ وہ جملہ مخلوق پر خواہ وہ عاقل ہو و تہر و غلبہ رکھتا ہے۔

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد بن حسن مہدی صاحب الزماں کے پاس سونے کی بہروں سے مزین ایک کتاب بھیجی تھی۔ جس میں ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل اور پوشیدہ رہیں۔ اس طرح تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو امام کے فیض و ارشاد سے محروم کر دیا۔ اس کے جواب میں اگر شیعہ یہ کہیں کہ دشمنوں کے خوف سے ان کو اس قسم کا حکم دیا گیا تو اس پر ہم کہیں گے کہ ان کے دشمنوں کو پیدا ہی کیوں کیا۔ اور پیدا کیا بھی تھا تو ان کو امام کو تکلیف پہنچانے کی طاقت کیوں نہ سلب کر لی اور یہ سب کچھ نہیں کیا تھا تو امام کو مداخلت کیوں نہ دیدی۔

الغرض یہ لوگ اپنا عیب و دسروں پر چسپاں کرنے میں بڑے چالاک و ماہر ہیں اس موقع کی تحقیق یہ ہے کہ اہل سنت تو اہل قدم پر ہی اس کے منکر ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب ہے۔ تاکہ اس قسم کے شبہات میں ان کی عقل نہ پکرائے۔ یہ تو شیعہ اور معتزلہ ہی ہیں۔ جو وجوب العلم کے قائل تھے اور جب واقعہ کے لحاظ سے اس کے خلاف دیکھا تو پھر اور ہلکافات سے ان شبہات کو دور کرنے کی کوشش کی جو مسائل کے دل کی کسی طرح تسلی و تشفی نہیں کر سکتے تھے۔ جب اس سے کام نہ چلا کھسیانی ملی لے کھانا چا، اور اہل سنت پر طعن کرنے لگے۔ کہ

ہم اللہ تعالیٰ کے لئے جس چیز کو واجب مانتے ہیں اہل سنت اس کو کیوں نہیں مانتے، بلکہ اس کے ترک کو ہائز خیال کرتے ہیں۔ بات کچھ نہیں یہ ایک دھوکہ ہے۔ جو اکثر تنزیہی مسائل میں پیش آتا ہے۔ اس کا واضح جواب یہ ہے کہ جس چیز کو تم واجب کہتے ہو وہ درحقیقت واجب ہے ہی نہیں۔ تو اس کا ترک واجب کا ترک کیسے کہہ نہ گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مائل شخصی مفتی کے پاس گیا، اور پوچھا کہ بیری کی ماں بیری ہو سکتی ہے۔ مفتی نے کہا نہیں؛ کہنے لگا میں نے تو ایسا کر لیا۔ اب کیا ہو؟

یہی حال ان کا ہے کہ عقلی گردن اور کرتوں کے باوجود مہدوں کے شہادت دہر کرنے میں جب ان کی سٹیگم ہو جاتی ہے تو عاجز و شرمندہ ہو کر آخر میں یہ کہتے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان کاموں کی مصلحتیں اللہ ہی جانتا ہے۔ ان پر وہی مثل صادق آتی ہے کہ انہو دانا کند، کند ناداں، لبیک بعد از خرابی بسیار دکہ دانا جو کچھ کرتا ہے نادان کو بھی جھک مار کر دی کرنا پڑتا ہے۔

دوسرا دھوکہ یہ دھوکہ بھی اسی قسم کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اہل سنت اللہ تعالیٰ سے براٹیوں کے صدور کو ہائز مانتے ہیں، مثلاً زنا، چوری کا صدور اللہ تعالیٰ کے خلق و ارادہ کی بنا پر مانتے ہیں، مگر انسان و شیطان کے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا سودا و ادب اور سخت گستاخی ہے۔ اور یہ نادان نہیں جانتے کہ اہل سنت کا تو یہ مدبب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل برا نہیں۔ جو فعل حوائج ان و شیطان کی نسبت سے برا ہے اور اس پر ان کی گرت ہوگی وہی فعل اللہ تعالیٰ کی نسبت سے برائی سے پاک اور بری ہے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس واقعہ اچھائی، برائی نسبتی امور میں سے ہیں جن کی طرف ان کی نسبت کی جائے ان کے اخلاق کی وجہ سے ان میں بھی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اصل قباحت اور برائی تو ان دونوں کا اللہ تعالیٰ سے صدور ماننا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے گرداب میں پڑ جاتا ہے۔

امول شیعہ کے مطابق جب اچھائی اور برائی کو اللہ تعالیٰ کے افعال میں پایا گیا تو چاہے برائی پیدا کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مٹھی کی جائے تب بھی بسے کاموں پر بندوں کو قدرت و اختیار دینا تو اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ اور یہ بات چار دنا چار شیعوں کو بھی ماننی پڑ رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے براٹیوں کا صدور خود بخود لازم آ جاتا ہے لیکن برائی پر کسی کو قدرت و اختیار دینا بھی تو برائی ہے۔

مثلاً ایک شخص کے متعلق ہم یقین سے جانتے ہیں کہ اگر اسے چھری مل گئی تو وہ اپنا پیٹ چھاڑے گا اس کے باوجود اسے چھری تھما دیں۔ تو عقلمندوں کے نزدیک قابل ملامت و مذقت باہم ہوں گے مدوہ خود اور اس کے باوجود کہ اسنے اپنا پیٹ خود چھاڑا ہے، اس کے مار ڈالنے والے نہیں ہوں گے۔ یہ دونوں صورتیں بالکل ایک جیسی ہیں۔ تو اس طعن کے سرور بھی شیعہ خود ہی ٹھیکے

اہل سنت نے تو یہ کہہ کر کہ اللہ تعالیٰ کی خفات، افعال قبیحہ کے صدور سے پاک و بری ہے اور صدور فعل میں تو حیدر حقیقی کا اعتقاد رکھ کر بلا شرکت غیر اس سے افعال صادر ہوتے ہیں تمام اعتراضات و التزامات کی جڑیں ہی کاٹ دیں۔ اور امن چین سے سو گئے۔ **ذَٰلَکَ فَضْلُ اللّٰهِ حَکْمٌ نَّہِیْہُ**۔ (یہ ان پر اللہ کا فضل ہے)۔ اور ایک بات یہ بھی کہ سب مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے گوشت کو انسان کے لئے حلال کیا ہے اور

ان کو حیوانات پر پورا پورا تسلط دیا ہے، پس ان کو ذبح کرتے ہیں، ان کی کھال کھینچتے ہیں۔ اب انسانوں میں تو بہت سے نافرمان و سرکش بھی ہیں جب کہ حافر سب کے سب مطیع و فرمانبردار اور تسبیح خوان ہیں، تو نافرمانوں کو مطیع و فرمانبردار پر اس حد تک مسلط کرنا کہ وہ انہیں قتل بھی کریں، ان کی کھال بھی کھینچیں۔ اگرچہ یہ برائی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ حیوانوں کو یہاں جو دکھ اور تکلیف پہنچ رہی ہے اس کے عوض آخرت میں یہ کئی گنا بدلہ پائیں گے۔ جیسا کہ شیعہ اور معتزلہ کا مذہب ہے۔ اور جس تکلیف کے عوض بہت کچھ اچھا بدلہ ملے۔ وہ ضائع اور رائیگاں نہیں ہوتا تو اس پر ہم کہیں گے کہ پہلے تکلیف پہنچانا پھر بدلہ دینے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ اسے تکلیف پہنچائی ہی نہ جائے کہ اس کا بدلہ دینا پڑے۔ اکثر عقلمندوں کے نزدیک یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کے بیٹے کو اول مار ڈالا جائے اور پھر قتل کی دیت دیدی جائے اور یہ عذر کیا جائے کہ اس سے عرض تو یہ تھی کہ اس دیت کی رقم سے اس شخص کا اخلاص دور ہو تو کون عقلمند اس کو عدلی و انصاف کہے گا۔

ایک اور صورت: کہ اللہ تعالیٰ اپنے اکثر گنہگاروں بندوں کو بڑی فراوانی سے دولت دیتا ہے حالانکہ ان لوگوں کے حق میں دولت کی کثرت سم قاتل سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ کیونکہ اس وجہ سے زمین پر فساد و تباہ کاری فتن و فجور، تکبر و بغاوت برپا کرتے اور غول ریزی، دغا کاری، غوائل، شراب نوشی وغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں، بلکہ بعض تو سرود، فرعون اور منقہ کی طرح خدا بن بیٹھتے ہیں۔ بعض پیغمبروں، پیغمبر زادوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ تو یہ سارے افعال سب ہی کے نزدیک بے اور قبیح ہیں اور ان برے کاموں پر قدرت دینا۔ یا ان کے لئے اسباب مہیا کر دینا۔ بجائے خود قبیح تر ہے۔

اس پر اگر شیعہ یہ کہیں کہ پیغمبروں یا پیغمبر زادوں پر قید و بند یا قتل و ذلت کی جو کچھ مصیبتیں آئیں وہ چونکہ آخرت میں ثواب عظیم کا سبب ہیں اس لئے ان مصیبتوں میں تو حسن و صلاح ہے نہ کہ قبیح و فساد، تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ ان پیغمبروں یا پیغمبر زادوں کو جو ان مصائب سے دوچار نہیں ہوئے، یہ ثواب ملے گا یا نہیں۔ اگر لا تو شافعی حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں ترک اصلع ہوا اور فعل قبیح کا ارتکاب؛ اور اگر ان کو یہ ثواب نہیں ملے گا تو پھر ان کے حق میں ترک اصلع اور فعل قبیح کا ارتکاب ہو کہ وہ ثواب عظیم سے محروم ہوئے۔ اب ہر دو مسئلوں کی تحقیق ملاحظہ ہو۔ کہ وجوب کی اور حسن و قبح کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) طبعی، (۲) شرعی اور (۳) عقلی۔

تو معلوم ہوتا چاہیے کہ باجماع علماء یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے وجوب طبعی و شرعی تصور نہیں کیونکہ پہلا وجوب بے اعتباری اور بیچارگی کی دلیل ہے کہ طبیعت سے مجبور کا اظہار ہوتا ہے اور دوسرا محکوم و مسلط ہونے کو متضمنی ہے اور اللہ تعالیٰ ان تمام عیوب سے پاک و منزہ ہے اب وجوب عقلی کے یہ معنی کہ ہر خصوصی اور جزئی واقعہ میں عقل کے تقاضے کے خلاف کام کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے جائز نہ ہو تو یہ معنی شان الوہیت کے سراسر خلاف ہے اور بحث میں اسی میں ہے۔ کیونکہ شیعہ اور معتزلہ اسی معنی کو صرف وہیں، یا دین دنیا دونوں میں ثابت کرتے ہیں ان کے ذہنوں میں اللہ تعالیٰ کی حیثیت، ارسطو، افلاکون، یا سکندر اور انگریز کی سی ہے۔

علاوہ یہ کہ جب عقلاء اور عقلی حادث ہیں اور مخلوق و مقہور اور ہر حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ثواب اللہ تعالیٰ

کو اسی کی مخلوق اور حوادث کے زیر فرمان ماننا کتنی بے عقلی اور بد عقلی کی بات ہے۔

اور اگر وجوب عقل کا یہ مطلب ہے کہ تمام عالم کی مصلحتوں کے پیش نظر جو کچھ حکمت کا تقاضا ہو اس کے مطابق اللہ تعالیٰ سے فعل سرزد ہو تو یہ بات اہل سنت کے ہاں بھی تسلیم شدہ ہے۔ میرا حق ایک مسئلہ فیہا خلق و امتداد اللہ تعالیٰ ہر چیز کی پیدا نشی اور اس کے حکم کے وقت حکمت کو مد نظر رکھتا ہے، جیسا کہ عقائد عقیدہ اور علم کلام کی دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن جب تمام عالم کی مصلحتوں کا لحاظ رکھنے کا نام حکمت الہیہ ہے اور ان مصلحتوں پر خدا نے علام الغیوب کے سوا کسی کا احاطہ ممکن نہیں تو ہر خصوصی فرد یا جزئی واقعہ میں اصل پہلو کو متنبہ کرنا اور اس کو اللہ تعالیٰ پر واجب ٹھہرانا انتہائی بے ادبی اور حدودِ جبر کی بے عقلی ہے۔ اور پھر یہ ممکن بھی نہیں۔ اس لئے اہل سنت نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ سرزد ہو اس کے بارے میں یہ اجمالی عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ حکمت کے مطابق ہے۔ اور جو صادر نہ ہو اس کے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ حکمت کے موافق نہ تھا۔ یہ نہیں کہ وہ ادھر سے جزئی اصول کلیہ جو عقائد کی ایک جماعت نے گھڑ گھڑا کر مقرر کر لئے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر چسپاں کر دیا جائے۔ لہذا اہل سنت و جمہور یہاں بھی استعمال نہیں کرتے تاکہ خلاف مفسود کا وہم تک نہ ہو سکے۔

حاصل کلام یہ کہ ان شبہات کا جواب دینا شیعوں کے احاطہ امکان سے باہر ہے تا آنکہ وہ اہل سنت کے مذہب کو مان کر عقیدہ کو تسلیم نہ کر لیں۔

تیسرا دھوکہ۔ شیعہ یہ بھی الزام لگاتے ہیں کہ اہل سنت اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم منسوب کرتے ہیں اس لئے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مومن مطیع کو ہمیشہ دوزخ میں رکھ کر ابدی عذاب بھی دے تو جائز ہے۔ اس دھوکہ کا جواب بھی اوپر کے بیان میں آگیا۔ کہ اہل سنت کا تو یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تو ظلم کا مدعا ممکن ہی نہیں اس لئے کہ تمام مخلوق اس کی ملک ہیں وہ مالک و مختار ہے جو چاہے کرے۔

پھر اس کے علاوہ مذہب کو جائز ماننا اور چیز ہے اور اس کے وقوع کا قائل ہونا دوسری چیز۔ بلکہ یہاں تو معاملہ اللہ ہے کہ اہل سنت کے بچائے شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے ظلم جائز بھی ہے اور واقع بھی۔ چنانچہ ان کے بنیاب و غیرہ نے روایت کی ہے۔ إِنَّ أَوْلَ الْأَشْيَاءِ أَنْتَارِدَ الْكَافِرِينَ کی سب اولاد جہنم میں ہے، اب ظاہر ہے کہ کافروں باپ کے گناہوں میں معصوم و بے قصور اولاد کو کچڑا کر عذاب ابدی کی سزا دینا سراسر خلاف انصاف ہے اور یہ بھی کہ دنیا میں درندوں کو پیدا کیا۔ کمزور جانوروں کا گوشت ان کی غذا بنایا۔ حالانکہ یہ کمزور جانور بے گناہ ہیں تو قوی کو ضعیف و ناتواں پر مسلط کرنا عین ظلم ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی ظلم نہیں۔

دوسرے انسان کو پیدا کیا اس میں قوت نہ ہو یہ رکھ کر نفس شہوانی کو غلبہ دیا پھر دنیاوی لطائف و لذائذ سے اسے باخبر کر کے ایسی شرعی ذبیہ داریاں اس پر لگائیں جو اس کے نفس پر شائق اور اسکی طبیعت کے خلاف ہیں اور دنیاوی مزول کے استفادہ سے اس کو روک دیا، ایک چھپے ہوئے اور اس کی نظروں سے اوجھل دشمن کو اس پر مسلط کر دیا کہ اس کے دل میں دوسرے ڈالے۔ اور تو دشمن کو دل پر پورا تصرف دیا دوسرے ڈالنے کی پوری قدرت بخشی اور دوسری طرف دل کو قوت و لذت سے محروم کر دیا۔ تاکہ وہ محض بے اختیار ہو کر اس کا تابع ہو جائے۔ امام جو ایک حد تک اس کے شر کو دور کر سکتا تھا اس کو چھپنے کا حکم دے دیا یہ سب کھلم کھلا ظلم نہیں قرار کیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک فقیر کو ہم نے ایک مکان میں بند کر کے جھوکا

پیا سا رکھا، جب وہ بھوک پیاس سے لب دم ہو گیا تو اس کے لئے طرح طرح کے خوش ذائقہ کھانے اور مشروبات لذیذہ کا انتظام کیا، اس کے ساتھ ایک مسدب بھی بٹھا دیا جو اس کو بار بار ان لذیذ کھانوں اور مشروبات کی طرف رغبت دلانا تار ہے۔ اور ان کی خبر اس کے دل میں جاتا رہے اور اسے سمجھائے کہ ان کھانوں اور مشروبات کا ملک بڑا سخی بخشش کرنے والا، تجھ پر تیسے ماں باپ سے زیادہ شفیق و مہربان ہے، حضور درگزر اس کی غصمت ہے تو کیوں اپنی جان بھوک پیاس میں ضائع کرتا ہے کھا اور خوب کھا اور اس سے امید غور رکھ۔

ایسے حالات میں اس بھوکے فحیر کو ہم اگر یہ کہیں کہ دیکھ خبردار جو تو نے ان کھانوں اور مشروبات کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ یا ان پر نظر بھی ڈالی، تو تجھے ایسا عذاب دیں گے، ظاہر ہے اس مسکین فقیر کے حق میں یہ صاف مریع ظلم ہے۔ ان سب باتوں سے قطع نظر اہل بیت کرام کا عود سب قبیح کنایوں میں منقول ہے و مروی ہے وہ قولاً و عملاً قابل قبول ہونا ہی چاہیے۔ سو ہم انشاء اللہ الہیات کی بحث میں حضرت سجاد ابن العابدینؑ کی وہ صاف مریع مدایات شیعہ کتب سے نقل کریں گے جن میں کہا گیا ہے کہ یگانہ کو بدلیئے غیر تکلیف دینا جائز ہے۔

چوتھا دھوکہ در شیعہ کہتے ہیں کہ اہل سنت انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق یہ غلط و ناقص عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔ اس کے برخلاف شیعہ ان میں پوری نزاہت اور پاکیزگی کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ اسے درست نہیں سمجھتے کہ نبیوں سے نبوت سے پہلے یا نبوت کے بعد کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ سرزد ہو سکتا ہے اس لحاظ سے اس اہل سنت کی نسبت شیعہ مذہب ادب سے زیادہ قریب ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر انبیاء کرام سے گناہ سرزد ہونا تسلیم کر لیا جائے تو ان کے قول و فعل سے اعتماد اٹھ جائے گا اور ان کی نبوت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

مگر یہ سب کچھ افتراء و بہتان، تحریف اور منہ ہے۔ کیونکہ اہل سنت گناہ کبیرہ کو بعد نبوت عدا دھونا ہرگز جائز نہیں رکھتے۔ البتہ گناہ صغیرہ کو دھونا جائز سمجھتے ہیں۔ بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو۔ اور جھوٹ، نہ عمدانہ سہوانہ بلی نبوت نہ بعد نبوت، ان سے منسوب کر نیکو جائز نہیں سمجھتے اس صورت میں ان سے اعتماد اٹھنے کا سوال ہی نہیں۔

یہاں ایک باریک بات قابل غور ہے کہ شیعہ اکثر مسائل میں زیادتی سے کام لیتے ہیں اور ہر بلند درجہ کو اپنا مذہب بنالیتے ہیں مگر واقعہ حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس لئے ان کا مذہب ایک دم اور غیر حقیقی بن کر رہ جاتا ہے۔

برخلاف اہل سنت کے کہ وہ ہر قدم، جانچ پرکھ اور خوب سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں اور واقعہ حقیقت کبھی ان کی تکذیب نہیں کرتے۔ شیعہوں کے اکثر اعتقادی مسائل میں یہی نقص پیدا ہو گیا ہے، اسی وجہ سے وہ اپنے سوہم عقائد کو نفس الامری سے ہم آہنگ کرنے میں عقلی طور پر فرومایہ رہ جاتے ہیں، اور حیران و پریشان ہوتے ہیں اور پھر لچر و مہمل اقوال ان سے سرزد ہونے لگتے ہیں چنانچہ یہ عقیدہ بھی انہی مسائل میں سے ہے۔

بے شمار آیات قرآنی اور احادیث نبوی اثبات پر ناطق و شاہد ہیں کہ انبیاء کرام سے لغزشوں کا صدور ہوا اور ان پر عتاب الہی بھی ہوا اور نتیجہ اور ان حضرات کی جانب سے، بکاد، ندامت اور اظہار رجوع و زاری ہوا اگر ہم عصیت کو نکتہ عروج پر پہنچا دیں تو پھر ان صریح آیات و احادیث کی ترویج و تشریح میں مہمل و سہ معنی کلمات کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا تو اول ہی مرحلے پر ہم عصمت کے ایسے معنی کیوں نہ متعین کر لیں کہ بعد میں ان الجہول اور پریشانیتوں سے سابقہ نہ پڑے۔

پھر تعجب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس بلندی اعتقاد کے باوجود یہ خود اپنے معصوم ائمہ سے ایسی روایات بیان کرتے ہیں جن سے انبیاء کرام علیہم السلام سے نبوت کے بعد گناہ کبیرہ سرزد ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ کلینی سند صحیح کی نقل ان الفاظ سے ابو یوسف سے روایت بیان کرتا ہے اور وہ ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہ أَنَّ يُونُسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ أَقَى ذُنْبًا كَانَ الْمَوْتُ عَلَيْهِ حَلَاكًا۔

اسی طرح مرتضیٰ، جس کا شمار ان کے ان معتبر مجتہدین میں ہوتا ہے انبیاء کرام سے قبل البلوغ گناہ کے مدد کو جائز قرار دیتا ہے۔ اور ابو یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائیوں کے سلوک کو صغیر سنی پر محمول کرتا ہے۔ اس کلام کی کمزوری ظاہر و باہر ہے۔

مرتضیٰ ان شیعوں نے جو کام بھی کئے ہیں چھوٹی عمر کے بچوں سے بھی ایسے کاموں کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پانچو مال دھوکہ۔ یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت پیغمبروں سے بھول چوک سرزد ہونے کو جائز کہتے ہیں اور دلیل میں اہل سنت کی یہ روایت لاتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چار رکعت والی نماز میں سہو ہوا اور آپ نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔

تو بعد اس میں طعن کا کونسا پہلو ہے۔ بھول چوک خاصہ بشری ہے۔ اور چونکہ بشریت میں انبیاء کرام سب انسانوں کے ساتھ مشرک ہیں۔ لہذا ان میں امور بشریہ کا ہونا لازمی ہے۔ مثلاً مرتن درد سر۔ زخم اور قتل جیسے عوارض ان کو بھی لاحق ہوتے ہیں سانپ بچھران کو بھی ڈستے ہیں، دکھ درد ان کو سستا تا ہے، نیند و غفلت ان کو بھی ہوتی ہے رجاء دوسے یہ بھی شاکر ہوتے ہیں۔ تو اب سہوان امور میں کونسا بلند مرتبہ رکھتا ہے جس کا لاحق ہونا انبیاء علیہم السلام کی ذات میں غلطی کا باعث ہوا۔ البتہ تبلیغی امور میں ان سے سہو کبھی سرزد نہیں ہوتا نہ اس کا اعتقاد جائز ہے کہ جائز کو ناجائز یا امر کے خلاف نہیں فرمائیں۔

بعض محقق علماء نے لکھا ہے کہ انبیاء کرام سے سہو اس لئے ہوتا ہے کہ وہ ہر دم ذات باری کے حضور اور اس کے مشاہدہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور عوام کا سہو اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دنیوی امور میں پراگندہ دل ہوتے ہیں تو صورت سہو میں تو مشترک ہے۔ مگر سبب اور وجہ میں اختلاف؛ اسی لئے کہا گیا ہے۔

کار پاں کاں را قیاس از خود میگر
مرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
برگزیدہ و گویں پر اپنے آپ کو قیاس نہ کرو اگرچہ شیر درندہ
اور شیر یک طرح کھتے جاتے ہیں و پھر بھی الگ الگ ہیں۔

شیخ علی نے قصہ ذوالیدین کو اصل سنت پر طعن کا بڑا اچھا مورد خیال کیا ہے حالانکہ واقعہ کے بیان اور اس حق کی روایت میں طعن کیا ہے اس کے بعد باوجود دروغ گو را حافطہ لہ شد کے مصداق شیخ مذکور کو یہ یاد نہیں رہا کہ خود کلینی اور ابو جعفر طوسی جیسے سندوں کے ساتھ ذوالیدین کے قصہ کو روایت کرتے ہیں۔ جو ان کی کتابوں میں موجود ہے تو جس بات پر وہ اصل سنت کو ملحوظ کرتے ہیں وہ خود اس کا مورد پھیرتے ہیں اس لئے کہ اہل سنت تو سہو کو نقص نہیں سمجھتے اور تشیعہ اس کو نقص ماننے کے باوجود اس کی روایت کرتے ہیں۔ جو زیادہ قابل طعن ہے۔

چھٹا دھوکہ۔ یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت پیغمبروں کے لئے زبان سے کلمہ کفر کی ادائیگی کو جائز کہتے ہیں اور روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لات دغزن کی مدح فرمائی۔

ان کا طعن یہ بھی سخی و تحریف میں شمار ہوتا ہے، اس لئے اہل سنت کی کتب تفسیر میں منیف روایت کے خلاف سے یہ آج سے کہ سیدہ خیم کی تعداد کے وقت شیطان نے اس مجلس میں شریک ہو کر بلند آواز سے چند ایسے کلمے ادا کئے جن سے غرضیج ہلاک مدح نکلتی ہے حالانکہ غرضیج کا لفظ بھی مباح اور اصنام ہر دو میں شریک ہے۔ کفار اس کو اپنے تئوں کی تعریف میں کر بڑے خوش ہوئے۔ موسیٰ بن عقبہ نے روایت کی ہے کہ مسلمانوں نے یہ الفاظ بالکل نہیں سنے اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ کو بے انتہا رنج و مدہم ہوا۔ پنا پھر آپ کی تسلی کی خاطر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا إِذَا تَلَّقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْلِيَّتِهِ فَيُتَسَمِعُ
اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَفِيٍّ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ
فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَمٌ وَالْقَاسِيَةِ
قُلُوبُهُمْ۔

اب نظر انصاف بیاق آیت پر غور کیجئے کہ یہ آیت اس قسم پر کس حد تک چپاں ہوتی ہے، گویا اس کے معنی صرف یہی ہیں اور پھر اس قسم پر غور و فکر کی نظر ڈالیں کہ اس میں برائی کو نہی ہے۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر کون سے کلمات کھر آئے۔

شیطان کا انسان کو اشتباہ میں ڈالنا، آوازوں اور نغموں کے ذریعہ حکایات کرنا کوئی نئی انوکھی اور تعجب کی بات ہے۔ ہاں اس بات پر تعجب ہے کہ کفار کے سامنے شیطان کی کلمات، فرقائی کلمات سے گڑبڑ کیسے ہو گئے کہ فرقائی کلمات تو اجلازی حضرت سے متصف ہوتے ہیں اور شیطان کلمات اس سے عاری۔ لیکن جب و افعلہ کی گہرائی تک پہنچ کر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کفار کی محبت پسندی نے ان کو شیطان کلمات کے اجلازی پہلو اور بلاغت پر غور اور سوچ کا موقع ہی نہیں دیا۔ انہوں نے ان کلمات کے ظاہری مطلب کو اپنے عقیدہ کے مطابق پایا تو یہ سمجھ بیٹھے کہ قرب کلمات فرقائی ہی ہیں جیسا کہ عام شیعہ کی حالت ہے اگر ان کو اپنے امام سے کوئی منیف روایت بھی مل جاتی ہے جو ان کے مذہب کے موافق ہو اور مذہب اہل سنت کے مخالف ہو تو اسے سر آنکھوں پر رکھتے اور اس کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں صحیح احادیث کو پس پشت ڈال دیتے ہیں حالانکہ اگر کلام خیر ان کے کلام کے ساتھ مشتبہ نہیں ہو سکتا لیکن حیثیت و عصیت کا پردہ آنکھوں میں ایسا پڑا ہوتا ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز کرنے کی فرصت ہی نہیں دیتا۔ اگر اہل سنت اتنی سی بات پر مطعون قرار پاتے ہیں تو امامیہ تو جو اپنی کتب حیمہ میں انبیاء اور رسولوں کی ”کفریات“ کی روایت بیان کرتے ہیں۔ جس کی مثالیں انشاء اللہ ان کے عقائد کے بیان میں پیش کی جائیں گی۔ ملعون ٹھہرتے ہیں۔ اور مطعون و ملعون کے فرق کو یقیناً ہر کوئی جانتا ہے۔

ساتراں دھوکہ۔ شیعہ کہتے ہیں کہ سوانے پانچ چھ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اہل بیت کے دشمن اور ان کی طرف سے بغض رکھنے والے تھے۔

یہ الزام بھی ہر مسرتانی اور افراسیہ ہے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اہل شام کا اور مقدسب جماعت کا رئیس ہونے
 ہیں۔ ان لوگوں کو خبر نہیں کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی تھے کہ جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزیدہ حتیٰ کہ
 تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مرضی پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مرضی کو ترجیح دی واقعہ یہ ہوا کہ حضرت معاویہ
 رضی اللہ عنہ نے یزید کا رشتہ ام خالدہ سے جو حسن و جمال میں یکساں تھی کرنا چاہا۔ اور مقدس کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
 عنہ کو شام سے مدینہ بھیجا۔ اس کے علاوہ عبد اللہ بن زبیر بن عبد اللہ بن جعفر اور عبد اللہ بن مطیع بن اسود نے بھی اپنی منگنی کے
 مقامات انہی کے توسط سے بھیجے، اور صخر غائب حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس کے خواستگار ہوں گے جب ام خالدہ نے
 اس معاملہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کو اپنا مشیر بنا کر ان سے مشورہ کیا کہ ان لوگوں میں سے کس کو ترجیح دوں
 تو آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں رسول اللہ کے نواسے اور فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لال سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتا
 تو دنیا کے مال و متاع پر خاک ڈال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہو بھنے کو غنیمت جان! چنانچہ ام خالدہ نے ابو ہریرہ
 رضی اللہ عنہ ہی کے مشورہ سے دولت کو ٹھکر کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا اور اس شرف سے مشرف
 ہوئی علاوہ انہی ابن انسان کی کتاب الموافقة میں اہل بیت کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور ان کی خاص نعمتوں
 کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

آٹھواں دھوکہ۔ کہتے ہیں کہ اہل سنت قرآن کی مخالفت کرتے ہیں مثلاً و منہ میں پاؤں پر رکھنے کے بجائے
 ان کو دھرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کی آیت صاف طور پر مسح پر دلالت کرتی ہے۔ اس دھوکہ نے بہت سے ایسے جاہلوں کو
 راہ راست سے ہٹا دیا ہے جو خود ان کی معمول شدہ بد کے ساتھ احکام الہی کی تحقیق میں قدم رکھتے اور خود کو عالم سمجھتے ہیں
 حالانکہ وہ اتنی قابلیت بھی نہیں رکھتے اصول اور قواعد اجتہاد کو سمجھ سکیں۔ یا مختلف مسائل میں باہم تطبیق دے سکیں۔
 اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو فریقین کے نزدیک قرآن مجید میں آیت و منہ میں آٹھ کھنڈل کے زیر اور
 دیگر قرآنی متواتر جگہ اور درست ہیں۔

پھر دونوں اس اصول آٹھ پر بھی متفق ہیں کہ جب دو متواتر قرائتیں باہم متعارض ہوں تو وہ دو مختلف آیتوں کا حکم رکھتی
 ہیں۔ اس نے پہلے تو ان دونوں میں تطبیق کی کوشش کرنی چاہیے۔ پھر ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کے بارے میں خود کرنا چاہیے
 اگر دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں تو ان کو کالعدم تصور کر کے ان سے کم مرتبہ دلائل کی طرف رجوع کرنا چاہیے مثلاً دو آیتوں میں
 تطبیق ممکن نہ ہو تو حدیث کی طرف رجوع کریں، کیونکہ تعارض کے سبب آیتوں پر عمل ممکن نہ ہونے کے سبب وہ کالعدم ہو گئی
 اور اگر احادیث باہم متعارض ہوں تو اتنا حال صحابہ اور اہل بیت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یا جو لوگ قیاس کے قائل ہیں ان
 کو مجتہدین کے قیاس پر عمل کرنا چاہیے۔

پھر اس آیت و منہ میں ہم نے دونوں قرائتوں میں خود کیا تراہل سنت کے نزدیک ہر دو قرائت میں دو وجوہ سے

تطبیق پائی۔

ایک یہ کہ مسح کو غسل پر محمول کر دینا جیسا کہ ابو زید انصاری اور دوسرے اہل لغت نے ان الفاظ میں تصریح کی ہے
 اَلْمَسْحُ فِي كَلَامِ النَّاسِ يَكُونُ غَسْلًا يَقَالُ لِمَنْ جَلَّ
 کلام عرب میں مسح کے معنی غسل کے بھی ہوتے ہیں۔ و منہ کو ٹیٹل
 کے لئے کہا جاتا ہے تسبیح اس نے وضو کیا یہ بھی کہتے ہیں مساح
 اِذَا تَوَضَّأَ تَسَبَّحَ وَيُقَالُ مَسَّحَ اللَّهُ مَا بَلَغَ اَمَّا اَنْدَالَ

خُلِقَ الْمَرْءُ وَيَقَالُ مَسَحَ الْأَرْضَ الْمَطْلَىٰ - کہ انسان کو تیرے سر سے گزرا اور اسی طرح مس الارض کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بارش نے زمین کو دھو دیا۔

اس وجہ میں اگر شیعہ یہ جرح کریں کہ پتھر کی سطح پر مس کے حقیقی معنی مراد ہیں اور اس جگہ میں مجازی معنی۔ تو ایک ہی چیز میں حقیقت و مجاز کا اجتماع ناجائز اور متنع ہے۔

اس کا جواب یہ ہو گا کہ بار جگہ سے پہلے اس کا لفظ آگیا ہے تو اب جب لفظ دو ہو گیا تو دوسرے مراد پہ میں کوئی معائنہ درپا۔ شارح زبدۃ الأصول امامیہ کے ماہرین عربیت سے نقل کرتا ہے کہ حقیقت و مجاز کا اس طرح جمع ہونا جائز ہے مثلاً مَطْلُوتٌ علیہ میں حقیقی معنی مراد ہوں اور مَطْلُوتٌ میں مجازی۔ چنانچہ آیت: لَا تَقْرَبُوا الْقَسْبَةَ وَاَنْتُمْ سَامِعُونَ مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنْأَلًا لِّرَبِّكَ سَبِيلًا۔ میں کہا ہے کہ قسبۃ بحالت مَطْلُوتٌ علیہ محض اس ارکان شریعت میں حقیقی معنی ہیں یعنی سب پر عمل لازم ہے میں مستقل ہے۔ شارح زبدہ کا کہنا ہے کہ یہ استخدام کی ایک قسم ہے۔

امامیہ کے مفسرین کی ایک جماعت اعلان کے نقبانے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے پس آیت زیر بحث میں بھی یہی صورت ہوگی کہ وہ مس جو رُوس دوسرے تعلق رکھتا ہے اپنے حقیقی معنوں میں لیا جائے گا اور وہ مس جو پاؤں سے تعلق رکھتا ہے مجازی معنی خُشَل میں لیا جائے گا۔

پھر اس بحث سے قطع نظر اس آیت کے نزول سے کئی سال پہلے ابتدائے بعثت ہی میں حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے سے وضو کی ضرورت اور اس کی تعلیم و قوع میں آپ کی تھی۔ پس اس قسم کا ایہام یہاں مراد لینے میں کوئی معائنہ نہیں کیونکہ فنا طبعی، وضو کی کیفیت ترتیب سے پہلے ہی سے سمجھتے تھے بلکہ روزانہ پانچ مرتبہ ملی مظاہرہ کرتے رہتے تھے اس لئے وضو کی کیفیت ترتیب کا سمجھنا ان کے لئے اس آیت پر ہی منحصر نہ تھا۔ بلکہ ظاہری طرز کلام سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کلام خاص و مشدود اور غفل کے متبادل طریقہ تعلیم کے لئے ہے اور وضو کا ذکر بطور تہذیب و تقرب ہے اور جو بات بطور تہذیب و تقرب ہوا اس کے بیان میں چنداں وضاحت ضروری نہیں ہوتی۔

دوسرے یہ کہ اگر جہل کا زیر اپنے متصل لفظ رُوس کے زیر کی وجہ سے ہے مگر معنی باعتبار زبرد کے ہوں گے اور جبر جوار کو کہہ سہو یہ، اخفش، البر البقاء اور دیگر تمام معتبر لغویوں نے لغت اور عطف دونوں صورتوں میں جائز رکھا ہے۔ اور یہی قرآن میں بھی ہے۔ لغت کی حالت میں جبر جوار کی مثال قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔ حَدَابُ يَنْدُو۔ آئینہ دکھ اس میں الیم اگرچہ مذاب کی صفت ہے مگر جبر جوار یعنی یرم کی وجہ سے مجرور جوا عطف کی حالت جبر جوار کی مثال حُوتًا حَلِيًّا كَالْمَالِ الْمَلُوءِ الْمَكْشُوفِ۔ ہے کہ اس میں بقرہ حمزہ کسان اور بردایت مفعول مام کی قرات پر جبر جوار الکتوب قَابَاتِنِ کی وجہ سے مجرور ہے۔ اور وَلَدَانِ مَخْلُوقَاتِ پر مفعول ہے کیونکہ الکتوب قَابَاتِنِ پر عطف کرنے سے اس کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

اس کے علاوہ خالص اور اصل شعر نے عرب کے نظم و نثر میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ نابغہ کا ایک شعر

ہے۔

ان میں سے کوئی قیدی زندہ نہیں رہا۔ مگر وہ جو
دور سیلوں سے پابستہ ہے۔

لَوَيْتُ أَنِّي إِلَّا أَسِيرٌ غَيْرُ مُنْقَلَبٍ
كَتُوبٍ فِي مَقَالِ الْأُسْرَةِ مُنْقَلَبٍ

اس میں عورت اگر پر عطف اسیر کر جائے گی اس پر معلوم ہے مگر سبب جبر و زبردستی منقالت کے ضرور ہوا۔
اب اگر زواج حریت عطف کی موجودگی کے سبب جبر و زبردستی سے انکار کر دے تو اس کا قول قابل توجہ نہیں۔ کیونکہ ماہرین لسان
اور ائمہ عربیت نے اس کو جائز رکھا ہے اور قرآن مجید اور بغداد عرب کے کلام میں اس کی مثالیں موجود ہیں درحاج کا قول دراصل اس کے
تبیح اور تحقیق کی غامضی کے سبب ہے اسی کے ساتھ یہ ایک طرف کی شہادت بر نفی ہے اور ایسی شہادت معتبر نہیں۔

اس مسئلہ میں اہل سنت نے تطہین کی ایک دوسری صورت بھی ذکر کی ہے وہ یہ کہ قرآن مجید کو موزون ہونے کی حالت
پر محول کرنے میں اور قرآنہ نصب دربر کو پاؤں میں موزون نہ ہونے کی صورت پر۔ لیکن اس صورت میں ہمیں ایک ضمیر ماننے کی
مجبوری درپیش ہے جو طبیعت سے کچھ دور ہے۔

شیعہ حضرات کے نزدیک بھی ان دونوں قرأتوں میں دو وجوہ سے تطہین دیجاتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ اہل سنت
قرآنہ نصب کو جس کے ظاہری معنی غسل کے ہیں اصل قرار دیتے ہیں اور قرآنہ جبر کو اسی طرف لواتے ہیں اور شیعہ اس کے
برعکس کرتے ہیں۔

پہلی وجہ تطہین یہ ہے کہ قرآنہ نصب کی صورت میں اصل کا عطف محل رؤس پر ہوا اس صورت میں رؤس اور باطنی دوسر
پاؤں، سر و دہریس کا حکم ہوگا۔ اس لئے کہ اس قرآنہ پر اگر منسوب پر عطف کرتے ہیں تو معطوف اور معطوف علیہ میں اجنبی جملے کا
فاعل آتا ہے اور یہ جائز نہیں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وازع کے معنی میں ہو جیسا کہ کہتے ہیں۔ لا شقوی المأدک الخشیة مکران و درنوں وجوہ پر
اہل سنت کی طرف سے چند اعتراضات ہیں اول تو یہ کہ محل پر عطف قرار دینا باجماع فریقین خلاف ظاہر ہے اس صورت میں عطف
نظاہر معطولات پر ہے۔ اور ظاہر سے انحراف بغیر دلیل ظاہر کے جائز نہیں۔ اگر اس پر قرأت جبر کو دلیل ٹھہرائیں جیسا کہ پچھلے
کلام سے معلوم ہوا تو وہ قرآنہ نصب میں ہو سکتا ہے اور اجنبی جملے کا راجح میں آنے کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وازع کو
یہ بڑا سبب قرار دیکھ کر کلمہ کا تعلق معطولات سے کچھ نہ ہوا اور اگر یہ معنی کئے جائیں کہ دھونے کے بعد اپنے ہاتھوں کو سر پر
طو قرآنہ اجنبی کا فصل کیسے ہوا اکثر اہل سنت کا مذہب بھی یہی ہے کہ بقیہ غسل سے متعلق نہیں۔

ایک وجہ اعتراض یہ بھی ہے کہ وہ متعاطف جملوں یا معطوف علیہ میں کسی بھی اہل عربیت کے نزدیک فصل متیق نہیں۔
بلکہ ان کے اندر بھی اس کے جائز ہونے کی تصریح کی ہے اور ابوالقاسم نے تمام نحوویں کا اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے
ہاں اہل بلاغت کے کلام میں اجنبی کا درمیان میں لانا کسی خاص مکتبہ پر مبنی ہوتا ہے۔

ایک اور بات یہ بھی ہے کہ اگر اراکھم کا عطف محل برزخ پر کرتی تو ہو سکتا ہے کہ ہم اس سے غسل کے معنی سمجھیں کیونکہ
عربی کے مقررہ قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب قرب معنی دے دے تو فعل ایک جگہ جمع ہوں جن میں سے ہر ایک
کا ایک متعلق ہو تو ایک فعل کو حذف کر کے اس کے متعلق ہو تو ایک فعل کو حذف کر کے اس کے متعلق کا فعل مذکور پر عطف
کرنا گویا اسی کا متعلق ہے۔ جائز ہے۔ البیدریں و بیہ العادری کا یہ شعر اس قبیل سے ہے۔

نَعْلًا مُرْدَعًا الْأَطْفَانُ وَالْمُفْلَسَاتُ
بِالْجَنَّتَيْنِ طَبَا نَهًا وَلِنَا مَهَا
چڑھا ایتھان کی شاخوں پر اور بچے میٹھے پہاڑوں
میں جہنم اور شترمرغوں نے
یہاں ہانست فعل حذف ہوا۔ بابت نعامہا۔ اس لئے کہ شترمرغ بچے نہیں اندھے دیتی ہے اسی قاعدہ کی ایک

اور مثال ایک اور شاعر کے کام سے بھی ملتی ہے۔

تو اس کو دیکھے گا کہ گویا اس کا آقا اس کی تاک کاٹتے اور
 اس کی آنکھیں پھوڑتا ہے۔ اس کا آقا بہت دقت مند تھا۔
 اس شعر میں قاعدہ مذکورہ کے مطابق بقا فعل محذوف ہے اس کے متعلق کا عطف فعل مذکورہ کے متعلق پر کر

دیا ہے۔

اس قاعدہ کی تعمیری مثال میں ایک اور شاعر کا قول ہے۔

اِذَا مَا الْعَارِيَاتُ يَخْرُجْنَ يَوْمًا
 وَرَجَعْنَ الْجَوَاحِبُ وَالْعَيْنُونَ
 یہاں مکن فعل محذوف ہے یعنی مکن العيون
 اسی قاعدہ کے مطابق کسی عربی کا قول۔
 عَلَفْتُمَا بَيْنَنَا وَمَاءً بَارِدًا
 یہاں سقیثا فعل محذوف ہے۔ جس کا متعلق ماء مذکور ہے۔
 تیسرا اعتراض یہ ہے کہ داد کو جمع کے سننے میں لینا بغیر قرینے کے جائز نہیں اور یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں بلکہ دیکھا جائے

تو اس کے خلاف قرینہ موجود ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب دونوں طرف تطبیق کی وجہ ہیں تو اب سوال تمییز کا ملکہ جاتا ہے۔ اس کے لئے اہل سنت کے محققین اجماعیث نبویہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انہیں کو بسبب ترجیح قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ قرآنی معانی کو یہی حل کرتی ہیں۔ پھر نیز بحث و ضوابط فعل سے جس کو جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن رات میں پانچ مرتبہ عمل میں لاتے تھے۔ اور نو مسلموں کی خاطر ایسے احکام شرعی کو کھلم کھلا طریقے سے نہرت دیتے تھے۔ جو مسلمان ہوتا تو سب سے پہلے نماز اور اس سے بھی پہلے اس کے شرائط مثلاً وضو سبکنا ان میں سے کسی نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو میں پاؤں پر مسح کی روایت نہیں کی بلکہ غسل کی ہی روایت کی ہے۔ یہاں تک کہ خود شیخ اس کے منترف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل برخلین ہی کی روایت ہے۔ البتہ شیخ حضرت یہ کہہ کر بحث ختم کر دیتے ہیں۔ کہ آئمہ سے ہم کو صحیح روایات پہنچی ہیں کہ وہ مسح کیا کرتے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل سنت جن آئمہ سے غسل کی روایت بیان کرتے ہیں۔ وہ صرف تقیہ تھا۔ اب اس پر اہل سنت کہتے ہیں کہ آئمہ کی کتب صحیح میں صاف صاف روایتیں موجود ہیں جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ آئمہ اہل راہیہ موقوفوں پر جہاں تقیہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ پاؤں وضو کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ غسل کی روایت آئمہ سے اتفاق شدہ ہے اور مسح کی روایت مختلف ذیل کہ بعض شیخ روایت کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔

بہر حال یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بالاجماع غسل ہی کا ہے۔ آنحضرت سے مسح کی روایت ہر وقت میں سے کسی نے نہیں کی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرآن کے معانی کوئی نہ سمجھتا تھا نہ سمجھ سکتا تھا۔ اس کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ غسل کے جو معنی آئمہ نے سمجھے ہیں وہ عین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھ کے مطابق ہیں۔ اور یہی ہے وہ الزام لوٹ گیا کہ ہم آنحضرت کے بموجب قرآن کی مخالفت نہیں کرتے ہیں۔ اہل سنت نہیں۔ سچ ہے جو کوئی اپنے جہائی کے لئے غر حاکھو دتا ہے۔ اس میں خود ہی جاگرتا ہے۔

اور زیادہ قہر اور اپنے کی بات یہ ہے کہ ان کے جلیل القدر علماء نے پاؤں دھونے کی روایتیں اپنی کتابوں میں کی ہیں اور ان کا کوئی جواب نہیں دیا نہ ہی راویوں کا کوئی عذر بیان کیا۔ ان کی اس الوکھی بات کا عذر کوئی ہو سکتا ہے۔ تو صرف یہ کہ دروغ گورہا قلم نہ باشد۔ اور عذر نہ بیان واقعی بالاجار عذر شرعی ہے۔

اب ذرا ان حضرات کی اس سلسلہ کی روایات کا جائزہ لیتے ہیں، ان میں ایک یہ ہے۔

(۱۱)۔ روی الیہاشی عن علی بن حمزہ قال سالت ابا ابراہیم عن القدرمین فقال تغسلک غسلہ علی بن حمزہ سے عیاشی روایت کرتا ہے کہ علی نے ابو ابراہیم سے قدمین کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا یقیناً دھوئے جائیں گے۔

(۱۲)۔ روی محمد بن النعمان عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال اذا نسیت مسح راسک غسل راسک فاجعل راسک تحت ارجلک۔

”محمد بن نعمان نے ابی بصیر سے اور انہوں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ اگر سر کا مسح بھول جائے اور پاؤں بھی دھوئے تو اب سر کا مسح کہ اور پاؤں پھر دھو۔“

اس روایت کو کلینی اور ابو جعفر طوسی دونوں نے صحیح سندوں سے روایت کیا ہے۔ اس میں نہ ضعف کی گنجائش ہے نہ تبقیر کی کیونکہ مخاطب مخلص شیعہ تھا۔

(۱۳)۔ روی محمد بن الحسن الصفار عن زید بن علی عن امیہ عن جده عن امیر المؤمنین قال غسلت اقلوصاء ناقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما غسلت قدمی قال یا علی نخل بین الاصابہ۔

محمد بن حسن صفار نے زید سے زید نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے اور انہوں نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی، کہ حضرت علی نے فرمایا کہ میں وضو کر کے بیٹھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، جب میں نے پاؤں دھوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا علی، انگلیوں میں خلل بھی کر لو۔

اس طرح کی اور روایات بھی ان کی کتب صحیحہ میں موجود ہیں۔

اس بیان سے یہ دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، اول تو یہ کہ شیعہ حضرات کو چاہیے کہ بموجب قواعد اصول مسیح و غسل ہر دو کو جائز رکھیں۔ صرف مسیح کو، دوسرے یہ کہ اگر اہل سنت غسل کی روایت کو جس کی سند پر دونوں کا اتفاق ہے۔ اقبیاط اختیار کریں اور مسیح کی روایت کو جس کی سند مختلف نہ ہے۔ نظر انداز کر دیں تو وہ ہرگز قابل الزام اور لائق علامت نہ ہوں گے۔ خصوصاً صاحب کہ شریف رحنی نے بیچ البلاغ میں امیر المؤمنین سے روایت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی روایات بیان کی ہیں جن میں پاؤں کا وضو ثابت کیا ہے۔

اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف غسل ہی کی روایت کی ہے۔

اور وہ ضعیف روایات جو بطریق جماد بن تمیم اور اس کے چچا سے مروی ہیں کہ آپ نے وضو کی اور قدموں پر مسیح کیا وہ سب غشوں سے غائب نہیں۔ اس لئے کہ اول تو وہ اس روایت میں منفرد ہے۔ اور عام راویوں سے اپنی روایت میں مختلف دوسرے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ممکن ہے۔ اس وقت اپنے پاؤں میں موزے پہن رکھے ہوں اور راوی نے موزے نہ دیکھے ہوں صرف مسیح کا عمل دیکھا ہو اور تیسرے یہ بھی ممکن ہے کہ راوی نے مسیح کا لفظ مجازاً استعمال کیا ہو اور امیر المؤمنین سے جو روایت باہی الفاظ مروی ہے کہ

مَسْمُومٌ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمَسْمُومٌ عَلَى مَا أَيْسَرُ وَجْهَهُ
وَشَرِبَ قَمَلًا طَهْرًا قَائِمًا وَقَالَ إِنَّ النَّاسَ
يُذَقُّونَ أَثَرَ الشَّرْبِ قَائِمًا لَا يَجُونَ وَقَدْ نَأَيْتُ
مَا شَرَكْتُ اللَّهَ مَعَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَعَهُ مِثْلَ مَا
صَنَعْتُ هَذَا أَوْ مَنَعَهُ مِنْ كَيْدٍ يُجَدِّثُ.

یعنی اپنے چہرے، ہاتھوں، سر اور پاؤں کا مس کیا اور دُور
کا بچا بڑا پانی کھڑے ہو کر پیا اور وضو کا لوگ کمان
کرتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز نہیں تو میں نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایسا ہی کیا جیسا کہ میں
نے کیا۔ یہ روایت اس شخص کا ہے جس کا وضو نہ ٹوٹا ہو۔

شیعوں کی طرف سے یہ روایت اس لئے جفت نہیں بن سکتی کہ امر زیر بحث ہے وضو کا وضو ہے نہ وضو اسے کا وضو۔
کیونکہ منہ نفاذات و پاکیزگی اطراف توسیع سے بھی ہو سکتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس روایت میں چہرے اور ہاتھوں
کا مس بھی بیان کیا ہے۔ جب کہ خود شیعوں کے ہاں بھی ہاتھوں اور چہرے کے مس کا کوئی قائل نہیں مگر ان میں سے ایک فرقہ
ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کا مذہب یہی مسیح ہے، جیسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ
بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابولدار اور انس رضی اللہ عنہما۔ حالانکہ یہ بعض افراد ہیں، ان اصحاب میں سے کسی سے بھی صحیح
طریق پر کوئی ایسی روایت مروی نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ حضرات اس کے قائل تھے۔ بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
تو بطور شبہ و تعجب یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم قرآن میں تو صرف مسیح ہی کو پاتے ہیں مگر اہل اسلام نے غسل ہی کو مانا۔
مطلب یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق قرآن کے ظاہری الفاظ سے تو مسیح کا پتہ چلتا
ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اس پر عمل نہ تھا وہ غسل فرماتے تھے۔ اس سے واضح طور پر یہی بات معلوم
ہوتی ہے کہ زیر کی قرأت قائل تاویل اور متروک الظاہر ہے۔

اس سے ایک اور بات یہ بھی معلوم ہوتی کہ ابوالعالیہ، عکرمہ اور شیبی سے جو لوگ یہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس
رضی اللہ عنہ مسیح کو جابر کہتے تھے۔ بعض افراد ان پر بہتان ہے۔
اسی طرح جناب حسن بصری رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مسیح اور غسل ہر دو کو جمع کرنے کے قائل تھے۔
جیسے کہ زیدیہ میں سے ناصر کا یہ مذہب ہے۔ تو یہ بھی بہتان اور جھوٹ ہے۔

یہ محمد ابن جریر طبری کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اختیار کے قائل تھے کہ چاہو مسیح کرو اور چاہو تو غسل کرو۔ یہ بھی
جھوٹ ہے۔

درحقیقت شیعہ راویوں نے اس قسم کے جھوٹ گھڑ کر ان کو مشہور کیا ہے، اور بعض اہل سنت نے بھی مسیح و نسیف
میں تمیز کئے بغیر بے سند اس کی روایت کر دی ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ علیہ جو اہل سنت میں آثار صحابہ و تابعین کے علم میں بلند مرتبہ کے مالک ہیں عبدالملک بن سلیمان
سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عطاء سے دریافت کیا کہ کیا تم کو کسی صحابی سے ایسی روایت ملی ہے کہ انہوں نے پاؤں پر
مسح کیا ہو تو عطاء نے جواب دیا کہ نہیں۔

یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ محمد بن جریر طبری نام کے دو اشخاص ہیں ایک محمد بن جریر بن رستم آملی، اور یہ شیعہ ہے
جو کتاب "الایضاح والمستدرشد در بیان امارت" کا مصنف ہے۔ دوسرے محمد بن جریر بن غالب طبری، ابو جعفر ہے، جو
تفسیر ابن جریر اور تاریخ کبیر کا مصنف ہے۔ یہ اہل سنت میں سے ہے۔ اور انہوں نے صرف غسل کی روایت کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کی اعرابی حالت کی توجیہ کرنے کو قرآن کی مخالفت کہنا اس شخص کے لئے ہرگز زیبا نہیں جس میں ذرا عقل بھی ہو۔ ہاں اگر قرآن کے الفاظ و کلمات کا جواز کار کرے وہ ضرور قرآن کی مخالفت کرتا ہے، جیسا کہ یہ شیعہ کہتے ہیں کہ قرآن میں الی المرافق کا لفظ نہیں ہے بلکہ من المرافق ہے۔ اسی طرح قرآن کے کسی حکم کا انکار کرنا یا اس کے کسی عام حکم کو خاص کرنا قرآن کی مخالفت ہے۔

چنانچہ شیعہ کہتے ہیں کہ باپ کی میراث میں سے تلوار قرآن، انگوٹھی اور بدنی پوشاک بڑے بڑے کا مخصوص حق ہے اس کے علاوہ اور بھی مال اگر چھوڑا ہو تو اس سے بھی حصہ لے گا۔ اس طرح شوہر کی میراث میں زمین، باغ، مکان، جانور، ہتھیار اور باغات میں بیوی کا حصہ نہیں ملے گا۔ حالانکہ قرآن مجید، ان ہر دو کے میراث میں حصہ اور حقوق بلا کسی تمحیص اور صاف صاف بتاتا ہے چنانچہ مطہر علی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ اسی طرح مہاجرین و انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مدح کی آیات کو ایک خاص زمانہ تک مخصوص کرنا۔ یا ان میں سے بعض کو مدح و تعریف کے لئے مخصوص کرنا قرآن کی سراسر مخالفت ہے۔ (نفوذ باللہ)

فواں دھوکہ یہ کہتے ہیں کہ "اہل سنت حدیث کی مریخ مخالفت کرتے ہیں، کہ متعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ سے اور صلوة الصغیٰ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث "مَا صَلَّيْتُهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کی وجہ سے حرام مانتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعہ جائز تھا۔ اور صلوة الصغیٰ آپ پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ ائمہ سے مروی ہے۔"

اس طعن اور دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت ابتدائے اسلام میں اس کے جواز کو مانتے ہیں۔ اور اس کو بھی مانتے ہیں کہ اول مرتبہ حرام ہو جانے کے بعد بعض غزوات میں بوجہ ضرورت اس کی اجازت دی گئی تھی۔ البتہ اب تک اور ہمیشہ کے لئے اس کے جواز کے منکر ہیں۔ اس کے متعلق ممانعت اور حرمت اہل سنت کے نزدیک صحیح طریق سند سے ثابت ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس تحریم کو رائج کرنے اور تاکید کرنے والا مانتے ہیں، (وہ کہ حرام کرنے والا) اسی طرح صلوة الصغیٰ اہل سنت کے نزدیک مسنون ہے؛ مسند امام احمد میں بسند صحیح اور طبرانی کی کتاب الدعای میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُمِرْتُ بِصَلَاةِ الصَّغِيّی۔ مجھ کو صلوة صغیٰ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم، مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں معاذہ عدویہ سے ان الفاظ میں روایت کی گئی ہے سالت عائشہ کہو کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی صلوة الصغیٰ فقالت اربع دروزید مایثد۔ (میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھا کرتے تھے، آپ نے جواب دیا چار رکعت۔ اور حسب فشا اس میں اضافہ بھی فرمالتے)

پس معلوم ہوا کہ صلوة الصغیٰ سے انکار کی نسبت اہل سنت کی طرف سراسر کذب، بہتان اور افتراء ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انکار کو دو وجہ پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے یا تو اس کی ہمیشگی کا انکار فرمایا، اصل نماز سے انکار نہیں فرمایا۔ یا اس نماز کا دیگر نمازوں کی طرح باجماعت پڑھنے سے انکار فرمایا جس کا طریقہ اس زمانہ میں رائج ہو چکا تھا۔

یعنی آپ نے اس کا انکار فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہیئت اجتماعی اور جماعت بندی کے ساتھ یہ نماز

متد کے متعلق تحقیق انشاء اللہ اپنے مقام پر آگے آئے گی۔

ہاں مخالفتِ حدیث یہ ہے کہ جس کا ارتکاب شیعہ حضرات کرتے ہیں اور خلافتِ حدیث عقائد رکھتے ہیں۔ مثلاً ترکِ حجۃ و جماعت کا جائز سمجھنا۔ دوسری۔ مذی کو طہر و پاک سمجھنا۔ اور ان کے خروج سے وضو نہ ٹوٹنا۔ حضورِ تناسل کے تین مرتبہ جھکنے کے بعد (نکلنے والے) پیشاب کا پاک ہونا۔ اس کے خروج بلکہ سیلان کے بعد نماز کا جائز ہونا۔ چنانچہ یہ تھوڑے سے چند مسائل بابِ فرقہ میں انشاء اللہ بیان کئے جائیں گے۔

اِنَّهُ جَمَعَهُ خَيْرٌ مِنْ خِطَابِ اَصْحَابِ الْبَيْتِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا تَقُولُونَ فِي الرَّجُلِ يَأْتِي أَهْلَهُ
 وَلَا يَنْزِلُ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ أَلَمْ نَأْمُرْ مِنَ الْمَاءِ وَقَالَ
 الْمُهَاجِرُونَ إِذَا نَزَعَ الْخَتَانَيْنِ وَجِبَ الْغُسْلُ فَقَالَ
 عُمَرُ بَعْثِي مَا تَقُولُ يَا أَبَا الْحَسَنِ فَقَالَ أَتَوْ جَبُونَ
 عَلَيْهِ الْجِلْدَ وَلَا تَوْجِبُونَ عَلَيْهِ صَلَاقَيْنِ مَثَلَهُ
 میں کیا کہتے ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی صورت میں تم لوگ اس پر حد کو تو واجب جانتے ہو مگر ایک صلح
 پائی یعنی غسل اس پر واجب نہیں جانتے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا حد شرعی پر غسل کے قیاس کی کھلی اور صاف صورت ہے۔ بعض دانشمند شیعہ اس قیاس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ قیاس نہیں ہے بلکہ ایک اولیٰ اور بہتر چیز سے غیر اولیٰ پر دلیل لانا ہے جس کو حنفیہ کی اصطلاح میں دلالت النص کہتے ہیں۔ جیسے وَلَا تَقْلُ تَهْمًا اَوْف۔ کا مارنے کی حرمت پر دلالت کرنا۔ اس کے سمجھنے میں مجتہد اور غیر مجتہد دونوں برابر ہیں۔ شیعوں کی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جب محبت بلا انزال سخت و سنگین مشقت یعنی حد پر اثر انداز ہوئی تو کمزور و ضعیف مشقت یعنی غسل پر بطریق اولیٰ اثر انداز ہوگی۔ اس تقریر کا بے ڈھنگا

ہن دیکھئے۔

اگر آپس میں ایک دوسرے سے مس (دگر) کا عمل ہو تو یہ عمل اہل سنت کے نزدیک باعدی تعزیر ہے۔ اور امامیہ کے نزدیک حد شرعی کا موجب ہے اور بالا جماع غسل واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح دخول کے ساتھ لواطت کا فعل ہو تو وہ بعض اہل سنت اور امامیہ کے نزدیک حد شرعی کا موجب ہے ان کے علاوہ اوروں کے نزدیک موجب تعزیر ہے۔ اور امامیہ کے نزدیک اس پر غسل واجب نہیں۔ یا مثلاً اجنبی عورت کے ساتھ مباشرت فاحشہ صرف موجب تعزیر ہے نہ موجب غسل بالاتفاق۔ علی، شارح مبادی الاصول باوجود کثرت اور متعصب شیعہ ہونے کے اس بات کا مقر و معترف ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قیاس پر عمل ہوتا تھا۔

علاوہ انہی آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ امام باقر، امام صادق اور امام زید شہید رحمۃ اللہ علیہم نے جناب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قیاس کی امانت دی تھی۔ باقی یہ بات کہ قیاس کے ثبوت کے دلائل اور منکرین کے اقوال کی تردید تو ان سب کے لئے اہل سنت کی اصول کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

گیارہواں دھوکہ بیا کہتے ہیں کہ اثنا عشری مذہب حق ہے اور اہل سنت کا مذہب باطل ہے اس لئے کہ اکثر اوقات اور اکثر شہروں میں اثنا عشری تعداد میں کم اور ذلیل و خوار ہیں جب کہ اہل سنت کی تعداد بھی بہت ہے اور عزت و وقار بھی ان کو حاصل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل حق کے بارے میں ذَلِيلٌ مَّا هُمْ (اہل حق کم ہیں) فرمایا اور ایک اور جگہ فرمایا ذَلِيلٌ يَّتَّبِعُونَ الْيَهُودَ (میسے بندوں میں شکر گزار بندے کم ہی ہیں)۔

شیعوں کی یہ بات کلام اللہ کی تحریف اور تبدیلی کہی جاسکتی ہے، انہوں نے کلام اللہ کے متعلق غلط بیانی کی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اصحاب الیمین دوہ جن کے اعمال نامے قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ کے بارے میں فرمایا ہے۔ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّذِينَ هُمْ يَرْتَابُونَ (ایک انبواہ ہے پہلوں سے اور ایک انبواہ ہے پچھلوں سے) جس سے کثرت معلوم ہوتی ہے۔ البتہ جہاں کمی بتائی ہے وہاں شکر گزار بندے مراد ہیں۔ جیسا فرمایا وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ۔ (ان میں سے اکثر کو آپ شکر گزار نہیں پائیں گے) اور واقعہ بھی یہی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تمام نعمتوں کو ان کی فطری اور خلقی غرض و غایت میں صرف کرنے کا نام ہی شکر ہے۔ اور حقیقت میں یہ درجہ نادر و نادر واقع اور بہت ہی کمیاب ہے۔ تو ان آیات میں کسی مذہب کی حقانیت یا بطلان کا ذکر کہاں سے نکل آیا۔ البتہ شاگردین کی قلت اور ناشکروں کی کثرت کا بیان ہے۔ اسی طرح آیت ذَلِيلٌ مَّا هُمْ مآخذ میں اس کا ذکر ہے کہ تمام نیک کام کرنے والے کمیاب ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ذَلِيلٌ مَّا هُمْ (مگر جو ایمان لائے اور کام نیک کئے وہ بہت کم ہیں) اس آیت میں بھی حق و باطل عقائد کا ذکر کہاں ہے؟ اور اگر ذلت و قلت حقانیت کا سبب ہو تو پھر انہیں مان لینا چاہیئے کہ تو اصعب، خوارج، زیدریہ، افضلیہ، ناویریہ وغیرہ اثنا عشریہ سے زیادہ حقانیت و صداقت کے حامل ہوں۔ کیونکہ یہ فرقے باعتبار تعداد بھی اثنا عشریہ سے کم ہیں اور ان کی نسبت ذیل بھی زیادہ ہیں۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے تو اپنی کتاب عزیز میں، بار بار یہ فرمایا ہے کہ اہل حق کا ظہور، قلبہ اور تسطہ ہوگا چنانچہ ارشاد ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَرِثَ جَنَّتِ نَالَهُمُ الْعَاقِبُونَ۔

دہشتہ رسول، ندوں کے متعلق ہمارا حکم پہلے ہی جاری ہو چکا کہ ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی بلا شک غالب ہونے والا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَمَنِينَ يُرْثُونَ مِمَّا خَالَوْا مِنَ الصَّالِحِينَ - (زبور میں نصیحت کی باتوں کے بعد ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے)

ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَمْنِ مِمَّا كَانُوا فِيهِ سَابِقِينَ - (ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے پہلوں کو جس طرح اقتدار دیا تھا ان کو بھی زمین پر اقتدار دے گا اور ان کے دین کو مضبوط کرے گا جس کو اللہ نمانا ہے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔)

اسی طرح کی اور بھی آیات ہیں اور امارت میں بھی باجائیداد بنی ہے کہ امت کی جہودیت کی موافقت و تابعداری کرنی چاہیے۔

پھر قرآن و امارت میں مجاہدین کی تعریف کی گئی ہے اور حدیث میں یوں آیا ہے۔ لَا يَزَالُ مِن أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَكْفُرُ اللَّهُ لَا يَفْتُرُهُمْ مِنْ خَالِكُهُمْ (میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم پر جمی رہے گی مخالفت اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے)

اہل تاریخ اس پر متفق ہیں کہ شیعوں میں سے آج تک کوئی بھی جہاد پر کمر بستہ نہیں ہوا اور نہ ہی ان میں سے کسی نے کسی ملک یا اس کے حصہ کو کفار سے چھین کر اسے دارالاسلام بنایا بلکہ اس کے برعکس انہیں اگر کسی شہر کی سیادت یا حکمرانی ملی بھی جیسے مصر و شام کی ریاست ان کے ہاتھ آ بھی گئی تو انہوں نے کفار ہی کی طرف درستی اور یگانگت کا ہاتھ بڑھا یا اور دین کو دنیا کے عوض بیچ کر دارالاسلام کو دارالکفر میں تبدیل کر دیا۔ یہ ہمیشہ کافروں سے دوستی اور مسلمانوں کے قتل پر شیر رہے، چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جہاں اس مذہب کے سبز قدم نہیں پہنچے وہاں کے باشندے ہمیشہ غالب، ذی عزت و شان رہے۔ چنانچہ توران، ترکستان، روم اور ہندوستان کے بادشاہوں نے شیعوں کے اختلاف اور درستی سے پہلے عزت و شان کی زندگی بسر کی ہے۔ اور جب بھی کسی شہر اور ملک میں شیعہ مذہب رائج ہوا وہیں فتنہ و فساد، بد بختی اور ذلت اور باہمی ففاق۔ جو زوال سلطنت کے اندر فی اسباب شمار ہوتے ہیں۔ آسمان سے بارش کی طرح برسنے لگے، اور پھر وہاں کی فضا ناقابل اصلاح ہو گئی۔ ایران، دکن اور ہندوستان ہی نہیں، ملک عرب شام، روم، توران و ترکستان وغیرہ کے حالات کو دیکھ لیجئے تو اس کی تصدیق ہو جائے گی۔

اور تاریخ کا ایک یہ بھی قابلِ تردید تجربہ ہے کہ جب بھی اتفاق سے کسی ملک میں شیعہ غلبہ ہوا ہے تو اس کے متصل بعد ہی اس پر کفار کا غلبہ ہونا گویا لازمی ہو گیا۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا تسلط کفار کے تسلط کا گویا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور یہ گویا چھوٹے کفار ہیں۔ بنگالی، دکن، پورب، دہلی و گردوارہ، لاہور، پنجاب میں کفار کو یہی بد بخت سیاہ و سیاہ کار ہی برسرِ اقتدار لائے۔ اس سے بھی پہلے فتنہ تاتار، اہل اسلام کا قتل قرامطہ اور اسماعیلیہ کا زور ان ہی

کی وجہ سے ہوا۔ ان رافضیوں کے فرقے عرافین، بغداد، حنابلہ اور کث میں پھیل گئے پھر بمطابق آیت کریمہ **وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُبَيِّنُ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَلَكِنْ عَصَاكُمْ** (ایسے فتنے سے بچو جس کی پیروی میں صرف ظالم ہی نہیں آئیں گے، نیک بندہ سارے ہی تباہی و بربادی کا شکار ہوئے۔

بارہواں دھوکہ۔ اہل ان شیعہ کے علماء نے محض اہل سنت پر لعن طعن کرنے اور ان کے اسلاف صحابہ کرام و تابعین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عیب جرحی کے مقصد کی خاطر کتابیں اور رسائل تصنیف کئے اور ان میں دانستہ افتراء، جھوٹ، اور بہتان کی خوب خوب داد دی۔ کہ سیکھ کذاب کی طرح بھی دہرائی آگئی ہوگی۔

ان لوگوں میں سے سرفہرست مرتضیٰ ابن سطرصلی، اس کا بیٹا جرح حق کے لعن سے مشہور تھا۔ محمد بن حسن طوسی اور اس کا نواسہ جبرائیل طاووس کے نام سے معروف ہے اور ابن شہر آشوب سردی مازندرانی ہیں، اور ان میں سے بھی ابن سطرصلی زیادہ آگے بڑھا ہوا ہے۔ اس دھوکہ کا زیارہ، شکار وہ لوگ ہونے لگے جو اپنے اسلاف کے حالات اور اپنے مذہبی علوم سے ناواقف، بے بہرہ اور نابالغ تھے۔ وہ ان افتراءات اور بہتانات پر اعتماد کر کے اپنے مذہب سے برگشتہ و بدعتیہ ہوئے۔ اور بالآخر ان کی گود میں جا گرے۔

تیسرا دھوکہ۔ جانتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے قرآن میں تحریف کر کے ان آیات اور سورتوں کو قرآن مجید سے خارج کر دیا جن میں اہل بیت کے فضائل و احکام تھے۔ جن میں ان کی اتباع کا حکم دیا گیا اور ان کی مخالفت سے رد کیا گیا تھا اور ان کی محبت کو واجب قرار دیا گیا تھا۔ یا جن میں اہل بیت کے دشمنوں کے نام اور ان پر لعن و طعن کا بیان تھا، یہ سب کچھ چونکہ ان خلفائے ثلاثہ (رضوان اللہ علیہم) پر شاق تھا، اور ان کی تعریف سے ان کو حسد ہوا لہذا انہوں نے قرآن کو ان سب سے پاک کر دیا۔ ان تحریف شدہ حصوں میں سے ایک وہ ٹکڑا تھا جو سورہ الم نشرح کا جہز تھا یعنی **وَجَعَلْنَا عَلَيَا صَافِرًا** ”اور ہم نے علی کو تباہ و داماد بنایا“ (ذرا دانت تو دیکھئے کہ دو بیٹیوں کے داماد کا ذکر ہی نہیں کیا)۔ اس طرح ایک لمبی سورت ”الولایت“ نامی بھی ساقط کر دی گئی جو فضائل اہل بیت اور ائمہ سے پُر تھی۔

شیعوں کے اس الزام کو باطل ٹھہرانے کا ذمہ تو خود اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر لے لیا **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِرُونَ**۔ ہم ہی نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

نوحی کتاب و ذکر کی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہو، بشر کی کیا طاقت کہ اس میں کمی یا زیادتی کر سکے۔ یا اس کا خیال دل میں لا سکے۔ ہاں اگر خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے اقتدار کو (نفوذ باللہ) اقتدار الہی سے بڑھ کر مانیں یا ان حضرات کو کارخانہ الہی کا شریک غالب تسلیم کر لیں تو کچھ بات بن سکتی ہے، مگر پھر ان حضرات کی توہین و تحقیر کے مذہبی غبارہ میں ہوا کہاں رہے گی۔

چودھواں دھوکہ۔ ان لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے ایسی روایات بیان کرتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہوتی ہیں کہ جناب علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کی اولاد کی محبت عذاب آخرت سے نجات دلانے کے لئے کافی ہے۔ (بشرطیکہ یہ محبت شیعوں کی عداوت نما محبت کی مانند ہو، سچی اور حقیقی محبت نہ ہو) اس محبت کے بعد (عذاب آخرت سے بچنے کے لئے) اطاعت بجالانا اور گناہوں سے بقتنا کرنا ضروری نہیں۔

مہند ان کے ایک روایت وہ ہے جس کا راوی بادیہ ہے جو ان کے ہاں صدوق مشہور ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علیؑ سے محبت رکھی اللہ تعالیٰ اس کو دروزخ کا مذاب نہیں دے گا۔

اب چونکہ عام شہوت پرست اور حرص و ہوس کے بندے اس بات کے نہایت شوقین ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی قدغن اور پابندی نہ ہو۔ ان کو کھل کھیلنے کی آزادی ملے۔ دنیا بھر کی تمام چیزیں ان کے لئے جائز قرار دی جائیں۔ عیش و عشرت میں ان پر کوئی گرفت نہ ہو۔ گناہوں اور محرمات کے ارتکاب میں ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ عبادت الہی سے جان چراتے ہیں۔ اور اس میں سستی اور ڈھیل سے کام لیتے رہیں۔ اس لئے یہ بشارات ان کے ذہنوں پر کافی اثر انداز ہو کر ان کو اس مذہب کی طرف راغب کر سکتی ہے، اور یہ اس کی طرف جھک پڑتے ہیں۔

حالانکہ خود ان شیعوں کی معتبر و صحیح کتابوں میں اس قسم کی روایات موجود ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد اور ذریت کو بار بار فرمایا کہ تم اپنے نسب پر گھنٹہ نہ کرو بلکہ طاعات و عبادت کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کرو۔ جب خوف و ہراس میں خود اہل بیت کا یہ حال ہے تو دوسروں کو اہل بیت کی محبت پر بھروسہ کر کے ارتکاب معاصی و محرمات کے جائز سمجھنے کا امکان ہی کہاں ہے!

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اہل بیت کرام سے حقیقی محبت اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب کہ طاعات و بندگی، زہد و تقویٰ میں ان بزرگوں کی روش اختیار نہ کی جائے اس طریقے سے ان کی محبت حاصل کی جائے گی۔ تو اس ضمن میں تمام کمالات حسنہ خود بخود حاصل ہو جائیں گے۔

پس الفاظ لَا يَعْذِبُ اللَّهُ بِالنَّارِ مَنْ ذَا فِي عِلِّيَّاتِ صرف اس معنی میں صحیح ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت تمام دینی کمالات پر حاوی اور ان کو شامل ہے۔ نہ صرف زبانی، کلامی محبت، جو صرف زبان سے ادا ہو، اور اقوال و افعال میں جناب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے کوئی مناسبت یا مشابہت نہ رکھتی ہو اور آپ کے اقربار و اصحاب کی شان میں بدزبانی سے نہ رکنا ہو۔

غرض ہر بات میں تو ان جناب رضی اللہ عنہ کے اقوال کی مخالفت کرنا اور پھر اس قطعہ کا سچا مصداق بننا۔

تَعْلَمِي الْإِلَٰهَ وَأَنْتَ تَظْهَرُ حُبَّكَ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ مَسَادَقًا
هَذَا الْعُمَرَى فِي الْفِتْيَانِ بَدِيحٌ
إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ

(۱) تو خدا کی نافرمانی بھی کرتا ہے اور محبت بھی جتلاتا ہے بخدا میرے خیال میں تو بڑی عجیب کی بات ہے۔

(۲) اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ عجب تو محبوب کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔

پس ہر دو اں دھوکہ دیا بحوالہ توریت کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ خلفاء مقرر کئے ہیں جو آپ کے بعد آپ کے نائب ہوں گے۔

(۱) ایلید (۲) فیراز (۳) ایراہیل (۴) مشوب (۵) مسہور (۶) مسوط (۷) دومرا (۸) امراو (۹) ثور (۱۰) تسطور

(۱۱) نفش (۱۲) قدیونیا

حالانکہ توریت کے دستیاب چار نسخوں میں اس افتراء اور جھوٹ کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ایک نسخہ فراسین کے

پاس ہے، دوسرا راباعین کے پاس تیسرا انصاری کے پاس جس کا ترجمہ انہوں نے عبرانی سے اپنی زبان میں کر لیا ہے۔ چوتھا سترین کے پاس جس میں دیگر نسخوں کی نسبت مضامین کچھ زائد ہیں۔

اس پر طرہ تماشا یہ کہ ایک شیعہ عالم نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ جس میں ایک بے اصل قلعہ گھڑا ہے۔ کہتا ہے کہ مجھے شوق ہوا کہ اس توراتی نص کا سراغ لگاؤں، اس کے لئے اہل کتاب سے ربط و ضبط بڑھایا مگر انہوں نے اس کی اصل کا کچھ پتہ نہ دیا۔ آخر انہیں اہل کتاب میں سے ایک کے پاس اس کا کھوج ملا۔ اس نے اس عالم کا نام بھی لکھا، اور بڑی شرح و بسط سے، اس کو بیان کیا ہے، مگر اس روایت میں کئی باتیں قابل توجہ اور وجہ اعتراض ہیں۔

اول تو چونکہ یہ شیعہ کی روایت ہے جو ناقابل اعتماد ہے۔ دوسرے وہ عالم اہل کتاب بھی جس کی یہ روایت ہے۔ کب لائق بھروسہ ہو سکتا ہے۔ جس کا شیوہ خاص ہی اہل اسلام کے ساتھ بغض و عناد ہو۔ اور مسلمانوں کی جماعتوں میں تفرقہ، عناد اور پھوٹ ڈالنا اور ان میں باہم عداوت و دشمنی پیدا کرنا جن کی دلی آرزو ہو۔ جب بات یہ ہو تو ایسا معاذ اور شدید العداوت شخص ایک سادہ ذہن شیعہ کو گمراہ کیوں نہ کرتا۔ جب کہ وہ اپنا قرآن اور حدیث چھوڑ کر، مسوخ شدہ اور تحریف کردہ کتابوں کی طرف لپکتا ہوا وادی ضلالت میں بھٹکتا پھرتا ہو۔ چنانچہ جیسا کہ معلوم ہوا۔

اس شیعہ مذہب کی بنیاد ہی اہل کتاب میں سے ایک بد اصل عبد اللہ بن سبا یہودی صنعانی کے ہاتھوں اور اس کے فریب سے پڑی۔ اب اگر ان ہی میں سے ایک اور اپنے بزرگوں کے لگائے ہوئے پودے کو سینچے اور پڑان چڑھائے تو تعجب کی کیا بات ہے۔

پھر بفرمنی محال، اس روایت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو شیعوں کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ بارہ کا عدد ان کے ہاتھ لگتا ہے۔ اس میں نہ ان بارہ اماموں کے نام متین کئے گئے ہیں، نہ ان کا اہل بیت سے ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی امت کے دیگر لوازمات و اوصاف کا ذکر ہے۔ یہ عبرانی الفاظ تو ایسے ہیں کہ ان کے لفظی معنی معلوم نہ معانی کے مفہوم کا پتہ نہ جودل چاہے معنی و مفہوم گھڑ لیجئے۔ اگر اس روایت کو لے کر قواعد خارج ان ناموں کو پیدا، مروان، حجاج اور ولید وغیرہ پر چسپاں کر لیں تو کس بنیاد پر ان کو ایسا کرنے سے کوئی روک سکے گا۔

اور تعجب تو ان میں سے ان لوگوں پر ہے جو اہل علم کہلاتے ہیں اور ایسے مہل اور لغو خیالات پر پھولے پھرتے ہیں۔ اور بچوں کی طرح شیطانی کھلونوں پر مٹے جلتے ہیں۔ اور پھر اسے اپنے مذہب کے لئے پختہ دلیل بھی ٹھہراتے ہیں سچ ہے۔ من یضلل اللہ فلا ھادی لہ۔

سولہواں دھوکہ کہ ایسے کہ ان کے مدار نے تفتیح کا لبادہ اوڑھ کر اپنے آپ کو اہل سنت کے مد منین ظاہر کیا اور علم حدیث کے قابل اعتبار محدثین اہل سنت سے علم حدیث حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اور صحیح اسناد یاد و حفظ کیں۔ ظاہری زہد و تقویٰ سے اپنے کو آراستہ و ہارستہ کیا۔ ان کی اس ظاہری حالت سے اہل سنت کے طلبائے حدیث نے بھی دھوکہ کھایا اور ان کی شاگردی کو قابل اعتماد سمجھا۔ اور ان سے علم حدیث پڑھا۔

اہل علم میں اعتماد پیدا کرنے کے بعد انہوں نے یہ حرکت شروع کی کہ صحیح و حسن احادیث کی روایت کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی گھڑی ہوئی احادیث بھی غلط ملط کر دیں۔ عوام تو کیا خواص تک اس دھوکہ اور فریب کے شکار رہ گئے اس لئے کہ احادیث صحیحہ و موضوعہ میں تمیز کی صورت روادۃ حدیث ہیں۔ اور جب اس جاہل بازی کی وجہ سے اچھے اور

بڑے راوی مل جل گئے تو اب تیز کی کوئی صورت نہ رہی، لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل اہل سنت کے شامل تھا اور ان مکاروں کے کید و فریب کا بزدہ چاک کرنا منظور تھا۔ لہذا فن رجال کے ماہرین اس طرف متوجہ ہوئے، تحقیق و تفتیش میں لگے اور بالآخر اس دھوکے کا پتہ چلا لیا۔ اور پورے طور پر اس سے آگاہ ہوئے۔

جب دھوکہ اور فریب کھلا اور معاملہ طشت از بام ہوا تو اس گروہ کے کچھ لوگوں نے نو حدیثیں گھڑنے اور وضع کرنے کا صاف صاف اقرار کر لیا اور بعض دوسروں نے گوربان سے قوا قرار نہیں کیا مگر کچھ اور قرائن و علامات نے ان کی سازش اور فریب دہی کا راز کھولا۔

چنانچہ اب تک ان کی معجون اور مصنوعات میں یہی احادیث مشہور و معروف ہیں اور اکثر شیعہ اور نفییلیہ دلیل میں انہیں موضوع اور گھڑی ہوئی "احادیث" کو پیش کرنے اور ان کا سہارا لیتے ہیں۔

ان میں بابر جعفری وہ پہلا شخص ہے جو اس دھوکے اور فریب کا مہم معنوں میں مجدد ہے اسی لئے بعد تحقیق حال امام بخاری اور مسلم نے احتیاطاً اس کی تمام مرویات کو درجہ اعتبار و اعتماد سے گرا کر نظر انداز کر دیا۔ ترمذی و ابوداؤد اور نسائی نے اس کی روایات کو متابعات و شواہد کے طور پر تو قبول کیا ہے دینی دوسری مہم احادیث کی تائید مل جانے پر، ورنہ حمد و روایت وہ تنہا بیان کرتا ہے اس کو رد کر دیا اور ناقابل اعتماد قبول ٹھیکر لیا۔

اور ان کا دوسرا شتمس ابوالقاسم سعد بن عبد اللہ بن ابی خلف اشعری قمی ہے۔ وہ عیادی و چالاک میں خوب چاق و چوبند اور سب سے آگے ہے۔ بعض ناواقف اہل سنت بھی اس کو اسی اختلاف اسناد کی وجہ سے اپنے معتبر رجال اسناد میں سے سمجھتے ہیں، مگر نکاشی نے جو شیعہ رجال اسناد کو پرکھنے میں ماہر ہے، اس کو اپنے فرقہ کا فقیہ و سرگروہ قرار دیا ہے۔

سترھواں دھوکہ یہ ہے کہ اہل بیت کرام سے ایسی احادیث اور روایتیں بیان کرتے ہیں۔ جن سے صحابہ کرام کی خدمت کا ثبوت ملے اور جن سے ان کے ظلم و تعدی پر اہل بیت کی شکایت ظاہر ہو۔ اور بعض ایسے آثار بیان کرتے ہیں جن سے صحابہ کرام کا دین سے ارتداد ظاہر ہو، اور جن سے یہ بتائیں کہ قبامت کے دن اہل بیت کے حقوق نصیب کرنے والوں پر سب سے زیادہ سخت عذاب ہو گا۔ اور یہ کہ صحابہ کرام جزیرہ اہل بیت کے حقوق کے مناسب ہیں۔ اس لئے ان کو ان سے محبت رکھنے والوں کو دوزخ میں بلایا جائے گا۔ اور شیعہ اور اہل بیت سے محبت رکھنے والے جنت میں رکھے جائیں گے۔ اور پھر ان احادیث و روایات کی تائید میں وہ حدیثیں پیش کرتے ہیں جو اہل بیت کے ساتھ محبت رکھنے کی فضیلت اور ان کے دشمنوں کی برائی میں اہل سنت کی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔

اس دھوکے کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کے دور میں فواصی اور خاریجیوں کے ہاتھوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کریمہ پر ظلم اور ان کی تحقیر و تذلیل ہوئی، اور بعض اوقات ائمہ اہل بیت نے ان ہی فواصی کی بد اطاریاں اور سیاہ کاریاں دیکھ کر ان کی خدمت کی۔

مگر اتنی سی بات کو شیشیہ کیٹنے اور بغض و عناد سے ان لوگوں پر اپنا عناد نکالنے کا ذریعہ بنایا اور صحابہ کرام کی ذات گرامی کو اس میں ملوث کر لیا۔ اور ان معاذ میں ان پر چپ ہان کرنے کی ناپاک جسارت کی۔ اس کا پورا پورا بیان انشاء اللہ باب معاذ میں آئے گا اور ہم دلائل شیعہوں کی کتابوں سے نقل کر کے اس فریب کا پردہ

چاک کر بی گئے۔

اٹھارواں دھوکہ دیا کہ اپنے مذہب کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع احادیث گھڑ لیتے ہیں اور پھر ان کو درج دہرے دیتے رہتے ہیں، ان کی اکثر حدیثیں، قصہ و کہانی کے انداز کی ہوتی ہیں۔ بعض الفاظ و معنی صحیح احادیث سے اڑا کر اس انداز دہرے سے ادا کرتے ہیں جن سے ان کے مذہب کی ناپید نکل سکے۔ اور بعض وقت ایسے معنی بھی گھڑ لیتے ہیں کہ احادیث صحیحہ میں کبھی نہیں دیکھے گئے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ انبیاء اور العزیم یہ آرزو رکھتے تھے کہ شیطان علی میں مشورہ ہو۔ (یعنی ان کا حشر انہیں کے ساتھ ہو) اسی جیسے اور الفاظ دہرے۔

انیسواں دھوکہ دیا کہ دیتے ہیں کہ اہل سنت کے معتبر رجال اسناد پر نظر رکھتے ہیں ان میں سے کسی کا نام یا لقب ان کے رجال میں سے کسی سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ تو اس کی حدیث اور روایت کو اسی کی سند سے منسوب کر دیتے ہیں۔ اب چونکہ دونوں کا نام و لقب ایک ہوتا ہے اس لئے تمیز مشکل ہو جاتی ہے اور ناواقف سنی ان کے راوی کو اپنا معتبر راوی سمجھنے کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور اس کی روایت پر اعتماد کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً سدی کے نام کے دو راوی ہیں سدی کبیر۔ سدی سفیر۔ اول اہل سنت کے معتبر راوی ہیں اور دوسرا کذاب۔ روایتیں گھڑنے والا نالائس متعصب شیعہ۔

یا مثلاً ابن قتیبہ کہ اس نام کے بھی دو راوی ہیں۔ ایک ابیہم بن قتیبہ جو کٹر شیعہ ہے۔ دوسرے عبد اللہ ابن مسلم قتیبہ جو اہل سنت میں سے ہیں اور کتاب المعارف انہیں کی تصنیف ہے۔ ڈھیت بن ملاحظہ ہو کہ اس مذکورہ بالا واقعہ نے بھی ایک کتاب مکمل اور اس کا نام بھی کتاب المعارف ہی رکھا۔ تاکہ دونوں کتابوں میں اشتباہ پیدا ہو جائے۔ بیسواں دھوکہ دیا کہ لغت و عرف کا لحاظ رکھتے بغیر قرآنی کلمات کی من مانی تفسیر کرتے ہیں اور اس کو حقیقت دیتے اور قابل اعتبار ٹھہرانے کے لئے اس کی نسبت اہل بیت کی طرف کر دیتے ہیں، مثلاً رب بہراں کہیں وہ منشا بغیر خطاب ہو اور جبرئی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو، اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں۔ یا مؤمنین یا مؤمن سے شیعان علی سراد لینا اور کافرو کافرین سے اہل سنت اور منافق و منافقین سے کفار صماہ و رطلان (اللہ علیہم)

اکیسواں دھوکہ دیا کہ دیتے ہیں کہ ایک ایسی کتاب جس میں صحابہ پر لعن طعن ہو اور مذہب اہل سنت کا بطلان ہو خود تصنیف کر کے اس کو اہل سنت کے کسی جلیل المرتبہ عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اور اس کے خطبہ میں مصنف کی طرف سے یہ وصیت بھی درج کر دیتے ہیں کہ ہم نے اس میں جو کچھ لکھا ہے یہ ہمارا اصلی اور پوشیدہ عقیدہ ہے، اس کو ایک محفوظ امانت اور پوشیدہ بھید سمجھ کر لازم میں رکھیں۔ اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اسے ظاہر داری اور زمانہ سازی محض تصور کریں۔ مثلاً کتاب سرائع المؤمنین کو امام غزالی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح کی اور کئی کتابیں ترتیب دے کر انہوں نے یہی حرکت کی ہے۔

اب چونکہ ایسے صاحب ذوق لوگ بہت ہی کم ہیں کہ وہ اس فرضی بزرگ مصنف کے طرز کلام سے گہری واقفیت رکھتے ہوں کہ ان کے اور دوسروں کے مذاق سخن میں فرق و امتیاز کر سکیں اس لئے لامحالہ عام طلبائے دین اس مکر کے پکر میں غوطے کھاتے اور بہت حیران و پریشان ہوتے ہیں۔

بانیسواں دھوکہ: استصحاب کرام رضوان اللہ علیہم کی برائیاں اور مذہب اہل سنت کا بطلان ایسی کتابوں سے نقل کئے ہیں جو نہایت کم یاب اور نادر الوجود ہوتی ہیں حالانکہ ان کتابوں میں اس جھوٹ کا درد در تک ذکر نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ یہ کتابیں ہر جگہ ہر ایک کو دستیاب نہیں، اس لئے اکثر ان نقل حوالوں کو دیکھنے والے شکستہ شبہ میں پڑ جاتے ہیں۔ اور وہ اس سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ اگر یہ نقل صحیح ہے تو اہل سنت کی مشہور روایات اور اس روایت میں تطبیق و موافقت کیسے ہوگی۔ حالانکہ ان بیچاروں کی یہ سوچ اور فکر مندی بے کار اور فضول ہے، یہ نہیں سوچتے کہ اگر بالفرض نقل صحیح بھی ہو تو موافقت اور تطبیق کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب کہ دونوں روایتیں شہرت، صحت، ماخذ و صحت معنی اور عدالت رواۃ میں برابر، و ہم مرتبہ ہوں۔ اور جب یہ امور ان مشہور روایات کے مقابلہ میں جن کا ماخذ معلوم اور جن کی دلالت واضح ہے اس موہوم و بے اصل نقل میں ناپید ہیں تو تطبیق کی ضرورت ہی کہاں رہی۔

غرض یہ شیعہ، اہل سنت پر الزام لگانے کے لئے جو حوالے لاتے ہیں وہ ایسی ہی نادر الوجود کتابوں سے لگتے ہیں۔ اور اگر بالفرض وہ کتب دستیاب بھی ہوں تو ہم کہیں گے کہ مصنف نے اپنی کتاب کی ہر بات کی صحت کی پابندی نہیں کی بلکہ اس نے اچھا اور برا سب اس میں جمع کر دیا ہے۔ اور اس پر نظر ثانی کا موقعہ دیا ہے۔ کہ چھان چک کر اچھی بات لے لی جائے اور بری کو نکال کر پھینک دیا جائے۔ اور بجلی مصنف کشف الغمہ، اور علی مصنف الفہم اسی قسم کی کتابوں سے نقل پر نقل کرتے پلے گئے اور بڑے خود سمجھتے ہیں کہ ہم نے پالا مار لیا ہے۔ اسی طرح ابن طارس بھی اپنی تصانیف میں اسی قسم کے بے اصل نقلوں کے انبار پر انبار لگاتا چلا گیا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس نے واقعی اہل سنت کو ملزم ثابت کر دیا۔

تیسواں دھوکہ: بیا امامیہ اثنا عشریہ، اور زیدیہ کو چھوڑ کر کسی اور فرقہ کے عالم کا نام لے کر نہایت شدید سے یہ ثابت کرنے کی کوشش قائم کرتے ہیں کہ وہ معتصب سنی تھا۔ اور بعض تو اس کو کٹر خارجی بتاتے ہیں۔ پھر اس کی طرف سے کوئی عبارت نقل کرتے ہیں، جس سے اہل سنت کے مذہب کا بطلان اور امامیہ اثنا عشریہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے اور اس حرکت سے غرض مذمومہ یہ ہوتی ہے کہ دیکھنے والا غلط فہمی میں پڑے، اور الجھن میں مبتلا ہو کر یہ سوچے کہ جب مصنف اثنا عشریہ سنی ہوتے ہوئے ان روایات کو بیان کرتا ہے اور پھر ان کی تردید کے بجائے اس پر سکوت اختیار کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے یہ روایات صحیح ہی ہیں۔

مثلاً زعفرانی صاحب کشفات کہ تفضیل اور معرزی ہے، اخطاب خوارزم کہ کثر زیدی ہے، ابن قتیبہ کہ صاحب معارف کہ رافضی مقروء ہے ابن ابی الحدید شارح ہجۃ البدلہ جس نے تشیع اور اعتزال کو جمع کیا ہے۔ مشام کلیتی مفسر جو شدید العقیدہ رافضی ہے۔ مسعودی صاحب مروج الذهب اور ابوالفرج اصفہانی صاحب کتاب الاغانی یا اوردان جیسے دوسرے اشخاص کو شیعہ پہلے تو اہل سنت میں داخل کرتے ہیں اور پھر ان سے اقوال نقل کر کے اہل سنت کو ملزم ٹھہراتے ہیں۔

چوبیسواں دھوکہ: یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت اہل بیت کے دشمن ہیں اور بعض بیوقوفوں کے سامنے اس بات میں قہقہے کہانیاں بھی بیان کرتے ہیں جن کو سن کر جاہل راستہ سے بھٹک جاتا ہے اور اپنے مذہب سے بیزار ہو جاتا ہے۔ تو یہ بات بھی تمام باتوں کی طرح جھوٹ اور افتراء محض ہے۔ اس لئے کہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ محبت

اہل بیت ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض و لازم بلکہ ان کے ایمان کا ایک جزو ہے۔ اہل بیت کے فضائل میں انہوں نے تنہا بھی اور اجتماعی طور پر بھی کتابیں لکھیں اور ان بزرگوں کے مناقب کی روایات بیان کی ہیں۔ چنانچہ اسی محبت اہل بیت کے سبب عرصہ دراز تک نصاب عروانیہ و عباسیہ سے برسر پر غاشل رہ کر ایک جماعت نے شہادت پائی۔

جیسے عبید بن جریہ اور نسائی جب کہ ایک اور جماعت ریح و اذیت کا شکار بنی، اور یہ وہ وقت تھا جب یہ مگر محمد کے آئینہ بہانے والے شیعہ فقیہ کو کر کے نصاب کی گود میں بیٹھتے جا رہے تھے، اور مال و دولت اور عہدوں کی خاطر نصاب کا کلمہ پڑھ رہے تھے۔ یہ اہل سنت ہی تھے جو ہر آٹھ وقت اہل بیت کرام کے رفیق و مددگار رہے۔ ہر نماز میں ان پر درود بھیجتے رہے۔ جو بچے دل سے ان سے لگاؤ اور تعلق رکھتے تھے۔ شیعوں کی طرح نہیں کہ ہر امام کے بعد ان کے بھائی بھتیجوں اور عزیزوں کو کافر بنائیں۔ یا ان کے فرزندوں کو امام مان کر دوسروں پر زبان طعن و لاذکر کر بات چھی یہی ہے (جو شیعوں کے لئے کڑوی گولی بن کر رہ گئی ہے) کہ اہل بیت سے محبت کرنے والے، ان کی مدد کرنے والے سوائے اہل سنت کے کوئی نہیں ہے۔

حدیث نبویؐ افی تارک فیکم اقلید کتاب اللہ و عتوق۔ (میں تم میں دو بھاری بھر کم اور باوقار چیزیں چھوڑ رہا ہوں قرآن اور میری عترت) میں عترت سے اہل بیت ہی کی طرف اشارہ ہے۔ اب جس طرح قرآن کے ایک حصہ کو ماننا اور دوسرے جزو کا انکار کرنا بے سود و بے نتیجہ ہے اسی طرح بعض اہل بیت سے محبت اور بعض کو پر لوع طعن آخرت میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ یا جس طرح پورے قرآن پاک پر ایمان لانا اور اعلیٰ کرنا چاہیے اسی طرح تمام اہل بیت کو محبوب و دوست رکھنا چاہیے۔ اور یہ سادات اور اس مطلب کا انکشاف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اہل سنت ہی کے حصہ میں آیا ہے۔ اس لئے کہ خارجیوں نے تو جناب امیرؑ اور آپ کی ذات سے دشمنی رکھ کر بدگفتی کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ اور تمام شیعوں نے اہانت المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت حفصہ اور آپ کے چھوٹی زاد بھائی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم سے بدولت برت کر لعنت و ذلالت کا لبادہ اوڑھا۔

پھر پھلوں میں کیسیانہ امامت حسین رضی اللہ عنہما کے منکر ہوئے۔ منار یہ امام زین العابدین کی امامت کے۔ امامیہ نے حضرت زید شہیدؑ کے ساتھ وفا کی اور اسماعیلیہ نے امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کو نہیں مانا جس کی کچھ تفصیل گذر چکی اور انشاء اللہ کچھ آگے آئے گی۔ اس طرح پوری قوم اہل بیت کی کسی نہ کسی جہت اور سمت میں دشمن ٹھہری۔ (دوست نما دشمن)

پہنچیں سو اہل و حق کہہ رہے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خاتون جنت رضی اللہ عنہما کے اس گھر کو جہاں جناب سبن، جناب امیر رضی اللہ عنہم، سادات اور بنو ہاشم تھے۔ نذر آتش کیا، اور اس پر تمام صحابہ کرامؓ نے ناراضگی کے بجائے خاموشی و رضا مندی ظاہر کی، اور اپنی تلوار کے قبضہ سے جناب سیدہ بتول الزہراء رضی اللہ عنہما کے پہلو پر ایسی ضرب و چوٹ لگائی جو اسقاطِ حمل کا سبب بنی۔

یہ ساری باتیں ان کی من گھڑت، افتراء اور بے اصل و جھوٹ ہیں۔ ان پر عقل کا انڈھا اور بے بہرہ ہی یقین کرے گا۔ اور پھر مزہ کی بات یہ کہ یہ روایات خود شیعہ روایات سے ملکر آتی اور ان کے جھوٹ کا بھانڈہ چھوڑتی ہیں۔ باب ملاحن میں فقیہ کے تحت انشاء اللہ ہم ان کو بیان کریں گے۔

چھبیسواں سوال وہو کہہ کہتے ہیں کہ شیعہ مذہب ہی اتباع کا زیادہ سزاوار و حقدار ہے کہ وہ اہل بیت کے صلح ہیں۔ جن کی شان میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا بُرِّئْتُ اللّٰهَ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ (لے اہل بیت اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رجس و برائی دور کر کے تم کو بالکل پاک کر دے)

اور ان ہی بزرگوں کے اقوال و افعال سے اپنے دعوے کی دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیعوں کے علاوہ تمام فرقے غیر اہل بیت کی پیروی کرتے ہیں اور اہل بیت کے اقوال و افعال سے روگردانی اور استرازا کرتے ہیں۔ اس لئے شیعہ کے لئے نجات لازمی اور یقینی ہے جب کہ دوسرے فرقے گرفت کے خوف و خطر میں ہیں۔

پھر اسی جھوٹے مفروضے پر حدیث سفینہ سے تائید پیش کرتے ہیں۔ کہ مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ فِیْكُمْ مَثَلُ سَفِيْنَةٍ فَوْقَ مَوْجٍ مَّا كَانَتْ تَجْلُوْ مِنْ تَحْتِهَا فَرَجٌ۔ (میرے اہل بیت کی مثال فوج کی کشتی کی سی ہے جو اس میں سوار ہو گیا پیچ گیا اور جو اس سے بچھڑ گیا غرق ہو گیا)

یہاں انہوں نے غلط معیث کیا ہے۔ اور حق و باطل کو غلط ملط کر دیا ہے۔ اس میں کلام کس کو ہے کہ اہل بیت کی اتباع موجب نجات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اہل بیت کا تتبع کون فرقہ ہے۔ اور شیطان کا پیرو گمراہ فرقہ کون ہے۔ جو ناجائز اور مشہوم اعراض کی خاطر اہل بیت کا دامن تھامے ہوئے تھے، اور ان کے اور اہل بیت کے رسم و آئین میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ وہ کس منطق کی رو سے، اہل بیت کے تتبع کہلا سکتے ہیں۔ اب اس بات کا ثبوت کسی بھی طرح ممکن نہیں کہ شیعہ اہل بیت کے تتبع ہیں۔ کہنا کچھ اور کرنا کچھ اور۔ جس کی روشنی ہو وہ کیا کہلا تا ہے۔ سب جانتے ہیں۔

مشرکین کہ خود کو ملت ابراہیم کا تتبع کہتے تھے اور مسلمانوں کو صابی یا صباۃ کا لقب دیا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے خیال میں ان کو ملت ابراہیم کا مخالف سمجھتے تھے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی اتباع کا دم بھرتے تھے۔ اور عبداللہ بن سلام اور عیسیٰ یا ان جیسے دوسروں کو ان انبیاء کا مخالف بتاتے تھے۔ درحقیقت کسی کا نام لینا اور مل میں اس کے خلاف اسے اختیار کرنا سرسروائی اور بے حیائی ہے۔ آزاد خیال اور تہذیبی خود کو قادری، سرور دی یا چشتی کہتے ہیں، ایسے ہی سر برہنہ بے بالوں والوں کا ایک فرقہ اپنے آپ کو ابراہیم کہتا ہے۔ ان سب کو معنی ان نسبتوں سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ جب کہ یہ ایسے طرز عمل کے سبب اپنی رسوائی اور خفت کو زیادہ بڑھا لیتے ہیں۔ کاش! یہ ان بندگان کا نام شرف ہی سے نہ لیتے تو ان سے ان بزرگوں کی رسوم اور طریقوں کی پیروی کا کوئی مطالبہ بھی نہ کرتا۔

اس سلسلہ میں پچ مرتبہ یہ ہے کہ اتباع کا زیادہ حقدار اہل سنت کا ہی مذہب ہے۔ اس لئے کہ جناب امیر المؤمنین حضرت علی و ائمہ اطہار رضی اللہ عنہم ظاہر و باطن میں اسی مذہب پر تھے۔ اور اس مذہب کے مخالف کو نہ صرف اپنی جہلوں اور لشکروں سے باہر نکال دیتے بلکہ جلا وطن بھی کر دیتے تھے۔

ان حضرات نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک و اسامین اہل سنت، رحما اللہ کے ساتھ عزت و نرمی روا رکھی۔ پھر ان اساطین اہل سنت نے بھی ائمہ اہل بیت کی شاگردی اختیار کر کے کسب فیض کیا۔ اصول مذہب یکھے۔ جب دوسروں کو بھی ائمہ کے موافق دیکھا اور ائمہ نے بھی ان کی حقانیت کو تسلیم کر لیا تو انہوں نے ان سب سے معاملات دین کی تحقیق کی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر صرف اہل بیت کی طرف نسبت کر دینا حقیقت مذہب کے لئے کافی ہوتا تو چاہیے تھا کہ غلامہ کیساغیر، مختاریہ، اسمعیلیہ، زیدیہ، امامیہ، حمیریہ اور قرامطیہ یا شیعوں کے دیگر فرقے بھی حق ہوتے اور پھر کسی کو کسی پر متعین اور محسوس کر کے فخر کرنے اور بغلیں بجانے کا حق نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ سب فرقے ایک ادعا، ایک نسبت کے باوجود ایک دوسرے کو کافر و کفر کہتے رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ (اور اسی پر بس نہیں ماضی میں ایک دوسرے کی گردنیں تنک کاٹتے رہے ہیں اور آج بھی ان کی کیفیت تہسبہ و جہاد و قلوبہ و مشتی کے عین مطابق ہے نفعانی)

ستائیسواں دھوکہ یہ کہ من گھڑت جھوٹا فقرہ ہے کہ ایک سیاہ فام لڑکی ہارون رشید کی مجلس میں پہنچی وہاں اس نے مذاہب پر بحث چھیڑ دی اور تمام مذاہب کے عیوب اور خامیاں گناہیں۔ مگر شیعہ مذہب کی تعریف کی اور ناقابل تردید دلائل سے اس کی حقانیت ثابت کر دی۔ حالانکہ ہارون رشید کی مجلس میں جید علمائے اہل سنت موجود تھے مگر اس نے کسی کی پرواہ نہ کی، اور نہ ہی اہل مجلس میں سے کسی سے اس کا جواب بن پڑا۔ اور یہ جبہ و دستار لے کر اس کی ایک بھی دلیل توڑنے سے عاجز رہے جب ہارون رشید نے اہل مجلس علماء کا یہ سکوت اور مجر و دیکھا تو شہر کے دیگر بڑے علماء کو بلوایا جس میں جناب قاضی ابویوسف رحمہ اللہ علیہ شاگرد رشید امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ بھی تھے۔ اب اس چھوڑی نے ان سے مناظرہ کیا اور ہر ایک پر ایسے الزام لگائے کہ کوئی بھی ان کا جواب نہ دے سکا۔ اور سب لا جواب ہو گئے۔

اس جھوٹے فقیر کی گھڑنت کا مقصد یہ تھا کہ علمائے اہل سنت کو بتایا جائے کہ تمہارا مذہب اس قدر بودا اور کمزور ہے کہ ایک معمولی چھوڑی اس کا تار، پود بکھیر سکتی ہے۔ اور تم کو لا جواب کر سکتی ہے۔ اور اس کی بحث کا تہا سے بلیل المرتبہ علماء بھی جواب نہیں دے سکتے۔ اب اگر غور کیا جائے تو اس واقعہ سے بعد شیعہ عالموں کی ہی اڑتی ہے اور الزام انہیں پر آتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے سالوں ہی نہیں پوری عمر فرنی گویائی اور تقریر بازی کی مشق کرنے میں کھپادی پھر بھی اس سیاہ فام چھوڑی کے مقابلہ میں عشر عشر تک بھی نہ پہنچ سکے۔ اس لئے کہ اپنے لمحہ پیدائش سے آج تک اتنی طویل مدت میں ان کا کوئی بھی عالم کسی بھی مجلس میں کسی بھی عالم اہل سنت پر ایک بھی الزام نہ لگا سکا۔ اور جب کبھی اس کی نوبت بھی آئی تو اس مجلس سے خود ہی ملزم بن کر اور الزامات کا پشت تارہ سر پر اٹھا کر نکلا ہے۔ اور کچھ نہیں تو اس سیاہ فام کینز کی سٹاگر دی کر کے ہی طریقہ واردات سیکھ لیتے کہ دائمی ندامت اور شرمندگی سے تو چھٹکارہ پا جاتے۔

پتہ تو یہ ہے کہ ان سیاہ دل بد باطنوں کا مذہب جراحقوں اور بے وقوفوں کا گھڑا ہوا ہے اسی قابل سے کہ اس کے منکلم، مجتہد یا منظر ایسی ہی سیاہ فام چھوڑیاں ہوں۔ اگر بلند مرتبہ علماء اہل سنت ایسی جاہلانہ اور سو قیانہ گفتگو پر مہربان ہوں تو یہ ان کا نقص نہیں بلکہ جواب جاہلانہ باشد خوشی کے مطابق ایک بلیغ انداز میں مسکت جواب ہے۔ اور پھر جواب تو وہاں دیا جاتا ہے کہ جہاں مخاطب میں فہم و فراست کی کوئی رتق تو نظر آئے، اور وہ ماشا اللہ ان سیاہ فام چھوڑیوں میں تو کیا رکوش چہرہ «عالمان جبر و دستار غلیوں میں بھی مفقود ہے۔

اٹھائیسواں دھوکہ یہ طریقہ واردات یہ ہے کہ شیعوں کے علمائے مذہب، اپنے مذہب کے اثبات اور اہل سنت کے مذہب کے بطلان میں ایک کتاب تصنیف کرتے ہیں اور مصنف یا مؤلف کی جگہ کسی کینز یا عورت کا نام لٹک دیتے ہیں اس کے ساتھ اس کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے جاتے ہیں کہ یہ کتاب اہل سنت کے علمائے بھی مطالعہ کی ہے مگر کوئی

بھی اس کی تردید نہ کر سکا۔ ایسی ہی ایک کتاب الحسنہ ہے جو لکھی تو شریف مرتضیٰ نے ہے مگر کہتے یہ ہیں کہ وہ کینز ان اہل بیت میں سے کسی کینز کی تصانیف ہے۔

انتیسواں دھوکہ بنا کرتے یہ ہیں کہ اپنے مذہب کے ثبوت میں اور اہل سنت کے مذہب کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ کتاب لکھتے تو خود ہیں مگر لعنت برکذاب کا معذاق بننے کے لئے ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ایک ذمی نے لکھی ہے۔ اور ان کتاب کے آغاز میں اسی جہول العلم ذمی کی ذبانی بیان کراتے ہیں کہ جب میں بالغ ہوا، اور دین حق کے تلاش کرنے کی فکر ہوئی تو میں نے اس سلسلہ میں بڑی تکلیف اٹھائی۔ بہت تک و تاذ کی مزدورم دلنے سے دوچار ہوا، تاکہ توفیق الہی نے رہنمائی و دستگیری فرمائی۔ اور مجھے دارالاسلام پہنچایا، یہاں پہنچ کر میں نے دین اسلام کو جانچا پچھا اور ہر طرح سے اسے دین حق پایا اور میں نے اسے قبول کر لیا۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد جب میں نے اس کے ماننے والوں میں اندر دلی اختلاف رائے کو دیکھا تو میرے تو ہوش اڑ گئے۔

میں تو بھانت بھانت کے اقوال و آراء سن کر سرسیم ہو گیا کہ کس کو حق سمجھوں کس کو غلط، مختلف آزاد اور مذاہب کا جائزہ دلائل کی روشنی میں لیا تو مجھے معلوم ہو گیا اسلامی مذاہب میں سے صرف شیعہ مذہب ہی حق ہے۔ اس کے علاوہ جتنے مذاہب ہیں سب گھڑے ہوئے اور تحریف شدہ ہیں ان ہی دلائل کی روشنی میں ملانے اہل سنت سے بحث و گفتگو کی اور ان پر الزام لگایا مگر کسی کو ان کے جواہرات کی توفیق نہیں ہوئی اور کوئی بھی لگائے ہوئے الزامات کے جواب پر قادر نہ ہوا۔ اس کو دیکھ کر میرا عقیدہ پختہ تر ہو گیا کہ شیعہ مذہب ہی حق ہے۔ اس نتیجہ پر پہنچ کر میں نے سوچا کہ ان دلائل کو ضبط تحریر میں لے آؤں تاکہ اس کے ذریعہ دوسروں کو بھی راہ راست دکھا سکوں۔

اس نوعیت کی ایک کتاب یوحنا بن اسرائیل ذمی کی ہے۔ جس کا اصل مصنف شریف مرتضیٰ ہے، اس کو کسی نامعلوم الحال ذمی کی طرف منسوب کر کے اس کے شروع میں لکھتا ہے۔

کہ اول میں طلب حق میں حیران و سرگرداں رہا۔ ہر مذہب کی کتابوں کا نظر قائم اور انصاف پسندی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ اور ہر مذہب کی مشکلات کو اس کے معتبر علماء سے حل کرنے کی کوشش کی۔ مگر میرے دل میں شیعہ مذہب کے سوا کسی مذہب کی حقانیت و صداقت نے اثر نہیں کیا۔

اس سلسلہ میں ایک حکایت بھی کتاب میں بیان کی گئی۔ کہ فلاں تاریخ کو بغداد کے مشہور مدرسہ نظامیہ میں گیا تو دیکھا کہ ایک عظیم الشان مجلس منعقد ہے۔ جس میں جلیل القدر علماء میں سے فلاں فلاں عالم موجود ہیں۔ میں نے ان سے گزارش کی کہ حضرات میں بیسائی ہوں۔ اللہ کی توفیق سے حقیقت اسلام سے آگاہ ہوا۔ اور بجان دول اس کا مالوہ شیدا ہوا۔ لیکن اہل اسلام میں میں نے باہم بڑا اختلاف دیکھا کہ ہر ایک کا قول دوسرے کے قول سے ٹکراتا ہے۔ ہر سے میں اسی جستجو میں تھا کہ علماء اسلام کا اجتماع کسی مجلس میں دیکھوں اور اپنی غلطی دور کروں۔

میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس مبارک محفل تک پہنچ گیا، آپ حضرات کی بڑی عنایت اور کرم نوازی ہوگی اگر دلائل کی روشنی میں مذہب حق سے مجھے روشناس کرا دیا جائے۔

چنانچہ اہل سنت کے چاروں فرقوں میں سے ہر ایک نے اپنے حق ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور ہر فرقہ دالے نے اپنا مذہب حق ثابت کرنے کے لئے دوسرے فرقہ کے مذہب کو باطل قرار دیا۔ ہر طرف سے باہم لعن طعن، کلام گھوج کا

ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا اور بات بات چتا پانی ٹپک آگئی۔ اس وقت میں نے انہیں لٹکا کر لے لیا، انسا فوجدار ہوا، مذہب حق دراصل تم چاروں فرقوں کے مذہب میں کوئی سا بھی نہیں، حق مذہب تو ایک اور ہی ہے جس کو کم رفس کا نام دیتے ہو، اس مذہب کو حقیر اور اس کے ماننے والوں کو ذلیل سمجھتے ہو۔ اس کے بعد جو میں نے مذہب رفس کے دلائل بیان کرنا شروع کئے تو چاروں فرقوں کے عاملوں میں سے کسی نے بھی دم نہ مارا بلکہ سب کے سب سرنگوں رہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ ان دلائل کو بصورت کتاب ضبط تحریر میں لے آؤں، پس ثواب آخرت کی امید اور گمراہوں کو راہ راست دکھانے کی خاطر میں نے یہ کتاب تصنیف کی۔

شریف مرتضیٰ پر پڑا تعجب ہے کہ اس نے اختلاف کی نسبت اہل سنت کی طرف کی حالانکہ وہی نہیں ساری شیعہ مذہب جانتی ہے اصول و بنیاد عقائد و اعمال میں ان میں باہم ہرگز کوئی اختلاف نہیں، فروعات میں البتہ اختلاف ہے سودہ بھی اتنا سنگین نہیں کہ ایک دوسرے کو کافر یا کفرہ کہنے کی حد تک جا پہنچے۔ پھر اتفاقی مسائل زیادہ ہیں اور ایسے مسائل بہت کم ہیں جن میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بین اور جائزہ کے بعد پتہ چلتا ہے کہ چاروں مذاہب میں جن فروعی مسائل میں اختلاف ہے ان کی تعداد تین سو سے کچھ زائد نہیں۔ اور وہ بھی وہ جن میں صراحت سے کوئی حکم شرعی نہیں ملتا۔ بخلاف مذہب شیعہ کے کہ ان میں اختلاف ہی اصولی ہے۔ اور بہت زیادہ ہے۔ ہر فرقہ دوسرے کو کافر اور کفرہ کہتا ہے۔ امامیہ کے بارے میں چنانچہ پشنگ سے پتہ چلتا ہے کہ اثنا عشریہ ایک ہزار فروعی مسائل میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے مسائل کے بارے میں امام کا حکم صریح موجود ہے۔ مثلاً شراب کا پاک یا ناپاک ہونا، اور اسی طرح کے دوسرے مسائل ان کی نئی اور پرانی کتابوں سے جو واقف ہے وہ یہ سب کچھ جانتا ہے۔ تو پھر مرتضیٰ جس کا لقب ہی علم الہدیٰ ہے، وہ جتھہ کیا مذہب کا بانی مبنی ہے ان باتوں سے کیسے بے خبر رہ سکتا ہے۔ لیکن تعصب اور عناد کی پٹی اس کی آنکھوں پر ایسی چڑھی ہوئی ہے کہ اسے یہ سب کچھ نظر نہیں آتا۔ رہیں وہ دلیلیں اور مجنہیں جو وہ ذمی کے منہ سے اگلاتا ہے اور جن کو اپنے خیال خام میں بڑی مضبوط اور قیمتی خیال کرتا ہے وہی برتے برتائے مضامین اور گھسی پٹی دلیلیں ہیں جو معین کے پرلے پیٹھروں کی طرح اُجڑے ہوئے گھوروں اٹھالایا ہے۔ بار بار انہیں کو دھو رہا ہے اور انہیں سے شیعہ فرقہ کے لئے نیا لباس بنا لیتا ہے۔ حالانکہ وہ ساری دلیلیں اہل سنت کے نزدیک کڑی کے جائے سے بھی زیادہ کمزور اور شہوت کے پتے سے بھی زیادہ بودی ہیں۔ جن کو ان کے مکتب کے بچوں نے روند کر رکھا ہے۔ اور انگلیوں کے ناخنوں نے ان کا حال خستہ کر رکھا ہے۔

قیسواں دھوکہ :- ان کے علماء مذاہب اربعہ کو باطل ٹھہرانے میں ایک اور گہری چال چلتے ہیں وہ یہ کہ ایک مذہب کو تو اشاروں کنایوں اور پردہ و آڑ میں رد کرتے ہیں اور باقی تین کو کھلم کھلا۔ چنانچہ ان کے کسی عالم کی ایک کتاب اسی نوعیت کی میری نظر سے گزری ہے۔ اس میں اس کے شیعہ مصنف نے اپنے آپ کو شافعی المذہب ظاہر کیا ہے اور اپنی کتاب کی بنیادی تین مذاہب کو باطل ثابت کرنے پر رکھی ہے۔ اب جہاں شافعی مذہب کو صیح ثابت کرنے کا موقع آتا ہے وہاں وہ ایسے کمزور اور ناکارہ دلائل اور ناقابل قبول قیاسات حجت میں لاتا ہے۔ اور دور دراز کی خیالی تاویلات پیش کرتا ہے کہ کوئی بھی اس کے اسنے پر ہرگز تیار نہیں ہوتا مثلاً قیاس طرز۔ قیاس شبہ۔ وغیرہ جو خود اخلاف کے ال غیر مستند اور درجہ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں۔ پھر قیاس کے خلاف ایک حدیث بیان

کرنا۔ اور خود ہی اس کا جواب دیتا ہے کہ یہ حدیث قیاس کے مخالف ہے اور جر حدیث مخالف قیاس ہو وہ متروک الظاہر ہوتی ہے (یعنی اس کے ظاہری معنی چھوڑ دئے جاتے ہیں) گویا اس کتاب کی تصنیف معنی یہی بتانے کے لئے ہوتی ہے کہ سنی قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ پس جب اس نے مذہب ثلاثہ کو شافعی مذہب کے دلائل سے سر کر دیا۔ اور مذہب شافعی کو ایسے کمزور اور پوچھ دلائل سے ثابت کیا جو ہر سننے اور دیکھنے والا ان کے کمزور بنا کارہ اور ناقابل استدلال ہونے کو اول نظر ہی میں جان لے تو لا محالہ اس چال کا یہ نتیجہ برآمد ہونا لازمی ہے کہ چاروں مذہب بیک وقت وہ یک نوح دیکھنے والے کی نظر میں پوچھ اور بے اصل ثابت ہو جائیں گے۔ یہ دھوکہ بہت پوشیدہ اور بہت ہوشیاری سے ترتیب دادہ ہے۔ اس لئے علامہ اہل سنت میں سے اکثر اس فریب میں آجاتے اور حیران و دم بخور رہ جاتے ہیں۔ اکتیسواں دھوکہ ہاشیئہ فرقہ کا کوئی عالم فقہ میں کوئی کتاب تالیف کرتا ہے۔ جو اہل سنت پر لعن و طعن اور رد و قدح پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کی نسبت اہل سنت کے کسی امام کی طرف کر دیتا ہے مثلاً عنقریب جس کو امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ ایک شیعہ کی لکھی ہوئی ہے اس میں یہ بھی لکھ مارا ہے کہ آقا کے لئے اپنے مملوک سے ولایت جائز ہے کیونکہ آیت وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کے معنی بظاہر عام ہیں۔

پھر ایک معتبر شخص کے ذریعہ یہ خبر ملی ہے کہ اس نے اصحابان میں اسی قسم کی ایک کتاب دیکھی ہے جسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور جو ناشائستہ اور نازیبا مسائل سے پُر ہے۔ اس دھوکہ کی اصلیت غالباً یہ ہے کہ ملک مغرب جہاں مائلی تحفوات کی اکثریت ہے وہاں تو اس کتاب کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی تصنیف ظاہر کرتے ہیں اور ہندوستان و توران میں جہاں احناف کی اکثریت ہے اس کتاب کو امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اہل سنت کو تو اپنے ہی امام کی روایات پر زیادہ عبور ہوتا ہے۔ دوسرے ائمہ کی روایات کی زیادہ کھوج کر بیدار تحقیق نہیں کرتے۔ اس لئے اس کی صداقت ان کے دل میں جلد بیٹھ جاتی۔

اس دھوکہ میں بھی اکثر اہل سنت کے جلیل القدر علماء پھنس گئے ہیں۔ مثلاً متعہ کی علت امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی طرف صاحب مداری نے بھی کر دی حالانکہ امام مالک رحمہ اللہ علیہ متعہ پر حد جاری کرنے کو واجب کہتے ہیں۔ بخلاف امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے کہ وہ حد کو واجب نہیں کہتے۔

تیسواں دھوکہ ہاشیئہ علماء کی ایک جماعت بڑی سخی و کوشش سے اہل سنت کی تفاسیر اور سیرت کی ان کتابوں میں جو علماء اور طلباء میں بہت کم معروف و مشہور ہوں۔ یا نادر الوجود ہوں، ایسی جھوٹی باتیں ملا دیتے ہیں۔ جو شیعہ مذہب کی تائید اور اہل سنت کے مذہب کی تردید کرتی ہوں۔

چنانچہ باغ فدک کے سہرہ کا قصہ بعض تفاسیر میں داخل کر دیا ہے اور اس کی روایت یوں بیان کی کہ جب آیت ذَاتِ الْقُرْبَىٰ حَقَّتْ۔ (اور دیجئے اقربا کو ان کا حصہ) نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بلایا اور باغ فدک ان کو عطا فرمادیا۔

مگر اس کو کیا کیجئے کہ ان بد بختوں کو جھوٹ بولنا بھی نہ آیا۔ اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ آیت تو کی ہے یعنی تمہارے قیام کے زمانہ میں نازل ہوئی ہے اس وقت باغ فدک ملا ہی کہاں تھا۔ وہ کہہ میں تو تھا نہیں۔

پھر آیت میں صرف ذوالقربی ہی کو دینے کا حکم تو نہیں تھا۔ مساکین اور ابن سبیل کو بھی بخشش و عطایں شالی کیا

گیا تھا۔ ان کو اس عطیے اور بخشش سے کیوں محروم رکھا گیا۔ اس آیت کے مطابق ان کو بھی تو ان کا حصہ دیا جانا چاہیے تھا تاکہ پوری آیت پر عمل ہو جاتا۔

علامہ الزیلعی، اعطاء حدیث کے الفاظ سے بہتہ و تلبیک تو ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے لئے تراویح و عبادت کا لفظ گھڑانا چاہیے تھا۔ مگر پھر یہ رسوائی اور شرمندگی انہیں کہاں ملتی؟
اسی طرح بعض اور کتب تفاسیر و سیرت میں اسی قسم کی جھوٹی ملاوٹ کا پتہ چلتا ہے اس جھوٹ میں بھی اکثر پیغمبر علماء سنت اُلجھ جاتے اور ذہنی تشویش کا شکار ہو جاتے ہیں۔

دہلی کے بادشاہ محمد شاہ کے زمانہ میں امراء شیعہ میں دو افراد، مرتضیٰ خاں اور مرید خاں نامی تھے، ان کا وطیرہ ہی یہ تھا کہ اہل سنت کی کتابوں مثلاً معارج ستر، مشکوٰۃ یا بعض تفاسیر کو خوشخط کھولتے اور امامیہ کی کتابوں سے اپنے مطلب کی کوئی حدیث لے کر ان میں شامل کر دیتے، پھر اس غلط طرہ کو جہدوں، اور آپ زر سے مزین کر کے نہایت کم قیمت پر گلی کو چوں میں فروخت کر دیتے۔ اور دھوکہ دہی کا یہ طریقہ آغا ابراہیم بن علی شاہ کے زمانہ میں جو سلاطین صفویہ میں کا بڑا بادشاہ تھا۔ اس کا ایک امیر اعتدیان میں استعمال کرتا تھا۔ لیکن ان کا یہ دھوکہ کچھ چلتا نہیں اس لئے کہ اہلسنت کی جو مشہور معروف کتب ہیں وہ تو علماء و طلباء کے ہر دم زیر مطالعہ رہتی تھیں اور بکثرت شائع اور دستیاب تھیں اس لئے ان میں رد و بدل کھپنا مشکل تھا۔ اور اس کا پتہ بھی آسانی سے لگ سکتا تھا۔ اور جو کتابیں مشہور نہیں تھیں وہ ناقابل اعتبار بھی جاتی تھیں۔ اسی لئے معتقین علامہ اہلسنت نے غیر مشہور کتابوں سے نقل و حوالہ کو جائز نہیں رکھا۔ البتہ تعجب یا خوف دلانے کے مسائل میں ان کو سانپہ انبیاء کے مصنف کا سادہ درجہ دیا ہے، کہ ان میں رد و بدل اور تحریف کے احتمال کی وجہ سے ان سے عقیدہ و عمل کا کوئی مسئلہ نہیں لے سکتے۔

یہ نتیجہ سوال دھوکہ دہی ہے کہ روایات کی نقل میں خیانت سے کام لیتے ہیں، نقل تو کتب اہل سنت سے کرتے ہیں مگر بیچ میں کہیں اپنے مفید مطلب ایک دو لفظ ایسے بڑھا دیتے ہیں جن کا اصل کتاب میں نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔ اب بعض اہل سنت اس نقل پر غور و فکر کئے بغیر دیکھتے ہیں، اور اس حوالہ کو وہ اصل کتاب میں بھی دیکھ چکے ہوتے ہیں، جعل اور ملاوٹی الفاظ کا لحاظ نہ رکھنے کے سبب حیران و پریشان ہوتے ہیں چنانچہ علی بن عیسیٰ اردبیلی نے اپنی کتاب کشف الغمہ میں اور ابن مطہر علی نے اپنی کتابوں البقیع، منہج الکرامہ اور نہج الحق میں اسی نوع کی بہت سی نقلیں اور حوالے دیئے ہیں۔ لہذا اس دھوکہ سے بھی باخبر رہنا چاہیے۔

چوتھے سوال دھوکہ دہی: اس کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب میں ایک کتاب تصنیف کرتے ہیں۔ جس میں اہلسنت کی مسانید، سنن، اجزاء اور معاجم سے صحیح احادیث نقل کرتے ہیں، مگر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے کا موقع آتا ہے تو خود گھڑ کر، یا امامیہ کی کتابوں سے نقل کر کے ایسی بات شامل کر دیتے ہیں جو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی شان میں موجب قدر ہوتی ہے۔ یا ایسی صریح روایات بیان کر دیتے ہیں۔ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الحق بالخلافت ہونے کا مضمون ہوتا ہے۔ اور یہ کہا گیا ہوتا ہے کہ اُن کی موجودگی میں جو خلافت کرے وہ ایسا ہے، ویسا ہے، تاکہ سامع و ناظر دھوکہ میں پڑ جائے اس لئے کہ وہ فضائل خلفاء میں اس کے بیان سے یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ وہ مصنف کوئی اہل سنت ہے۔ اور اس کا یہی یقین اس کو یہ خیال کرنے پر مجبور کرتا

ہے کہ اہل سنت کی تعانیف میں بھی ایسی احادیث موجود ہیں جو قیمنوں خلفاء کی شان میں تقدح کا سبب ہیں۔ اور یوں اس کے دین و یقین دونوں کو سخت ٹھیس ملتی ہے۔

چنانچہ اسی نوعیت کی ایک ضخیم کتاب نظر پڑی، جس میں ہر حدیث کے شروع میں حدیث کے راوی اور اس کی تخریج کرنے والے کا نام درج تھا۔ اس دھوکہ میں بعض بلند مرتبہ علماء حدیث بھی اقتیاد نہ کرنے کے سبب پھنس گئے۔ اور فریب کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ چنانچہ ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ کے مصنف بھی اس دھوکہ میں آگئے اور اس قسم کی احادیث مجموعہ فضائل خلفاء اربعہ سے اپنے ہاں نقل کر بیٹھے۔ البتہ فن حدیث میں جن کی نظر گہری ہوتی ہے وہ اس چال میں نہیں آتا۔ کیونکہ من گھڑت اور خود ساختہ، پرداختہ الفاظ کی کمزوری، بڑا پن اور معانی کا کچھ نہیں، ان کے جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ دیتے اور اس فریب کا پتہ دیدیتے ہیں۔ اور صاحب سلیقہ، اور باذوق آدمی پہلی ہی نظریں تار جاتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی شیطان منیت ٹھنک کی کارستانی ہے۔

پہلی تیسواں دھوکہ پہلے زمانہ میں اہل سنت، شیعوں کے بعض گندے مسائل پر ان کو بدعت من طعن بناتے ہیں اس من طعن سے بچنے کی علامت شیعہ نے یہ صورت نکالی کہ ان کتابوں کے نئے ایڈیشنوں سے ایسے مسائل کو بالکل نکال ڈالا اور کتابوں کے پرانے نسخوں کو چھپا دیا۔ اور پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد ان مسائل کو اہل سنت کی طرف منسوب کر دیا۔ مثلاً اپنے مملوک سے ملاطمت کا مسئلہ، کہ اسے امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی طرف اور لف حریر یا مادر و خواہر (کہ منوع عام پر ریشم لپیٹ کر ماں بہن کو بے حرمت کیا جاسکتا ہے) کا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

اس قسم کے افتراء آمیز مسائل، سید مرتضیٰ، ابن مطہر علی، ابن طاووس اور علی کے بیٹے نے اپنی کتابوں میں بہت نقل کئے ہیں۔ اور غرض صرف یہ ہے کہ ناک والوں کو نکٹا کہو، تاکہ اپنے نکتے بن کو چھپایا جاسکے اور اپنے سر سے من طعن کا بوجھ اہل سنت کے سروں پر لا دیا جائے کہ اس کی جوابدہی وہ کریں، اور اس طرح ان سے ہمارا بچھا جھوٹ بنائے۔

چھٹی تیسواں دھوکہ اہل سنت کے مقتداؤں کے اشعار میں ملاوٹ اور جعل سازی بھی ان کی فریب کاری کا ایک طریقہ ہے۔ ان اشعار کے ہوزن و ہم قافیہ، ایک دو شعر اپنے مفید مطلب گھڑ کر، ان کے اشعار میں شامل کر دیتے ہیں، جن کا معنوں و فصاحت سے شیعہ مذہب کی موافقت اور اہل سنت کے مذہب کی مخالفت کرتا ہے اور پھر بے شرمی اور ڈھٹائی سے یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت نے شرمندگی اور خفت سے بچنے کے لئے ان اشعار کو اپنی نظم سے نکال دیا ہے۔

اس قسم کی حرکت اکثر دہشتہ اہل سنت کے مشہور اور مقبول شعرائے کرام کے کلام میں کرتے ہیں مثلاً شیخ فرید الدین عطار، شیخ اومدی، شمس تبریز، حکیم سنائی، مولانا روم، حافظ شیرازی اور حضرت خواجہ قطب الدین دہلوی، وغیرہ ان سے قطع نظر پہلوں میں سے امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ بھی انہوں نے یہی سلوک کیا ہے، اور ان کے اشعار میں بھی اپنے گھڑے ہوئے اشعار غلط ملط کر دیئے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے یہ اشعار ہیں۔

يَا ذَا كِبَارٍ قُتِبَ بِالْمُعْتَبِ مَعْنَى
سُخْرًا إِذَا أَفَاقَ الْحَبِيبُ إِلَى مَعْنَى
وَإِهْتَبَ بِسَائِرِ خِيْنَتِهَا وَالتَّاهِي
فَتَنَّا لَمَّا تَلَقَّاهُ الْفَرَاتُ الْقَائِي
فَلْيَشْهَدْ الثَّلَاثُ أَحَدٌ مَائِي

- (۱) اسے شتر سوار، معنی کی مدد پر راوی مصعب میں ٹھہر کر نشیب میں رہنے والوں کو پکارا، اور وہاں سے اٹھنے والے۔
(۲) ہجاء کو جو صبح کے وقت نہر فرات کے پانی کی طرح موج در موج معنی کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں بتا۔
(۳) کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہل بیت سے محبت نفس ہے تو میں جن دامن کو گواہ بنا کر ان کی کتاب کو پڑھوں رافضی ہوں۔
نواصب، اور خارجی محسن منصور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رکھنے والے کو رافضی کہتے تھے ان اشعار میں امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے ان کو مقابلہ میں لگا کر اسے۔

مگر شیعوں کی بد باطنی اور مرقہ سے غلط فائدہ اٹھانے کی خصلت دیکھنے کے چند ابیات اپنی طرف سے گھر کر انہی
سہی امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے سر منڈ دیا۔ اور شرم و حیا ہلائے طاق رکھ کر انہیں اشعار کی بناء پر امام صاحب موصوف
کو بھی شیعہ ثابت کرنے لگے، وہ جعلی اشعار یہ ہیں۔

قُتِبَ لَوْ نَادَى بِاسْمِي لَمْ يَحْمَدِ
أَخْبِرْ حُجْرًا أَفِي مِنَ الثَّنَى الَّذِي
وَدَّعِيًا وَيَنْبِيهِ لَسْتُ بِكَافِي
بِوَلَاءِ أَهْلِ الْبَيْتِ لَيْسَ بِكَافِي
وَقُلْ ابْنِ إِدْرِيسٍ يَتَقَدَّرُ الَّذِي
قَدْ مَنَعُوا عَلَى عِلِّيِّ مَارِي

- (۱) اس کے بعد یہ بھی پکار کر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے دسی، اور دسی کے بیٹوں سے بغض نہیں رکھتا۔
(۲) اور یہ بھی بتا دے کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو اہل بیت سے رشتہ توڑنے والے ہیں۔
(۳) اور یہ بھی کہہ کر ابن ادريس شافعی اسے پسند نہیں کرتا کہ علی (رضی اللہ عنہ) پر کسی کو ترجیح دے۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے اصل کلام اور ان گھڑے جوئے اشعار میں جو فرق ہے وہ عربی زبان کے اہلین پروردگار
کی طرح حیاں و ظاہر ہے۔ اور ان کی یہ دھوکہ بازی بیہودہ اور لچر ہے۔ اس لئے کہ ان بزرگوں کا تو تمام کام، اور بناء
شریعت و طریقت اور سرتاپا اہل سنت کے مذہب پر ہے۔ پھر معنی ایک دو شعر کی وجہ سے ان کو شیعہ سمجھنا ایسی حماقت
ہے جس کی توقع کسی طفل مکتب سے بھی بعید ہے۔ اس کے علاوہ یہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ کسی کے اشعار میں طاق کئے
بغیر ان کا کوئی شاعر خود اپنے کہے ہوئے اشعار کو اہل سنت کے کسی بزرگ شاعر کی طرف منسوب کر کے انہیں ان اشعار
کا مصنف بنا دیتا ہے۔ مثلاً ان شیعوں کی کتابوں میں ان اشعار کو امام شافعی کے اشعار بتا کر درج کر دیا گیا۔

شَفِيعِي مَسِيٍّ وَالسُّبُوْلُ فَحَيِّدٌ
وَجَعْفَرُ وَالْثَّوْبِيُّ بَعْدَ أَدَّ الرَّهْمَا
وَسَبْطَاةٌ وَالتَّحَارُّ وَالْبَاقِرُ الْمَجْدِيُّ
وَقَلْدِيَّةٌ وَالْفَسْكَوْرِيَانِ وَالْمَعْدِيُّ

- (۱) میرے شفیعی بتی، بترول اور حیدر ہیں، اور ان کے دونوں نواسے اور ستاد و باقر سخی (بھی)
(۲) اور بغداد کے رہنے والے جعفر اور علی رضا اور ان کے دونوں بیٹے، عسکری دہمدی ! (یہ سب میرے شفیعی ہیں)
اب قدرت کی طرف سے اس جھوٹ کی پردہ دری ملاحظہ ہو، کہ تاریخ ان کی عقلوں پر قائم کر رہی ہے۔
امام علی نقیؑ سلسلہ میں پیدا ہوئے، اور امام حسن عسکریؑ کی پیدائش تو ان کے بھی بہت بعد کی ہے۔ اور امام نقی

کی وفات مسئلہ میں ہوئی اور وہ کربخ میں مدفون ہوئے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کی وفات مسئلہ میں ہو چکی تھی، تو کیا ان حضرات کی مدح میں یہ اشعار دوبارہ زندہ ہو کر کہے، اس کے علاوہ امام حسن عسکری کا قیام سرمن رائے میں تھا جسے اب سامترہ کہتے ہیں اور جو معتصم کا بسایا ہوا تھا۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے معتصم کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ پہلے ہے دروغ گوراء حافظہ نباشد (اور خیر حافظہ نباشد میں تو گنہائش ہے اور بھول چوک کہہ کر معاملہ رفع دفع ہو سکتا ہے مگر یہ مکار اور عیار گروہ تو یہ سب کچھ جانتے ہو جھٹے، دھڑے سے علی الاعلان جھوٹ بولنا ہے کہ لعنت الہی اس کا محبوب طرہ امتیاز ہے۔ نعمانی)

البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کو اپنے زمانہ میں جن اہل بیت کرام کا پتہ چلا تو ان کے فضائل و مناقب انہوں نے بیان کئے ہیں، اور یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ تمام اہل سنت نے ان کی مدح سرائی کو ایک عبادت سمجھا ہے۔ اور اہل سنت کی کتابوں میں ائمہ کرام رحمہم اللہ سے بہت سی احادیث کی روایت کی گئی ہے اور اہل بیت کے اسی سلسلہ روایات کو سلسلہ الذہب کے نام سے موسوم کیا ہے۔

(افوا ادد دھوکہ دہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہم نامی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے کفریہ اور شرکیہ مضامین پر مشتمل اشعار کو بزرگان اہل سنت کی طرف نسبت دینے کو بڑی شہرت دیتے ہیں، مثلاً فارسی کی یہ رباعی بہت مشہور ہے۔

شاہ است حسین الا اس رباعی کو سرگروہ چشتیاں خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ اور کیا غوام اور کیا خواص، سب کے سب اس رباعی کو خواجہ صاحب کا کلام سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس رباعی کے مضمون کو دیکھتے ہوئے معمولی عقل رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ خواجہ اجمیری رحمہ اللہ علیہ ایسے جاہلانہ عقیدے سے ہزار بار پناہ مانگتے ہیں۔

یہ اشعار دراصل ایک ایرانی شاعر معین الدین حسن سنجر نامی کے ہیں جو شیعہ تھا! اور اہل سنت نادانستہ طور پر اور شیعہ دانستہ طور پر خواجہ اجمیری رحمہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ نعمانی)

سینتیسواں دھوکہ: واجب شیعوں نے تاریخ و سیرت کی کتابوں میں یہ پڑھا کہ بعض عرب کا ہنوں سنار و شناسوں اور دانشمندیوں نے اہل کتاب سے معلوم کر کے یا علم نجوم کی مدد سے، جو کہ اس وقت تک حقیقت کے کچھ قریب تھا اس لئے کہ اس وقت تک شیطانوں کو کن سوئیاں لے کر آسمانی باتوں کی سن گن لینے کی ممانعت نہیں کی گئی تھی۔ بہت پرستی چھوڑ دی تھی اور نبی موعود کے لئے چشم براہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبریں سنایا کرتے اور لوگوں کو ترغیب دایا کرتے کہ جب آپ تشریف لے آئیں تو آپ کی متابعت کی سعادت سے مستفید ہوں۔ تو ان شیعوں کی رگ جلسازی پھڑکی اور ان قصوں کے ضمن میں چند ایسی باتوں کا بھی اضافہ کر دیا جن سے مذہبِ دفع کی تائید ہوتی ہو، اور اس کو اسی مرد جاہل کے سر تھوپا۔ بعض جگہ اسی قول کی تصدیق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا بیونہ بھی لگا دیا۔ اور پھر ان روایات و حکایت پر فخر کرتے اور خوشی سے بغلیں بجاتے۔ ایسی ہی باتوں میں سے بارودِ عہدی کا ایک قصہ ہے، جو ان کی کتابوں میں مشہور و معروف ہے اور ان کی حدیث کی کتابیں بڑے طعرات اور دھوم دھڑکے سے بیان کیا جاتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

بارود عجمی ایک نصرانی شخص تھا جو سال صلح مدینہ میں اسلام لایا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں، ان میں کا ایک شعر یہ ہے۔

أَنبَاَنَا الْأَذْكُونُ بِأَمْسِكَ فَيَسْنَا بِحِمْيَرٍ وَأَوْصِيَاءِ حَكَمَةِ أَمِيرٍ

یعنی ہمارے انگوٹوں نے آپ کے نام سے آگاہ کیا۔ اور آپ کے بزرگ وصیوں کے نام بھی۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو قیس بن ساعدہ کو جانتا ہو؟ بارود بولا حضرت یوں تو ہم سے ہر شخص اس کو جانتا ہے مگر میں اس کے حالات اور پردہ واقعات سے بخوبی واقف ہوں، اس مجلس میں حضرت سلمان فارسی بھی موجود تھے۔ انہوں نے بارود سے کہا کہ ہم کو اس کا کچھ مالہ اشعار سناؤ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی خواہش ظاہر فرمائی تو اس نے کہا۔

يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي شَهِدْتُ قِتَادًا وَهَذَا خَرَجٌ مِنْ نَادٍ مِنْ
أَنْدَلُوسٍ أَيْدَى إِلَى صَحْبِجٍ ذِي قِتَادٍ وَتَشِيرٌ وَمِثْلُ ذُو
مُشْتَمِلٍ بِنَجَادٍ فَوَقَفْتُ فِي أَضْجِيَانٍ اللَّيْلُ كَالشَّمْسِ لَا يَمُنُّ
إِلَى السَّمَاءِ وَجَهْلُهُ وَأَصْبَعُهُ نَدْوَمٌ مِنْهُ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ
اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ الْأَرْفَعَةِ وَالْأَرْضَيْنِ الْمَمْرُوعَةِ
يُحَقِّقْ مَحْمَدَ وَالثَّلَاثَةَ الْمَحَامِدِ مَعَهُ وَالْعَلَمَيْنِ الْأَكْبَرَيْنِ
وَالْأَيْمَةَ وَالْحُسَيْنَ الْأَبْرَعَةَ وَجَعْفَرَ ذُو مَوْصِي الْيَتِيمَةَ
سَمِيحَ الْكَلْبِ الْعِزَّةِ أَوْ لَيْتَكَ الْتَقَاءَ الشُّفْعَةِ وَ
الْعَلَمِ الْمَقْبُوعَةِ دَرَسَةَ الْأَنْجَارِ جِلِّي وَثِقَاءَ الْأَبَاطِيلِ
وَالْعَادِ قُوَا الْقَيْلِ عَدَدَ الثَّقَبَاءِ مِنْ بَنِي إِسْرَافِيلَ
فَهُمْ أَقْلُ الْبَدَلِيَّةِ وَعَلَيْهِمْ تَقَوُّمُ الشَّاعَةِ وَرَجْعُ
تَنَاكِ الشُّعَاعَةِ وَكُهُومُ مِنَ اللَّهِ فَرَمِ الطَّاعَةِ أَسْقِنَا
غَيْثًا مَقْبُوعًا ثَوًى قَالَ لَيْتَنِي أَدُورُ كُهُومٌ وَلَوْ مَعَدَدَ كَرِيحِ
عُمَيْرِي وَمَحْيَايَ ثَوًى أَنَشَأَ يَقُولُ أَفَسَمَ قُسُ قَسَمًا
لَيْتَنِي بِهِ مَكْنَا لَوْ مَا شِئْتُ سَنِيَّةَ كَرِيمِينَ مِنْهُمْ سَابِ
مَاحِشٍ يَلَاغِي مَحْمَدَ وَالتَّجِيَاءَ الْحَكَمَاءَ وَهُمْ أَوْصِيَاءُ
أَحْمَدَ أَفْضَلُ مَنْ تَحْتِ السَّمَاءِ لَيْعِي الْأَنَامِ مَعَهُمْ
وَهُوَ ضِيَاءُ الْعَمَى لَسْتُ بِنَاصِي ذِكْرِهِمْ حَتَّى أَهْلَكَ
الرَّحْمَنُ مَا كَانَ الْجَارُودُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي سَمِعْتُ
بِغَيْرِ هَذِهِ الْأَسْمَاءِ الَّتِي لَوْ شَهِدْتُهَا وَأَمْتَدَنَّا
قُسُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا جَارُودُ

یعنی جب قیس قوم آیادی کی کسی مجلس سے ایک ایسے فراع
میدان کی طرف باہر نکلا جس میں قتاد۔ میدہ اور اسباب کے
درخت تھے تو میں اس کے پاس ہی تھا وہ پر تڑپنے والے ہوئے
چاندنی رات میں اس طرح کھڑا تھا جیسے آسمان میں سورج۔
اس کا چہرہ اور انگلیاں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں میں
اس کے کچھ اندر قریب ہوا تو اس کو یہ کہنے ہوئے سنا۔ اے
خدا برتہ آسمانوں اور کاشت شدہ زمینوں کے مالک پروردگار
بحرمت خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور ہر سر محمد و ہر چہر علی فاطمہ
حسین کا ملین، جعفر اور موسیٰ جو سب کے تہوع بلند مقام ہیں۔
اور موسیٰ علیہ السلام کے ہمنام یہ سب سرداروں کا گروہ ہے۔
شفاعت کرنے والے اور وحی کی مبدی راہ کی طرف بلانے والے،
جھوٹ کو مٹانے والے، سچ کہنے والے، جن کی تعداد سرداران
اسرائیل سے ملتی ہے انہیں سے دنیا کی ابتدا ہے اور انہیں
پر قیامت قائم ہوگی، شفاعت یہی کریں گے اور اللہ کی
طرف سے الٰہی اطاعت فرض ہے پس نصیب کر ہم کو فریاد
کو پہنچنے والی بارش، پھر کہا کاش میں ان کو پاتا اگر چہ میری
عمر اور زندگی کے بدلے میں وہ ملتے۔ پھر کہنے لگا کہ قیس مثلاً
صاف قسم کھاتا ہے کہ اگر یہ دو ہزار برس بھی زندہ رہے تو
بھی ان سے تنگ دل نہ ہوگا، یہاں تک کہ ملاقات کرے گا
سے۔ وہ لوگ شرفاء ہیں، حکماء اور وصی، آسمان کے، نیچے سب
سے زیادہ بزرگ۔ لوگ ان کی طرف سے اندھے ہیں اور یہ لوگ

لَيْلَةَ أُسْرِىَ بِنِىْ اِىِى السَّمَاءِ اَرْحَمِ اللّٰهُ تَعَالٰى اِىِى اَنْ سَلِّ
مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُلِنَا عَلَى مَا يَعْشُرُونَ اَلَمْ تَكُنْ عَلَى
مَا يَعْشُرُونَ اَقَالَ يَعْشُرُهُمْ عَلَى بُرْهَانَكَ وَوَلَا يَزِيدُ عَلَى بِنِىْ اِىِى
وَالْاَوَّلِيَّةُ مِنْكُمْ اَشْرَفُ مِنْ نَبِيِّ اللّٰهُ تَعَالٰى بِاَسْمَاءِ اَيْمَنَ شَرَفُ
وَكَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْمَاءُ اَيْمَنَ وَاَحِبُّهُنَّ اَيْمَنَ
لِلّٰهِ اَيْمَنَ لَمْ تَكُنْ قَالَتْ قَالِ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ اَوْلٰىا بِنِىْ وَهَذَا الْمُسْتَقَرُّ
مِنْ اَعْدَائِنِىْ يَغِيْثُ الْمُهْدِيْنَ -

جینائی کے نور۔ تا آنکہ میں قہر میں نہ آؤں۔ ان کی یاد بھلانے والوں میں سے نہیں۔ بارگوشہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی مجھے ان ناموں سے آگاہ فرمائے جن کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ انہیں ہی نے مجھے ان کے حالات سے واقف کرایا ہے۔ حضور نے فرمایا اسے ہاتھ و معراج کی رات اللہ کی طرف سے مجھ پر وحی نازل ہوئی کہ ان پیغمبروں سے پوچھئے جو آپ سے پہلے مبعوث ہوئے کہ آپ کی بعثت کس پر ہوئی پر، اور علی اور ان کی اولاد میں سے اللہ کی ولایت پر پھر بالترتیب حضور نے مجھے بتائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اب اس روایت کا تجزیہ کیا جائے تو بنیادی سمجھوتہ کے آثار اتنے واضح اور صاف ہیں کہ زیادہ خود بیان کرنے کی

بامعریبیت کو اس روایت کے الفاظ کا پیس پچسا پن اس کے من گھڑت ہونے کی چٹلی کھاتا نظر آتا ہے۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام بلیغ سے ادنیٰ مناسبت کچھ نہیں رکھتے۔ دوسری بات یہ وہی جادو تو ہے جس کا میثا منند نامی جناب امیر کی خلافت میں عامل تھا اور وہ تمام متعلقہ ملاقوں کا خراج وصول کر کے فار ہو گیا اور جناب امیر کے دشمنوں سے جا ملا۔ جناب امیر نے سرزنش و لامعت کے بہت سے خطوط لکھے۔ مگر اس نے کسی ایک کو بھی قابل توجہ نہ سمجھا اور ساری رقم ہضم کر گیا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر اس کا باپ جناب امیر رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد سے اتنا واقف اور متفق تھا۔ تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کو آپ کی جلالت شان سے واقف نہ کر دیا ہو۔ اور پھر ایسے باپ کا بیٹا ان کے ساتھ ایسی غلطی کرنا اور بے حیائی سے پیش آنا۔ پھر اسی حاررہ کے بیٹے نے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا مصاحب خاص تھا اور شاگرد بھی۔ اس نے انہماک سے علم کیوں حاصل نہیں کیا۔ انس بن مالک کی شاگردی ہی پر قانع ہو کر کیوں بیٹھ رہا۔

صمیم اور قابل اعتبار کتابوں سے جابرو کا مرتبہ اتنا سا حال معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کہا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ وَجَدْنَا وَصْفَكَ فِي الرَّنَجِيلِ - وَلَقَدْ بَشَّرْنَا بِكَ ابْنَ الْمُبْتَلِ - (اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ آپ کا وصف ہم نے انجیل میں موجود پایا اور ابن مریم علیہ السلام نے ہم کو آپ کی بشارت دی) - البتہ قس بن ساعدہ الایادی کا حال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یوں معلوم ہوا ہے -

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکر بن وائل کا ایک وفد آیا جب وہ اپنے کاموں سے فارغ ہو چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی قس بن

قَالَ إِنَّ ذَنْدَ بْنَ جَحْشٍ بَنَ دَاوُدَ بْنِ قُدْمَةَ عَلَى الرَّسُولِ وَاللَّهُ عَلَى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَّغُوا مِنْ حَوَائِجِهِمْ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ يَنْبَغُ أَنْ يَعْرِفَ نَسَبُ بَنِ

سادہ کو جانتا ہے انہوں نے کہا ہم سب اس کو جانتے ہیں۔
 آپ نے فرمایا اب اس کا کیا حال ہے۔ وہ کہنے لگے اس کا تر-
 انشال ہو گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا، میری نظروں میں وہ منظر
 ابھی تک ہے کہ وہ وہاں کلاں سرخ اونٹ پر بیٹھ کر وہ کہہ رہا
 ہے۔ لوگو! آؤ، سنو اور یاد رکھو کہ جو زندہ ہے وہ مرے گا
 اور جو مر گیا وہ فنا ہو گیا۔ اور جو آنے والا ہے وہ ضرور آئے
 گا۔ البتہ آسمان میں بھلائی ہے اور زمین کی عبرتیں، ایک
 ستون ہے گڑا ہوا۔ اس پر چھت ہے ڈالی ہوئی سمندر موج
 ہے! سوراہے بے نقصان! رات اندھیری ہے اور آسمان بچہ
 والا ہے اور قس قسم کھا کر کہتا ہے کہ اس وقت اگر کام میں خوشی
 ہے تو بعد میں اس میں ناخوشی ہوگی اور اس اللہ کے نزدیک
 جس کی قدرت سب پر غالب ہے ایک دین ہے جو اس کو
 تہارے دین سے زیادہ پسند اور محبوب ہے۔ کیا بات ہے
 کہ میں لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ دنیا سے چلے جا رہے ہیں
 اور پھر واپس نہیں ہوتے۔ کیا ان کو کوئی ایسی چیز ملی ہے
 کہ وہ اسے رک گئے! یا معاف کر بیٹھے گئے تو سکون سے وہی
 سو رہے۔

سَلَامَةً اَلَا يَادُنِي قَالُوا اَقْلَبْنَا نَعْرِضُهُ قَالِي مَا فَعَلَ قَالُوا
 هَكَذَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَا قَرِيبَهُ عَلَى
 جَبَلٍ اَحْمَرٍ يَمُوتُ قَائِمًا يَقُولُ اَيُّهَا النَّاسُ اجْتَمِعُوا
 وَاسْمَعُوا وَذَمُّوا فَعَلِ مَنْ مَاتَ وَكُلٌّ مَنْ مَاتَ وَ
 كُلٌّ مَا هُوَ ابْتِ اِنْ فِي النَّسَارَةِ لَخَيْرٌ وَاِنْ فِي الْاَنْسَانِ
 لَخَيْرٌ اَعْبَادُ مَوْصُوعٌ وَشَقَتْ مَرْصُوعٌ وَبَعَادُ شَمُوعٌ وَ
 فِجَارَةٌ لَنْ تَبُورَ۔ كَيْلٌ وَاَوْجٌ وَسَمَاءٌ وَاَنْ اَمْرًا اَحْمَرُ
 هُنَّ حَقًّا لَمَنْ كَانَ فِي الْاُمُورِ مَرَضًى لِيَكُونَ بَعْدُ كَسَخَطِ
 وَاِنْ اللّٰهُ عَزَّمَتْ فَدَمَرَتْهُ دِينًا هُوَ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ
 دِينِكُمْ الَّذِي اَنْتُمْ عَلَيْهِ مَا فِي اَمْرِى النَّاسُ يَذْهَبُونَ
 وَلَا يَرْجِعُونَ اَمْرٌ مِّنْ اَقَانِمٍ اَمْرٌ كُطِي اَقَانِمٌ اَشْرَ
 اَشْدُّ اَكْبَرُ شَقَرًا كَانَ يَحْفَظُ لَهَا۔ بیت

فَاِذَا جِئْتُمُ الْاَوَّلِيْنَ مِنَ الْقُرُونِ لَنَا بَصَائِرُ
 كَمَا دَأَيْتُمُوهُمْ وَلَقَدْ لَبِثْنَا لَهَا مَعَادِيرُ
 وَرَأَيْتُمْ كُنْزِي غَوَّحًا يَنْسَعِي الْاَصَابِدُ وَالْاَكَاوِرُ
 لَا يَرْجِعُ الْمَاغْنِي اِلَيَّ وَلَا مِنْ بَاقِيْنَ غَنَائِسِهِ
 اَفَقِشْتُ اِنِّي لَا مَعَالَةَ حَيْثُ مَصَارَ الْقَوْمِ مَصَارُ

پھر دیکھنے ایک شعر پڑھا جو اس کو یاد تھا۔ (ترجمہ یہ ہے)

”پچھل صدیوں کے گزرنے لوگوں میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت ہے کہ موت ایک دن آئے گی،
 اور اس پر اترنے کی جگہ تو ہے مگر واپسی کی جگہ نہیں اور میں نے دیکھا کہ میری قوم کے چھوٹے اور بڑے اسی
 کی طرف دوڑے جا رہے ہیں نہ گیا ہوا کوئی تو شام ہے اور نہ ہی بغیر میں سے کوئی باقی رہے گا۔ تو میں نے
 یقین کر لیا کہ میں بھی ضرور وہی جاؤں گا جہاں میری قوم چلی گئی“

اب اس عبارت اور پچھل عبارت میں جو قس کی بتائی جاتی ہے زمین و آسمان کا فرق ہے عربی لغات کا انباء لگا دیے
 سے بھی کہیں کلام میں بلاغت پیدا ہوتی ہے، قس کا شمار عرب کے چوٹی کے بلفار میں تھا اور پچھل عبارت میں بلاغت و
 فصاحت کا شائبہ تک نہ تھا صرف قاسم کے لغت اکٹھے کر بیٹھے گئے اور اس اور جن کو فصاحت و بھونٹ میں ذرا بھی دلچسپی ہو جائے تو اس میں
 دراصل وہ فقہ سرتاپا، من گھڑت اور جھوٹ کی پوٹ ہے۔ اس کے جھوٹا ہونے کی پہلی دلیل تو یہ ہے کہ جناب
 امیر اور آپ کی اولاد کی ولایت شب معراج میں طے پا جاتی تو معنور علی اللہ علیہ وسلم بالانفصیل اور بالترتیب ان ائمہ
 کے نام بتاتے اور وہ بطریق قرآن تم تک پہنچتے جس طرح نماز کی فرضیت اور دیگر واقعات معراج بوضاحت بیان فرماتے
 اور وہ بطریق قرآن تم تک پہنچتے، یا کم از کم جناب امیر اور آپ کا خاندان تو اس سے مطلع ہوتا تاکہ یہ پھر امامت کے معاملہ

میں آپس میں نہ جھگڑتے۔ اور اگر کتب سابقہ میں یہ قلعہ مذکور ہوتا تو یہود و نصاریٰ تو باخبر ہوتے، بلکہ جاہلیتِ اولیٰ کے عربوں کو بھی ضرور اطلاع ہوتی۔ اور وہ اس کی خبر دیتے۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ شیعوں کے سارے فرقے یہ روایت بیان کرتے اور کیسیانہ، اکامیلیہ، واقفیتہ، زیدیہ، اس معاملہ میں اثنا عشریوں کے ساتھ موافق ہوتے۔

اس کے علاوہ اسی شخص کی طرف منسوب کردہ کلام میں ائمہ کی طرف نقادانہ باطل سے کی گئی ہے۔ یعنی براہیوں اور لغویات کے مٹانے والے، جب کہ ان حضرات کرام کو تو باطل کے مٹانے کی قدرت ہی حاصل نہ ہو سکی اس لئے کہ اثنا عشری شیعوں کے گمان و خیال کے موافق تو ان حضرات کی ساری زندگی تقیہ اور دشمنوں کے خوف میں بسر ہوئی۔ ان کے زمانہ میں عباسی اور مروانی لغویات کا رواج و چرچا ہوتا رہا۔ مگر یہ ایک حرفِ زبان سے نہ نکال سکے۔

اسی طرح ان کو صادق الثقیل (کہ وہ پچ بولنے والے ہیں) کہا گیا۔ حالانکہ بقول ان ہی شیعوں کے کہ تقیہ کی وجہ سے ان ائمہ کو ہر حرفِ بیجا زبان پر لانے کا موقع ہی نہیں ملا۔

پھر ان کی درج میں درستہ الانجیل (انجیل کے پڑھنے پڑھانے والے ہیں) کے الفاظ بھی ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کسی ایک صاحب سے بھی انجیل کا پڑھنا پڑھانا ثابت نہیں۔

اثر تیسواں دھوکہ یہ ہے کہ ایک گھڑی ہوئی حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کا مفہور یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیعیان علی کے کسی چھوٹے بڑے گناہ کے بارے میں اُن سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔ بلکہ ان کی برائیاں اچھائیوں میں بدل دی جائیں گی۔ نیز یہ بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا أُعَذِّبُ أَحَدًا ذَايَ عَلَيْهِ إِذَنْ مَقَاتِلِي۔ (موتی سے محبت والوں میں سے میں ایک کو بھی عذاب نہیں دوں گا خواہ اس نے میری نافرمانی ہی کی ہو۔)

ان گھڑی ہوئی روایات نے ہر دھوکے بندوں، آزاد خیال لوگوں کو گمراہی کی کھل چھوٹ دے دی۔ اب وہ دھوکے سے بدکاریوں کے مرتکب ہوئے اور خوب دابر عیش دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس سند موجود ہے۔

کیا یہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ جن بزرگوں سے صرف اظہارِ محبت جو بعض زبانی و کلامی ہے۔ گناہوں کو نیکیوں میں بدل سکتا ہے تو ان بزرگوں اور پاکیزہ سہیلوں کو خود طاعت و بندگی کی تکلیف و مشقت برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی اور ہمیشہ گرفت اور باز پرس کے خوف و ہراس میں زندگی کیوں گزارتے۔

اگر بار، اہلِ خاندان، احباب، خدام اور تبعین کو طاعت و عبادت کی ترغیب و تحریص کیوں دلاتے، کیوں تاکید فرماتے؟ گناہ اور محرمات کے ارتکاب پر دھکیں دیتے اور سختیاں کیوں کرتے اور شروع ہی سے لوگوں کو نماز، روزہ، حج اور جہاد اور دوسری مشقتوں کے لئے کیوں دعوت دیتے۔ اور ان کی طبعی خواہشات و مرغوبات کے چھڑانے کا سبب کیوں بنتے؟ نجات کا آسان و قریب ترین راستہ صرف محبت کیوں نہ بتا دیتے؟ اور اسی کو نجات کا دارِ مدار اور دعوت کا مقصد اصلی کیوں نہ ٹھہراتے کہ آسان راستہ ہوتے ہوئے مشکل راستہ اختیار کرنے کا الزام لازم نہ آتا۔ اور مکلفین کے حق میں اختیارِ اصلاح کا اصول بھی لامحہ سے نہ جاتا۔

اسی طرح قرآن مجید میں باوجود انتہائی رحمت و شفقتِ الہی کے نجات کے اس راستہ کا پتہ کیوں نہیں دیا۔ اور دعوت کو احمالِ طاعت و تقویٰ کے تنگ دائرہ میں کیوں محصور رکھا؟

حاصل کلام یہ کہ ان افتراء میں روایات سے ان کی غرض یہ ہے کہ شریعت کے احکام کا شیرازہ بکھیرا جائے اور اس کے بجائے لادینییت اور لادنیہیت کو رواج دیا جائے۔

انسانی مساویانہ دھوکہ دیا ہے کہ شیعہ کہتے ہیں "اہل بیت کے بارے میں یا خاص طور سے امامت و فضائل اہل بیت کے سلسلہ میں جو آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں ان کی صحت پر دونوں فریقوں سنی و شیعہ کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ شہادت فرمائے کہ یہ باتیں سچ ہیں۔ اور ان کو لے لیا جائے، اور مختلف فیہ کو ترک کر دیا جائے تاکہ تردد اور شک سے بچ جائیں۔ اور حدیث "مَنْ مَاتَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ آلِ مُحَمَّدٍ وَآلِ أَبِي طَالِبٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" (مشکوٰۃ مشکوکہ) کو چھوڑ کر یقینی بات اختیار کرو، پر بھی عمل ہو سکے۔

الزمانا ہم کہتے ہیں کہ شیعوں کا مذکور بالا شبہ بیہودہ و نصدی کا چرچہ ہے کیونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت، فضائل و مناقب پر یہودیت، نصرانیت اور اسلام، تینوں مذاہب کا اتفاق ہے، اور نبوت، فضائل و مناقب پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اختلاف، عقلمندوں کو چاہیے کہ متفق علیہ کو لے لیں اور مختلف فیہ کو چھوڑ دیں۔

اور پھر خراج کا نظریہ اور شبہ بھی اسی طرح کا ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ حضرات شیعیان رضی اللہ عنہما کی مخالفت اور ان کے خلاف اور ان کے مناقب پر ان کے زمانہ میں سب متفق تھے ان کے ساتھیوں میں سے نہ کسی نے مخالفت کی، نہ ان کے خلاف بغاوت کی اور نہ ان کی شان میں لعن طعن کی زبان دراز کی۔ اب عرصہ دراز اور مدت مدید کے بعد جب کہ چھوٹ پھیل چکا ہو ان پر کوئی تہمت دھرے اس کا کوئی اعتبار نہیں، اسے نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ ان پر اعتبار نہ کرنے والوں سے وہ زمانہ تو دیکھا ہی نہیں، صرف یہ گھڑی ہوئی جھوٹی باتیں سن کر براعتقاد ہی میں مبتلا ہو گئے۔ اس کے برخلاف حضرات سنیین رضی اللہ عنہما کی مخالفت خود ان کے زمانہ ہی میں مخالفتوں اور جھگڑوں کا شکار ہو گئی اور اور ان کے ساتھی بلکہ ان کے عزیز و اقارب اور اہل خاندان ان کی مخالفت کے منکر ہوئے اور ان کی بندگی پر طعن کرنے لگے۔ اور تقاضائے عقل یہ ہے کہ متفق علیہ کو لے لیا جائے مختلف فیہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔

اس قسم کے سارے شکوک و شبہات کا جو شیعہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جواب صرف ایک ہے وہ یہ کہ متفق علیہ کو لینا اور مختلف فیہ کو چھوڑ دینا عقلاً اس وقت ضروری ہوتا ہے جب ان دو باتوں پر سوائے اتفاق و اختلاف کے کوئی اور دلیل موجود ہی نہ ہو اور اگر کوئی قوی دلیل ایسی مل جائے جو کسی ایک جانب کو ترجیح دیتی ہو، تو پھر اتفاق و اختلاف وال صورت سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ بلکہ اسی قوی دلیل کو قابل اتباع اور لائق حجت مانا جائے گا۔ کیونکہ حق بہر حال حق ہے۔ اگرچہ اس کے حامی و مددگار مخلوق سے ہی ہوں، اور باطل باطل ہی ہے چاہے اس کے، نقل کرنے والے بکثرت کیوں نہ ہوں۔

اور کاش شیعہ حضرات اپنے مقرر کردہ اس قاعدہ و اصول پر جسے رہی مکران کا حال تو اس آیت کا مصداق ہے کہ یَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (یہ جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں) خود ان کے فقرہ کا مقرر اور تسلیم شدہ یہ اصول و قاعدہ ہے کہ جب امر سے دو روایتیں منقول ہوں۔ ایک عام خیال کے خلاف، دوسری موافق۔ تو مخالفت روایت کو لینا چاہیے نہ کہ موافق کو، اس لئے کہ حقیقت کی بناء مخالفت عام

ہی پر تو ہے۔

ان کے اس مقررہ اصول پر غور کر کے ذرا ان کی سوجھ بوجھ، فہم و فراست اور عقل و دانش کا اندازہ لگا لیا جائے۔ آگے چل کر ہم انشاء اللہ باب امامت اور باب مطاعن میں وضاحت کے ساتھ آپ کو بتائیں گے کہ خلفائے ثلاثہ، بلکہ تمام صحابہ کرام، رضوان اللہ علیہم کے فضائل و مناقب پر سنی اور شیعہ روایات، سب کا اتفاق ہے۔ اور ان بزرگوں کی برائیاں صرف بعض شیعی روایات میں آئی ہیں۔ ایسی صورت میں اب عقل کا کیا تقاضا ہے، وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔

چالیسواں دھوکہ ہاشیہ مذہب کو حق ثابت کرنے اور اہل سنت کے مذہب کو باطل کرنے کا یہ انوکھا طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ ”شیعوں کو یقین ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے مگر اہل سنت کو اپنے ہارے میں دونوں باتوں پر یقین نہیں ہے اور اپنے متعلق یقین رکھنے والا اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اپنے متعلق شک رکھنے والے کے مقابلہ میں اس کا اتباع اور پیروی کی جائے۔“

شیعوں کا یہ استدلال بہت اور اسے۔ اس لئے کہ اہل سنت عمومی طور پر تو اس میں ہرگز شک نہیں کرتے کہ وہ ہر شخص جو ایمان صحیح اور عمل صالح پورے وہ یقیناً جنتی ہے اور دوزخ سے اس کی نجات لازمی ہے۔ لیکن چونکہ ماقبت کا معاملہ نامعلوم الحال ہے، اس لئے انفرادی حیثیت سے ہر ہر شخص کے بارے میں یہ دعوے کیا جائے کہ وہ یقیناً جنتی ہے یا دوزخ سے آزاد ہے ایک بے معنی بات ہے۔ بلکہ اس صورت میں تو اللہ کے خوف کو دلوں سے دور کرنا اور مکر اپنی سے اپنے آپ کو مومن سمجھنا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اشارہ ہے **ذَلَا يَأْمَنُ مَكْرَهُ اللَّهِ إِلَّا الْغَاسِقُونَ** اللہ تعالیٰ کے مکر سے دنیا میں بے خوف فاسق ہیں جو تھے ہیں کیونکہ جنتی میں ایسے بے خوف لوگوں کی پوری پوری گرفت ہوگی۔

اور امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب تفسیر میں صراحت یہ موجود ہے کہ جو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ مومن ہی نہیں۔

اور ادویہ صیغہ کاملہ میں جو شیعوں کے نزدیک بطریق تراثر جناب امام سجاد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ہے۔ **ہا بجا اتمام کار سے خوف دلا گیا ہے۔**

اور پھر یہ استدلال یوں بھی غلط ہو جاتا ہے کہ مثلاً میوڈ نصاریٰ غلط قرآن مطہ عمیرہ اور اسمعیلیہ فرقے اپنی اپنی نجات کا یقین رکھتے ہیں۔ ان میں ایک طائفہ، اپنے آپ کو **اَبْدَاءُ اللّٰهِ** (اللہ کے بیٹے) اور **اَحِبَّاءُ اللّٰهِ** (اللہ کے دوست) کہتا ہے تو دوسرا اپنے اندر اللہ تعالیٰ کا حلول مانتا ہے یا اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اتحاد کا قائل ہے تو شیعہ استدلال کے مطابق یہ فرقے اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کا اتباع کیا جائے حالانکہ یہ فرقے سب بالاتفاق باطل ہیں۔

کتالیسواں دھوکہ۔ اہل سنت کو الزام دیتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مذہب میں ایسے لوگوں کا اتباع کرتے ہیں کہ جو معصوم نہیں ہوتے اور جب غیر معصوم کو خود اپنے ہدایت یافتہ ہونے کا یقین نہیں وہ دوسرے کو کیا ہدایت کرے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَفَمَنْ يَهْدِيْ اِلَى الصَّحْيِ اَحَقُّ اَنْ يَّتَّبَعَهُ اَمْ مَنْ لَا يَهْدِيْ اِلَّا اَنْ يُّفْسِدَ فَاُلْکُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ**۔ جو شخص حق کا راستہ بتائے وہ اتباع کا زیادہ مستحق ہے یا وہ جو اس وقت تک راستہ نہ پائے جب

تک کوئی دوسرا اس کو راستہ نہ بتائے۔ پس تمہیں کیا ہو گیا ہے یہ کیسے فیصلے کرتے ہو۔
 اہل سنت کی مثال تو اس اندھے کی سی ہے جس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہ ہو، اور وہ اپنے گھر پہنچتا چاہتا ہے
 مگر راستہ بھٹک جانے کا ڈر ہے۔ اس تردد و حیرانی کے دلت اسے ایک شخص ملتا ہے جو اس کے گھر سے واقف نہیں
 اور یہ اندھا اپنا ہاتھ اس کو تھما دیتا ہے اور بے کھٹکے اس کے پیچھے ہر لیتا ہے۔ اب وہ شخص اس کو گھینچ کر ایسے
 جبک و غار وار جنگل میں جا چھوڑ دیتا ہے۔ جو درندوں اور موذی جانوروں سے بھرا ہوا تھا اور کہہ دیتا ہے تیری منزل
 مقصود یہی ہے۔

اس طعن کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں۔ اور اس قرآن مجید کی
 جو جعل اللہ المتین ہے۔ لیکن احادیث کی روایت کرنے اور قرآن مجید کے معانی سمجھنے میں صحابہ کرام اور اہل بیت کی راہ
 کے محتاج رہتے ہیں۔ جن کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صداقت، صلاح اور نجات و نجات کی گواہی دی ہے۔ اور
 ایسی ہی ان حضرات کرام نے اپنے برگزیدہ شاگردوں اور بزرگ معصوموں کے حق میں شہادت دی ہے۔ چنانچہ اسی طرح
 صدی بعد صدی ایک دوسرے کی تصدیق کرتے چلے آتے ہیں۔ بخلاف شیعہ کے کہ انہوں نے ائمہ اور اپنے درمیان، جو بے
 معقزی۔ اور دنیا طلب لوگوں کو واسطہ بنایا ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ خود ان کی صحیح کتابوں میں یہ بھی مروی ہے کہ ائمہ
 عظام نے ان بد بخت (واسطوں) سے ہزار زبان بیزاری ظاہر کی، ان پر تبری بھیجا اور لعنت برساتی۔ ان میں اکثر مجسمہ
 مشبہ، ابا حنیہ اور علولہ ہوئے ہیں۔

اہل سنت کی مثال تو ایسے شخص کی ہے جو بادشاہ کی ملازمت کا ادا کر کے بادشاہ کے مقرب اور دربار سے ملے، وہ
 کسی امیر کے سپرد کرے اور امیر بادشاہ کے وزیر خاص سے ملائے اور ان واسطوں کے متعلق مشہور یہ ہو کہ ان سب کو بادشاہ
 کا مقرب خاص حاصل ہے اور یہی زبان نہ غلامی ہو کہ بادشاہ کی مہربانیاں اور عنایتیں ان پر بہم ہوتی ہیں (ایسے شخص
 کے متعلق کون کہے گا کہ وہ منزل سے بھٹکا ہوا ہے)

رہے شیعہ تو ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بلا اطلاع، بے سند اور غائبانہ، بادشاہ سے کوئی جاگیر، مائدہ
 حاصل کرنے کا پروانہ حاصل کرنا چاہے اور اس کے مکاروں، دغا بازوں، جلسا زوں اور جعلی مہربانے والوں سے
 خفیہ ساز باز کر لے جو خود ہی بادشاہ کے خوف سے لرزاں ترساں رہتے ہوں اور چھپے چھپے پھرتے ہوں اور جن کے
 متعلق شاہی فرامین یہ ہوں کہ ان کے ہاتھ قلم ہوں، ناک، کان کاٹے جائیں۔ (نامرادی اس کی دلچھا چاہیے۔)
 تِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَعِيْفٍ لِّهَا لَنَا مِنْكُمْ قَوْمٌ يَّتَفَكَّرُونَ (ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں شاید وہ ان پر
 غور کریں۔)

بیابلیسواں دھوکہ: یہ لوگ صحابہ کرام پر افتراء و الزام لگاتے ہیں کہ ان حضرات نے قرآن میں تحریف کر کے
 ان آیات کو اس سے خارج کر دیا جو امیر المؤمنین حضرت علیؑ یا اہل بیت کے فضائل میں نازل ہوئی تھیں یا جن میں
 لوگوں کو اہل بیت کی اتباع و اعانت کی رغبت دلائی گئی تھی۔ اور سب لوگوں پر ان کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا
 تھا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ تمام صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کے خلاف اتفاق کر کے اہل بیت کا
 حق غصب کیا اور ان کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا۔

بدعت ان پر کیا بہتان وافرار مانہتے ہیں۔ (عنتم اللہ علی قلوبہم)
پیمنتا لیسواں دھوکہ دیا۔

اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم پیغمبروں کے متعلق یہ بہتان لگاتے ہیں کہ وہ دن رات صبح و شام میں اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کرتے تھے کہ ان کو شیعان علی میں داخل فرمائے ۷ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ بہتان اولوالعزم پیغمبروں کی شان میں نفص و کزوری کا پتہ دیتا ہے، کہ ان کی پیہم دعائیں بھی اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمائیں۔ اور ان کو یہ تک نہیں بتایا کہ شیعان علی کا زمانہ ابھی آیا کہاں ہے کہ آپ لوگ قبل از وقت اور بے محل اظہار خواہش کی تکلیف میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

اس ذیل میں اہل سنت کی ضعیف روایات بھی سامنے لاتے ہیں جو شیعان علی کی طرح میں وارد ہیں۔ اول تو ان روایات کی صحت ہی امر کاں سے دور ہے۔ پھر اپنے اور پر یا اپنے جیسوں پر لفظ شیعہ کا اطلاق کرنا بھی دعویٰ لادلیل ہے، اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صبیح شیعہ تو اہل سنت ہی ہیں وہی آنجنابؑ کی روش پر چلتے ہیں اور کسی کے لئے باوہب آزار نہیں۔ ہر ایک کو ٹکی اور بھلائی سے یاد کرتے ہیں۔ عقائد و اعمال میں قرآن و حدیث کا اتباع کرتے ہیں۔ اور سیرت میں آپؐ کی پیروی۔

ہم صفات سابق میں تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ شیعان علی کا لقب دراصل ان شیعاں اولیٰ کے ساتھ مخصوص تھا جو اہل سنت کے پیشوا ہیں۔

پھر جب رفتہ رفتہ جھوٹے، بناوٹی دعویٰ اٹھ کھڑے ہوئے تو ان بزرگوں نے اس لقب پر تین حجت بھیجے اور اس کو اپنے لئے ترک کر دیا۔ اور ان کی جگہ اہل نفس و اباحت اور زندیقوں نے اس کو اپنے لئے طرہ امتیاز بنالیا۔ اور جب یہ قیمتی لقب رذیل لوگوں کے ماتھے کا جھومر بنا تو اہل سنت نے اگر اس کو ترک کر دیا تو تعجب کی کیا بات ہے کیونکہ اب یہ عروت و شان کا منظر نہیں رہا تھا بلکہ رقالت و کم ہنسی کی نشانی بن گیا تھا۔

چچو الیسواں دھوکہ دیا یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام انبیاء اور رسولوں پر فضیلت دیتے ہیں البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ و ہمسر کہتے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور تمام ممالک اور عاملین و عرش و کرسی پر بھی ان کی برتری کے قائل ہیں۔ اور اس معاملہ میں انتہائی مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ اس ساری تنگ و دو کارازہ صرف یہ ہے کہ جب کوئی اس قدر عزت و منزلت کا معتقد ہوگا تو لا محالہ یہ بھی مان لے گا۔ کہ خلافت ان ہی کا حق تھا کہ دوسرے کو اس میں مداخلت کا حق نہیں تھا۔ حالانکہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ خلافت کا معاملہ افضلیت مرتبہ پر موقوف نہیں۔ چنانچہ عالم غیب میں حضرت جبرائیل و میکائیل علیہما السلام کے ہوتے ہوئے حضرت طاوت علیہ السلام کو جن کا پیشہ چمڑا رنگنا تھا۔ خلافت کے لئے چنا گیا۔ اور دنیا میں حضرت نثوئیل پیغمبر (علیہ السلام) کی حیات میں منصب خلافت سے انہیں طاوت کو نرازا گیا۔ پھر نرا آدھا بَسْطَةُ فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (علم و جسم میں ان کو کٹ دگی بخشی) کے الفاظ سے ان کی مدح سرائی کی۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ امور مملکت کی انجام دہی اور معاملات حکومت کا حل و عقد اور بسط و کشاد دوسری چیز ہے اور نسبت کی شرافت و نجابت، علم کی گہرائی اور ذہن کی رسائی دوسری شے۔

پیمنتا لیسواں دھوکہ دیا۔ شیعوں میں یہ بات معروف و مشہور ہے بلکہ ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی بھی ہے کہ

خلفائے راشدین، ازواجِ مطہرات خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ معززہ رضی اللہ عنہم کو سب شتم کرنا عبادات میں سب سے افضل و اعلیٰ عبادت ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دینا، "ذکو اللہ اکبر" سے زیادہ بہتر، اب ان کے اہل حق اور بے وقوف لوگ اس عقیدہ سے گمراہ ہو کر بہت سی فرض عبادت کو چھوڑ بیٹھے ہیں، اور اس "افضل عبادت" پر بڑی پابندی سے کار بند رہتے ہیں۔

اور اتنی بات نہیں سمجھتے کہ جو بھی انسان گمراہ ہوتا ہے وہ شیطان کے درغلانے سے، اور شیطان اپنے اہل "مشن" میں اتنا بلند مرتبہ ہے کہ انسان کا تو خیال بھی اس بلندی کو نہیں چھو سکتا۔ اس کے باوجود کسی مذہب میں بھی شیطان پر لعن طعن کو عبادت شمار نہیں کیا گیا۔ نہ قنوت کا سبب و معیار بنایا گیا۔

حضرت اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حسبِ موقعہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

نئی ترکیب شیطان نے نکالی ہے یہ اغوا کی، خدا کی حمد کیجئے ترک میں مجھ کو بڑا کیجئے
پھر جائیگے ان بزرگ ہستیوں کی شان میں جنہوں نے مدتوں خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت اٹھائی
اور آئیناب سے سسرال و قرابت کے گہرے رشتے رکھتے تھے۔ اہل سنت کی ایک عظیم اکثریت، بلکہ ان کے علاوہ دوسرے
فرقے مثلاً کرامیہ، معتزلہ اور نجاریہ ان بزرگوں کی ہمیشہ تعلیم و توفیر کرتے رہے۔

پھر یہ بھی معلوم ہے کہ فرقہ اسلامیہ میں بڑے سے بڑا فرقہ اہل سنت ہی کا رہا ہے ان میں ایک جماعت ایسی بھی گذری ہے جس نے لوگوں کے حالات کو جانچا، پرکھا، درج کے قابل کی درج سرائی کی، قابلِ مذمت کی مذمت کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے نقل میں انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ جن کی ذکاوت و ذہانت اور سلیم عقول و ضرب المثل ہیں۔ چنانچہ عقلیہ، فلسفیات، ریاضیات اور طبیعیات میں انہوں نے ایسی ایسی بنیادیں اور گہرے نکات نکالے کہ اگر ان علوم کو مرتب کرنے والے ان مورثا کیوں کو دیکھ پائیں تو یقیناً ان کے سرا حسانندی سے ان کے سامنے خم ہو جائیں بلکہ بعض علوم مثلاً علمِ اصول یا فنونِ ادبیہ کے تو یہ حضرات خود موجد بھی ہوئے۔ تو ایسے عقلی و فہیم صاحبانِ علم و دانش کی اکثریت جن کی درج و تعریف، عزت و توقیر اور تعلیم پر متفق ہو تو لا محالہ ان کے سامنے متفقہ فیصلہ پیدا ہو گا۔
تھج اور لعن طعن کرنے والا کب معتبر قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی آدمی کا کردار مشتبہ ہو گا کہ ان ہستیوں کا اور دوری بات پر یقین کسی عقلمند کا کام نہیں ہو سکتا اور پھر ایسے پیشواؤں پر ان کا معذور ہونا اور ان سے دھوکہ کھانا جن کا حال آگے کھلے گا، دانشمندی سے بعید اور متانہ ہے۔

چھبیسواں دھوکہ۔ انہوں نے اپنی احادیث کی کتابوں میں اس معنون کی گھڑی ہوئی چند روایات درج کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اکثر و بیشتر یہ وحی بھیجتے رہے، یہی کہ آپ ہم سے یہ دعا کریں کہ ہم آپ کو حب علی بن ابی طالب نصیب کریں، ان کے متاخرین نے ان روایات پر بڑا زور دیا اور بہت مشہور کیا۔ لیکن یہ نادان یہ نہیں سوچتے کہ ان کی افتراء پر دوازی سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کئی جہت سے مجروح ہوتی اور اس میں نقص لازم آتا ہے۔

اول۔ یہ کہ "حب علی" جو ایمان کا جزا اور دین کا ایک رکن ہے۔ آپ کو حاصل نہیں۔

دوم۔ ایسے ضروری امر میں آپ کس قدر غافل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار تاکید فرمائی جا رہی ہے۔

سوم :- اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں محبت علی میں سوال و دعا کی احتیاج کیوں رکھی بلا طلب دعا کیوں عطا نہیں فرمادی۔ حالانکہ تمام انبیاء کو ضروریات ایمانی ابتدائے خلقت سے مرحمت فرمائیں۔

ان شیعوں کی روایات گھڑنے اور تراشنے میں ایسی مثال ہے جیسے کسی عقلمند نے کسی بیوقوف کے بارے میں کہا تھا۔ **يَنْفِي قَصْرًا وَهَذَا مِصْرًا**۔ (ایک گھر تو بنا لیا مگر ساتھ ہی ایک شہر اجاڑ دیا)

سینتالیسواں دھوکہ یہاں ان میں کوئی عالم، مذہبِ اربعہ میں سے دکھاوے کے لئے کوئی مذہب قبول کوکے اس کا اپنے اوپر اتنا گہرا رنگ چڑھا لیتا ہے کہ لوگ ظاہری اور باطنی امتحان اور تجربے کے بعد اپنے مذہب کا مقتدا سمجھ لیتے ہیں۔ اور پھر اس مذہب کے مدارج میں تدبیریں بھی ان کے سپرد ہو جاتی ہیں اور منصبِ افتاد میں ہی ممتاز نظر آنے لگتے ہیں اور جب وہ لرشتہ اہل کو قریب آتے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے نزدیک مذہبِ شیعہ ہی حق ہے۔ اور وصیت کرتا ہے۔ کہ میری تجہیز و تکفین کی رسوم کسی شیعہ سے ادا کرائی جائیں۔ اور عجیب شیعوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ اور اس جیلہ کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ شاگردوں، معتقدوں اور دوست و احباب کے دلوں میں تردد اور شک و شبہ پیدا کر دیا جائے تاکہ وہ یہ سوچیں کہ اتنا عالم فاضل اور پرہیزگار شیعہ مذہب کو حق اور سچ نہ جانتا ہو تو اس کی طرف کیوں جھکتا اور اہل سنت کے مذہب سے کیوں دست بردار ہوتا۔

چنانچہ ابنِ مطہر علی نے اپنی کتاب **نہج** اکرام میں لکھا ہے، (ترجمہ) ہمارے زمانہ کے اکثر شافعی مدرسین مرتے وقت یہ وصیت کر گئے کہ ان کی تجہیز و تکفین کوئی شیعہ کرے۔ اور ان کو مشہدِ امام کاظم میں دفن کیا جائے۔ **اڑتالیسواں دھوکہ** یہاں ان کے کسی عالم معروف و مشہور نے ایک کتاب لکھی اور اس میں یہ افتراء بھی لکھ مارا کہ اہل سنت کے اکثر علماء و مشائخ درپردہ امامیہ مذہب پر کھتے تھے مگر ظاہر داری پرستے اور تقیہ کرتے تھے۔ چنانچہ **ذنیات الاعیان** جو ایک عراقی شیعہ عالم کی لکھی ہوئی کتاب ہے اسی نوع کی ہے اس میں حضرت بایزید بسطامی، حضرت معروف کرہی، جناب شفیق بلی، جناب سہل بن عبد اللہ تسری اور ان کے ملاوہ اہل سنت کے مشہور مشائخ رحمہم اللہ کو امامیہ میں شمار کیا ہے۔ اور ان کے کچھ اقوال و کلمات کو افتراء اور بہتان کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جن سے ان کے امامیہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان بزرگوں کے مناقب و محاسن اور کرامتیں غیب شرح و بسط کے ساتھ بیان کی ہیں۔

اسی طرح کی ایک اور کتاب **مجالس المؤمنین** ہے۔ جس کا مؤلف قاضی نور اللہ شوستری شیعی ہے۔ اس نے بھی اسی قسم کے افتراء آمیز معنائیں کثرت سے اس میں درج کئے ہیں۔

ملائے ہرات میں سے اسی قاضی کے ہم مذہب ایک عالم نے اس سے کہا کہ تم نے اس کتاب میں روایات و حکایات وغیرہ جو کچھ بیان کی ہیں وہ اہل سنت ہی کے ملاوہ نہیں لکن شیعہ حضرات نے بھی ان کو جھوٹ اور باطل ٹھہرایا ہے اور یہ بے اصل اور خلاف واقعہ باتیں ہیں۔

اور کتب تاریخ و اخبار میں بھی ان کا سراغ نہیں ملتا اس کے جواب میں شوستری کہنے لگا کہ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ جھوٹ ہے۔ مگر میرا مقصد تو یہ ہے کہ جو کوئی بھی یہ کتاب پڑھے گا وہ ان حکایات و واقعات کو وہ سب سے بھی نقل کرے گا۔ اس طرح یہ روایات و حکایات اپنے انوکھے پن اور دلچسپ ہونے کی وجہ سے شہرت

پائیں گی اور بالآخر کسی نہ کسی مرحلہ پر قابلِ اقتدار کتابوں میں اپنی جگہ بنالیں گی اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ شیعہوں کی تعداد بڑھ جائے گی، دوسرا یہ کہ اہل سنت شک و شبہ میں پڑ جائیں گے۔ اب اگر اہل سنت کے متفق علماء ان کو نہیں مانتے، نہ مابین عوام تو اختلافِ روایت پر ان کو عمول کر کے ان کو تسلیم کریں گے۔ چنانچہ عراق و خراسان کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عباسی المؤمنین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی شوشتری کی من گھڑت اور بے اصل اور سراپا جھوٹ ہے۔

انچاسواں دھوکہ ہے ان کے بعض راوی اپنے آئمہ پر بہتان باندھتے ہیں۔ چنانچہ اپنے امام سے یوں روایت منسوب کرتے ہیں کہ

”میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، تو آپ ایک شیعہ شاعر کی بڑی سانش فرما رہے تھے اور اس کے لئے دلائلِ غیر فرما رہے تھے، کیونکہ اس نے ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جس میں محبتِ اہل بیت کا غنائے ثلاثہ و دیگر صحابہ کرام پر تبری کا مضمون باندھا ہے اور وہ حضور بار بار پڑھ اور اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔“

چنانچہ سہل بن دینار نے اسی قسم کا ایک واقعہ لکھا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں ایک روز اور شیعہوں کے آنے سے پہلے امام رضا کی خدمت میں باریاب ہوا امام اس وقت تنہا اور تنہی میں تھے میری آمد پر امام نے مجھے خوش آمدید کہی اور فرمایا ابنِ دینار تم خوب آئے میں تم کو کسی کے ذریعہ ابھی بلوانے والا تھا۔

امام اس وقت اگشتِ برزیں، کسی سوچ میں غرق تھے۔ میں نے عرض کیا جناب مجھے کسی غرض سے یاد فرما رہے تھے، فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے مضطرب و بے چین کر رکھا ہے! اور میری نیند اڑا دی ہے۔ میں نے عرض کیا خیر تو ہے، بات کیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے سوزنیوں کی ایک سیڑھی دیکھی جس پر میں چڑھ گیا ہوں میں نے عرض کیا مبارک ہو کہ آپ سو سال تک زندہ رہیں گے۔ فرمایا پھر میں نے دیکھا کہ سبز رنگ کا ایک برج ہے جو اتنا صاف و شفاف ہے کہ اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے صاف نظر آتا ہے اور اس برج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونقِ افروز ہیں۔ آپ کے دائیں بائیں دو غرضِ جمال جو ان رعنا بیٹھے ہیں۔ ان میں ایک نے ایک بوٹے کے دار کا ٹکڑا لٹکایا ہوا ہے۔ بوڑھا اتنا ضعیف و عمر رسیدہ ہے کہ اس کی بھٹیوں آنکھوں پر پڑی ہوئی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ارشاد فرما رہے ہیں اپنے دادا حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کو سلام کرو۔ چنانچہ میں نے ان کو سلام کیا۔ پھر فرمایا اور اس شاعر کو بھی سلام کرو یہ ہمارا شاعر اور دین و دنیا میں ہمارا معاصب اور دوست ہے۔ یعنی اسمعیل بن محمد حمیری میں نے ان کو بھی سلام کیا۔ اس گفتگو کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعر سے کہا ہاں لا، وہی قصیدہ جس میں ہم مشغول تھے۔ بوڑھے شاعر نے ایک طویل قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ جب اس شعر پر پہنچا

فَاكُوْا لَآءَ لَوْ شِئْتُمْ اَخْلَسْتُمْ اِلٰی مِنَ الْغَايَةِ وَ اَلْمَقْذُوْعِ

(انہوں نے اس سے کہا کہ تو اگر چاہتا تو ہم کو بجا دیتا کہ مالِ کار اور جائے پناہ کیا ہے)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسمعیل ذرا ٹھہر! پھر آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور فرمایا

اسے میرے خدا اے میرے سردار! تو گواہ ہے کہ میں نے ان کو باخبر کر دیا تھا۔ کہ خوف کے وقت کس کے پاس جائیں۔ اور کس کی پناہ لیں، اور آپ اس وقت ہاتھ کا اشارہ امیر المؤمنین (رضی اللہ عنہ) کی طرف فرماتے ہمارے ہتھے۔ پھر میری طرف رخ کر کے فرمایا کہ اے علی، اس قصیدہ کو تو خود بھی یاد کر لے اور ہمارے شیعوں سے کہہ دے کہ وہ بھی یاد کر لیں۔ ان قصیدہ کو جو بھی یاد کر لے گا اس کے بہشتی ہونے کا میں ضمانت ہوں۔

امام رضا کہتے ہیں کہ میرے دادا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ قصیدہ بار بار دہرا کر مجھے یاد کرتے رہے تا آنکہ مجھے وہ یاد ہو گیا۔

وہ قصیدہ جس کے چار شعر ایسے ہیں کہ ان میں صحابہ کرام کی شان ارفع میں نہایت گندی اور سب و شتم سے لبریز زبان استعمال کی گئی ہے کوئی بھی مسلمان اس کو زبان پر لانا تو درکنار نوک قلم پر لانا بھی گوارا نہ کرے۔

مگر ہم (نقل کفر کفر نباشد کے مصداق) اس کو اس لئے نقل کر رہے ہیں کہ شیعوں کی طرف سے نرم گوشہ رکھنے والے اور غیر جانبدار مذہب والے افراد کہیں اسے معنی بہت سمجھ کر ان کے دشمنوں کو نظر انداز کر کے کسی بے وقعت ذمہ داری اور دھاندلی سے فرما دیں کہ ان لوگوں کے دلوں میں صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف کتنا کینہ اور بغض و عناد بھرا ہوا ہے۔ جو بات اہل عقل و مروت، کے نزدیک فرعون و ہامان کے لئے بھی کہنا جائز نہیں۔ ان اساطیر اسلام کو ان کا بدھ بتانا کب جائز اور کہاں کی شائستگی اور شرافت ہے۔ اور پھر اس نازیبا حرکت اور معاندانہ طرز عمل کو بہشت کی ضمانت قرار دیتے ہیں۔ تو ہے اس جسارت و غمراہی کا کوئی جواب؟

وہ قصیدہ یہ ہے

لَا مَعْرُوفٍ بِاللَّوِي مُرْتَبِعٌ كَلَامُهُ أَعْلَامُهُ يُلْقَعُ
ام عمرو کارمیتان میں مسکن تھا جواب بے نشان و دیران پڑا ہے۔

كُنَّا وَهْنًا لِّلْعَيْنِ فِي رَسْمِهَا وَالْعَيْنُ مِنْ عَرَفَاتِهِ تَدْمَعُ
دوران سفر جب میں نے وہاں پڑاؤ کیا تو اس کی یا مجھے رولانے لگی۔

وَكُنْتُ مِنْ كُنْتِ أَلْمُؤِيبِ قَبْتُ وَالْقَلْبُ قَبِي مُؤِيبِ
مجھے یاد آیا کہ میں اس کے ساتھ یہاں کھیل کر رہا تھا، تو اس یاد نے رات بھر مجھے ہین نہ لینے دیا۔

كَأَنَّ النَّارَ لِسَا شَقِيقِ مِنْ حُبِّ أَدْوَى كِدَى تَلْدَغُ
گویا اس کی طرف سے مجھے جو محبت مل اس کی آگ میرے دل کو جلا رہی ہے۔

يَهْتُ مِنْ قَوْمِ أَوْدٍ أَخْمَدَا بِخَطَايَئِنَّ كَمَا مَوْصَفَا
مجھے اس قوم کے حال پر تعجب ہے جو احمد کے پاس ایسی فصاحت کے ساتھ آتی جس کی وہاں گنجائش نہیں۔

فَأَوْدَا شَيْئًا أَفْلَسْنَا إِلَى بَيْنِ النَّاسِ وَالْمَقْدَرُ
انہوں نے اس سے کہا کہ اگر تم چاہتے تو ہمیں باخبر کر سکتے تھے کہ قال کار اور جائے پناہ کہاں ہیں۔

إِذَا تَوَقَّيْتُ وَنَاءَ قَتْنَا وَفِيهِمْ فِي الْمَلَأِ مِنْ يَطْمَعُ
جب آپ وفات پا جائیں اور ہم سے جلا ہو جائیں اور لوگوں میں کوئی ایسا جو بر سلطنت کا لہجہ رکھتا ہو، تو

ہم کیا کریں

قَالَ لَوْ اَهْلَسْتُكَ مُفْزَعًا كُنْتُمْ عَسِيْمٌ قَبِيْرًا لَنْ تُصْنَعُوْا

فرمایا اگر میں تم سے فزع کا مرجع بیان کر دوں تو قریب ہے کہ تم اس کے حق میں وہ کام کر دو گے۔

مَنْعَهُ اَهْلُ الْبَيْتِ اِذَا قَامَ قَوْمًا هَامُوْنَ فَالْتَرَفَ لَهُ اَوْ دَوْرًا

جو گو سالہ پرستوں نے ہارون سے جدا ہوتے وقت کیا تھا۔ اس نے اس ذکر کو جانے دو۔

وَفِي الَّذِي قَالَ بَيَانٌ لِّعَنْ كَانْ ذَا يَفْعَلُ اَوْ يَنْسَمُ

اس کام میں گوش گوش رکھنے والوں کے لئے بیان ہے۔

ثُمَّ اَتَتْهُ بَعْدَ كَاهِرَ مَتَّ مِنْ رَبِّهٖ لَيْسَ لَهَا مَتَّ

اس کے بعد پیغمبر کے پاس ان کے رب کی طرف سے تاکید آئی کہ اس میں رعایت کی کوئی گنجائش نہیں

اَبْلَغُ وَاَلَا لَسَدُ نَكْتٍ مُّبْدَا وَاللّٰهُ مِنْهُمْ حَارِسٌ يِّنْعُ

جو تم سے کہا گیا وہی پہنچاؤ ورنہ تم پہنچانے والے نہیں ہو گے، خدا تعالیٰ ان سے تم کو بچا کر لے گا۔

فَوَعَدَ مَا قَامَ لَيْسَ الَّذِي كَانْ بِمَا يَأْمُرُكَ يَفْعَلُ

پس اس وقت پیغمبر اللہ کے حکم کو صاف صاف بیان کرنے کے لئے اٹھے۔

يَغْلِبُ مَا مَوْءَا فِي كَيْفِهِ كَفَّ عَلَيَّ طَاهِرٌ يَكْتُمُ

اور خدا کے حکم سے غلبہ دینا شروع کیا۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں ملی کا چکنا ہوا ظاہری ہاتھ تھا۔

مَا اَفْعَلُ الْكُوْمُ يَكْفُ الَّذِي يَنْعُ يَنْعُ اَمَكْتُ الَّذِي يَنْعُ

اس ہاتھ کو اٹھایا۔ اور کیا کہنا اس ہاتھ کی برکت کا جو اٹھاتا ہے اور اٹھاتا ہے۔

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاكُمْ فَهَذَا اَلَا مَوْلَاكُمْ يَرْمُوْكُمْ يَفْعَلُوْا

اور کہا میں کامیں دوست ہوں یہ اس کا مولیٰ ہے۔ پس وہ اس پر راضی نہیں ہوئے اس پر قناعت کی۔

وَمَنْ قَوْمٌ مِّنْهُمْ فَعَلُوْا كَمَا تَمَّا اَلَا فَعَلُوْا نَجْدًا

اور وہ ایسے لوگ ہو گئے جنکو پیغمبر کا یہ فعل کہینہ میں مبتلا کر گیا اس حال میں گویا ان کی ٹانگیں کاٹی جا رہی ہیں۔

حَتَّى اِذَا دَاوُدُ فَاِذَا نَعِيْمٌ وَنَعِيْمٌ فَاِذَا نَعِيْمٌ

حتیٰ کہ جب پیغمبر علیہ السلام کو قبر میں رکھ کر دفن سے نازع ہوئے تو انہوں نے بھلا دیا۔

مَا كَالِ فِي اَذْمُرٍ وَاَوْحِيْ بِمَ وَاشْتَرُوْا النَّفْسَ بِمَا يَنْفَعُ

وہ قول جو لگایا گیا ہے اور جس کی وصیت کی گئی تھی۔ اس طرح انہوں نے نفع کے بجائے نقصان خریدا۔

وَنَفْعُوْا اَمَّا مَا مَعَهُ بَعْدَ فَتَوَفَّ يَجْزُوْنَ بِمَا قَطَعُوْا

اس طرح اپنا رشتہ قرابت کاٹ ڈالا، اور منقریب اس قطع کا بدلہ پالیں گے۔

وَاَمَّا مَوْءَا اَمَّا مَوْءَا تَبَا لِمَا كَانُوْا اِيْهِ اَزْمَعُوْا

اور انہوں نے اپنے مولیٰ کے بارے میں قریب کیا جو انہوں نے ٹھکانا ہے خدا اس میں انہیں ہلاک کرے۔

لَوْ كُنَّ حُلِيِّهِ يَبْرُدُ وَاحِدًا وَاحِدًا هَذَا اَدْلَاهُ لَوْ كُنَّ حُلِيِّهِ يَبْرُدُ
ایسے لوگ کل نہ پیغمبر کے پاس حوض پر آ سکیں گے اور نہ پیغمبر ان کی شفاعت کریں گے۔
وَحَوْضٌ لِّمَا بَيْنَ مَنَا إِلَى طُولِ حَوْضٍ لِّمَا بَيْنَ مَنَا إِلَى طُولِ حَوْضٍ لِّمَا بَيْنَ مَنَا إِلَى طُولِ حَوْضٍ
پیغمبر کے اس حوض کا طول در عرض منار سے ایسے تک ہے بلکہ اس سے بھی وسیع تر۔

يُنْقَبُ فِيهِ عِلْمٌ لِّهَدْيٍ وَالْحَوْضُ مِنْ مَّا بِلَا مَلَكٍ مَلَكٌ
وہاں نشان ہدایت قائم ہو گا۔ اور وہ حوض اپنے پانی سے بہا لب پر ہو گا۔
حَصَا لَا يَأْوُرُ وَمَوْجَانَةٌ وَكُلُّهُ لَمْ يَحْتَجْ أَصْبَحُ
اس کے سنگریسے یا قوت و سر جان اور درنا سفتہ ہوں گے۔

وَالْعِطْرُ وَالرَّيْحَانُ الْوَلَعُ ذَلِكَ وَكَذَلِكَ هَبَّتْ بِهِ زَهْرُهُ
اس کی خوشبو عطر و ریحان کی قسم کی ہوگی، اور تیز ہوا اس پر چلتی ہوگی کہ خوشبو ہر طرف پھیلے۔
بِأَيِّ تَنْتِ الْجَنَّةِ مَا مَوْجَانَةٌ وَأَجْبَتِ لَيْتَ لَهَا مَوْجَانَةٌ
جنت کی ایک ہوا اس (حومن) پر ماسور ہے۔ جو ہر وقت اس کی راہیں نہیں ہوگی۔

إِنَّا ذَلَّلْنَا لَهُ لَكُنْ يَشْرَبُونَ قَبْلَ بَنِي إِسْرَافِيلَ مَا نَزَحُوا
جب یہ لوگ پانی پینے حومن کے قریب آئیں گے تو ان سے کہا جائے گا۔ تمہارا اناس ہو یہاں سے بٹو۔
وَلَكُمْ مَا لَمْ تَسْمَعُوا مَنَافَا يُرِيدُكُمْ أَوْ مَلَكًا يُشَبِّعُكُمْ
یہ پانی تمہارے لئے نہیں ہے، اپنی سیراب کے لئے کرنی اور حومن ڈھونڈ لو، اور اپنا پیٹ بھرنے
کے لئے کرنی اور طعام خانہ تلاش کرو۔

هَذَا لَيْتَ تَرَى ابْنِي أَحْمَدَ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ يَشَبِّعُ
یہ چشمہ تو ان کے لئے ہے جو آل احمد سے محبت رکھتا اور ان کے غیر کا تابع نہیں ہے۔
فَأَنْفَعُ لِلشَّارِبِ مِنْ حَوْضٍ وَالْوَيْلُ وَالْوَيْلُ لِمَنْ يَتَّبِعُهُ
ہیں اس حومن سے پینے والے کے لئے کامیابی ہے اور ان کے لئے ہلاکی ہے جن کو اس سے روک
دیا گیا۔

وَأَنَّ مَسِيرَ الشَّوْرِ لِيَا قَوْمِ خَسِئَ فِيمَا هَالَكُ انْبَاءُ
قیامت کے دن لوگوں کے لئے پانچ علم ہوں گے ان میں سے چار کے لئے ہلاکی ہے۔
فَرَايَةُ الْجَنَّةِ وَفِرَقَةُ فَرَقَا سَاوِيَةُ الدُّمَيْتِ الشَّيْخِ
ایک مہم گرو سالہ سامری کا ہے۔ اور اس بدکردار گروہ کا سامری فرعون ہے۔
وَمَا يَكُنْ يَفْقَهُهَا جَبَّتْ لَوْ بَنَدَ لَكَ وَاللَّهُ مَقْضَى
اور ایک نشان کا پیشوا جبر و باطل بھی ہے خدا کرے اس کی قبر ٹھنڈی نہ ہو۔
وَمَا يَكُنْ يَفْقَهُهَا تَفَشَّى كُلُّ بَنٍ كُلِّبَ نَفْلًا مَقْضَى

اور ایک نشان کا پیشرو تفضل (موتنا کا نر) ہے۔ کلب ابن کلب اس کا انجام ہر لاک ہے۔

وَمَا يَكُنْ يَفْقَهُ مَا أَتَىٰ بِكُمْ مِّنْ نَّهْيٍ لَّكُمْ لَكُمْ

اور ایک نشان کا پیشوا گوزا بندہ ہے وہ نیک سے نیک ہے

وَمَا يَكُنْ يَفْقَهُ مَا أَتَىٰ بِكُمْ مِّنْ نَّهْيٍ لَّكُمْ لَكُمْ

اور ایک نشان ہے جسکے پیشوا حیدر ہیں گویا چار دھویں رات کا چمکنا ہوا چاند۔

إِمَامٌ مِّنْ قَوْمِكَ شَيْخُهُ سَادَةٌ وَأَعْيُنُ الْوَحْيِ وَلَمْ يَمْنَعُوا

وہ حیدر امام راستی اور ان کے تابعین ہی حوض سے سیراب ہوں گے کوئی انکو منع کرنے والا نہیں۔

يَا شَيْخَةَ الْوَحْيِ قَدْ تَنَا بِذَلِكَ الْوَحْيِ قَدْ تَنَا

ہمیں ہمارے پروردگار نے یہی حکم بھیجا ہے اے ”حق“ تم مت گھبراؤ۔

اب واضح رہنا چاہیے کہ اس فقہ کی رو سے دو بزرگوں اور لائق مدارام مہبتیوں پر الزام آتا ہے۔

اول تو جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسرے جناب امام علی رضی اللہ عنہ پر اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے خواب یکے اور دوسرے پر حقیقت ہوتے ہیں۔ اسی طرح امام معصوم کے خواب بھی نصانی اور شیطانی

نہیں ہوتے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان خوابوں میں منکرات و کفریات دین داخل ہو جائیں۔

پس لا محالہ ماننا پڑے گا کہ یہ اشعار ایسے ناکارہ اور کھوٹے سکے ہیں جو ابن دینار جیسے عبدالرحم

والد ثانی کی بغلی سے نکلے اور اس کی اختراع محض مدنی مدح جھوٹے ہیں۔

نہم صمیم اور عقل سلیم رکھنے والے کیسے یوں تو قصیدہ کا ہر مصرع افتراء و بہتان کی پوٹ سے محروم

بارہ اماموں کی گفتی کے مطابق تبرکاً۔ بارہ وجوہ بیان کرتے ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ یہ قصہ سراسر خلاف عقل

مخالف قرآن و حدیث خلاف دین اور خلاف واقعہ ہے۔

(۱) یہاں بسم اللہ ہی غلط ہو گئی کہ اس شیعہ نے سوزیموں والی سیڑھی کی تعبیر یہ دی تھی کہ امام رضا کی

عمر سو سال ہوگی۔ سو یہ تعبیر غلط نکلی اور دونوں فرقوں کے مورخین کے مطابق ان کی عمر سو سال تک نہیں پہنچی

گو تعبیر کی غلطی خواب کے غلط ہونے کی دلیل نہیں ہے مگر اس کو کیا کہا جائے کہ یہی راوی کہتا ہے کہ جب

میں نے امام کے سامنے یہ تعبیر بیان کی تو امام نے اس پر سکوت فرمایا اور کسی غلطی پر ایسے موقع پر معصوم

کا سکوت جہاں تفسیر کی گنجائش نہ ہو جائز نہیں اس کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قصہ جھوٹا اور گھڑا ہوا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس خواب میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے معصوم واجب الاملاعات امام کو حکم

دیا کہ وہ ایسے شاعر کو سلام کرے جس کے متعلق تاریخ کا فیصلہ ہے کہ وہ فاسق و ناجور اور شرابی تھا۔ تو یہ امام

معصوم کی محضیر ہوئی۔ اور جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اختلاف شرع امر کے ارتکاب کی نسبت

ہوئی۔ اور تلب موضوع معاملہ الٹ دینا کہ بد نیک کو سلام کرے نہ کہ نیک بد کو سلام کرے الزام آیا۔

(۳) راوی نے اس قصہ میں یہ بھی بیان کیا کہ خواب دیکھنے سے امام کو قلق اور بے چینی ہوئی اس سے پتہ چلا کہ

غلطی غلطی پر تبری کا جو از امام کو پہلے معلوم نہ تھا بلکہ وہ تو اس کے خلاف اس حرکت بد کو حرام اور کبیرہ

گناہ سمجھتے رہے۔ اب خواب میں اس کے جواز کا انکشاف ہوا تو اس پر قلق، اضطراب، تشویش اور بے چینی کا پیدا ہونا لازم تھا۔ ابھر پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ واجب کا وجوب حرمت کی حرمت اور جائز چیزوں کا جواز امام کو معلوم ہونا امامت کے خواص میں سے ہے۔ اگر ان باتوں کا علم نہ ہوگا تو درجہ امامت سے گر جائے گا۔ اب اگر اس قصے کو سچ مانتے ہیں تو امام علی رضا کی امامت باقر سے جاتی ہے۔ بلکہ کلینی نے تو کتاب کافی میں اس امر کے اثبات کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ کہ امام کو چاہیے کہ گزشتہ و آئندہ معاملات کا ان کو علم حاصل ہو تو یہاں یہ کیسے ہوا کہ امام اس شاعر کے حال۔ نے اور اس کے اس قدر مقبول قصیدہ سے بے خبر تھے کہ جس کے ایک مرتبہ پڑھنے سے جنت کے داخلے کی ضمانت مل جائے اور خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے، اور امام کو ایسے اہم معاملہ کا پتہ تک نہ ہو۔

امام کی پشت تو ہوتی ہی اس لئے ہے کہ وہ خدا سے دور کرنے والی باتوں یا اس سے قرب کرنے والے امور کو وضاحت سے بیان کرے یہی نہیں یہ عیب تو گزشتہ ائمہ پر بھی لگتا ہے کہ وہ ایسے اہم امر سے غافل رہ کر دنیا سے چلے گئے اگر کوئی یہ کہے کہ ان ائمہ کو علم تھا تو یہ سوال ہوتا ہے کہ ان حضرات نے امام علی رضا کو اس کی تبلیغ کیوں نہ کی ان کو بے خبر کیوں رکھا۔

(۴) اس قصیدہ میں یہ سفید جھوٹ بھی ہے کہ صحابہ کرام اکٹھے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تعین امام کیلئے گئے اور آپ سے درخواست کی اس لئے کہ یہ بات کسی بھی مؤرخ نے خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ نہ تو یہی نہ اپنی کسی کتاب میں لکھی۔

بلکہ اس قسم کا جھوٹ جوڑنا، پھر اس کی تکرار پر پشت کی عزت دنیا، اسلوب نبوت در سالت کے برابر شرف ہے۔ بلکہ باعث تو بہن بھی۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام جھوٹ سے بالکل پاک ہوتے ہیں ان کے کلام میں کذب کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

(۵) قصیدہ کے جھوٹے ہونے کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ قصہ میں ایک صریح جھوٹ آغوش صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا کر لیا گیا کہ آپ نے شاعر کو روکے بارے میں فرمایا کہ وہ دین دنیا میں ہمارا معاصی و فتن ہے حالانکہ اس حیرت شاعر نے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پائی۔ نہ ہی اس کو رفاقت حاصل رہی اور یہ بات کون نہیں جانتا تو نبی کی نسبت ایسا جھوٹ تراشنا ان کے پاک دامن پر دھبہ لگانا ہے۔

(۶) اس قصیدہ میں ایک اور کھلا کفر بھی ہے کہ جہالت، بیوقوفی اور نا عاقبت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف لگتی ہے، اور پیغمبر کی عقل کو علم الہی سے کامل تر مستقیم تر قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ تعین امام کے سلسلے میں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نقمات اور خطرات کا اندیشہ تھا وہ سب واقع ہوئے، اس کا شیرازہ بکھر گیا کتاب کی تحریف ہوئی اور مسافروں کی ایک جماعت جس کی حیثیت قدرت سے دین کی اشاعت و شوکت کی امید کی جاسکتی تھی وہ مرتد ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے محض حکمرانی کی غرض سے صبر و اکرام سے کام لے کر پیغمبر علیہ السلام سے تعین امام کرائی اس کے بعد جو سانحات پیش آئے اس کا انہود بائس یا تو اللہ تعالیٰ کو علم ہی نہ تھا اگر تھا تو ان کو دین کرنے کا قصد نہ فرمایا اور نبی کے لئے کو بلکہ خود اپنی سابقہ تائیدات و توفیقات کو یک قلم و یک حرف حذف و غلط

کی طرح مٹا ڈالا اور پھر وہ حالت ہوئی کہ جاہلیتِ اولیٰ بھی اس کے سامنے ماند پڑ گئی۔

(۷) ساتویں وجہ یہ کہ ترکِ اصل، و ترکِ لطف کی رعایت جو بلحاظِ اصول مذہبِ شیعہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ناگزیر ہے، اور جن کی قباحیت شیعوں کے نزدیک معلوم و مسلم ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کو تاہی لازم آتی ہے اور یہی وہ بات ہے جس کا شیعہ بار بار اہل سنت کو الزام دیتے ہیں۔ (تو آپ اپنے دام میں میاں آگیا)۔

(۸) جھوٹ کی آٹھویں وجہ یہ ہے کہ صاحبِ عقیدہ نے لوگوں کو پانچ نشانوں (علموں) میں محصور کیا ہے مالاکھ یہود، نصاریٰ، مجوس، ہنود، صائبیں، اہلِ خطا، اہلِ حبش، اور یاجوج و ماجوج، بظاہر ان میں سے کسی بھی نشان میں نہیں ہیں۔ پھر اس کھلے جھوٹ کو پیغمبرِ علیہ السلام اپنی زبانِ مبارک سے کس طرح دھرائیں اور اس پر لطف اندوز ہوں!۔

(۹) غلطائے ثلاثہ اور ایسے ہی ان کے پیرو، عقیدے اور عمل میں باہم کسی بھی حیثیت سے مختلف نہ تھے تو پھر ان کے نشاناتِ حجابِ اقرار دینا سراسر خلافِ عقل ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ یہی اشخاص بعینہ دوسرے نشان میں بھی تھے تو ایک ہی ذات کا ایک ہی وقت میں دو جگہ ہونا لازم آتا ہے۔ اور اگر ان میں سے بعض کو ایک نشان میں اور بعض کو دوسرے نشان میں مانیں تو یہ ترجیحِ بلا مرجع ہے (یعنی ایک چیز کو بلا معقول وجہ کے دوسرے پر پہنچا دینا) اور یہ دونوں صورتیں عقل کے نزدیک بالبداہت باطل و لغو ہیں ہاں شاعر کا کلام اس حد تک تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اناس (لوگ) سے مراد محض شیعہ ہوں۔ کیونکہ دوسروں کو بددینائی کی وجہ سے ناس سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر یہ پانچ نشان یوں ہوں۔ کہ شیعہ اولیٰ نشانِ حیدری کے تحت کیسائیہ نشانِ دوم میں، امامیہ نشانِ سوم میں زیدیہ نشانِ چہارم میں اور غلامہ نشانِ پنجم میں، تو ایسی صورت نشانات کا تعدد کچھ معقول ہو سکتا ہے، اس لئے کہ متبعین اور متبعین آپس میں مختلف ہیں۔

(۱۰) قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا۔ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ۔ (وہ نے ان کو نہ شعر سکھایا اور نہ وہ فن ان کے شایانِ شان تھا۔ اور اہل سیرت شیعہ و سنی اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ جنابِ پیغمبر علیہ السلام ایک شعر بھی وزن و قافیہ کی درستگی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے تھے، پھر اتنے طویل قیود کو نہ صرف خود یاد کرنا بلکہ امامِ رضا کو بار بار پڑھ کر یاد کرانا اس کا تو کوئی امکان ہی نہیں۔

(۱۱) تاریخ کے آئینہ میں بھی اس شاعر کا چہرہ دیکھ لیا جائے، کہ یہ کس درجہ خبیث، فاسق اور شراب خور تھا۔ پھر ایسے لعین کی عالمِ قدس میں آغاب تک رسائی یقیناً چہ ؟۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے شعراء کے بارے میں فرمایا ہے۔ وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي مَكٍّ وَادٍّ يَتَّبِعُونَ۔ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ مَالَا يَفْعَلُونَ اِذَا نَادَيْنَا مِنْهُمْ اَقْبَلُوا وَهَيْلٌ مِنَ الْقِطْعِ وَذَكَرُوا لِلّٰهِ كُتُبًا رُّسُومًا۔ (اور ان کے پیرو ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شاعر ہر میدان میں سرگشتہ ہیں اور جب کچھ کہتے ہیں وہ کہتے نہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لانے، نیک کام کئے اور خوب اللہ کی یاد کی ایسے شاعر گمراہوں کے پیرو نہیں۔

اور یہ پھر شاعر تمام موزنین کے نزدیک نہ اہل صلاح تھا نہ اہل فکر میں سے تھا بلکہ کھانا ساقی و فاجر تھا، پس ایسے شخص کی اتباع بالکل گمراہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے شخص کی اتباع کا حکم دینا محال و ممتنع ہے،

پہچا سوال دھوکہ انگلیوں میں سے بعض مکار اہل سنت کے ثقہ محدثین کی صحبت و ہم نشینی اختیار کرتے ہیں، اپنے مذہب سے بیزاری ظاہر کرتے اور اپنے مذہبی اسلاف کو برا اور مذہب کے فسادات و عیوب کو علی الاعلان بے نقاب کرتے ہیں، تو بہ، دیانت، احسن سیرت، اور تقویٰ کی صفات سے اپنے آپ کو متصف کرنے کی بظاہر کوشش کرتے ہیں، حدیث صرف ثقات سے لینے کی رغبت دکھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ علماء و طلباء ان کو قابل و ثورق اور لائق اعتماد سمجھتے اور صدق و پاکدامنی پر اطمینان ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور جب ان کو یہ مرتب مل جاتا ہے تو یہ اپنی اصلیت پر آ جاتے ہیں۔ اور اپنی مکاری کا مظاہرہ شروع کر دیتے ہیں۔ اور معتبر و ثقہ روایات میں اپنی گھڑی ہوئی روایات کا جوڑ لگا دیتے یا بعض کلمات میں تحریف کر کے روایت کرتے ہیں تاکہ لوگ دھوکہ میں پڑ جائیں یہ ان کا بہت بڑا اور چلتا ہوا مکر و فریب ہے۔ اس قسم کا پہلا دھوکہ بار اجلہ نامی ایک شخص تھا اور اس نے یہ دجل و فریب جاری کیا حتیٰ کہ یحییٰ بن معین جو اہل سنت کے نہایت قابل بھروسہ علماء میں سے ہیں دھوکہ کھا گئے اور باب جرح و تعدیل میں اس کی توثیق کر گئے اور اس کی درپردہ مکاریوں کا سراغ نہ لگا پائے اور اس کے بڑے گہرے تنقید کی وجہ سے سچے تو بہ کرنے والوں میں شمار کر لیا، مگر بعض دیگر اہل سنت علماء نے اس کی عیاری اور دھوکہ بازی کو پایا اور ان پر مشکف ہوا کہ یہ جو اپنے آپ کو ظاہر کر رہا ہے اس کے برخلاف بڑا عیار مکار اور دھوکہ باز ہے چنانچہ جن روایات میں یہ تھا ہے ان کو نظر انداز کر دیا گیا۔

ان میں سے ایک روایت یہ ہے،

مَنْ بَرِّدَكَ مَفْزُوعًا اَنْ عَلِيًّا وَلَيْسَ مِنْ بَعْدِي (علی میرے بعد تمہارے وہی ہیں)۔

اکیا و فواں دھوکہ ہم ان کی ایک جماعت مورخین کو اس طرح دھوکہ دیتی ہے کہ ایک کتاب تاریخ میں تصنیف کرتے ہیں، اور اس میں اخبار و حکایات کے بیان کا ایسا اسلوب رکھتے ہیں جس سے یہ پتہ نہ چل سکے کہ اس کا مولف اہل سنت نہیں ہے، البتہ خلفاء کی سیرت احوال صحابہ اور ان کے عمارات میں اپنے مذہب کے متعلق بھی کچھ ملا دیتے ہیں۔

پھر بعض سنی دواف یہ بھڑک کر کہ یہ سنی کی تصنیف ہے بطور حوالہ اسے نقل کر دیتے ہیں اور یوں دعو کہ کھا جاتے ہیں اور ان کی یہی غلطی سطحی نظر رکھنے والے لوگوں کے لئے گمراہی کا باعث بن جاتی ہے۔ اور وہ بات ان کے ذہن پر جم جاتی ہے۔

اس طرح مصنفین تاریخ کی ایک بڑی جماعت کو سچہ دیتے ہیں اور ایسی تاریخیں کتابوں کے مطالعہ کرنے والوں کے نگاہ میں طوق منسلک و گمراہی پڑ جاتا ہے۔

حتیٰ کہ سید جمال الدین محدث مصنف روضۃ الاحباب بھی بعض جگہ اسی قسم کے غلط تاریخی مواد کو نقل کر گئے ہیں

خصوصاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیعت کا معاملہ اور اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا سکوت و تامل۔
یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے واقعہ قتل سے متعلق حوالہ !

اور جہاں اس قسم کی غلطی ہوتی ہے وہاں وہ بوقت نقل یوں کہتا ہے کہ بعض روایات میں یوں آیا ہے۔
اس لئے محققین اہل سنت نے نامعلوم الحال مصنف کی تاریخوں سے احتراز کرنا ضروری سمجھا۔

باون والی دھوکہ۔ اس میں کو یہ ایک اور دھوکہ دھوکہ دیتے اور نئی پالی چلتے ہیں وہ اس طرح کہ تاریخ کی ایک کتاب لکھتے ہیں۔ اور اس میں اہل سنت کی معتبر کتب تو تاریخ سے بلا خیانت حوالہ جات نقل کرتے ہیں لیکن جب صحابہ کرام کا ذکر اور ان کے باہمی تنازعات کا موندہ آتا ہے۔ تو ان کی بعض برائیاں محمد بن جریر طبری شیعی کی تاریخ سے جو اس نے ذمت صحابہ میں لکھی ہے نقل کر دیتے ہیں۔ یا اس کی کتاب ایضاً اشرشید سے جو امامت کے بیان میں ہے، کوئی حوالہ دینا کر دیتے ہیں۔ مگر ان کتابوں کا نام وضاحت سے ذکر نہیں کرتے۔ مثلاً یوں کہیں کہ تاریخ طبری میں یوں لکھا ہے، یا مصنف تاریخ طبری نے اپنی ایک اور تفسیر میں اس طرح بیان کیا ہے۔ اور اس عدم وضاحت سے مقصد ناظرین کو یہ دھوکہ دینا ہوتا ہے۔ کہ وہ یہ خیال کر لیں کہ یہ حوالہ محمد بن جریر طبری شافعی کا ہے جو تاریخ کی بہت مشہور کتاب اور اصح التواریخ سمجھی جاتی ہے۔ اسی طبری کی ایک کتاب تاریخ کبیر بھی ہے۔ اس دھوکہ میں پھر نقل در نقل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اس نقل کو صحیح سمجھنے والے بحر منہ لست کے مجبور میں پھنس کر غلطی کھاتے رہتے ہیں طبری کی تاریخ کبیر اب نادر الوجود ہے، اس کا اصل بہت کم دستیاب ہے، جو نسخہ ملتا ہے۔ وہ اس کا اختصار ہے۔ اور یہ اختصار بھی سادھی نامی شیعہ کا تحریف کردہ ہے۔ اس کا بیان انشاء اللہ آگے چل کر ہوگا اور اس مختصر کے ترجمہ میں اکثریت شیعہ کی ہے۔

ترہنوں والی دھوکہ۔ بعض مصنف تاریخ کی کوئی کتاب از خود لکھتے ہیں۔ اور اس میں تمام تر باتیں جو صحابہ کرام کی شان میں ہنسک آمیز اور براہوں کو ظاہر کرتی ہوں گھر گھر کر شامل کرتے ہیں۔ تاکہ سنی ذہن کے لوگ اس کے حوالہ جات اپنے ہاں نقل کریں اور اپنی روزمرہ گفتگو میں استعمال کریں تاکہ رفتہ رفتہ وہ شہرت پاجائیں اور لوگ ان کو افتخار و رذایات سمجھنے کے فریب میں مبتلا ہو جائیں اس مکاری اور فریب کا موجب اور رائج کرنے والی اشخاص ابو مخنف موطا بن یحییٰ ازدی نامی شیعہ ہے۔ اس کی کتاب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی لڑائیوں کے اکثر قصے زسر تاپا، جھوٹے، بناوٹی اور من گھڑت ہیں۔

چون والی دھوکہ۔ ان کے بعض علماء علم کلام کی کتابوں میں صحابہ کی ذمت کا مستقل باب قائم کرتے ہیں اور اس کے ثبوت میں اس باب کے تحت اہل سنت کی بیعت، حسن، اور ضعیف احادیث لفظی یا معنوی معمولی سی تحریف کے ساتھ لے آتے ہیں، حالانکہ اس پر ذرا سی توجہ اور معمولی غور بھی کر لیا جائے تو ان میں ان کے مفید مطلب کوئی بات بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ ان کی تحریف کا بھانڈا چھوڑ دیتی ہیں اور جو وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں اس کی تردید کرتی ہیں اس کی ایک مثال۔

ایک مرتبہ خلیفہ ثانی عمر الفاروق رضی اللہ عنہ بسر منبر بھاری بھاری مہربانہ دھتے پر حاضرین کو سمجھا رہے تھے کہ اگر بھاری مہربانہ آخرت میں موجب نفع ہوتا تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے

زیادہ لائق تھے کہ یہ فخر حاصل کرتے حالانکہ تم جانتے ہو کہ ازواجِ مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں اور عنان اللہ علیہم کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ نہیں بندھا۔ ایک عورت جو اس مجلس میں حاضر تھی بولی کہ اللہ تعالیٰ نے تو بھاری مہر کو جائز رکھا جب کہ فرمایا وَاَتَيْتُمُ الرِّجَالَ نِكَاحًا اور وہ یا تم نے ان میں سے ایک کو ڈھیر، تو آپ ہم کو اس سے کیوں منع کرتے ہیں۔ جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے کلام الہی کے ادب کو ملحوظ رکھتے اور کچھ تو واضح ہرستے ہوئے فرمایا اِنَّ اَنْفُسَ مِنْ عَمَرَتْ حَتَّى الْمَخْدَرَاتِ فِي الْجَحَالِ۔ درہم سے تمام لوگ زیادہ فقیہ ہیں حتیٰ کہ پیر و نشین خواتین بھی۔

اسی شیعی مولف نے اس روایت کی ترجمانی یوں کی کہ آپ اس عورت کے جواب سے عاجز رہے لہذا اس کو اس بابِ مباح میں درج کر دیا۔

چھپن وال دھوکہ۔ ان کے بڑے دھوکوں میں ایک بڑا دھوکہ یہ ہے کہ یہ اپنے مذہب کے موافق کوئی سفینہ نظر کر اس کو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ حالانکہ آپ اس سے پاک اور بالکل ہی الذمہ ہوتے ہیں۔ بڑی چھان بین اور نگ دود کے بعد ان کی عیاری کا پتہ چلا کہ وہ یہ دھوکہ چند طریقوں سے دیتے ہیں۔

اول۔ پر سے کا پورا کلام ہی گھڑ لیتے ہیں۔ آپ کے کلام کا ایک لفظ نہیں ہوتا۔

دوم۔ آپ کے کلام میں ایک دو لفظ گھسا بڑھا دیتے ہیں۔

سوم۔ روایت بالحنی کرتے ہیں۔ آپ کے الفاظ چھوڑ دیتے ہیں اور وہ معنی جو یہ آپ کے کلام سے اپنے خیال نام میں سمجھتے ہیں اس کو اپنے الفاظ کا جامہ پہنا کر بیان کر دیتے ہیں۔

چنانچہ بیچ البلاغہ جو مشہور کتاب ہے جس کا مصنف بعضوں نے رضی کو کہا ہے اور یہی صحیح ہے اور بعضوں نے اس کے جہانی مرتضیٰ کو اس کا مصنف کہا ہے وہ کتاب اسی نوعیت کے کلام سے بھری ہوئی ہے! کیا یہ ہے کہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خطبات، خطوط، مواعظ اور فصاحت کو اول کیا پھر اس میں حسبِ منشا کانٹ چھانٹ، کمی بیشی، الفاظ، کلمات اور جملوں میں تغیر و تبدل اور تحریف کر کے اپنے مذہب کے موافق بنا کر اس کا نام بیچ البلاغہ رکھ دیا۔ بالغ نظر ارباب علم بیک نظر پہچان لیتے اور صاف صاف معلوم کر لیتے ہیں کہ جناب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے کلام کا مشد کیا گیا ہے۔ اس میں سے کچھ حروف نکال دیئے گئے اور بے موقعہ کلمات کی آگے پیچھے یونہی کاری کی گئی ہے۔ آپ کے کلام یا تقریر میں اگر کہیں کچھ نام آگئے ہیں تو بعض جگہ ناموں کی جگہ لفظ فلاں کا اضافہ کر دیا گیا ہے تاکہ کلام کی صحیح مراد سمجھنے میں دشواری ہو۔ اہل سنت اس سے دلیل نہ لاسکیں، رجب بن محمد بن رجب البرسی الحلی کی کتاب بھی اسی نوعیت کی ہے بعض اور کتابوں کا بھی حال یہی ہے۔

چھپن وال دھوکہ۔ ان کا کوئی عالم کتاب خود تصنیف کرتا ہے مگر اس کو ائمہ طہریں میں سے کسی کے نام منسوب کر دیتا ہے۔ اس کتاب کے شروع میں اس امام کے صحیح اقوال اور معتبر روایات درج کرتا ہے تاکہ قاری کو اطمینان ہو جائے کہ کتاب کی نسبت صحیح ہے مگر درمیان میں وہ ایسی روایات ٹھونس دیتا ہے جو من گھڑت اور بناوٹی و جعلی ہوتی ہیں اور اس کے مطلب کے موافق ہوتی ہیں۔ ایسی کتابوں میں سے ایک وہ تغیر ہے جس کو امام ابو محمد حسن بن علی عسکری کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ وہ ابن بابویہ کی تالیف ہے۔

ستاؤن وان دھوکہ :- ان میں کوئی فصیح البیان شخص ایک ایسی دعا گھڑتا ہے جس میں تینوں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے شان میں گستاخی اور لعن طعن ہوتا ہے۔ اس دعا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہ آپ کی دوائے قنوت یہی تھی۔ ایسی ہی دعاؤں میں سے ایک وہ دعا ہے جس کو یہ لوگ دوائے منی قریش کنوان سے مشہور کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں جناب شیخین رضی اللہ عنہما کو منی قریش (قریش کے دریت) کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

بطور نقل کفر اس کا ترجمہ یہ ہے :-

اے خدا لعنت کر قریش کے دو ہتوں، درطاغرتوں اور دو معبودوں پر جنہوں نے تیرے حکم کے خلاف کیا دجی کے سنگہ ہونے، تیرے انعام کا انکار کیا تیرے رسول کی نافرمانی کی تیرے دین کو الٹ دیا تیری کتاب کی تحریف کر دی الی آخر البکواس۔

اس دعا کے جھوٹ اور بے اصل اور ہفوات ہونے میں کسی کو بھی شک و شبہ نہیں کیونکہ قریش کے ایسے دو ہتوں کا وجود شیعوں کے دہم کے سوا کہیں نہیں ہے!

اعطاؤن وان دھوکہ :- ان کا کوئی شاعر جہذا ایسی ابیات لکھتا ہے جن میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی تعریف بعد انبیاء آپ کی فضیلت، آپ کی امامت کی تعین، اور شیعی مذہب کی حقانیت بیان ہوتی ہے پھر ان اشعار کو یہودی، یا نصرانی میں سے کسی ذمی کے سر تھوپ کر اپنا مطلب لکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور مطلب ان کا حرف ایک ہی ہے کہ کسی سنی کو گمراہ کیا جائے ان کی ایسی حرکتوں سے کوئی جاہل سنی دھوکہ کھا بھی جاتا ہے اور یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ ایک کافر نے جب ایسی باتیں کہیں ہیں تو ہا محالہ ان کا مضمون، تو ریت و انجیل یا کسی صحیفے سے ہی لیا ہو گا۔

اسی قسم کے وہ اشعار ہیں جنکو شیعوں نے ابن فغلون یہودی کے سر منڈھا ہے۔

عَلَى آيَاتِ الْمُؤْمِنِينَ هَيْزَلِيَّةٌ وَمَا سِوَاؤُهَا فِي الْخَلْقَةِ مُطْلَعٌ

باعتبار تحقیق امیر المومنین علی ہی ہیں۔ ان کے علاوہ کسی کو خلافت کی آرزو کرنے کا کوئی حق نہیں۔

لَكُمُ الشُّبُّ الْعَالِي وَالسَّلَامَةُ الدُّنْيَا تَقْدَامُ بَلْ فِيهِ الْفَسَادُ أَجْمَعُ

وہ بلند نسب ہیں۔ وہ اسلام میں سب سے مقدم ہیں بلکہ ان میں تمام فساد نکل گیا ہیں۔

لَوْ كُنْتُ أَخُوَيْ مَلَّةٍ خَيْرٌ مِنِّي لَمَّا كُنْتُ إِلَّا مُسْلِمًا أَتَشْتَعِرُ

اگر میں اپنے مذہب کے سوا کوئی اور مذہب اختیار کرتا تو شیعہ مسلم ہوتا

ذیل کے وہ اشعار بھی اسی کی طرف منسوب ہیں۔

حُبِّي فِي الْوَرَاةِ جَنَّةٌ فَأَمْ يَهَيَا رَيْتَ أَذُنَ اسْمِي

میں کی محبت مخلوق کے حق میں ڈھال ہے اے خدا اس کی برکت سے میرے گناہ معاف کر دے۔

فَلَا تَزِلْ مِنِّي نَوَلِي حُسْبًا حَقَّقْتُ فِي النَّاسِ مِنْ النَّارِ

اگر آدمی ان کی محبت کی نیت کر لے تو وہ آگ میں ہوتے ہوئے بھی آگ جہنم سے محفوظ رہے گا۔

اسی قسم کی اور مثالیں بھی ان کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

انسٹوٹوال دھوکہ دیا اس حدیث کو حضرت علی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَن شَجَرَةٍ أَنَا أَصْلُهَا وَفَاطِمَةُ كَوْنُهَا وَأَنْتَ لِقَائُهَا وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ شَرَاهُمَا وَالشَّيخَةُ وَرَاقُهَا فِي الْجَنَّةِ (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم ایک ایسا درخت ہیں جس کی جڑ میں ہوں فاطمہؑ اس کی شاخ، تم اس کے پھل میں) وحیثیں اس کے بیوہ اور شیعہ اس کے پتے ہیں۔ اور یہ پورا درخت جنت میں ہے۔

اسی مضمون کو کسی شیعہ شاعر نے یوں نظم کیا ہے۔

يَا حَبْذَ شَجَرَةٍ فِي الْخَلْدِ نَابِتَةٍ مَا شَلْهَاقُ نَبْتِشِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرٍ
وہ درخت جو جنت میں اگا ہوا ہے کیا ہی اچھا ہے کہ زمین میں اس جیسا کوئی درخت نہیں اگا۔

أَلَمْ يَهْطِ أَصْلُهَا وَالْفَرْعُ فَاطِمَةُ ثُمَّ أَلْقَاهُ عَلَى سَيْدِ الْبَشَرِ
جس کی جڑ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو فاطمہؑ شاخ، پھر پھل سید البشر علیؑ میں۔

وَالْقَارِشِيَّانِ سِبْطَاءُ لَهَا تَمْرٌ وَالشَّيخَةُ الْوَرَقُ اللَّثْفُ بِالْجَوْرِ
یہ میرے دو ہاشمی نواسے اس کا بیوہ ہیں اور شیعہ اس درخت کے پلٹے ہوئے پتے۔

هَذَا مَقَالٌ رَسُولِ اللَّهِ جَاءَ بِهِمْ أَهْلُ التَّوْبَةِ يَتَرَفَعُونَ فِي عَالَمِ الْخَيْرِ
رسول اللہ کا یہ وہ قول ہے جس کو بلند سند راویوں نے روایت کیا ہے۔

إِنِّي بِحُبِّهِ أَتُجَوِّدُ النِّجَاحَ بَعْدُ وَالْفَوْزُ فِي نُمُورَةٍ مِنَ الْفُضْلِ الزَّيْدِ
میں ان کی محبت کے صدقہ نجات کی امید رکھتا ہوں اور کامیابی اس جماعت کے لئے ہے جو سب

جماعتوں سے افضل ہے۔

اس روایت کے سلسلہ میں پہلی بات تو یہ کہ اس حدیث کی صحت پر کوئی قطعی دلیل نہیں۔ اور دلیل جو بھی تو اس سے شیعوں کی مطلب برداری نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ یہ نام کے شیعہ نہیں بلکہ وہ اصلی شیعہ مراد میں جو دراصل اہل سنت تھے اور ابتدائے ہمد میں جو شیعہ اولیٰ کے لقب سے مشہور تھے اس لئے کہ اس درخت سے پلٹے ہوئے پتے وہی تھے کلاچہرہ حوادث کے جھگڑا اور آندھیاں بھی ان کو شجر نبوت سے جھاڑنے میں ناکام ہو گئیں۔ وہ جناب امیر کے سچے ساتھی اور خوشی و غمی کے جان نثار دوست اور رفیق تھے۔

لیکن جب رافضیوں نے جو جناب امیر و اہل بیت کے دوست و ناصحت تھے یہ لقب ہتھیالیا۔ تو اہل سنت نے اس سے دست برداری دیدی دیکھو کہ اس وقت یہ لقب لائق افتخار نہیں قابل مذمت بن گیا تھا اس لئے کہ اس کے حاملین مہمان و جان نثاراں اہل بیت نہیں تھے۔ سیاحوں کا ایک غول تھا جس پر امیر المومنین اور ائمہ کرام نے ہمیشہ لعنت بھیجی!

دارقطنی نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ وَشِيعَتُكَ فِي الْجَنَّةِ إِذَا أَنْ يَشْنُ يَزَعُمُ أَنَّهُ يُجَاهِدُكَ

أَتُوا مَنِ يَصِفُ رُؤْنَ الْإِسْلَامِ يُفِظُونَ لَهُ يَفْرَحُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُونَ تَرَاقِيهِمْ لَهُمْ نَبِيٌّ يُقَالُ لَهُمُ التَّوْفِيقَةُ
لِبَاهِذِ مَعْنَى لَهُمْ مُشْرِكُونَ قَالَ عَلِيٌّ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْعَلَامَةُ نَبِيِّهِ قَالَ لَا شَيْفَهُ وَدَتْ جُنْحَهُ وَلَا
جَمَاعَتًا وَتُطْعَمُونَ عَلَى السَّلَافِ.

د حضور علیؑ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اور تمہارے متبعین جنت میں جائیں گے۔
مگر ان میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو تمہاری محبت کے دعویدار تو ہوں گے مگر زبان سے اسلام کی توہین کریں گے۔
قرآن پڑھیں گے۔ مگر قرآن ان کے حلق سے نہیں اترے گا رافضی لقب سے وہ مشہور ہوں گے ایسے لوگوں سے تم
جہاد کرنا کیونکہ وہ مشرک ہوں گے جناب علی کرم اللہ وجہہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ ان کی ظاہری نشانی کیا ہے۔
آپ نے فرمایا کہ نماز جمعہ و جماعت میں حاضر نہیں ہوں گے۔ اور اسلاف پر لعن طعن کریں گے؟

افاضل اہل بیت جناب موسیٰ بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ وہ
اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے شیعوں نے انہوں نے اللہ
کی اطاعت کی اور ہمارے جیسے کام کئے۔

سا کھواں دھوکہ ہلا اماموں سے اس قسم کی روایت کر کے اسے شہرت دیتے ہیں کہ شیعیان علی سے قیامت
کے دن کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور بہشت میں صرف وہی داخل ہوں گے۔

اول تو سرے سے یہ روایت ہی جعلی، جھوٹی، اور من گھڑت ہے۔ بغیر من محال اگر اس کو درست بھی تسلیم کر لیا
جائے تو اس سے شیعیان اولیٰ اور ان کے متبعین مراد ہیں نہ کہ رافضی (ان کو تو جنت کی ہوا بھی نہیں لگے گی۔
اکسٹھواں دھوکہ کہ ائمہ کی طرف نسبت کر کے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اِنَّ شَيْعَةَ عَلِيٍّ
يُغِيْطُهُمُ الرَّسُلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (علی کے شیعوں پر قیامت کے دن انبیاء بھی رشک کریں گے۔

حسب دستور یہ بھی روایت جعلی اور بناوٹی ہے اور ائمہ پر افتراء ہے اور اگر صیح بھی ہو تو اس سے مراد
اہل سنت کے وہ اولیاء کرام ہو سکتے ہیں جن کے متعلق حدیث قدسیٰ میں یوں آیا ہے۔ اَلْمُتَابِرُونَ فِيْ جَلَدِيْ لَهُمْ
مَنَابِرٌ مِنْ نُّوْرِ يَغِيْطُهُمُ الْبَيْتُونَ وَالشُّهَدَاءُ (میرے جلال و عزت کی خاطر باہم محبت رکھنے والے قیامت کے
دن ایسے نورانی منبروں پر بیٹھے ہوں گے کہ ان پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے) اس سے صاف پتہ چلتا
ہے کہ اس زمرہ میں وہی لوگ آئیں گے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خالصتاً وجہ اللہ محبت کرتے ہوں گے۔

اور ان کے حق تو اس سے فیضان ہدایت حاصل کیا ہوگا۔ اور ایسے حضرات جو اس صفت و خوبی پر فخر کر سکیں
صرف اور صرف اولیاء اہل سنت ہی ہیں نہ کہ رافضی کہ جن کے اسلاف نے دنیا کی ناکارہ و بیہودہ عراض کی خاطر
مثلاً ملک و مال یا ریاست و سیادت کے لالچ و جاہ و حشمت کی حرص، یا ملکوں و سلطنتوں میں عذر و فساد برپا کرنے
یا ان کا تختہ الٹنے کی غرض سے خود کو آجانب کی طرف منسوب کر رکھا تھا تاکہ اس نسبت سے لوگوں کو دھوکہ میں
ڈال کر اور ان کو قربانی کا بکرا بنا کر اپنا آئو سیدھا کر سکیں۔ پھر ان کے اخلاف بمصدق آیت کریمہ اِنَّهُمْ
اَلْقَوْا اَبَاءَهُمْ مِّنَ الْاَيْمَنِ فَهُمْ عَلَى الْاَثَارِ هُمْ يَغُرُّوْنَ۔ (انہوں نے اپنے باپ داداؤں کو گمراہ پایا تو
خود بھی انہیں کے نقش قدم پر دوڑ پڑے۔

باسٹھواں دھوکہ: شیعوں کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف میں زیادتی اور مبالغہ کی حد و بھی پار کر جاتے ہیں، اپنی تعاسیر میں انہوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ انبیاء آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش ان کا حشر شیعوں میں ہو چنانچہ شب معراج جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے شیعان علی کے چہروں کو چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن دیکھا تو رعایتِ تنہا کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ انہیں بھی شیعان علی میں داخل فرما۔

چنانچہ دعا قبول ہوئی اور قرآنی آیت **وَإِنِّ مِنْ شُعْبَةٍ لَا نُرَاهُمْ فِي السَّمِیِّ** اسی کی طرف اشارہ ہے اس کے شیعوں میں سے ابراہیم ہیں۔

اس ہفوات کی شاعت اور قباحیت اور اس افتراء و بہتان کی ذلت و برائی ظاہر و باہر ہے کہ اس سے انوار العزم انبیاء اور حضرت ابراہیم علیہم السلام پر شیعوں کی برتری اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کا درجہ امتیاز سے بھی گھٹایا اور کمتر ہے اور پھر آیت کریمہ سے یہ معنی مراد لینا رکاکت و ذلت تو ہے ہی اسی کے ساتھ قرآن کی کھلی تحریف بھی ہے اور نظم قرآن میں اختلاف، انمار قبل الذکر اور ایہام خلاف مقصود جیسے عیوب لازم آتے ہیں، جو عام لوگوں کی گشتگو اور کلام تک میں معیوب سمجھے جاتے ہیں جب جانیکہ کلام ربانی میں یہ پائے جائیں۔

تیسرے دھوکہ: ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اتنے احسانات و انعامات ہیں کہ وہ قیامت تک ان کی ادائیگی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ یہ صرف مبالغہ نہیں بلکہ کفر کی حد سے بھی اونچا مبالغہ ہے یہ خالی غری الزام نہیں اس بارے میں اس فرقہ کی کتابوں میں بہت سی روایات موجود ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جس کو ان کے معتبر راویوں نے روایت کیا ہے۔

کہ ایک روز جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ چاکلک حضرت علی رضی اللہ عنہ آگئے، جبریل علیہ السلام اٹھ کر تعظیم بجالانے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو جبریل علیہ السلام کہنے لگے۔ مجھ پر ان کا ایک اتنا بڑا احسان ہے کہ زندگی بھر اس کے شکر یہ سے عہدہ ہوا نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا وہ کس طرح؟

تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا تو مجھ سے پوچھا میں کون ہوں، تو کون ہے، اور حیران کیا ہے؟ مجھے اس کا کوئی جواب نہ سوجھا میں حیران پریشان اور خاموش کھڑا تھا کہ یہ نوجوان عین بردقت آپہنچا اور مجھ سے کہا تو رمت! کہدے تو رب جلیل ہے۔ میں غیب ذلیل ہوں اور میرا نام جبریل ہے۔ اس وقت میں اسی احسان کے حق کی ادائیگی میں اٹھا اور کباب بجالایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تمہاری عمر کتنی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ایک ستارہ ہے جو تیس ہزار سال بعد نکلتا ہے اور میں اس کو تیس ہزار مرتبہ نکلتے دیکھ چکا ہوں۔

یہ قصہ اس فرقہ کے بھوٹ کا شاہکار ہے۔ کیونکہ ان دو تین حرفوں کی تعلیم کیا اس پر سے قرآن کی تعلیم برابر ہو سکتی ہے۔ جو صاف اور بے شبہ حکم قرآن کے موجب حضرت جبریل علیہ السلام کے دربار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک اور آپ سے حضرت رضی اللہ عنہ تک پہنچی اتنی بڑی اور عظیم الشان نعمت کے مقابلہ میں ان دو حرفوں کی کیا حقیقت اور ان کا کیا حق اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی طالب علم استاد سے قرآن مجید حفظ کرتا ہے اور پھر تراویح میں اپنے استاد کو کہیں

ایک نقد دیدنی ہے تو استاد کے اتنے بڑے احسان کے مقابلہ میں اس نقد کی کیا حیثیت ہوگی۔
اب رہا حضرت جبریل علیہ السلام کی عمر کا معاملہ، یہ معاملہ خلاف عقل و مشاہدہ ہے کیونکہ کسی ستارہ کا تیس ہزار سال بعد طلوع عملات میں سے ہے اکثر آباد اقلیموں میں ستاروں کا طلوع و غروب ٹھیک الانفاک کی حرکت سے ہے جس کی رفتار سب سے زیادہ تیز ہے کہ رات دن میں عالم کا پورا پورا پیکر طے کر لیتا ہے۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آٹھویں آسمان سے جو ثوابت ستاروں کا مرکز ہے دن رات میں کئی مرتبہ گزر جاتے ہیں تو ان کی طرف کسی ستارہ کے طلوع و غروب کے دیکھنے کی نسبت کرنا خلاف عقل ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل تو جہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وجود ظاہری چونکہ جبریل علیہ السلام سے ہزاروں سال بعد ہے تو آپ کی تعلیم کا مسئلہ کیسے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اگر جناب امیر کا وجود شمال یا ردی مائیں تو یہ بھی بیکاری بات ہے اس لئے کہ اس وقت نفس ناطقہ کا وجود کہاں تھا؟ جس پر اختیاری احوال کا دار و مدار ہے جو مدح و مذم ثواب و عقاب اور ثبوت حقوق کا مصداق ہے۔ بلکہ ان وجوہات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جو صفات و اسماء کی حیثیت میں اس کی پاک ذات میں ثابت و قائم ہیں اس وجود میں جو افعال کسی شخص سے صادر ہوں ان کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جاسکتی اور وہ مدح و ذم یا اثبات حقوق کے قابل نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ ساری باتیں اپنی اپنی جگہ علی طور پر ثابت شدہ حقیقت کے طور پر بیان و تحریر میں آچکی ہیں

آنے والے دھوکہ کا حل بھی مندرجہ بالا تحریر میں آگیا۔

چونکہ سٹھواں دھوکہ ان کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے فرشتوں کو تسبیح و تہلیل کی تعلیم دی ہے۔

یہ بات بھی اس دروغ گو فرقہ کی بے اصل زیادتوں اور لغویات میں شمار کئے جانے والا جھوٹ ہے کیونکہ فرشتوں کی تسبیح و تہلیل تو وجود آدم سے پہلے ہی سے ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اَہم حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کا وجود ظاہری جو اختیاری احوال کی جائے صدور ہے وجود آدم علیہ السلام سے ہزاروں سال بعد ہے۔

پہنچا سٹھواں دھوکہ ان بعض ایسے کلمات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تو زبان زد مطلق ہیں مگر بہت مشہور و معروف بھی، مگر محدثین کے نزدیک بے اصل ہیں، جیسے ولولہ لما خلقت الذلک ودا آپ نہ ہوتے تو یہ آسمانوں کو پیدا نہ کرتا، ان ہی کلمات کو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پسپا کر کے اور ان کو قطعی الثبوت بتاتے ہیں مثلاً ابن بابویہ نے ایک مرفوع حدیث میں الفاظ میں بیان کی ہے لولا علی لما خلق اللہ النبیین والملائکہ را اگر علی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ پیغمبروں اور فرشتوں کو پیدا نہ کرتا۔

چھٹا سٹھواں دھوکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ مرنے والا مومن ہو یا ناجز موت کے وقت اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دیدار ہوتا ہے۔ پس آپ اپنے شیعوں کو دوزخ کے عذاب ملک الموت کے مددگار دل اور عذاب کے فرشتوں سے نجات دلاتے ہیں۔ اس کو خوشحالانہ، ٹھنڈا شربت پلاتے ہیں اور دوزخ کو مکدم دیتے ہیں کہ ان کے شیعہ کو کسی قسم کا آزار اور تکلیف نہ پہنچائے۔ اور ناجز کے لئے۔ اور ان کے نزدیک ہر وہ شخص ناجز ہے جو ان

کے فریب پر نہیں ہے عذاب دیئے جانے کا حکم فرماتے ہیں گو یا ثواب و عذاب کے فرشتے ان کے زیر فرمان ہیں ان لوگوں کا پیچیدہ بیسیائیوں کے اس عقیدہ سے ملتا جلتا ہے جو اس کے قائل ہیں کہ تمام غنی نمٹ انسان کی ارواح حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ کے پاس لوٹ کر جاتی ہیں، اور تمام حساب کتاب جز اسرار، انعام بخشش اور دار و گیر آپ ہی کے سپرد ہیں فرق اتنا ہے کہ بیسیائیوں کو ایک سنگیہ اعتقاد زریب دینا ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور ہر بیٹا اپنے باپ کے مہات کے اجراء و تنقیذ میں اس کا نائب اور ولیعہد اس کے بجائے کاغذات پر دستخط کرتا ہے سلام و تحریات اور نذرانے وصول کرتا ہے برخلاف رافضیوں کے کہ وہ امیر المومنین کو وصی اور نائب رسول مانتے ہیں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے فرستادہ بندہ، پھر یہ لوگ معلوم نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مرتبہ کس منطق اور دلیل کے ساتھ دیتے ہیں۔

بعض شیعہ چند اشعار پیش کرتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ماریت امور مہدانی سے دوران گفتگو میں یہ اشعار سنائے جو آپ کے اس حق کو ثابت کرتے ہیں۔ یہ ماریت امور مہدانی دنیا کا مشہور چٹھا ہوا کذاب اور دروغ گو ہے۔ کچھ عجیب نہیں کہ اس نے خود یہ شعر گھڑ کر انہی نسبت جناب امیر کی طرف کر دی ہو۔

اور یوں لوگوں کی گمراہی کا ذریعہ بنا ہو۔ پھر ان اشعار کے شروع میں منادی مضاف کی ترمیم واقع ہے جو تمام ماہرین لسان عربی کے نزدیک غلط اور خطا ہے۔ لہذا یہ غلطی ہی اس بات کا واضح اور صاف اعلان ہے کہ یہ اشعار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نہیں ہو سکتے یہ اسی کذاب نے گھڑے ہوں گے اشعار یہ ہیں۔

يَا حَامًا هَذَا اَنْ مِّنْ يَّتِي بِرَبِّي مِّنْ مَّوْبِنٍ اَوْ مَنَافِقٍ قَبْلَكَ

اے ماریت جو کوئی مارتا ہے تو مجھے دیکھتا ہے خواہ وہ پہلے مومن ہو یا منافق۔

يُغَوِّفُنِي لُغْطُهُ وَاعْوَدُهُ بِمُغْتَبِهِ وَاسْمِهِ وَمَا فَتَكَ

وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے اور میں بھی اسے اس کے نام، اوصاف اور اعمال کے ساتھ پہچان لیتا ہوں۔

اَقُولُ لِلنَّارِ حَيْثُ تَقْرَضُ بِالْعَبْدِ ذَرِيَّةٌ اَوْ تَقْرَبُ فِي السَّرْحِ

جب بندہ کے پاس آگ آتی ہے تو میں اس سے کہتا ہوں اے چھوڑ اس کے قریب نہ جا۔

نَاوِيْدُكَ تَقْرِيْبِيْكَ اِنَّكَ لَكُ جَلَدٌ بِجَلَلِ اَوْ مَوِيٍّ مُّثْمِلٌ

اے چھوڑ اس کے قریب نہ جا کہ اس کا رشتہ وصی سے منسلک ہے۔

اَسْقِيْهِ مِنْ بَارِدٍ عَلَى ظَمَا تَخَالُهُ فِي حَلَاوَةِ حَسَا

میں پیاس کے وقت اے ٹھنڈا اور شہد سا شیریں پانی پلاتا ہوں۔

قَوْلُ عَلِيٍّ لِّعَابِرٍ حَبِّبٌ كَمْ ثَمَّةٌ اُخْزِبَتْ لَهُ مَثَلًا

ماریت کے لئے علی کا یہ قول عجیب ہے اور اس کے مثل اور بہت عجوبے ہیں۔

اور بفرض محال یہ اشعار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہی ہوں تب بھی اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اپنے

مخلصوں کی عہد اور شفاعت ثابت ہوتی ہے۔

اور یہ بات بھی شیخانِ اہل سنت کے لئے باعثِ مسرت۔ اہم مذکرِ رافضیوں کے لئے مگر یہ مبالغہ اس سے کہاں ثابت ہو کہ دارالجماد کا پورا کارخانہ ہی جنابِ امیر کے ہنسنہ قدرت میں ہے۔

طرسٹھواں دھوکہ کہ اہل سنت پر شیعہ یہ طعن کرتے ہیں کہ یہ لوگ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں کہ اَنْتَ الْبَقِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ قَالَ لَعَلَّی اِنَّ اللہَ قَدْ غَرَّ وَجَّحَکَ فَاَطْمَئِنَّ وَجَّحَکَ الْاَمَانُ مِنْ اَمْنِہَا حضور صلی علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فاطمہؑ کو تمہاری زوجیت میں دیا اور دوسرے زمین ان کے ہر میں دئی

جب واقعہ یہ ہے تو خلیفہِ اہلِ دینی اللہ عنہ نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیوں نہیں دیا اور اہل سنت اس معاملہ میں انکو حق بجانب کیوں کہتے ہیں۔ یہ تو کھلا تناقض ہے جو ان کے مذہب میں پایا جاتا ہے۔

اس طعن کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں یہ روایت صحیح یا نہ صیغ کسی بھی طریقہ سے کہیں نہیں ہے یہ شیعوں کا خالص افتراء اور بہتان ہے۔ ہاں بنگال کے جاہلوں میں یہ ضرور مشہور ہے کہ بنگال کا ملک برہمندستان کی ترائی میں واقع ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز میں ہے یہ بات کیوں اور کیسے مشہور ہوئی اس کا کچھ عہد اور سبب نہیں کھتا ویسے جہلا میں بہت سی بے اصل باتیں مشہور ہوتی ہی رہتی ہیں اور فدک چرخہ بنگال میں نہیں اس لئے اس کا حامل ناقابلِ عمل ہی رہا۔

اگر خدا بھی غور اور عقل سے کام لیا جائے تو اس روایت کی گھڑت اور افتراء صاف نظر آجاتا ہے اس لئے کہ شیعوں یا سنیوں کی کتابوں میں یا تو فدک کی میراث کا دعویٰ منقول ہے۔ یا دعویٰ عہد اور مذکورہ بالا روایت کی رو سے خاص میراث یا بہت کے دعویٰ کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بلکہ ساری زمین کی ملکیت کا ہی دعویٰ کرنا چاہئے تھا۔

اور جب یہ ہوتا تو پھر کسی شیعہ یا سنی کو یہ حق نہ ہوتا کہ وہ جنابِ زہرا رضی اللہ عنہا یا آپ کی اولاد کی اجازت کے بغیر زمین کا کوئی ٹکڑا اپنی ملک میں میں لاسکے۔

اور اس کا تقاضا لازم یہ بھی تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر یا دیگر مفزورہ علاقوں کو غنیمت پانے والوں میں بطور جاگیر یا انعام تقسیم کرنا یا بیکار و ظلم ہو کیونکہ اس صورت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کی حق تلفی ہوئی تھی۔

خلاصہ کلام یہ اس کلام فاسد کی برائیاں اور خرابیاں حد و شمار سے بھی زائد ہیں۔ لہذا ایسی لغو اور باطل روایت کی نسبت اہل سنت کی طرف کرنا ایک الزکا افتراء ہے۔ اور کچھ نہیں۔

اڑسٹھواں دھوکہ کہ اہل سنت پر ان کا ایک طعن یہ ہے کہ یہ روایت نقل کرنے میں منافق اور مخلص کی بھی تمیز نہیں کرتے ہر صحابی روایت لے لیتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بعد سادہ دلی منقطع ہونے کے سبب منافق و مخلص میں تمیز اٹھ چکی تھی۔ بخلاف شیعہ کے کہ وہ صرف اہل بیت سے ہی روایت کرتے ہیں۔ جن کی پاک و طہارت اور ان کا گندگی سے پاک ہونا نصِ قرآنی سے قطعی الثبوت ہے۔ اس طعن کا جواب یہ ہے کہ شیعوں نے آئمہ سے براہ راست بلا واسطہ کچھ نہیں سنا۔ اور یہ واسطہ بھی ایسے مفتر یوں اور لہوٹوں کا ہے جن پر خود آئمہ لعنت بھیجتے اور ان کی تکذیب کرتے رہے۔ یہ واسطے زیادہ تر ہشام بن اعلین جیسے براعتناد اور محمد بن زریق لوگوں کے ہیں۔ اس کی

تفصیل ہم باب سوم و چہارم میں شیعوں کی کتابوں کے تراویح کے ساتھ بیان کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ شیعہ ایسے لوگوں سے روایت کرتے ہیں جن کا نفاق ائمہ معصومین کی قطعی شہادت سے ثابت ہے بخلاف اہل سنت کہ ان کے مجتہدین نے بلاد اسلمہ کرام سے علیٰ نحوہ پیروی کی ہے۔ اور انہوں نے ان ہی ائمہ کی اجازت اور شہادت سے ہی اجتہاد و فتویٰ کی ذمہ داری کو انجام دیا ہے۔

چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور ان دونوں حضرات کے بارے میں امام موسوف رحمہ اللہ علیہ نے بشارتیں دی ہیں۔ جو حسب موقع مناسب بیان ہونگی۔

دوسرے یہ کہ منافق اور بے دین کی روایت لینے میں غلش اس دلت ہے کہ وہ اپنی روایت میں تنہا ہو اور جب اہل بیت یا کبار صحابہ سے جن کے مرتبہ کی بلند ی فصوص قرآنی سے ثابت ہے، کسی حدیث کی روایت ہو اور پھر اسی کی تائید میں دوسروں سے بھی روایت ہو جن کے نفاق پر بلنا ہر کوئی دلیل نہ ہو تو اس روایت کے قبول کر لینے میں کیا قیاحت ہے۔ خصوصاً قرن صحابہ و تابعین میں تو سب ہی صلاح و سدیق کی صفت سے متصف تھے جب کہ امام المائتہ سرور کوثرین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس پر شاہد ہے۔

خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ (الى آخر الحديث)

دسب صدیوں سے بہتر میری صدی ہے۔ پھر اس کے بعد والی!

غیر جناب امیر المؤمنین اور ائمہ اطہار رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا دوسرے خلفاء راشدین اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں کی ہیں اور ان کی تصدیق فرمائی ہے۔

[illegible]

اور اگر نکاح چھپا منافق رہا بھی ہو تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان و شوکت اور ان کے امرا بالعرف و نفی عن المنکر کے و دبے سنے اور ان کی گرفت سے مجبورہ روایات میں قابلِ برتنے والوں کے خلاف عمل میں لاتے تھے اتنا خوفزدہ و ہراساں رہتا ہو گا کہ دین یا واقعہ کے خلاف کوئی روایت گھڑنے کی اس میں جرات و ہمت ہی کہاں باقی رہتی ہوگی۔ چنانچہ سیر غلفاء کا گہرا مطالعہ کرنا والوں پر یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے۔

اور پھر اہل سنت نے بطور اصول ایک قاعدہ مقرر کیا ہے جسکی وجہ سے بفضل خدا وہ اس آمیزش کے خطر سے محفوظ ہیں کہ بمقتضائے اِتَّبِعُوا السَّوَادَ اِلَ الدِّغْلَمَ (اکثریت کی پیروی کرو) ان کو جو روایت خلاف جمہور ملتی ہے وہ اس کو ترک کر دیتے ہیں۔ برخلاف شیعہ کے کہ وہ ان منافقین کے کھلونے ہیں جنہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد ہی جمہور کی مخالفت پر رکھی ہے اور نادرو کیاب روایتوں کا کھوج لگاتے پھرتے ہیں اور ان ہی کو میسر حاصل ہوتا ہے۔ پس منافقین کا دخل ایسی روایات میں ہے بلکہ ان کے دین و مذہب اور ان کی روایات کا انحصار ہی ان پر ہے۔

انہتر واں دھوکہ ۱۱- وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن حشر کی ہولناکی و زن اعمال اعمالوں کی پیشی اور اعمال پر سزا دیا جائے گا سب خطرات جو روایات میں منقول ہیں غیر شیعہ کو درپیش ہوں گے شیعہ ان تمام شدائد سے محفوظ و مامون رہیں گے۔ اور اس بہتان کی نسبت ائمہ کرام کی طرف کرتے ہیں۔

شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بالیقین نجات یافتہ ہیں اس لئے کہ وہ نحن ابنا اللہ و اجداء ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور ان کے محبوب ہیں، اور کہتے ہیں لَوْ تَقَسَّيْنَا النَّارَ لَإِذَا بَايَا مَا مَعَدُّ ذُنُوبِكُمْ - ہمیں آگ صرف چند دن ہی چھوٹے گی۔ حالانکہ یہ دعویٰ ان نفوسِ قطعہ کے خلاف ہے یعنی مَن يَفْعَلْ مَنُوعًا يَجْزِيهِ (جو کوئی ذرہ برابر بدی کرے گا اسے دیکھے گا) اس کا بدلہ پائے گا، اور مَن يَفْعَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (جو کوئی ذرہ برابر بدی کرے گا اسے دیکھے گا)۔

ستر واں دھوکہ ۱۲- یہ اہل سنت پر بہتان لگاتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کوئی شخص اس وقت تک سنی نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف چکوریامرضی کے انڈے کے برابر یعنی نہ ہو اس افراد اور بہتان کی بنیاد و اصل ہے کہ کسی شیعہ عالم نے ان ہی الفاظ کی ایک روایت علی بن الجسیم بن بدر بن الجسیم القرشی سے بیان کی ہے۔ اور یہ علی فرقہ نو اصحاب میں اول درجہ شریہ اور چٹا ہوا لپا تھا جو کسی خفیہ مصالحت سے سنی کا روپ دھارے ہوئے تھا۔ اور تقیہ پر عامل تھا اور عمر بھر امیر المومنین سے لوگوں کو برگشتہ کرنا اس کا مقصد زندگی رہا اور اس نے ایسا کیا تو کیا بعید ہے اور ان کے خلاف نے جو سطحی ذہن اور بے تحقیق تھے اس روایت کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اہل سنت کے حق میں خاص طور سے جماعت المومنین کے مصنف نے تو بالکل ہی یقین کر لیا ہے کہ ہر سنی کے دل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ضرور بغض ہوتا ہے مگر مخالفین کے ڈر اور خوف سے آپ کے بعض فضائل بھی بیان کر دیتے ہیں و مخالف کے خوف کا کا بوس ایسا سوار ہے کہ اب سنی میں بھی انہیں "تقیہ" نظر آنے لگا۔

حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ پڑھا لکھا شخص جو بزمِ خود غفلت بھی ہے۔ اتنا نہیں سوچتا کہ دلوں کا حال تو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا مجھے سنیوں کے دل کا حال کیسے معلوم ہو گیا ہے۔ اَلْأَمْرُ يُفَيِّدُنِي عَلَى نَفْعِهِ ہر انسان دوسرے کو بھی اپنے اوپر قیاس کر لیتا ہے، یہ اپنے تقیہ اور خوف کی نسبت کر کے ان کو بھی اپنے جیسا بزدل اور منافق سمجھتا ہے کیا اس نے تاریخ میں نہیں دیکھا کہ علماء اہل سنت نے ظلم و سفاک اور خوف و اراہم سے نواصب حجاج ولید کے سامنے بے دھڑک اپنے مذہب کا اظہار کیا اور خاندانِ نبوت پر اپنی عزیز جانیں نثار کر دیں اور موت سے دوچار ہوئے چنانچہ اہل سنت کے جلیل القدر محدث و امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اس جرم میں کہ امیر المومنین کے مناقب میں ایک رسالہ لکھا تھا جامِ شہادت نوش کیا، اسی طرح حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے جو جناب حسنین رضی اللہ عنہما کو ذریت رسول کہتے تھے حجاج کے سامنے اس کا اظہار کیا۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ۔ سے حجاج کو سکت جواب دیا اور اس کی پادش میں خونِ شہادت سے گلزار ہوئے۔ اس تعصب اور اندھے پن کا کیا ٹھکانا کہ نادیدہ کو دیدہ بتانا اور ان سنی کو سنی خیال کر لینا سنی اگر ایسے ہی بزدل تھے تو انہوں نے جس طرح مخالفین کے ڈر سے امیر المومنین کے فضائل بیان کئے اسی طرح ان کے ڈر سے جناب شیعہ رضی اللہ عنہم کی برائیاں کیوں نہ بیان کیں، کیونکہ مخالفین کے دلوں میں بھڑکتا ہوا جہنم صرف امیر المومنین کی تعریف سے تو ٹھنڈا نہیں پڑتا اس میں تو ٹھنڈک جناب شیعہ رضی اللہ عنہما کی قدر سے پڑتی ہے۔

اکہتر سوال و جواب کہ شیعوں کا کہنا ہے کہ قیامت کے دن اہل سنت کے اعمال و طاعات گرد و بھار کی طرح ہوا میں اڑ کر نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اس طعن کا بہترین جواب ہمارے خیال میں ان آیات میں موجود ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا وَاللَّهُ تَعَالَى اَجْبَدُ اَعْلَمُ
دوسری جگہ ارشاد ہے مَن يَعْصِ اَمْرًا مِّنْهُ يَكُنْ لَهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّجْزِئُہُ جَزَاءً
شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ”رافضیوں کے علاوہ کوئی اور اگر ہزار سال بھی خدا کی عبادت کرے تقویٰ و زہد کا مجسمہ بھی بن جائے۔ تب بھی اس کو ہرگز اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور نہ ہی وہ عذاب سے نجات پائے گا۔

مَالَكُمْ اَنْ تَعْلَمُوْا اَنَّ عَلٰی الرَّغْمِ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی نے یہ فرمایا ہے۔ لَیْسَ بِاَمَانٍ لَّکُمْ وَلَا اَمَانٌ لِّاَهْلِ الْکِتٰبِ مَن یَّعْمَلْ شُرُوْکًا یَّجْزِئُہُ وَلَا یَحِیْزُ لَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلَیْلًا وَلَا لَعْنٌ عَلَیْہِمْ اَوْ مَن یَّعْمَلْ الْفٰسِقِیَّاتِ مِنْ ذٰکِرٍ اَوْ اُنْثٰی وَہُوَ مُوْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَلْمِزُوْنَ الْجَنَّةَ وَکَانَ یُظْلَمُوْنَ یَقِیْنًا۔ یہ بات نہ تمہاری آرزو پر نہ اہل کتاب کی آرزو پر منحصر ہے بلکہ امر سب یہ ہے کہ جو کوئی برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور اللہ کے سوا کسی کو اپنا حامی و مددگار نہ پائے گا اور جو کوئی نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور ایمان رکھتا ہو گا تو ایسے سب لوگ جنت میں جائیں گے اور ان پر ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہوگا

اور اگر شیعہ یہ کہیں کہ اہل سنت جناب امیر المومنین کی امامت تسلیم نہ کر کے اپنا ایمان ضائع کر چکے کیونکہ عقیدہ امامت بھی عقیدہ نبوت کی طرح ضروریات ایمان میں سے ہے۔

تو ہماری طرف سے یہ جواب ہے کہ امیر المومنین اور ائمہ طہرین کی امامت میں اہل سنت کو ذرہ برابر شک ہے نہ انکار ان کا قصور البتہ یہ مزدور ہے کہ وہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو بھی امامت کا مستحق سمجھتے ہیں اور ان کا کہنا یہ ہے کہ امامت کے مستحقین کی جماعت میں سے جب کسی ایک کی امامت پر اتفاق رائے ہو جائے تو وہی امام وقت ہے۔ چنانچہ ابابعل و عقد نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر اتفاق کیا اس وقت وہی امام تھے اور اہل سنت میں سے کسی نے ان کو امام ماننے سے انکار نہیں کیا خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک اگر امامت کا استحقاق نفس سے ثابت ہو تو وہ خلافت راشدہ ہے اور اگر عقل اور فرائض ظنیہ سے ثابت ہو تو وہ خلافت عادلہ ہوگی۔ اور بغیر استحقاق کوئی جاہلانہ طور پر تسلط حاصل کرے تو اس کی خلافت جابرہ کہلائے گی۔

اہل سنت کے نزدیک چاروں خلفاء کی خلافت و خلافت راشدہ ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا استحقاق نفس سے ثابت ہے۔

اور اگر ہر امام کی امامت پر ہر وقت رچا ہے وہ اس وقت خلیفہ ہو یا نہ ہو اعتقاد رکھنا ضروریات ایمان میں سے شمار کیا جائے گا تو پھر شیعوں کو اپنے ایمان کی خیر ماننا چاہیے۔ کہ وہ تلف ہو جائے گا اس لئے کہ وہ جناب علی رضی اللہ عنہ کی حیات میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی امامت کے معتقد نہیں تھے اور اسی طرح امام حسن رضی اللہ عنہ یہ تو ہر امام کی امامت کے زمانہ میں نہ تو ان سے پہلے کی امامت کو مانتے ہیں نہ آئندہ آنے والے امام کی امامت کو!

اس صورت میں شیعہ تمام ہی اماموں کی امامت کے معتقد نہ رہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے

حیات یہ سنت علی رضی اللہ عنہ کی طوافت و امامت کے بھی مستند نہیں تھے۔

اور پھر یہ شیعہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں کہ جناب محمد الحنفیہ اور جناب زید شہید رحمہما اللہ اور ان کے علاوہ دیگر امام زادوں نے امام زین العابدین اور امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کی امامت اور استحقاق امامت کا صاف انکار کیا ہے اور مذکورہ الصدر و دونوں بزرگوں نے ان دونوں کو کبھی امام تسلیم نہیں کیا تو اگر اس انکار کے باوجود محمد بن الحنفیہ اور زید شہید رحمہما اللہ کا ایمان صحیح و سالم ہے تو اہل سنت کا ایمان تو بدرجہ اولیٰ صحیح و سالم ہو گا۔ کیونکہ وہ تو اس کے قائل اور مستند ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مستحق امامت تو ہر وقت تھے۔ البتہ اپنے زمانہ میں امام و خلیفہ بالفعل ہو گئے۔

اور پھر کیا یہ بات باعث تعجب نہیں کہ شیعہ باوجود اہل سنت کے ساتھ شدید بغض و عناد رکھنے کے ان کی کتابوں میں خود ان ہی کی ایسی صحیح روایات موجود ہیں جن سے اہل سنت کی نجات ثابت ہوتی ہے ہم انشاء اللہ باب معاد میں ان روایات کو نقل کریں گے۔ انہوں نے جس جاملہ آرائی کا مظاہرہ کیا ہے وہ ان کے سطحی پن اور پست ذہنیت پر دال ہے، یہ فواصل اور اہل سنت میں تمیز نہ کر سکے اور ان کے عقائد کو اہل سنت کے سرخروپ دیا۔ ان کے اگلوں نے تو نا سمجھی اور مغالطہ میں ایسا کیا مگر ان کے اخلاف نے خود یہ ددانستہ اس بد تمیزی

کو اپنا شعار بنایا

اسی طرح کی ایک اور بات ان کی کتابوں میں ملتی ہے، کہ اگر رافضی ہزاروں سال تک بھی اللہ کی نافرمانی اور اور محرمات قبیحہ کے مرتکب ہوتے رہے ہوں تب بھی ان سے قطعی باز پرس نہ ہوگی اور وہ بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ بلکہ شیعوں کو گناہ کے عوض بھلائیاں دی جائیں گی اور ان کی کتابوں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ شیعوں کے بعض اعمال مثلاً اسلاف پر لعنت کرنا انبیاء کے اعمال کے برابر شمار ہوتے ہیں۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ ایک شیعہ کا گناہ سنی کی عبادت سے افضل ہے اس لئے کہ شیعہ کا گناہ تو قیامت کے دن بھلائی سے بدل جائے گا اور اس پر اس کو اجر بھی ملے گا مگر سنی کا نیک عمل قیامت کے دن تلف ہو کر پلنگہ خباثت کی بنیاد بن جائے گا۔

بہتر وہاں دھوکہ دیا کہ ان کا اہل سنت پر یہ طعن ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح کتابوں میں یہ روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چار رکعت والی نماز میں سہو ہوا اور آپ نے چار رکعت کے بجائے دو رکعت ادا فرمائیں۔ اگر وہ آپ کے سہو کی روایت کرنا جرم ہے، اور حال یہ ہے کہ یہ روایت خود ان کی اپنی صحیح کتابوں میں بھی موجود ہے۔

چنانچہ کلینی نے کتاب کافی میں اور ابو جعفر طوسی نے تہذیب میں صحیح سندوں سے یہ روایت بیان کی ہے مگر خیر ہم اس سے قطع نظر کر لیتے ہیں اور وہی جواب دیتے ہیں جو ایک دفعہ پہلے بھی دے چکے ہیں کہ اہل بشری میں سہو انبیاء کی شان میں کوئی عیب نہیں کہ اس سے لامحالہ صحیح بات کا انکار کیا جائے۔

ہاں البتہ تبلیغ احکام الہی میں انبیاء سے سہو ہونا متنع ہے اور نہ وہ کبھی واقع ہوا۔

بہتر وہاں دھوکہ دیا کہ یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت نے اپنی امامدیش میں یہ دافعہ نقل کیا ہے کہ لیلۃ القدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح کی نماز تھا ہر گئی اس وادی میں ایک شیطان تھا جس کے تسلط سے سب پر غفلت چھا گئی۔ تو

گرایا آنحضرت علیؑ اللہ علیہ وسلم پر بھی شیطان کا تسلط ثابت کرتے ہیں۔

شیعوں کے اسی دھوکہ میں وہ آسکتا ہے۔ جو ان کی کتابوں سے نادانف ہو گا یہی نے خود اپنی کتاب کافی میں اور ابو جعفر نے اپنی کتاب تہذیب میں ہیئتہ التعریض کے اسی قسم کو مختلف سندوں اور متعدد طریقوں سے روایت کیا ہے پھر اہل سنت ہی ملزم کیوں؟ اپنے متعلق بھی تو کچھ بولئے۔

چوسہتر وال دھوکہ ہا اہل سنت پر ان کا ایک افتراء یہ بھی ہے کہ انہوں نے خارجیوں اور حروریوں کو ثقہ اور عامل تسلیم کر کے اپنی کتابوں میں ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔ بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ابن بلجم سے بھی روایت کی ہے۔

ان کا یہ الزام بھی محض افتراء اور سر جھوٹ اور بہتان ہے، ان کو شرانے کے لئے اہل سنت کی ان روشن کتابوں کا آئینہ دکھادینا ہی کافی ہے۔

یہ کتابیں شرق سے عرب تک ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں کیا شیعوں کے علاوہ بھی کسی کو ان کتابوں میں خارجیوں اور ابن بلجم کی کوئی روایت نظر آئی یا آسکتی ہے!

کون نہیں بانٹا کہ اہل سنت کے نزدیک تو اہل بیت اور امیر المومنین رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والے کی روایت کی محنت باطل ہے اگرچہ وہ صادق القول اور صالح العمل ہی کہوں نہ ہو، اور اسی بنا پر جریر بن عثمان کی توثیق کو اہل سنت نے غلط ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے ظاہری احوال اور کلام کی سچائی سے متاثر ہو کر جن لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے ان کو دھوکہ دیا ہے اور انہیں اس کے باطنی عقیدہ کا پتہ نہ لگ سکا وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا۔

اسی طرح اہل سنت کی کتابوں میں ابن بلجم کو اشقی الاخرین کہا گیا ہے۔ کیونکہ حدیث نبوی میں آچکا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹنے والا اشقی الادلین ہے اور امیر المومنین کا قاتل اشقی الاخرین ہے۔

پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن بلجم نے شہید کر دیا۔ تو بعض حروریوں نے اس کی تعریف و توصیف میں نظمیں لکھیں اور اشعار کہے اور اس کے قابل نفرت فعل کی مدح و ستائش کی تو ان کا جواب بھی شعرائے اہل سنت نے دیا۔ اور ان کے جواب میں قصائد لکھے اور ان کو دندان شکن جواب دیئے چنانچہ یہ قصائد اور نظمیں کتاب استیجاب میں موجود ہیں۔

ابن بخاری میں مروان سے البتہ روایت آئی ہے باوجودیکہ وہ فاضل و صاحب میں سے تھا بلکہ اس بد بخت گروہ کا سرغنہ اور سربراہ تھا۔ لیکن اس روایت میں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روایت کا مدار امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ پر رکھا ہے اور ان ہی پر روایت کو ختم کیا ہے اگر امام ہی مروان سے خود روایت کریں تو پھر امام بخاری کو اس سے بچنے اور احتراز نہ کرنے کا کب حق ہے۔ اس کے باوجود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مردان سے کسی بھی جگہ روایت نہیں کی بلکہ مسرور بن محرزہ یا درسون کو اس کے ساتھ لائے ہیں اور یہ بات پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اگر کوئی منافق یا بدعتی نقل حدیث میں اہل حق کے ساتھ موافق ہو تو اس کی روایت لینے میں کوئی تباہت

نہیں۔ اور پھر بخاری میں اس کی صرف دو روایتیں ہیں، ایک حدیث میں دوسری ہی طائفہ وہ نبی توفیق اور یہ دونوں جگہیں بھی عقیدہ اور عمل سے متعلق نہیں۔ ایسے ہی صحاح کی دوسری کتب میں بھی مردان سے اتنی ہی اور اسی قسم کی روایت ہے۔

اب رہ معاملہ عکرمہ کا جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خاص پیرو اور شاگرد رشید تھا، اہل سنت کی کتابوں میں اس کی کافی روایات ہیں۔ جن پر بعض نادانف نامی یا خارجی ہونے کا الزام لگاتے ہیں جو حقیقت میں خلاف النصف ہے اس لئے کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خاص غلام تھا۔ پروردہ اور شاگرد رشید تھا اور ہر دم ان کے ساتھ رہتا تھا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بالا جماع یسعیانِ اولیٰ میں شامل ہیں اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے محبوب و مددگار ہیں۔ چنانچہ تاحی نور اللہ غوث شری نے بھی ان کو شیعہ شمار کیا ہے۔

ابھی صورت میں اثبات کا کیا امکان! کہ ان کا ایسا غلام جو ان کا ہم صحبت اور ہم مشرب ہو ان کے عقیدہ سے اس قدر ہٹ جائے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے حال سے واقف ہو جانے کے بعد بھی اسے اپنی صحبت سے نکال باہر نہ کریں۔

پچھتر واں دھوکہ کہہ سکتے ہیں کہ اہل سنت مٹی کی ٹکڑی پر سجدہ نہیں کرتے اس لئے وہ شیطان کے مشابہ ہیں کیونکہ اس نے بھی خاک پر سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ جس کی وجہ سے راندہ بارگاہ ہوا اس کا قول اللہ تعالیٰ نے یوں نقل فرمایا خَلَقْنِي مِنْ نَارٍ وَخُلِقْتُ مِنْ طِينٍ۔ دیکھئے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے) شیعوں کے کسی شاعر نے اس طعن کو نظم بھی کیا ہے۔

آنکس کہ دل از بغض علی پاک نکرد
بہرہ نماز کے گزار دستی
یہ شک تصدیق شدہ لولاک نہ کرد
شیطان ز ازل بود بر خاک نکرد
جس نے بغض علی سے اپنا دل پاک نہیں کیا ہے شک اس نے شہ لولاک کی بھی تصدیق نہیں کی،
مٹی کی ٹکڑی پر سجدہ کر سکتا ہے۔ شیطان نے بھی تو خاک پر سجدہ نہیں کیا تھا،
اس طعن کا جواب یہ ہے، کہ اہل سنت کو خاک پر سجدہ سے کب اور کہاں انکار ہے البتہ وہ خاک کے علاوہ دوسری اشیاء کپڑا، چمڑہ وغیرہ پر سجدہ کرنے کو بھی جائز سمجھتے ہیں،
اخبار مشہورہ میں آیا ہے کہ راندہ درگاہ ہونے سے پیشتر شیطان نے زمین و آسمان کے چمچہ چمچہ پر سجدے کئے۔ لیکن جب اس نے آدم خاکی کو جو بصورت گوشت پوشت تھے سجدہ نہ کیا۔ تو اس کی وجہ سے وہ سارے سابقہ سجدے رد اور نامقبول قرار پائے اور لعنت و پھٹکار کا موجب بنا! پس معلوم ہوا کہ خاک پر سجدہ کرنا اور ان چیزوں کے سجدے سے بچنا جو خاک سے پیدا ہوئی اور دوسری شکل اختیار کرنا ہے اس کا حشر و انعام دہی ہوتا ہے جو شیطان کا ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تحفیر با اہل بیت نبوی کے خلاف ان کا بغض و حسد یا ان کی نبوت سے انکار کے متعلق ان کی کتابوں میں جو کچھ مذکور ہے وہ سب انشاء اللہ باب نبوت میں بیان کیا جائے گا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس ذات کی تعظیم ترک کرنے پر شیطان اس درجہ پر پہنچا تو اسی ذات کی تحقیر و تذلیل کرنے سے شیعوں کا یہ فرقہ لعنت و ذلت کے کس درجہ تک پہنچے گا۔ اب ذرا انصاف کو کام میں لا کر فرمائیے کہ شیطان کی مشابہت کیا ہے اور شیطان کے مشابہ کون ہے۔

مذکورہ بالا اشعار میں سے پہلا شعر اہل سنت کے عقیدہ کا ترجمان ہے، مگر دوسرے شعر کا معنوں کچھ اور ہو رہ گیا اس لئے کہ شیطان نے خاک پر سجدہ کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ خاک سے بنے ہوئے جسم آدم کے سجدہ سے منکر ہوا تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ شیعہ و سنی ہر دو خاک کو سجدہ نہیں کرتے ان کا مسجود تو کوئی شے دیگر ہی ہے اور تقاضائے انصاف بھی یہی ہے کہ خاک پر سجدہ ضرورت سے جائز ہو ورنہ ان میں کیا مناسبت اور معقولیت ہے کہ ہم اپنی نشست اور بیچک کی جگہ سرین جو اعضا بدنی میں کمتر درجہ کی ہے کے آرام کے لئے نوزیرین مسند یا رنگ برنگ نمکے اور قالین سے آراستہ و پیراستہ کریں۔

اوجہ پروردگار کے سامنے حاضری ہو اور اس سے التماس و مناجات کا وقت آئے تو سامنے خاک ڈال کر اعضائے بدن میں جو ممتاز و اشرف حصہ ہے یعنی سر و چہرہ اس کو خاک پر رکھیں و مسند و مصلیٰ موجود ہو تو اسے ہٹا دیں، حالانکہ حدیث کی رو سے اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صودت پر پیدا کیا ہے اس لئے کہ وہ صفات واجب الوجود علم قدرت سمیع و بصیر اور کلام کا مظهر ہے اور ان تمام صفات کا منبع سرور جسم انسانی کا یہی اعلیٰ حصہ ہے جس کو خاک پر ڈالا جا رہا ہے۔

اس معاملہ میں شیعہ حضرات کا قول و درجہ جاہلیت کے مشرکین کے طرز عمل سے ملتا جلتا ہے جو ملائزادانگہ ہو کر غمانہ کعبہ کا لطاف کرتے تھے۔ اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ گو انسان سے عبادت و تعظیم کا مطالبہ ہے۔ مگر انسانی الوصاف کی رعایت کے ساتھ حیوانوں اور درندوں کی طرح ننگے ہو کر نہیں کہ شرافت و شریعت میں ستر عورت واجب قرار دیا گیا ہے۔ خُنْ ذُرْیٰتُکُمْ کُفْرًا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیْسَ لَکُمْ عَلٰی النَّفْسِ الَّتِیْ حَلَلَتْ فِی الْاِنْسَانِ اَنْ تَکُوْنَ بِرِءَیَۃٍ مِّنْہٗ اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ۔ (غرض پوشاک ہو کر مسجد میں جاؤ)

پھر ایک اور بات کہ مکہ کی مقام سجدہ پر رکھنے سے کئی وہم پیدا ہوتے ہیں۔

اولیٰ۔ مکہ رکھنا کفار اور منافقین کی خصوصیت ہے۔

دوسرے۔ خاک پر سر رکھنا بد فالی ہے جو عمل کے سوخت ہو جانے کی دلیل ہے۔

تیسرے۔ اس میں بت پرستوں کے فعل سے مشابہت ہے کہ وہ بھی عبادت کے وقت کسی نہ کسی چیز کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔

اس ضمن میں شیعوں کی ایک فارسی رباعی بھی درج ہوئی ہے اس کے جواب میں اہل سنت کی طرف سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں آٹھ رباعیاں بیان کی ہیں یہاں صرف ایک پر کفایت کی جاتی ہے اس لئے کہ ۶ نادان کو نہیں کافی دفتر نہ رسالہ ۱

سنی دل را بیا د حق رُسستہ کنند کافر ز پے آتش و خور خستہ کند

شیعی کہ خسیں تر بود وقت نماز دل را بیکلورخ خاک و البستہ کند

سنی تو دل کو (نماز میں) اللہ کی یاد میں لگاتا ہے، کافر آگ اور سورج کے پیچھے پڑ کر اسے خستہ حال

وَيَتَوَلَّى أَوْلَادَهُ فَتَمَسُّهُ النَّارُ ثُمَّ تَعَادُ الثَّانِيَةَ ثُمَّ الثَّلَاثَةَ -

دھن بن علی بن زیاد وارشاد بجلی کوئی سے روایت ہے اور یہ شیعوں کا نامور رئیس الطائفہ اور الیاس صیرفی خراز کا نواسہ تھا اور یہ صیرفی امام رضاؑ کا ساتھی تھا۔ وہ اپنے نانا سے روایت کرتا ہے کہ اس نے عین نزاع کے وقت سب کو گواہ بنا کر کہا کہ یہ وقت جھوٹ بولنے کا نہیں ہے میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام کو یہ کہتے سنا کہ اللہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی اللہ و رسول کی محبت اور ائمہ کی دوستی پر سرے اور دوزخ کی آچٹ اس کو چھو لے پھر یہی قول مکرر سہ کر رہا رہا۔

اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو یہاں ائمہ کی دوستی سے مراد ان کا اتباع ہے اور ائمہ کی روش اور طریق زندگی پر عمل کرنے کا فرائض سنت کے بڑے بڑے اولیاء کو حاصل ہے اور پھر اس روایت میں شیعوں کے لئے خوشی کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہاں اثر سے مراد دین کے سارے ہی پیشوا ہیں جن میں خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، بدرجہ اولیٰ اور سب سے پہلے شامل ہیں۔

انجھتر وال دھوکہ اس ان میں کے بعض دروغ گو میاں اپنے مذہب کے اصول و فروع میں کوئی کتاب تصنیف کر کے اس کی نسبت امام صادق رحمہ اللہ علیہ کی طرف کر دیتے ہیں اور کبھی کوئی رسالہ لکھ کر امام باقر یا امام صادق کے اسماء کی طرف منسوب کرتے ہیں اور غرض یہ ہوتی ہے کہ ہا ہل لوگ اس پر جھٹ پٹ یقین کر لیتے ہیں اور عہدی حوزہ جان بنالیں حالانکہ تاریخ کے ناقابل تردید ثبوت سے یہ بات ظاہر و عیاں ہے کہ ان ائمہ میں سے کسی نے بھی تصنیف و تالیف کا کوئی کام کبھی بھی نہیں کیا۔ اور نہ ہی یہ فعل ان کے شایان شان تھا۔ ورنہ یہ بھی دیگر مضنیف کی طرح دانشمندان و روزگار کی طرف سے لیمہ کو تسلیم کے سوالات کا نشانہ بنتے، بقول کسیکہ مَتَّ مَنَّفَ فَقَدْ اسْتَهْذَفَ (جس نے کچھ تہذیب کیا اس نے اپنے آپ کو نشانہ بنالیا)۔

اناسی وال دھوکہ ۱۔ کہتے ہیں کہ جناب ابورافع رضی اللہ عنہ جو مہاجرین اولین میں سے ہیں اور غزوات میں اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدم و مہرباب رہے۔ اور اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباب غائبی پر دار و مدہ بھی رہے ہیں۔ وہ امامیہ میں سے تھے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور تمام اشرافیوں میں شریک رہے۔ اور پھر کوفہ میں بیت المال کے دار و مدہ بنادئیے گئے یہ بات علامہ شیعہ نیز احمد بن علی النجاشی جو رجال شیعہ کا بڑا افتاد ہے۔ نے بھی بیان کیا ہے۔

یہ ایسا تاریخی جھوٹ ہے کہ اس کی تردید تاریخ نے خود ہی کر دی ہے اس لئے کہ جناب ابورافع رضی اللہ عنہ کا انتقال تو حضرت دو نورین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے بھی پہلے ہو گیا تھا البتہ ان کے دونوں صاحبزادے عبد اللہ اور علی رضی اللہ عنہما جناب امیر کی ہمرکابی میں تھے۔ انشاء اللہ کتابت کی خدمت عبید اللہ کے سپرد تھی اہل سنت کی کتابوں میں اسی عبید اللہ کے واسطے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایات اکثر آئی ہیں البتہ ان کے بھائی علی کے حالات سے تاریخ خاموش ہے۔

نجاشی نے اس معاملہ میں انفرادی پر دازی کی حد کر دی، جناب ابورافع رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا بڑا شاگرد قرار دیا شیعہ مذہب فقہ کی ایک کتاب کو انکی طرف منسوب کیا اور ان کو امامیہ فرقہ میں شمار کیا۔ اسی پر جس

نہیں کی۔

امامیہ مذہب کی ایک اور کتاب جو سنن، تضایا اور احکام پر مشتمل ہے اس کا اہل کو معنی بتایا حالانکہ دنیا بھر کے تاریخ دان اس بات پر متفق ہیں کہ ہجرت سے سو سال بعد تک اسلام میں کوئی تصنیف معوض وجود میں نہیں آئی۔ اسی سے شیعوں کی تاریخ دانی کا پول کھل گیا۔ رچ ہے جب حیا جاتی رہے تو چپا ہو کر رہے۔

اسی وال دھوکہ ۱۔ اپنے مذہب کی بعض روایات علی بن محمد مروی۔ ابو الحسن مسلمی شیعہ کی تاریخ سے نقل کرتے ہیں جو تاریخ طبری کا اختصاری ہے جس میں اس نے جلسازی کر کے بہت سی باتیں اپنی طرف سے بڑھادی ہیں کیونکہ تاریخ طبری کا اختصاری بھی اسی نے کیا ہے۔ اور وہ سہل عبارت کے سبب شہرت و رواج پا گئی ہیں۔

ان روایات کے متعلق یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تاریخ طبری میں موجود ہیں، حالانکہ اصل تاریخ طبری میں ان کا نام نشان تک نہیں۔ تاریخ طبری کے اس اختصار نے اہل سنت کے بھی بہت سے مورخین کو گمراہ کیا ہے کیونکہ اس میں ان کو جو ملتا ہے وہ لاعلمی اور جلسازی سے بے خبری کی بنا پر اصل تاریخ کی طرف اسے منسوب کر دیتے ہیں۔

اکیاسی وال دھوکہ ۲۔ اپنے مذہب کی بعض روایات یہ ایسے شخص سے نقل کرتے ہیں جو لوگوں کے خیال میں سنی ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہوتا ہے۔

چنانچہ ابن عقدہ جاردی رافضی تھا۔ ابن قتیبہ کو شیعہ، اور اخطب خوارزم متعصب زیدی تھا۔ اور بعض روایات ایسے شخص سے نقل کرتے ہیں۔ جس کو اہل سنت اپنے میں شمار کرتے ہیں جب کہ واقعہ وہ شیعہ ہوتا ہے۔

بیسے ہشام کلبی، کہ اکثر لوگ اس کو سنی سمجھتے ہیں۔ مگر غاشی خود ان کو اپنے رجاں میں شمار کرتا ہے، اور حقیقت میں وہ بے بھی انہیں کے رجاں میں۔

بیاسیہ وال دھوکہ ۳۔ اہل سنت کے کسی عالم پر بہتان لگاتے ہیں کہ انہوں نے ائمہ اہل سنت میں سے کسی امام پر کوئی الزام لگانا چاہا مگر اس میں کامیاب نہ ہوئے اور بالآخر خفیف و شرمندہ ہوئے اور ملزم ٹھہرے اور مقصد اس جھوٹ کا یہ ہوتا ہے۔ کہ نہ صرف اس عالم کے خلاف بلکہ تمام علمائے اہل سنت کے خلاف بد اعتمادی اور نفرت کی فضا پیدا کی جائے اور لوگ ان کی پیروی اور شاگردی سے گریز کریں چنانچہ میاشی کی یہ روایت جو وہ اپنی اسناد سے بیان کرتا ہے اس بہتان کی کھل مثال ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت سلیمان نے یہودیوں کے غول میں سے بدہ کی عدم موجودگی کو کیوں محسوس کیا۔ اس میں کیا خاص صفت ہوئی ہے، حضرت عبد اللہ بولے۔

لَا اَنْ اَنْتُمْ هُنَا فِي بَنِي اَدْنَانَ كَمَا يَدْعِي اَحَدُكُمْ اَللّٰهُ هُنَا فِي اَلْعَامِ زَوْرًا فَتَنْظُرُ الْاَوَّلُ حَقِيقَةً اِلَى اَصْحَابِهِمْ فَصَحَّ فَقَالَ الْاَوَّلُ عَبْدُ اللّٰهِ مَا يَصْنَعُكَ قَالَ تَخْشَرُ بَيْتَ تَالِ الَّذِي يَدْعِي مَا فِي بَنِي اَدْنَانَ كَيْفَ لَا يَدْعِي اَلْعَمَلُ فِي الشَّرَابِ عَنِّي يَا اَحَدُ بَنِي اَدْنَانَ قَالَ الْاَوَّلُ عَبْدُ اللّٰهِ يَا اَنْتُمْ اَمَّا كُنْتُمْ اَنْتُمْ اِذَا اَنْتُمْ اَلْعَمَلُ عَنِّي الْبَصَرُ۔

دیکھو کہ ہر دین کے اندر کی چیز کو اسی طرح دیکھ لیتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شیشی میں تیل کو دیکھ لیتا ہے اس وقت اگر حلیہ نہ لے اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور پھر ہنس پڑے تو ابو عبد اللہ نے فرمایا کیونکہ تم کس بات پر ہنسے انہوں نے کہا میں آپ سے جیت گیا اس لئے کہ جو زمین کے اندر دیکھ لیتا ہے۔ وہ مٹی میں چھپا ہوا پھندا کیوں نہیں دیکھ پاتا یہاں تک وہ اس میں اپنی گردن پھنسا بیٹھتا ہے۔ جناب ابو عبد اللہ بولے اسے نہان تم جانتے نہیں کہ جب حکم الہی ہو جاتا ہے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔

یہ اتنا کھلا افراد اور گندہ بہتان ہے۔ جس کے جھوٹ اور بے اصل ہونے میں کسی کو شبہ نہیں اتنا تو بہتری بھی جانتے ہی اور مانتے ہیں کہ امام اعظم اعظم المرتبت عالم تھے۔ جاہل نہیں تھے۔ باوقار اور خاص تکنت کے مالک تھے شیعوں کی طرح سفلے یا پھوڑے نہیں تھے، بزرگوں اور بڑوں سے اس قسم کی تشنگ زنی یا ان کی خردہ گیری کی توقع تو ان سے ممکن ہی نہیں تھی۔

اور یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ ایک چیز کو دیکھ لینا اس کے سارے حالات اور نتائج جان لینے کو لازم نہیں اگر ہر دین پر جال دیکھ بھی لے اور شکاری کی غرض سے واقف نہ ہو تو کچھ بعید نہیں اس کے نزدیک وہ دانے جو جال میں بکھرے ہوں اور وہ دانے جو چھلنی میں رکھے ہوئی درازوں کیساں ہیں یہ اس کی نظر کا قصور نہیں۔ اور چھلنی اور جال کی غایت و مقصد کو علیحدہ علیحدہ جانتا ہے اس کی نظر کا کھیل نہیں اور نہ صرف کسی چیز کو دیکھ لینے سے اس کی حقیقت کو سمجھ لینا لازم ہے۔

اور پھر امام اعظم قرظاب امام صادق رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت و خدمت پر ہمیشہ فخر کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کا یہ قول قریب ہی مشہور ہے۔ کذا السنن کہ لکھا کہ الشیخان اگر امام صادق کی صحبت سے دو سال نہ ملے تو نہان ہلاک ہی ہو گیا تھا۔ تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں امام صادق رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایسے خیال کا گزر بھی ہوتا۔ یادہ ایسے الفاظ اپنی زبان زبان پر بھی لاتے اور یہ بات قرشیہ اور سنی دونوں کے نزدیک پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جناب زید شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مردانیوں پر چڑھائی کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دس ہزار دینار سرخ سے آپ کی مدد کی اور کوفہ میں اہل بیت کے مناقب و مناقب بیان کرنے شروع کئے اور علی الاعلان بتایا کہ اس وقت جناب زید کی مدد عین دین اسلام کی مدد ہے۔

اور بعد منصور میں امام صاحب کا قید ہونا کوڑے کھانا اور بلاخر زہر سے ہلاک کیا جانا ان سب واقعات کا سبب وادعیت اہل بیعت رسول ہی تھی۔

پھر اولاد زید شہید نے جب نواح خراسان و سیستان میں منصور کے خلاف چڑھائی کی تو امام صاحب لوگوں کو ان کی اتباع و بیعت پر رغب کرتے تھے جب منصور نے امام صاحب سے پوچھا کہ آپ نے علم کس سے میکھا تو انہوں نے فرمایا کہ امام صاحب علی سے اور انہوں نے حضرت علیؑ اور اسباب ابن عباس سے اور انہوں نے عبد اللہ بن عباسؑ سے کہا ہے اور پھر خازنوں سے امام صاحب کا شاگرد اور اس مناظرہ کے نتیجہ میں بعض کا ہدایت یاب ہو جانا یہ سارے واقعات مشہور و معروف اور زبان زد خلق ہیں۔

ان میں سے ایک جگہ روایت یوں ہے کہ امام صاحب کا ایک بڑا بڑا کڑا حرمی (خارجی) تھا وہ امام صاحب

کو کا فر کہتا تھا۔ آپ حق ہمسائیگی کی خاطر ازراہ ہمدردی اس کو بہت نصیحت و ہدایت فرماتے مگر وہ کسی پہلو مانا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ آپ نے چند روز اس سے ملنا جلنا ترک کر دیا پھر چند روز بعد آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے اور تنہائی میں اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ کہنے لگا تم میرے پاس آئے ہی کیوں اور تمہارا مقصد کیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا مجھ ایک شخص نے تیری لڑکی۔ اس کے لئے پیغام دے کر بھیجا ہے۔ وہ کہنے لگا کون ہے وہ آپ نے اس کی دولت حشمت، اخلاق و کردار اور حسب نسب سب کچھ بتائے اور آخر میں فرمایا کہ ان سب خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس میں ایک عیب بھی ہے کہ وہ یہودی ہے اس پر وہ بہت بگڑا اور غصہ دکھاتے ہوئے کہنے لگا تم عیب مسلمان ہو کہ مسلمان کو مجھو کر رہے ہو کہ وہ اپنی لڑکی یہودی کو دیدے تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ مسلمان لڑکی یہودی سے کیسے بیاہی جاسکتی ہے اس پر امام صاحب نے بڑی رسالت سے کہا خواہ اتنے گرم کیوں ہوتے ہو، تم تو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کا فر کہتے ہو میں نے سوچا کہ جب ایک نبی کی لڑکی کا فر کو دی جاسکتی ہے تو ایک حردی کی لڑکی ایک یہودی کو مل جائے تو کیا منافی ہے۔ یہ سنتے ہی حردی کی تو شٹی گم ہو گئی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد امام صاحب کے قدموں پر گر پڑا اور اپنے مذہب سے تائب ہو گیا۔

ادبیکی ہر ہر والی روایت میں عیاشی کئی غلطیوں کا شکار ہوا۔

[illegible][illegible]

کھڑے ہوں گئے۔ امام صاحب نے ابن مسلمہ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں انہوں نے کہا کہ یہ مومنی حضرت جعفر علیہ السلام ہیں، امام صاحب کہنے لگے میں شیعوں کے سامنے ہی ان کی پیشانی پر بوسہ دوں گا ابن مسلمہ نے کہا تم ایسا نہیں کر سکتے۔ امام صاحب نے کہا اللہ میں ضرور ایسا کروں گا۔

پھر امام صاحب نے موسیٰ سے مخاطب ہو کر پوچھا میاں صاحبزادے تمہارے اس شعر میں آدمی تقاضا حاجت کہاں کرے؟ موسیٰ بڑے دیواروں کی آڑ میں اڑھوس کی نظر سے بچے نہروں کے کنارے پر نہ کرے، میوؤں کے پھینکنے کی جگہ نہ کرے اور قبیلہ کی طرف نہ منہ کرے نہ پشت ان باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے جہاں چاہے فارغ ہوئے۔

یہ روایت بھی کسی متعصب شیعہ کی گھڑنت اور ان کے گھڑے ہوئے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ۔ اس میں صحیح اسی قدر ہے جو دوسرے شیعہوں نے روایت کی ہے یا اہل سنت بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

کَمَا دَخَلَ الْوَحْيُكَ الْمَدِينَةَ مِنْهَا قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَقْبَى إِلَى دَاخِلِ السَّادِقِ فَمَجَّسَ
يُنْتَظَرُ خُرُوجَهُ فَخَرَجَ ابْنُهُ مُوسَى وَهُوَ صَاحِبُهُ فَقَامَ وَوَقُفُّهُ ثُمَّ قَالَ آيَتُ يَضَعُ الْعَرَبُ حَاجَتَهُ فِي
بَلَدِهِ كُمْ فَاتَّخَذَ بِمَا دُكِرَ مَا يَقَالُ الْوَحْيُكَ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يُجْعَلُ بِرَسُولَاتِهِ رَجَبُ إِمَامِ الْوَحْيِ
رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ دَرِيَّةُ النَّبِيِّ بِمَنْجِي تَوْجِيهِ حَضْرَةِ أَكْرَمَ صَلَّي اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْ رَوْنَهُ بِرَ حَاضِرِي دَمِي بِحَرِّ حَضْرَتِ حَادِقِ رَحْمَةُ اللَّهِ
عَلَيْهِ كَيْ مَكَانِ بِرَ حَاضِرِ هُوَ أَوْ رَانَ كَيْ انْتِظَارِ فِي دَوْلِ بُلْغَةٍ كَيْ اسْتَنْفِ فِي ان كَيْ كَمَنْ بُلْغِي مُوسَى بِأَسْرَ إِمَامِ صَاحِبِ
نِي بِرَ آيَتِ بِرَ هُوَ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يُجْعَلُ بِرَ سَالَتُهُ اَلْخُطْبُ جَانَا هِي كَيْ دِه رَسَالَتِ كَيْ كَيْ بِجَنِّ اس رَوَايَتِ سِي
مَعْلُومِ هُوَا هِي كَيْ إِمَامِ صَاحِبِ نِي بِجِي سِي سَوَالِ اِبْلِ بَيْتِ كَيْ بِجُولِ كِي ذَكَوَاتِ دِتِي زِي نِي سِي مَتَا شَرِّ هُوَا كَرِ اَلْخُبَارِ تَعْبِيبِ
كِي طُورِ بِرَ كِيَا تَقَا- اَوْرِ بِرَ بَاتِ اس زَمَانِ هِي مِي نِي اَنَّا كَلِ هِي هِي كَيْ بِجُولِ كِي ذَكَوَاتِ دِدَا نِي سِي حِيَرَتِ زَوْدِ هُوَا كَرِ بِطُورِ
اِمْتِنَانِ اس قِصَمِ كِي سَوَالَاتِ كَرِ هِي بِلِيْتِي هِي

اور مقدمہ یا تو اس غاندان سے اظہار عقیدت ہوتا ہے یا دوسروں پر اس غاندان کی بلند مرتبت و اعلیٰ مقام کا الزام و طعن کا تو ایسے موقع پر سوال ہی نہیں۔

ترا سیمواں دھوکہ دیا۔ یہ کہتے ہیں کہ خلیفہ اولیٰ رضی اللہ عنہ، جبکی خلافت کے اہل سنت قائل ہیں۔ خود اپنی خلافت میں مترود تھے بر خلاف امیر المومنین رضی اللہ عنہ، کہ ان کو شک و تردد کے بجائے پورا یقین و وثوق تھا اور ظاہر ہے یقین کی اتباع شک و تردد کی اتباع سے زیادہ بہتر ہے۔

اور غلیفہ اول کے شک و تردید ثابت کرنے کے لئے یہ روایت گھر طری کہ عین و نوات کے وقت آپ نے یہ الفاظ فرمائے یٰلَیْقِنْ کُنْتُ مَا لَنْتَ مَ سُوْرُکَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھَلْ لَیْ لَاصْبَارِ فِیْ ھٰذَا الْاَمْرِ شَیْئٌ دَکَاشْ مِیْنِ رَّسُوْلِی اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یہ پوچھ لیتا کہ کیا اس خلافت میں انصار کا بھی کوئی حق ہے ۱۰

اور جب یہ گھڑت شیعہ علی کے ہاتھ لگی تو بڑا اچھا کدوا اور بڑی ڈیگ مارنے لگا اور بزمِ خودیہ سمجھ بیٹھا کہ اسی دلیل ہاتھ لگی ہے کہ اس سے اہل سنت کا ناطقہ بند کیا جاسکتا ہے۔ اور اب تو مناظرہ کی بازی اپنے ہاتھ آگئی زادور شیعوں کو یہ واقعی حق حاصل ہے کہ وہ افتراء بہتان اور جعل سازی پر متبنی پناہیں بغلیں یا نہیں کہ یہ تو ان کے فریب کی بنیاد ہی ہے مگر چونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ دلیل بے اصل اور من گھڑت ہے۔ اس لئے وہ اس کے من گھڑت

ہونے کی تشریح یوں کرتے ہیں :-

کہ اگر خلیفہ اول (رضی اللہ عنہ) کو انصار کے معاملہ میں کچھ تردد تھا تو وہ خود ایک مہاجر یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں حکم خلافت کیوں صادر فرماتے، اور اگر انصار کو خلافت نہیں دی تھی تو کم از کم ان کو کسی نہ کسی طور خلافت ہی میں شریک کر دیتے،

اور بفرسہ حال یہ روایت صحیح بھی مان لی جائے تو پھر ان الفاظ کا مقصد یہ تھا کہ کاش حضور علیہ السلام سے انصار کی موجودگی میں یہ سوال کر لیتا تاکہ حضور علیہ السلام کے جواب باثواب کو یہ حضرات اپنے کافروں سے سن لیتے اور آج اس معاملہ میں مجھ سے بکبیدہ خاطر نہ ہوتے۔

اور پھر یہ کام اگر خلیفہ اول (رضی اللہ عنہ) کا ہی مان لیا جائے تو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے در خلافت مقرر کرنے کے معاملہ سے تو بڑھ کر نہیں۔

کیونکہ خارجی فرقہ تو پیدا ہی اس وجہ سے ہوا۔ اور وہ اسی وجہ سے بد عقیدہ ہو کر آپ کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے یہی تو اعتراض کیا کہ اگر اس شخص (امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ) کو اپنے بہ حق ہونے کا یقین ہوتا تو بیجا نہ کیوں بلاتے لہذا معلوم ہوا کہ بغیر حکم صریح اور بلا استحقاق اس اہم کام کا دعویٰ کیا اور جب کچھ میں نہ چلتا دیکھا تو عمل پر رضامندی ظاہر کی اور معاملہ ششودہ پر چھوڑ دیا۔

دوسری بات یہ کہ خلیفہ اول کے زمانہ سے لے کر آج تک سوائے ان جھوٹے رافضیوں کے کسی نے بھی یہ روایت نقل نہیں کی۔ اس کے مقابلہ میں محکم کا معاملہ تو ایسا طشت بام ہوا ہے کہ کوئی لاکھ کوشش کرے اس کو جھپٹا نہیں سکتا پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خلیفہ اول (رضی اللہ عنہ) کے اس قول پر کوئی خلفشار اور انتشار پیدا نہیں ہوا کیونکہ اس کے بعد اور صورت حال کا علم ہو جانے سے خود انصار رضی اللہ عنہم معاملہ خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ بخلاف معاملہ محکم دشمنی اس کے بعد جو فساد برپا ہوا اور ایسا برباد ہوا کہ اہل بیت کے خاندان سے خلافت ہی نکل گئی اور پھر کسی نے بھی ان کو خلافت میں داخل نہ ہونے دیا۔ اور انہوں نے اپنے طرز عمل کی بنیاد اسی دلیل کو بنایا کہ خاندان اہل بیت کا خلافت میں کوئی حق ہوتا تو وہ اس خلافت کو مثالوں کے پر نہ کرتے اور امیر المؤمنین بیجا نہ بلاتے نہ اس پر راضی ہوتے یہی وجہ تھی کہ حروری ان سے ناراض ہوئے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ فواسب اور مروانیوں کا جھنڈا اہل اسلام پر بہرایا اور ان کی امارت کو مستحکم بنانے کے لئے عام مسلمانوں نے بھی کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

چو را سی وال دھوکہ :- یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت عروج کی اس حد کو پہنچ گئی کہ لوگ ان کی اہمیت کے قائل ہو گئے، لیکن خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کو یہ عزت یہ قدر و منزلت حاصل نہ ہو سکی لہذا معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر سہ خلفاء رضوان اللہ علیہم سے افضل اور امامت و خلافت کے زیادہ حق دار ثابت ہو گئے۔ اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خرق عادات امور اور معجزات ظاہر ہوئے جو بتائے ہیں کہ آپ ہی امامت و خلافت کے حقدار ہیں، خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ علیہم سے ایسی کوئی بات ظاہر نہ ہوئی۔

شیعوں کا یہ بیان عیسائیوں کے خیالات کا چرہ دیا ان کا انکار ہوا تو الہ ہے (کیونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت

مسیح علیہ السلام کے ساتھ لوگوں میں جو بلند اعتقادی ہے۔ وہ پیغمبرِ آخر الزمان علیہ السلام کے ساتھ نہیں اور خوارقِ عادات امور مثلاً مردوں کو زندہ کرنا اور زائد انصوں اور کوڑھوں کو بیکار کر دینا، حضرت مسیح علیہ السلام سے تو ان کا حدودِ بار بار اور پھر پے ہوا مگر پیغمبرِ آخر الزماں سے ایسی کوئی بات صادر نہیں ہوئی اگر آپ سے کبھی کبھار دو چار معجزے صادر بھی ہوئے تو وہ شہرت و توانہ کی حد تک نہ پہنچے اس لئے ان وجہ کی بنا پر پیغمبرِ آخر الزماں علیہ السلام کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتنا بے حد زیادہ حق دار ہیں۔

معلوم نہیں عقل کا جنازہ نکل گیا ہے یا لوگوں کی مت ماری گئی ہے کہ وہ اتنا نہیں سوچتے کہ اگر لوگوں نے خلاف واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کی مسند پر بٹھا دیا ہے تو کیا جاہلوں کی اس گندی عقیدت ہی کی بنا پر واقعی ان حضرات میں فضیلت و برتری کا پھندا لگ گیا ہے۔ کیا عرب کے ان گھڑ لوگوں نے لات و سنات اور عزیٰ کو مسند الوہیت نہ بخشی؟ تو کیا ان گھڑ لوگوں کے گھر سے ہونے چھروں میں فضیلت و بزرگی پیدا ہو گئی پھر ان ہی گندہ ناتراش جاہلوں نے یا ان کے خلاف نے عبداللہ بن سبا یہودی کے بہکانے میں آکر اور اپنی عقل و دانشمندی کو اس کے ہاتھ گردی رکھ کر جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسا اعتقاد رکھا جس سے نکلا کتابوں میں اچھا لاق کیا جناب امیر رضی اللہ عنہ کی بزرگی میں اسے کچھ اضافہ کیا؟ اگر بزرگی اور فضیلت کا مدار جہان سے زمانہ اور عوام کا لاف نام پر ہی ہے تو ہمارے دیار میں تو پھر شیخ سعد و غیرہ فضیلت میں ان حضرات سے بازی سہ جائیں گے العیاذ باللہ وانا للہ وانا علیہ راجعون!

اور زیادہ ماقم تو شیعہ علماء کی عقلوں کا ہے کہ وہ ایسے پھر عقیدوں کو مطالب اصولیہ کے ثبوت میں دلیل بتاتے ہیں چنانچہ ان کے ہی ایک عالم نے ایک شعر کہا ہے اور حسب عادت درود اس کا رشتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جوڑ دیا ہے وہ کہتا ہے۔

کُنْ فِي فَضْلِ مَنْزِلِنَا حَلِيٌّ وَ قُرْخِ اثْنَيْ فِئَةٍ آتَهُ اللَّهُ
ہمارے آقا علیؑ کی فضیلت کے لئے ہی کافی ہے کہ ان کی ذات میں خدا ہونے کا شک ہو گیا۔

وَمَاتَ الشَّافِعِيُّ وَلَيْسَ يَدْرِي عَلَيَّ رَأْيُهُ أَذْ رَأْيُهُ اللَّهُ
شافعی مرتے مر گئے مگر یہ نہ جان سکے کہ ان کا رب علیؑ ہے یا اللہ۔

رہا معجزات کا کثرت سے صادر ہونا تو یہ بھی شیعوں کے نزدیک وجہ فضیلت نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ان ہی کے عقیدہ کے مطابق حضرت مہدیؑ سے اچھے کثیر معجزات کا صدور ہونے والا ہے کہ ان کے بزرگ اجداد سے بھی صادر نہ ہونے لگے تو اگر معجزوں کی کثرت کو وجہ فضیلت قرار دیں تو حضرت مہدیؑ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فضیلت و بزرگی میں بڑھ جائیں گے۔ اور یہ بات سنیوں کے نزدیک بھی باطل ہے اور شیعوں کے نزدیک بھی۔

اور زیادہ تعجب اس بات کا ہے کہ اثناعشری جو غلاۃ کے اعتقاد سے امکانِ برأت اور کنارہ کشی کرتے ہیں اس قسم کی باتوں کی طرف دل ان کا بھی جھکتا ہے ان میں سے بعضی صاف الوہیت یا حلول کے عقیدہ سے گھبرا کر سرخفی کے اعتقاد کی چادر میں چھپ گئے ہیں۔ اور کہتے ہیں جو بھی مخفی جہید کھوسے گا اس کا خون صاف ہے ان کے بعض شعرا نے اس مسنون کو شعروں میں ادا کیا ہے۔

لَا تَحْسَبُنِي هَوْنِي أَنْفَرُ حَيْدَ رَاغٍ يَعْلَمُ وَعَلَا مِنْ ذَوِ النَّسَبِ

یہ نہ سمجھو کہ میں نے حیدر سے ہندی علم یا نسبی برتری کی وجہ سے محبت کی۔

وَلَا شَجَاعَةً فِي كُلِّ مَعْرَكَةٍ وَلَا التَّلَدُّ فِي الْبِلَادِ مِنْ رَأْيِي

نہ اس وجہ سے کہ ہر معرکہ میں داؤد شجاعت دہی۔ اور نہ جنت کی ابدی لذتوں کے حصول کے لئے۔

وَلَا التَّبَذُّرَ مِنْ نَارِ الْجَحِيمِ وَلَا تَجَوُّثَهُ مِنْ عَذَابِ النَّارِ شَيْعِي

اور نہ دوزخ سے چھٹکارا پانے کے لالچ میں نہ اس امید میں کہ دوزخ کے عذاب سے بچانے کے لئے میری شفاعت کریں گے۔

لَكِنْ عَرَفْتُ هُوَ السِّرُّ الْخَفِيُّ فَإِنْ أَدْفَعْتُهُ خَلَلْتُ قَتْلِي وَهَرَمَ رَأْيِي

لیکن میں نے انہیں پہچان لیا ہے کہ وہ سرخفی ہیں اگر میں اسے فاش کر دوں تو میرا خون صاف اور میں سزا کا مستحق ہو جاؤں گا۔

فِيمَنْ هُوَ عَنْهُ دَاوُدُ وَآلُهُ كَأَنَّمَا يَفْرُغُ عَنْهُ حَاجِبُ الْكَلْبِ

گوگوں کو ان کی حقیقت جان لینے سے وہ بیماری روکتی ہے جس کی کوئی دوا نہیں (یعنی جہان) جس طرح کتے کا کاٹنا پانی سے بھاگتا ہے۔

ان کے بعض علماء اپنے دعویٰ انصافیت کی تائید میں یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کندھے پر ان کا پاؤں رکھا۔ پورا قصہ یوں نقل کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے میں داخل ہوئے تو کعبہ کو بتوں سے بھرا ہوا پایا آپ نے سب کو گرا کر کر توڑ ڈالا ایک بت کسی ادنیٰ جگہ پر رکھا ہوا تھا کہ وہاں تک آپ کا دست مبارک نہ پہنچ سکا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ میرے کندھے پر پاؤں رکھ کر پڑھ جاؤ اور اس بت کو توڑو۔ امیر المؤمنین نے یہ پاس ادب عرض کیا یا رسول آپ میرے شانے پر چڑھ جائیں اور پھر وہ بت توڑ دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بار نبوت کے برداشت کی تاب نہ لا سکو گے۔ اب اس واقعہ سے بات کھلی کہ امیر المؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر کیوں چڑھے تھے اور اس میں سرخفی کیا ہے۔

اس کے مقابلہ میں یہ قصہ تراپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ ہجرت کی شب سہرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پشت پر اٹھا کر بخول کے بل کئی کئی گئے پورا پاؤں ٹیکنے سے اس خدشہ کے پیش نظر احتراز کیا کہ کہیں دشمن کھوج نہ لگالیں اس سے ایک بات بڑی واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بار نبوت برداشت کرنے کی غایت درجہ ملافہ تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک پر چڑھنے کا قصہ اگرچہ زبانِ ذوق خلق ہے پھر بھی اس نوعیت سے یہ قصہ صرف شیعہ روایات میں ملتا ہے اہل سنت کی کتب صحاح میں اس کا سراغ نہیں ملتا اس لئے اس سے اہل سنت کو الزام دینا بھی صحیح نہ ہوگا۔ کتب صحاح میں یہ واقعہ اس طرح ملتا ہے۔

أَنَّهُ مَلَئَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكُتَيْبَةُ لِيُزِمَ الْفَرَجَ وَخَوَّلَ الْبَيْتَ ثَلَاثًا ثِيَابًا وَسُتُورِينَ نَصَبًا فَبَعَثَ يَطْفِئُهَا بَعُورًا فِي يَدِهِ وَيَقُولُ جَاءَ الْحَقُّ وَالْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ تَهُوُّقًا فَكَانَتْ تَسْقُطُ بِأَسْكَابِهِ

رنج کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا وہاں تین سو ساٹھ بت رکھے ہیں آپ اس چھڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی ان کو کچھ کے لگاتے اور فرماتے۔
حق آیا اور باطل مٹ گیا باطل تو بے شک مٹنے ہی والا ہے۔ لہذا وہ بت آپ کے اشارے کے ساتھ ہی گرتے جاتے۔

ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ بت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ ہی سے گرتے جا رہے تھے اس میں کاندھے پر چڑھنے کی ضرورت ہی نہ تھی ممکن ہے یہ واقعہ کعبہ کے ارد گرد نصب کئے ہوئے بتوں کا ہو اور اندرون کعبہ کے بتوں کو کسی دوسرے وقت پھیل رہی روایت میں مذکور صورت کے مطابق توڑا ہو۔ بہر حال اہل سنت کی صحیح کتب میں تو روایت اسی قدر ہے کہ وہ تصویریں جو کعبہ کی دیواروں پر بنی ہوئی تھیں آپ نے ان کو پانی سے دھویا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما از مزم کا پانی لارہے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے ان تصویروں کو دھو دھو کر مٹا رہے تھے۔ جب بتوں کی باری آئی تو آپ کے حکم سے وہ باہر نکالے گئے انہیں مجبوری میں حسرت ابراہیم و حسرت اسماعیل علیہما السلام کے محسوس بھی تھے ان کے ہاتھوں میں نال دیکھنے کے پائے تھانے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کا خروں پر لعنت کرے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان بتوں کو انہوں نے یہ کام نہیں کیا پھر بھی ناحق ان کے ہاتھوں میں یہ قرعے دیدئے۔

پچاسی سیدوں اور دھوکہ باز شیعہ اہل سنت پر طعن کرتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ، ابو حنیفہ، شافعی مالک اور احمد رحمہم اللہ کا مذہب نوافضار کرتے ہیں۔ مگر ائمہ اہل بیت کا مذہب اختیار نہیں کرتے۔ حالانکہ وجوہ ذیل سے ائمہ اہل بیت اتباع کے زیادہ حقدار ہیں۔

(۱) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعت جگر ہیں رسول اللہ کے گھر میں پرورش پائے ہوئے ہیں آئین شریعت بچپن ہی سے یاد کئے ہوئے ہیں اور صاحب الہیت اُدری بمافیہ کے مصداق گھر کے یہ افراد گھر کے اندرون حالت سے زیادہ واقف ہیں۔

(۲) صحیح حدیث میں جو اہل سنت کے نزدیک بھی معتبر ہے اہل اتباع کا حکم آیا ہے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنِّیْ مَادِرُکْتُ فِیْکُمْ الشَّقِیْنِ اِنَّ تَسْتَسْتَمِعُ مِنْهُمَا لَنْ تَعْلَمُوْا اَلْبَدِیْیَ کِتَابُ اللّٰهِ وَ عِلْمُیْ اَفْکَلُ بَنِیِّیْ رَیْیَیْنِیْ تَمِیْنِیْ دَوِیْسِیْ قَابِلِ اَسَاوِیْرِیْ جُھُوْرُیْ جَارِیْ اَیْوَلِ اَکْرَمِیْ اَنْ سَبَّ وَ اَبْسَدَ رَسُوْلُیْ سَبَّیْ اَبَدَ کَرَامَہُ نَدَبُوْکَ اَیْکَ اللّٰہِیْ کِتَابِ دَوَسَرِیْ سِرِیْ اَہْلِ بَیْتِیْ

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ مَثَلُ اَہْلِ بَیْتِیْ فِیْکُمْ کَمَثَلِ سَفِیْنَةٍ فَوْجُ مِنْ رَکِبِہَا نَجٰی وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا خَرَقَ دَمِیْ مِیْرَیْ اَہْلِ بَیْتِیْ کِیْثِیْ نَوْجِیْ عَلِیْہِ السَّلَامُ کِیْثِیْ کِیْثِیْ سِیْ سِیْ جَوَاسِیْ سَوَارِیْ ہُوَ اِنِّیْ جِیْ اَوْرَ جَوَاسِیْ سِیْ سِیْ جَوَاسِیْ سَوَارِیْ

(۳) ائمہ اہل بیت کی بزرگی، جادات ان کا تقویٰ اور دہ دہ علم شیعہ و سنی ہر دو فریق کو تسلیم ہے بخلاف دوسروں کے اور ظاہر ہے کہ جن کی بزرگی پر اتفاق ہو وہی اتباع کے زیادہ حق دار ہیں نہ کہ دوسرے۔
اس مکر اور کید کا جواب یہ ہے کہ امام دراصل نبی کا نائب ہوتا ہے اور نبی صاحب شریعت ہوتا ہے نہ کہ

صاحبِ مذہب: اس لئے کہ مذہب اس راستہ کا نام ہے جو راست میں سے بعض ہی کے لئے کشادہ ہوتا ہے پھر وہ چند مشرفہ قواعد و اصول کے ذریعہ شریعت کے مسائل کا استخراج کرتے ہیں پھر مذہب میں خطا و ثواب دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ جبکہ امامِ خطا سے محفوظ ہوتا ہے۔ اور نبی کا حکم رکھتا ہے عقل کا تقاضا نہیں کہ اس کی طرف مذہب کی نسبت کر دیں۔

اسی طرح مذہب کی نسبت خدا تعالیٰ حضرت جبریل اور فرشتوں کی طرف کرنا بھی بے عقلی کی دلیل ہے اور اہل سنت کے فقہاء صحابہ کی طرف بھی مذہب کی نسبت کر کے ان کو بھی صاحبِ مذہب نہیں کہتے باوجودیکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو امام ابو حنیفہ و امام شافعی وغیرہ سے افضل و اعلیٰ مانتے ہیں۔ بلکہ صحابہ کرام کے اقوال و افعال کو فقہ کی اصل اور احکام شریعت کی دلیل شمار کرتے ہیں اور خود ان کو امت تک علم کے پہنچنے کا غیبی ذریعہ اور وسیلہ۔

اور فقہاء امت کی اتباع میں ائمہ ہی کی اتباع ہے اس لئے کہ انہوں نے فقہ مذہب اور قواعد ان حضرات ائمہ ہی سے تو سیکھے ہیں وہ اپنی شاگردی کی نسبت انہیں سے قائم کرتے ہیں۔ پس اہل سنت تو ان ائمہ کی اتباع کو ہی مقصود نظر سمجھتے ہیں مگر مذہب کی نسبت انکی طرف نہیں کرتے۔ اور شیعوں کے حالات و واقعات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بھی براہِ راست ائمہ کی اتباع نہیں کرتے یہ بھی ان واسطوں کی پیروی کرتے ہیں۔ جو خود کو ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور انہیں سے علم حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے متبعینِ اہل سنت اصل عقائد میں ائمہ کی ہرگز مخالفت نہیں کرتے ان کے متعلق ائمہ کی بشارتیں اور خوشنودی مزاج کی سندیں موجود ہیں۔

بخلاف متبعینِ شیعہ کے۔ مثلاً ہشامین، اسحاق طاق ابن اعین اور ان کے مثل کہ انہوں نے بنیادی عقائد میں ائمہ کے خلاف کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جہمیت اور اس کے اعضا ہر یک کے قائل ہوئے ائمہ کرام نے ان سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور ان کے عقائد باطل ہونے پر شہادت دی ان کو دردِ داغ و گواہی اور افترا و پرداز بتایا پھر یہ سب مباحث کتاب ہذا کے باب سوم و چہارم میں شیعوں کی معتبر کتابوں کے حوالوں کے ساتھ انشاء اللہ بیان کئے جائیں گے۔

درحقیقت امام کا منصب یہ ہے کہ عالم کی اصلاح کرے رفق شر اور دفع فساد کرے جس فن میں کمی دیکھے اس کی تکمیل کرے اور جو معاملہ ٹھیک چل رہا ہو اسے اس کے حال پر چھوڑ دے تاکہ تعقیل حاصل نہ لازم آئے۔ پس ائمہ نے اپنے منصب سے زیادہ مناسب اور اہم طریق سلوک و طریقت کو خیال کر کے اپنی پوری توجہ اور صریح مبذول رکھی اور امور شرعیہ کو اپنے بزرگ و دوستوں۔ برگزیدہ مصاحبوں اور لائق ترین شاگردوں کے سپرد کیا اور خود انہوں نے عبادت، ریاضت، تربیتِ باطن، تعیینِ اذکار اور اور نمازوں اور دعاؤں کی تعلیم تہذیبِ اخلاق طابین سلوک کو اس کے فوائد سے آگاہ و مطلع کرتا ہے اور کلام اللہ و کلام رسول سے حقائق و معارف اخذ کر کے ارشاد فرماتا اپنا خاص مشغلہ بنایا ان مشاغلِ مبارکہ کے لئے خلوت و گوش نشینی لازم ہے اس لئے یہ بزرگ حضرات استنباطِ احکام و اجتہاد مسائل کی طرف توجہ مبذول نہ رکھ سکے۔

یہی سبب ہے کہ علم طریقت کے دقائق نکات اسرار اور بھید زیادہ تر انہی بزرگوں سے منقول ہیں اور اہل سنت اس وجہ سے ولایت کے تمام سلاسل انہی بلند ہستیوں پر ختم کرتے ہیں حدیث ثقلین بھی ان کی اسی حیثیت کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ ظاہر شریعت کی تعلیم کے لئے کتاب اللہ کافی ہے اور علم لغت و اصول جود صنع اور عقل سے تعلق رکھتے ہیں فہم شریعت میں مدد پہنچانے کے لئے بہت ہیں ان میں امام کی کیا حاجت؟

ابنہ امام کی ضرورت سلوک و طریقت کے ان دقائق میں محسوس ہوتی ہے جو بظاہر کتاب اللہ سے سمجھے نہیں جاتے اور ائمہ نے بھی یہی راز معلوم کر کے اپنی توجہ اسی ضروری امر کی طرف مبذول رکھی اور شریعت کا صرف اجمالی بیان فرمایا علم و عقل کو مجتہدین پر چھوڑ دیا چنانچہ شیعہ و سنی دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی امام نے تصنیف و تالیف کا کام نہیں کیا نہ اصول نکالے نہ اصولوں سے فروع نہ کوئی کتاب لکھی نہ کوئی فن مرتب کیا کہ اس پر کفایت کی جاتی بلکہ مسائل و احکام کی روایات ائمہ کے دستوں اور شاگردوں میں مشہور و مسرور ہوئیں اور مسائل جزئیہ میں فوائد استنباط معروضِ فغان میں رہے تو لا محالہ اب ایسے شخص کی ضرورت ہوئی جو ان تمام روایات کو جمع کرے قواعد کی چھان بین کرے ان کو علیحدہ کرے اور اس طرح اصول اجتہاد کی بنیاد ڈالے،

اس بحث سے معلوم ہوا کہ جس طرح مذہب کی نسبت کسی خاص امام کی طرف نہیں کی جاسکتی اسی طرح امام کا اتباع بھی بلا واسطہ مجتہد کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

گویا پیغمبر علیہ السلام کی شریعت کا مقلد کے لئے اتباع مجتہد کو واسطہ بنائے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور شیعہ حضرات ہر چند ائمہ کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان مسائل میں کہ ائمہ سے ان کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملتی اپنے علمائے مجتہدین ہی کی طرف جھکتے ہیں مثلاً ابن عقیل حضائری، سید مرتضیٰ اور شیخ شہید اور پھر ان کے افعال پر فتاویٰ صادر کرتے ہیں جو ائمہ کے راویان کی صحیح روایات سے ٹکراتے ہیں۔ اس قسم کے مسائل میں سے کچھ تھوڑے سے مسائل بطور نمونہ باب فروع میں انشاء اللہ حوالہ قلم ہوں گے۔

تو اب اگر خود شیعوں کے نزدیک ایسے مجتہد کی بھی تعلید جائز ہے جس کے اقوال ائمہ کی بعض روایات کے مخالف ہوں اور یہ تعلید مجتہد ائمہ کی اتباع سے مانع نہیں تو اہل سنت کی اتباع امام ابو حنیفہ و شافعی وغیرہ کیوں قابلِ اعتراض بھی جائے۔

یہ ضرور ہے کہ ان مجتہدین کے بعد اقوال ائمہ کی بعض روایات کے مخالف ہیں مگر یہ مخالفت نہ نقصان دہ ہے اور نہ ائمہ کی اتباع اس سے متاثر ہوتی ہے کیونکہ اصول و قواعد میں یہ مجتہدین ائمہ کے ساتھ متفق ہیں۔

جیسا کہ امام محمد بن حسن شیبانی اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما دونوں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہوئے بعض مسائل میں ان کے خلاف گئے ہیں۔ اور تمام مذاہب میں ایسا ہوا ہے کہ امام مجتہد کی رائے سے ان کے شاگردوں نے اختلاف کیا ہے۔

اور ابن الاثیر جزوی مصنف جامع الاسول نے امام علی بن موسی الرضا کو جو امامیہ مذہب کا مجدد صدی سوم کا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امامیہ اپنے موجودہ مذہب کا سلسلہ سند ان تک پہنچاتے ہیں اور اس طرح اس مذہب کی ابتدا ان ہی سے جانتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ تابعین میں حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ اور صحابہ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ

عند مذہب حنفی کے بانی مہاتر تھے۔ یا مانع وزہری رحمہما اللہ تابعین میں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صحابہ میں مذہب مالکیہ کے بانی مہاتر ہیں۔

پھر بات بھی ہے کہ ابن الاثیر نے جو کچھ لکھا ہے وہ امامیہ کے گمان اور عقیدہ کے مطابق لکھا ہے نہ کہ فی الواقعہ ایسا ہے۔ چنانچہ ہر مذہب کے مجددوں کو اس نے اہل مذہب ہی کے اعتقاد کے مطابق نامزد کیا ہے۔
پھلپا سیدوں دھوکہ۔ اہل سنت کی کتابوں سے چھانٹ چھانٹ کر ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن سے صحابہ کرام علیہم السلام کی شان ارفع و اعلیٰ میں بدگمانی کا دم پیدا کر دیں، اور ان روایات کو اپنے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ وہ خلافت کے مستحق نہ تھے۔

وہ اپنے خیال میں اس مکروہ کید کو بڑی اہمیت دیتے اور تمام کیدوں کا سزناج سمجھتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی ان چالوں اور دھوکوں نے بہت سول کو راہ ہدایت سے بھٹکا دیا۔

ان تمام اخباروں و روایات کی تفصیلی بحث قراب مطالعہ میں انشاء اللہ آئیں گی اور وہاں معلوم ہوگا کہ ان روایات سے نہ ان کی مطلب برآری ہوتی ہے اور نہ ان کی غرض پوری ہوتی ہے۔ البتہ یہاں مقام کی مناسبت سے ان کے اس دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ کلمہ سنت کو الزام دینا ہی ہے تو انصاف سے تو کام لو، اور اسکی صورت یہ ہے کہ اہل سنت کی تمام صحیح روایات کا اعتبار کرو جو مناقب و بدائع خلفاء و صحابہ کرام میں اہل سنت کے نزدیک بطریق تواریخ متقول ہیں اور پھر دونوں قسم کی روایات کو پیش نظر رکھ کر دیکھو ان میں باہم تعارض ہو تو علم اصول میں تعارض دور کرنے کی جو وجوہ مقرر کی گئیں ان کے مطابق تعارض دور کرنے کی کوشش کرو۔ یعنی اکثر کو اقل پر، اظہر کو اخفی پر اور اس دعوے کو جو عمل و اعتقاد کے موافق ہو اس کے خوف پر قابل ترجیح جانیں۔

اب اس جمع کرنے، چھان بین کرنے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے اور ان میں حق و ثواب معلوم کرنے کے بعد جو نتیجہ نکلے گا وہ عین اہل سنت کا مذہب ہوگا۔

یہ حرکت خلاف انصاف ہوگی کہ الزام دینے والی روایات کو یا گھڑی ہوئی اور ضعیف کو عام روایات کے خلاف صرف آحاد تنہا کی روایات کو، جو تاویل شدہ اور صحیح معنوں پر محمول ہوں نظر اعتبار سے گرا دینا اور ان روایات سے چشم پوشی کرنا جو متواتر اور قطعی الثبوت ہوں، جیسا کہ اس فرقہ کا معمول ہے۔

ان کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو قرآن مجید سے ایسے جملوں کو چھانٹتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی لغزش کا ثبوت دیتے ہیں جیسے وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ۔ یا حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کے بارے میں سوال کرنا۔ یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو اپنا پروردگار کا کہنا اور بتوں کے نورٹنے کی جھوٹی نسبت بڑے بت کی طرف کرنا اور خود کو جھوٹ موٹ کا بیاد ظاہر کرنا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو قتل کر دینا اور اپنے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑ کر بلا تحقیق و تامل کے کھینچنا، اور حضرت داؤد علیہ السلام کا اور یاکا کی بیوی کے معاملہ میں گناہ یا اور اسی قسم کی باتیں، اور پھر اس کے بعد یہ کہتا ہے کہ جو محقر قرآن مجید میں ان انبیاء کی برائیاں قطعیث اور تواتر سے ثابت ہیں اس لئے یہ نبوت کے مستحق نہ تھے، بلکہ ان کو نیک جاننا فرمان خداوندی کی خلاف ورزی ہے اور یہ بدتمیز اور عقل سے بیدل شخص اتنا نہیں سمجھتا اور اگر سمجھتا بھی ہے تو بدتمیزی کا پردہ اس کی عقل پر ایسا پڑا ہوا ہے کہ وہ ان

قطعی اور متواتر نفوس قرآن کو دیکھنے سے عاجز ہے۔ جو با بقراآن مجید میں آئی ہیں جو ان محترم معجزات کی تعریف اور ان کے حال اور نتیجے کی خبر و خوبی سے بھر جی ہوئی ہیں۔

اگر کسی قصے یا حکم میں دوسروں کی عبرت کے لئے یا ان بزرگوں کی تادیب و ارشاد کے لئے کوئی عتاب آمیز جملہ وارد ہو اسے قرآن میں ان کثیر قطعی الثبوت نسوس کو باطل نہیں کر سکتا لامالہ اس عتاب آمیز کلام کو کسی ایسے معنی پر محمول کریں گے جو ان کی ارفع و اعلیٰ شان پر کوئی حرف نہ آنے دے۔ جو قطعی طور پر ثابت ہے۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اگر کوئی چاہے کہ وہ متشابہ آیات جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں جمیعت یا لوازم جمیعت ثابت کرتی ہیں اور جن میں چہرے کے بڑی تک کے اعضاء و اجزاء جسمانی کا اللہ تعالیٰ کے لئے ظاہر ہونا سمجھا جاتا ہے۔ ان آیات کو لے کر اللہ تعالیٰ کے حق میں نقص کا تصور لے کر یہ کہے کہ جو ذات ان خوب سے متصف ہو خدا بننے کے لائق نہیں۔ تو اس قسم کے شبہات اور مفہومات کا ایک ہی جواب ہے کہ۔ **حَفِظْتَ شَيْئًا وَغَابَتْ عَنْكَ أُمُشْيَا** اور ایک چیز کو بچانے کے لئے تو نے ساری چیزیں کھو دیں۔

اور شیعوں کا یہ شبہ اس علم کے شبہ سے ملتا جلتا ہے جو نماز کے انکار میں آیت **لَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ** پیش کرتا ہے۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اسی آیت کو سیاق و سباق کے ساتھ یا دوسری آیت دیکھو تو کہتا ہے کہ بلا مانع قرآن پر عمل کس نے کیا ہے۔ ایک دو کمروں پر ہی عمل ہو جائے تو غنیمت ہے۔

سنا سیوال دھوکہ۔ ان کے وہ علماء و جن کو اپنی تاریخ دانی پر بڑا اعزاز ہوتا ہے، بنا دلی اور جھوٹی حکایتوں کو جنہیں تاریخ کذب صریح کہہ کر ردی میں ڈال دیتی ہے۔ اپنی بڑی معتبر کتابوں میں میں دھڑلے سے جگہ دینے ہیں۔ اور کذب و بہتان کی اسی پوٹ سے اپنے اعتقادی مسائل ثابت کرتے ہیں۔

ان حکایات میں بلند درجہ وہ جھوٹی حکایت ہے جو ان کے سیرت نگاروں اور اخبار نویسوں نے گھڑی ہے اور ان کے علمائے انہیں اخبار نویسوں پر اعتماد کر کے اور حسن ظن سے کام لے کر ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے۔

اسی حکایت سے وہ انبیاء و الوالعزم علیہم السلام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کرتے ہیں۔ جو اس مسائل نبوت میں ہے اور عینوں مذاہب یہودیت نصرانیت اور اسلام کے خلاف ہے وہ روایت علیہ بنت ابی ذؤیب عبد اللہ بن حراث سعدیہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ پلانے والی تھیں۔

یہ ایک دند کہ ہر اوراق میں مجاہد بن یوسف ثقفی کے پاس پہنچیں تو مجاہد نے ان سے کہا علیہم اچھا برا تم خود ہی آگئیں میں تم کو بچڑ بولانے والا تھا۔ تاکہ تم سے انتقام لوں وہ بولیں آخر اس خشکی کی وجہ کیا ہے وہ بولا میں نے سنا ہے کہ تو علی کو، ابو بکر عمر رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتی ہے یہ منکر علیہ نے سر جھکا لیا اور بڑی دیر بعد اسراٹھا کر کہا میں اسے مجاہد میں اپنے امام کو خدا کی قسم نہ صرف ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر ترجیح دیتی ہوں کہ ان دونوں کی کیا حیثیت کہ ان جناب کے ساتھ ایک نرزد میں نلی سکیں میں تو آپ کو آدم فوج ابراہیم سلیمان موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام پر فضیلت دیتی ہوں۔

یہ سکر چارہ آگ بخود ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں تو اس بات پر ناز میں تھا کہ تو اس شخص درہنہ اندھ کو سنبھالے گا
میرے دوسلم کے دو صاحبوں درہنہ اندھ تھا، یہ نزدیک دینی ہے اور اب تو نے میرے منہ پر تمام اور العزم پیغمبروں پر ترجیح
دے کر اپنے جرم کو اور بھی سنگین اور میرے غصے کو اور بھی بھڑکا دیا ہے اگر تو اپنے اس دعوے سے دست بردار
نہ ہوئی تو میں تیرے حکمت کو بڑا ہوں گا۔ اور میں تمنا کرتا ہوں کہ تیرے بھرت بنا دوں گا۔ یا میرے بھائی، اگر تیرا مقصد کیا ہے اگر کچھ
پر ظلم ہی توڑنا چاہتا اور احقر میرے خون سے لانا نہ گناہا پتا ہے تو یہ میرے اور میرے پشت اور اگر مجھ سے اس
دعوے کی دین سنا پاتا ہے تو میرے باپ تو میرے سن۔ بارہ کہنے لگا، ان تباہیوں سے تو آدم علیہ السلام آپ
علی رضی اللہ عنہ کو نصیبت دیتی ہے حالانکہ آدم کے بغیر کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے گوندھا۔ پائیس دن انہوں
رحمت ملائی کی پھر ان کے جسم میں اپنی ناس درد پھونکی۔ ان کو اپنا جنت میں لے گیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو
سمجھ کر دے۔

علیہ نے کہا اس دین کو آدم کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَفْعَلٰی اٰدَمَ رَبُّكَ فَغَرٰی کہ آدم علیہ السلام نے
اپنے رب کی انحراف پس پہچا، اور سوتہ حمل ات میں طاعت و بندگی سے علی رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی اور
اِنَّمَا دَنِيْتُكَ اللّٰهُ وَمَا سَوَّلٰنَا میں بھی نماز و زکوٰۃ کے حوالہ کے ساتھ انہی حدیث سرانی کی پھر عبد آدم علیہ السلام سے
اب تک کوئی ایسا نہیں گزرا جس نے عین نماز میں فقیر کو بطور صدقہ انگوٹھی دی ہو (بجز علی کے) حجاج بولا تو نے یہ کہا اچھا
اب یہ بتا کہ تو نے فوج (علیہ السلام) پر ان کو کس وجہ سے نصیبت دی؟ علیہ نے کہا یہ اس لئے کہ علیؑ کی زوجہ فاطمہ رضی اللہ
عنہا، نساء عالمین کی سیدہ تھیں جن کا نکاح سدرۃ المستقیم کے نیچے جبریل علیہ السلام کی سفارت اور ملائکہ کی شہادت و گواہی
سے منعقد ہوا۔ بخلاف زوجہ فوج علیہ السلام کے وہ کافرہ و منافقہ تھیں چنانچہ نفع قرآنی میں اس کا صاف ذکر ہے حجاج
علیہ کی اس حاضر جوابی سے بہت شاعر و میران ہوا اور علیہ کی بہت تعریف و ستائش کی۔

اس کے بعد پوچھا کہ اب یہ بتا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر علی رضی اللہ عنہ کو کس وجہ سے ترجیح دیتی
ہو۔ وہ بولی کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کی تَبَّ اَمْرِيْ كَيْفَ تَجِيْ الْمَوْقِفُ تَلَكَ اَوَّلَئِكَ تَوْبَتِيْ
قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ يَنْظُرُنِيْ قَلْبِيْ میرے رب مجھے دکھا دے کہ آپ مردے کس طرح زندہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
کہ کیا ایمان نہیں لایا۔ کہا کہوں نہیں لیکن صرف اس لئے کہ میرا دل الطہیان حاصل کرے، بخلاف اس کے علی رضی اللہ عنہ نے
برسر منبر فرمایا اِنْفَعَا مَا اَنْزَلْتُ يٰقِيْنَا اگر حجاب کا پردہ اٹھ بھی جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا، پھر علیہ
نے کہا ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اور مومنین و منافقین کی جماعتوں نے چاروں طرف سے آپ
کے گرد حلقہ کیا ہوا تھا۔ تب میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا اسے جماعت مومنین معراج کی رات میرے لئے ایک منبر رکھا
گیا جس پر میں بیٹھا پھر میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے اور اسی منبر پر مجھ سے ایک درجہ نیچے بیٹھ گئے دوسرے
پیغمبران کرام بھی جوق در جوق آئے اور مجھے سلام کرنے لگے تا آنکہ میرے چچا زاد بھائی دعلی رضی اللہ عنہ کو جنت کی اونٹنی
پر سوار کر کے لایا گیا۔ ان کے ہاتھ میں لوٹے حمد اور ان کے چاروں طرف ایسی مخلوق تھی جن کے چہرے چودھویں کے چاند
کی طرح چمک رہے تھے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے پوچھا یہ جو ان کو نساہیغیر سے میں نے کہا یہ پیغمبر نہیں بلکہ میرے
چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب ہیں۔ پھر پوچھا ان کے ارد گرد کون لوگ ہیں؟ میں نے جواب دیا یہ ان کے شیعہ اور

محبین ہیں تو حضرت ابراہیم و علیہ السلام نے دعا فرماؤں اسے اللہ مجھے بھی علی کے شیعوں میں سے کر، چنانچہ سورۃ سافات کی اس آیت کے یہی معنی ہیں۔

وَرَأَى مِنْ شَيْئِهِمْ إِدْرِيْسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ إِذْ جَاءَ سَابِقَهُ بِقَلْبِ سَلِيمٍ (البتہ ابراہیم بھی ان کے شیعہ میں سے ہیں جب کہ آیا وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم کے پاس آیا۔

جہاد نے کہا تو نے یہ بھی ٹھیک کہا۔ اسیہ بتا کہ سلیمان (علیہ السلام) پر علی رضی اللہ عنہ کی نفیست کی کیا وجہ ہے حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ سلیمان (علیہ السلام) نے بادشاہ اور دنیاوی جاہ و عزت کیلئے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

تَبَّ هَبْلٌ مُلْكًا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَنِي آدَمَ أَنْتَ الْوَهَّابُ دَاعِي سِرِّهِ رِبْجُهُ اسْ شَانِ كَالْمَلِكِ عَطَا
فرما جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو بے شک عطا کرنے والا تو ہی ہے۔ بخلاف اس کے جناب علی رضی اللہ عنہ نے
دنیا کو تین طلاقیں دیں اور کہا کہ اِنِّكَ عَنِّي يَا دُنْيَا طَلَقْتُكَ ثَلَاثًا لَدَا رَجْعَةٍ بَعْدَ هَا خَبْلُكَ عَلَى غَارِ بِلَعٍ غَيْرِي خَلِيْرِي
لَا حَاجَتَهُ لِي فَلَئِكَ دَا دُنْيَا نَجْرٌ سِرِّهِ سے پرے ہٹ میں نے تجھ کو تین طلاقیں دی جس میں رجوع بھی نہیں ہو سکتا تو بیان
ترا کام جانے کسی اور کو، اگر سب کا مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں، حجاج نے کہا یہ بھی تو نے ٹھیک کہا ہے اب یہ بتا کہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام، پر کس دلیل سے علی رضی اللہ عنہ کو نصیحت ہے طیر نے کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے بھاگے تو
ہراسان اور ڈرے ہوئے تھے۔ بفرمان اللہ تعالیٰ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ا پس وہ سحر سے ڈرے ہوئے نکلے اور اہل
حضرہ علیہ السلام کی ہجرت کی رات جناب علی رضی اللہ عنہ، آپ کے بستر پر اطمینان کی نیند سو رہے تھے اگر ان پر
خوف و ہراس ہو تو نیند حرام ہو جاتی حجاج نے کہا یہ بھی تو نے ٹھیک کہا، اب عیسیٰ علیہ السلام پر دبر نصیحت بتا بولی اس
کی دلیل یہ ہے کہ مقام حساب میں جب عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑا کیا جائے گا اور ان سے باز پرس ہوگی کہ کیا نصاریٰ
نے تمہارے کہنے سے تمہاری عبادت کی اور تم نے ان کو آزاد کیا تو وہ معذرت چاہنے اور توبہ کرنے پر مجبور ہوں گے
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنْتَ كُنْتَ بِلَادِنَا مِنْ رَحْمَتِنَا دُنْيَا وَ اَمْنِي اَطْمَعِنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ دیکھتا مئے لوگوں سے یہ کہا تھا۔
کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اہل میری والدہ کو خدا بناؤ، برخلاف اس کے سبامیہ نے جب امیر المؤمنین کو خدا کہا تو آپ بہت
بمافر دستہ ہوئے اور ان کو جلا وطن کر دیا اور ایسی سزا دی کہ مشرق سے مغرب تک اس کا شہرہ ہو گیا اور خود امیر المؤمنین
برنہ الزمر ہو گئے۔ حجاج بولا تو نے صبح کہا۔ پھر ایک ہزار دینار اہل ہار خوشنودی کی خاطر ان کو دیئے اور مستقل سالانہ
وکیلہ بھی مقرر کیا۔

اس کے بعد جلدی نے حجاج سے کہا کہ ایک دوسرا نکتہ بھی سن کہ جب مریم بنت عمران (علیہا السلام) کو درود پڑھا تو وہ بیت المقدس میں تھیں، ان کو حکم ہوا کہ فوراً جنگل میں جاؤ اور وہاں کسی خشک کھجور کے درخت کے نیچے محل زچگی پورا کرو تا کہ تمہارے نفاس کی گندگی سے بیت المقدس آلودہ نہ ہو۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ جو بنت اسد تھیں، کو درود لاحق ہوا تو ان کو وحی الہی آئی کہ کعبہ میں جاؤ اور میرے گھر کو اس مبارک بچہ کی پیدائش سے مشرف کر اب ذرا انصاف کرو ان میں سے کوئی سچا افضل ہے حجاج نے علیہ کے لئے دعائے خیر کی اور عزت و احترام کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔

آپ یقین کر لیں کہ پوری کہانی جھوٹوں کے سرداروں کی من گھڑت، بنیادی افتراء اور جھوٹ کی پوٹ ہے اور اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت علیہ السلام نے باتفاق مورخین غلامی راشد بن ننگ کا زمانہ نہیں پایا تو حجاج ننگ پہنچے کا تو امکان ہی نہیں اگر وہ حجاج کے زمانہ ننگ زندہ ہوتے تو ان کی عمر ایک سو چالیس سال ہوتی چاہئے تھی بلکہ مورخین کا اس میں ہی اختلاف ہے کہ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بعثت بھی پایا یا نہیں۔ اور وہ ایمان بھی لائی تھی یا نہیں۔

اس کے علاوہ حجاج، بشر، سادات اور خاندان اہل بیت کے وابستگان کے قتل ناحق اور غیر مذہبی یا شخصی طور پر شہرہ آفاق تھا۔ اور نواسب کا ایک بزرگین فرد تھا۔ امیر المومنین اور آپ کے اولاد سے اس کی دشمنی قربان زد خلق تھی۔ چنانچہ اہل سنت کی ایک جماعت کلاس وجہ سے اس نے شہید کیا پھر کسی کو اس کی مجال و تاب کب تھی کہ اس کی مجلس میں بن بلائے کوئی گھس جائے۔

اس کے مصاحبوں اور خدام میں سے بھی اگر کوئی اس کے سامنے جاتا تو جان و آبرو بجانے کی نگر میں لرزان و ترس رہتا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام ننگ کی قربین و تذلیل سے باز نہ آیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگان زمانہ کو مار ڈالنے کے کیا کیا جتن کئے اور کہاں کہاں ان کی تلاش نہ کرائی ان حالات میں یہ ممکن ہی کب تھا کہ علیہ ان کے پاس آتیں اور اس دھڑے سے ان سے گفتگو کر پائیں۔ اور پھر یہ راز بھی نہیں کھلتا کہ علیہ اس کے پاس آئی کیوں تھیں۔ حجاج نہ تو شیعوں میں سے تھا۔ نہ اسی کے ہاں بخشش و داد و بخش کا سلسلہ تھا کہ کچھ لٹنے اور پالنے کی امید میں اپنی قوم بنی سعد کی فرودگاہ سے جو حجاز میں طائف کے حوالی میں تھی عراق کے دور و دراز مقام پر چلی آتیں۔

اور یہ بات تو تصور میں بھی نہیں آسکتی کہ اہل بیت کا اتنا کڑا دشمن یہ شامی باتیں سن کر بھی علیہ کو ایک ہزار دینار ہی نہیں دیگا بلکہ اس کا مستقل وظیفہ بھی مقرر کر دے گا یہ بات تو اس کے عقیدہ اور سرشت کے سرسبز خلاف تھی اور پھر سارے ہی مورخ خواہ سنی ہوں یا شیعہ اس پر متفق ہیں کہ حجاج مرتے دم تک اپنے عقیدہ پر قائم تھا۔ تاؤب ہونا تو دور کی بات ہے اس نے اپنے عقیدہ میں نرمی یا کمزوری ننگ کو داخل نہ ہونے دیا اور یہ بات بھی سب متفق ہو کر کہتے ہیں کہ زندگی کے آخری گھڑی تک امیر المومنین اور آپ کی ذریت کے ساتھ دشمنی رکھنے اور سادات کشی پر تھا ہوا تھا۔

اب آئیے ذرا علیہ مائی کے دلائل پر ایک تنقیدی نظر بھی ڈال لیں بن کو شیعہ نے بڑے طعناں اور بڑی چمک دیک سے بیان کیا ہے۔

حالانکہ وہ سب چند در چند وجوہ سے جس پر بڑی طویل گفتگو درکار ہوگی بے حقیقت اور بے معنی ہی نہیں ہو رہی ہے یہاں ہم اطناب اور طواں سے گریز کر کے صرف بارہ وجوہ ہی سپرد قلم کرتے ہیں۔
(۱) یہ سارے دلائل اہل اسلام کے خاتمہ کے خلاف ہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کے بھی کیونکہ کوئی دل کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

(۱۲) یہ سب باتیں قرآنی نصوص کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ قرآن میں جا بجا انبیاء کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کو ساری مخلوقات میں سے چنا اور منتخب کیا گیا ہے۔

(۱۳) ان استدلالات میں انبیاء کرام علیہم السلام کی لغزشوں کو شمار کیا گیا ہے اور پھر ان کا مقابلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب و مدائح سے کیا گیا ہے اور انبیاء کے مناقب و مدائح کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں ہیں۔ اگر دونوں کے مناقب اور مجد و شرف کو برابر رکھ کر کچھ کہا جاتا تو ادھر تو جبہ کاشائے حواز نکل آتا ورنہ یہ طریقہ احتجاج تو ہر جگہ چل سکتا ہے۔ اس کی بنا پر تو کوئی شورہ اپشت اور بد بخت یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ عبس میں اسیران بدر سے ندیکے معاملے میں انشاء اللہ چھوڑ دینے پر مشافقت کی نماز جنازہ پڑھنے پر غزوہ تبوک میں منافقین کو عدم شرکت کی اجازت دینے، یا طعمیہ اور اس کے بھائیوں کو جانبداری پر اللہ تعالیٰ نے بانداز قباب خطاب فرمایا۔

اور دوسری طرف حضرت امیر المؤمنین بلکہ ابوذر، عمار، سلمان اور مقداد رضی اللہ عنہم کی خلاف نالایک آیات میں متانش فرمائی۔ اور اس سے العیاذ باللہ وہ یہ نتیجہ نکالے کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوئے۔ (۱۴) حضرت آدم علیہ السلام جو تمام انسانوں کے باپ اور پوری نوع انسانی کے اصل اصول ہیں ان کی اولاد میں جو نیکی اور خوبی و نفع پذیر ہوتی ہے باپ ہونے کے ناطے ان کے اعمال نامے میں لکھی جاتی ہے کیونکہ یہ امر مذہباً طے شدہ ہے کہ والدین اگر مومن ہیں۔ تو ان کی اولاد کے اچھے اعمال ان کے نامہ عمل میں ثبت کئے جاتے ہیں گئے لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بزرگی ان کے حق میں اصل اقی کا نزول اور عین ناز میں فقیروں کو انگوٹھی کا مسدقہ حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت و بزرگی کے مقابلہ میں ذرہ حقیر سے زائد نہیں کیونکہ تمام انبیاء و اولیاء، علماء و صلحاء اللہ ولہبیا اور خود امیر المؤمنین کے جتنے بھی اعمال خیر ہیں وہ سب حضرت آدم علیہ السلام کے اعمال نامہ میں درج اور آپ کی ذات پاک میں جاگزین ہوں گے۔ کہ بزرگی و طاقت، نو بہر شرمندگی کی سنت آپ ہی سے نو جاری ہوئی اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صریح ہے۔ مَن شَقَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ هَمَلَ بِهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (اسلام میں جس نے نیک رسم کی بنیاد ڈالی اس کو اجر ادست کے اجر کے ساتھ اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملتا رہے گا)۔

(۱۵) بیان فضیلت کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام اور علی رضی اللہ عنہ کی بیویوں میں موازنہ بھی عجیب اور اندکھا طرہ استدلال ہے جو کسی بڑے دماغ والے شیعہ ہی کے لئے طرہ افتخار ہو تو ہو کسی مسلمان کو تو اپیل نہیں کرتا۔ (۱۶)

کیونکہ کسی کی بیوی کا کسی دوسرے کی بیوی سے افضل ہونا اس کے شوہر کی افضلیت ثابت نہیں کرتا اس منطق کی رو سے ماننا پڑے گا کہ فرعون پرغیروں سے افضل تھا کیونکہ وہ فرعون بالا جماع حضرت نوح و حضرت ابراہیم علیہما السلام کی بیویوں سے افضل تھیں، اور بقول شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ازواج رسول اللہ سے افضل تھیں تو اب آپ دیکھ لیجئے کہ اس استدلال کی روشنی میں کون شوہر کس سے افضل ہوا۔؟ یہی تو مکرو فریب کے وہ جال ہیں جن سے شیعہ اہل ایمان کا لشکار کھینچتے ہیں (۱۷)

(۱۶) حدیث نو کشف الغطاء یعنی گھڑی ہوئی ہے۔ کیونکہ شیعوں اور سنیوں دونوں کی کتابوں میں مذکورہ

سند کے ساتھ یہ حدیث نہیں ہے۔

اور اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو اس سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یقین کی زیادتی کا انکار کیا ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اطمینان کی طلب کی ہے اور اطمینان کوئی اور شے ہے۔ اور یقین کچھ اور لہذا اطمینان حاصل ہونے کے بعد یقین میں زیادتی لازم نہیں آتی بلکہ اطمینان قویان سے مشابہہ ایک حالت کا نام ہے۔ اور یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ زیادہ ہونے والی چیز اس چیز کی جنس سے ہونی چاہیے جس پر نزہاتی کی گئی ہے۔

(۷) معراج کی رات میں جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ یہ پایہ نبوت کو نہیں پہنچا بلکہ اس میں اختلاف ہے چنانچہ ابن بابویہ قمی نے کتاب المعراج میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں یوں بیان کیا ہے کہ آسمان پر فرشتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں کہا اِذَا رَأَيْتَ اِلٰی الْوُجْهِ تَقُوْا وَاَدْعِیْا تَمَّا اَللّٰهُ دَجِبَ اَنْ اُپَرِ تَشْرِیْفَ لَے جائیں تو علی سے ہمارا سلام کہئے۔ پھر اسی کتاب میں ابن بابویہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ صبح یہ ہے کہ معراج کی رات حضرت علی رضی اللہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے بلکہ مینا پر تھے البتہ حجاب کا پردہ نظر کے سامنے سے اٹھ گیا تھا۔ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ملکوت میں مشاہدہ فرما رہے تھے اس کو حضرت علی یہیں زمین سے دیکھ رہے تھے۔

اور صاحب نوادر الاصول نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے اور قطب راوندی نے ہریرہ سے باہی القادر فرمے روایت نقل کی ہے۔ اِنَّ عَلِیًّا كَانَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ کَیْلَةَ الْاَسْرَافِ وَارْتَدَّ سَرَّ اِیْ کَلَّمَا سَرَّ اِیْ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ کہ معراج کی رات جناب علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے وہی آپ بھی دیکھتے۔

شیعوں کے نزدیک دونوں روایتیں صحیح ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی مناد اور باہم متناقض ہیں (۸) بار دوم عدی کی گذشتہ حدیث میں ذکر ہوا ہے کہ تمام انبیاء کی بعثت ولایت علی پر ہوئی بلکہ تشیع کے معنی ہی ولایت علی میں مسخر ہیں، چنانچہ قاضی نور اللہ شومتری نے اس کی تصریح کی ہے اسی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ابتدائے نبوت سے ہی علی کی ولایت حاصل تھی تو معراج کی رات کو اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا تحصیل حاصل اور پہلے سے موجود چیز کی طلب ہے جو ایک سہل اور بے معنی عمل ہے۔

(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈر اور خوف، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اطمینان کے متعلق جو اس روایت میں کہا گیا ہے۔ وہ نرا مضالط ہے۔

اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ میں نور علی نور ہوں اور پیغمبر کا تابع مجھ سے ان کو کوئی سوال ہی نہیں تھا کہ اس کی بنا پر مجھے ارڈالیں اس لئے ان کے ڈرنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا چنانچہ مشرکین مکہ نے ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔

اس کے علاوہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسل دی تھی اور فرمایا تھا کہ وہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے لہذا ان کے اطمینان کا سبب قرآن مجید پر ایمان تھا۔ اسی نے ان کے دل کو مطمئن رکھا۔

اس کے علاوہ باہم جگہ و قتال کی ابھی فوجت ہی نہیں آئی تھی ان کے علاوہ دوسری طرف محبت کے اسباب قربت و رشتہ داری اور ابوطالب کی ریاست یہ سب چیزیں بدستور قائم اور برقرار تھیں اور اسی کے ساتھ ساتھ خوف بھی لگا ہوا تھا کہ اگر ان کو کوئی نقصان پہنچا تو حمزہ و عباس (رضی اللہ عنہم) اور دوسرے چچا زاد بھائی اس کا بدلہ لینے کو تیار و موجود ہیں۔

ادھر موسیٰ علیہ السلام کو ان باتوں میں سے کوئی بات حاصل نہ تھی بلکہ ان کو یہ گمان غالب تھا کہ یہ لوگ مجھے قبلی کے بدلہ قتل کر ڈالیں گے اور اس سلسلہ میں رُوسائے قبیلہ کے مشورے اور تدبیریں ایک معتبر ذریعہ سے ان کو بھی معلوم ہو گئی تھیں اور فرعون سے محفوظ رکھنے کا فائدہ بھی اچھی نہیں ہوا تھا۔ اور جب یہ وعدہ الہی اَتْبِعْکَ مَا شِئْتَ وَارْکُبْ دِینَ تَمِّمِ دُونِی کے ساتھ ہوں اور سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہوں اور اَتَّبِعْکَ مَا شِئْتَ وَارْکُبْ دِینَ تَمِّمِ دُونِی اور تم دونوں کے ساتھ ہوں اور سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہوں اور اَتَّبِعْکَ مَا شِئْتَ وَارْکُبْ دِینَ تَمِّمِ دُونِی کی پوری تسلی ہو گئی اور پھر اس فرعون کے مقابلہ میں ڈٹ گئے جس کے دبدبہ اور فوج و لشکر کا حال معلوم ہئی ہے کہ کفار قریش کی نسبت تو اس کے سامنے اتنی بھی نہیں جتنی ایک تنکے کی پہاڑ کے سامنے ہوتی ہے اور پھر اسی باسلط و جبروت بادشاہ کی عین ناک کے نیچے اسی شہر میں چالیس سال تک رستے بستے رہے۔

خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جب (بقول شیعہ) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے خلافت چھینی تو اس کمزور اور ہڈی خفی کا خوف اور ڈر ان کے دل میں اس قدر بیٹھ گیا کہ امامت سے بھی دست بردار ہو گئے۔ حالانکہ ان کی امامت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف مقرر شدہ تھی، اسی خوف اور تعہد کی وجہ سے بہت سے فرائض اور واجبات کو چھوڑا اور قرآن کی تحریف اور احکام کی تبدیلی گوارا کی اور اس پر راضی رہے۔

اسی طرح جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مہد میں (بقول شیعہ) جب ان کی دختر کو چھینا تو انتہائی خوف اور ڈر کی وجہ سے اس ذلت کو بھی قبول کر لیا۔

حالانکہ یہ سارا خوف و ہراس صرف نقصان پہنچنے کے اندیشہ و موبوم پر مبنی تھا۔ نہ جان بچانے کے خطرے پر اس لئے کہ شیعوں کے نزدیک یہ امر تسلیم کردہ اور طے شدہ امور میں سے ہے کہ ہر امام کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے اختیار سے مرنے لے۔

اور اہل سنت کے نزدیک بھی بطریق صحیح یہ ثابت ہے کہ جب ایک دفعہ قصبہ منیع میں حضرت علی بیار ہوئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم عبادت کو آئے تو آپ سے کہا کہ یہ آبادی گنوار کسانوں کی ہے اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے جائیں اس لئے کہ خدا خواستہ کوئی امر متین و قریب نہ ہو جائے تو تجویز و تکلیفیں تو تسلی بخش طریقے سے ہو گئے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے قتل کی حقیقت سے پورے طور پر آگاہ فرمایا ہے، جب تک وہ وقت نہ آجائے۔ ایسی دلیلی بات کا مجھے کوئی خطرہ نہیں اسی طرح متعدد بار آپ نے اپنی شہادت کے متعلق تفصیلات بتائیں۔ بلکہ منقول تو یہاں تک ہے کہ آپ نے قاتل کی تعین بھی فرمادی تھی۔ تو ان معلومات کے ہوتے ہوئے (شیعوں کا بیان کردہ) خوف و ہراس

کہوں تا۔ ۶

(۱۰) حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے کہ وہ جاہ و حشمت و نیا دی کے طالب ہوئے ہوں اس لئے کہ یہ عقیدہ رکھنا تو ان کے دامن نبوت پر دھبہ لگانے کے برابر ہے اور صرف ان کی نبوت کے انکار کے مترادف ہے۔ جسے غالباً شیعوں بھی گوارا نہ کریں گے۔ اس لئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس دعا و طلب میں وجاہت و نیا دی نہیں بلکہ کوئی اور صیغ غرض مد نظر ہوگی۔

اس سلسلہ میں سید مرتضیٰ کی وہ کتاب قابل غور و توجہ ہے اور تنزیہ الانبیاء والائمہ کے سلسلہ میں شیعوں کے ہاں معتبر بھی جاتی ہے اس میں اس نے جو توجہات بیان کی ہیں۔ وہ ذرا سمجھنے کی ہیں۔

(۱) ہر کتاب ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس قسم کے ملک کا مطالبہ اس لئے کیا ہو کہ وہ آپ کی نبوت کی دلیل و معجزہ بن جائے۔ کیونکہ معجزہ دہی ہوتا ہے جس پر کوئی دوسرا قادر نہ ہو جائے۔

(۲) یا ملک کی طلب آپ نے صرف مخلوق خدا میں عدلی و انصافی قائم کرنے اور رشد و ہدایت پھیلانے کی غرض سے کی ہو کیونکہ یہ مقصد شاہی اقتدار کے تحت آسان طریقے سے حاصل ہو سکتا ہے جو ان اقتدار بڑھنا ہے اس مقصد کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔

(۳) یا لَیْلَہُ یٰحَدِیْ تَبِیْئُ بَعْدِی سے مراد صرف ان کی امت ہو گویا درخواست کا یہ مطلب ہو گا کہ اس بادشاہی امتیاز سے وہ بحیثیت نبی اپنی امت سے ممتاز ہو جائیں۔ اس توجہ میں صاف غلطی ہے کیونکہ احادیث صحیحہ اور اس نص کے ظاہری الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں پھر کوئی توجہ یہ اس وقت صحیح ہوتی کہ وہ اسی صفت کی بادشاہت طلب کرتے نہ اصل بادشاہت اس لئے کہ نبی کا امتیاز اپنی امت سے اور دوسری چیزوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ بادشاہت ہی کیا ضروری ہے۔

(۴) یا اللہ تعالیٰ نے ان کو باخبر کر دیا ہو گا کہ اس طرح کا ملک ہو جانے کے بعد ہی ان کو دنیا میں صلح و تقویٰ حاصل ہو گا۔ نیکوئی، بھلائیوں اور طاعات کی کثرت بسبب ہوگی۔ بخلاف اس کے کہ اگر یہی ملک کسی دوسرے کے ہاتھ آیا تو بجا ئے اس کے کہ اس کے لئے صلاح و تقویٰ کا سبب بنے تو جہاں الی الحق اور طاعات و خیرات سے اس کے لئے مانع نہ ہو جائے۔

ان توجہات کے علاوہ اسی قسم کی اور باتیں بھی اس کتاب میں درج ہیں بہر حال ان سے حضرت سلیمان کی کمتری اور حضرت علیؑ کی برتری ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دنیا کو طلاق دینے کے بعد بھی خوف کی نہ صرف خواہش کی بلکہ اس کے لئے جد و جہد بھی فرمائی تا آنکہ مسلمانوں میں باہم کشت و خون کی قربت ملک آئی۔

اس طرز عمل سے گویا یہ واضح ہو گیا کہ بعض لوگوں کے لئے دنیا سے دست برداری طلب ملک کے مخالف نہیں کیونکہ طلب ملک سے ان کا مقصد حصوں جاہ و مال نہیں بلکہ دشمنان خدا سے جہاد کرنا کفالمکین کنی حکام شریعت کو رواج دینا بیت المال کی نگہداشت اور حقداروں پر اس کی تقسیم بھی اس طلب کا مقصد ہو سکتا ہے لہذا حضرت سلیمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں اس امر میں تو باہم متفق ہیں کہ طلب ملک و خلافت کے وقت دونوں کے دلوں میں یہی

نیک ارادے اور نیت سے ملحق ہوتا فرق القہر ہے کہ میلان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ امداد و اسباب ظاہری مخلوقات ان کے تابع فرمان اور ذیرنگین ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا فَمَقْنَا كُؤْمُرَ الْفِرْعَوْنَ بِسَحَابٍ مِّمَّا يَتَّبِعُهُ الْجَنَّةِ أُولَئِكَ الْمَلَكُ الْمُؤْتَمَرُونَ

اور جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسباب ظاہری یعنی فوج کشی اور جنگ و قتال کی سعادت میں اس قسم کی درخواست کی لیکن ان کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی صرف اس مصلحت کی وجہ سے کہ ان کی نظر سے اسباب ظاہری کی وقعت و منزلت گر جائے مگر خدا تعالیٰ کا معاملہ اپنے خاص بندوں سے کچھ اسی طرح کا ہوتا ہے۔ اسی لئے کہ ان کو ارب و رشد کا سبق دینا ہوتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیا سے بالکل قطع نعلق دینی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ہرگز نہیں ہوتا۔ اگر ترک دنیا ہی باعث فضیلت ہے تو ہند کے جوگ، کشمیر کے رشی، نصاریٰ کے رہبان اور عربی کے لاسے جو دنیا سے اپنا رشتہ بالکل کاٹ چکے ہیں اور عبادت اور خشک خواری کو اپنی عادت بنا چکے ہیں کیا خود باللہ حضرت سلیمان و حضرت یوسف علیہما السلام سے افضل کہلا سکتے۔

۱۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نصیحت دینے کے سلسلہ میں جریان ہوا اس کا لیبہا بیا در خلاصہ د باتوں پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق ایذا اعتقادی کے جرموں کو مبرا وطن کیا، ان کو مزا دی، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا،

دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے باز پرس ہوگی اور نہ وہ معذرو معذرت پر مجبور ہوں گے، لیکن ہمیں ان دونوں باتوں پر اشکال و اعتراض ہے اس لئے کہ یہ دونوں باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برتری حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ثابت نہیں کرتیں۔

اب دیکھئے سزا دینے نہ دینے کا معاملہ تو ہم کہتے ہیں کہ جناب امیرؒ کی محبت میں حد سے بڑھ جانے والوں نے تو یہ لغو عقیدہ اور کلمات کفر خود جناب امیر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں شائع و ذائع کر دیئے اور عوام و خواص میں پھیلا دیئے تھے جب کہ حضرت علیؑ کی محبت میں غلو کرنے والوں نے جو کچھ کیا ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد کیا ان حالات کے پیش نظر جناب علی رضی اللہ عنہ کے لئے تو سزا دینا ممکن تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ممکن نہ تھا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے تو ان کا قتل بھی ممکن تھا۔ اور اگر یہ قتل ہو جاتا تو قتلہ کی جڑ ہی کٹ جاتی اور پھر کوئی اس کا نام بھی نہ لیتا لیکن چونکہ یہ مقدمہ نہ تھا اس لئے ایسا نہ ہوا جلا وطنی کے بعد بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے بلکہ اب محتاط ہو کر ان کو یہ کفر مانع و عواقب اور تبریز میں پھیلنے کا ہتھمتر موقع مل گیا۔

اب جواب طلبی کے معاملہ کو لیجئے کہ حضرت حنی علیہ السلام سے باز پرس کا ذکر تو قرآن مجید میں آگیا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اس سلسلہ میں کچھ معلوم نہیں۔ اور کسی چیز سے لاعلمی اصل بات یا چیز کے وجود کی نفی کو لازم نہیں لیں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی رسول ہوتا یا ان پر وحی اترتی اور اس میں ان سے باز پرس کی نفی ہوتی تو یہ فرق کچھ قابل ملاحظہ ہوتا۔ بلکہ بعض آیات قرآن کا مضمون تو یہ بتاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس باز پرس سے نہ بچیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَوْمَ نَشْهَدُهُمْ بِمَا كَانُوا فَعَلُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا اَنْتُمْ اَضَلُّنَا عَنْ عِبَادَةِ اللَّهِ اَمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَمُّ هُمُ ضَلُّوا السَّبِيلَ۔ جس دن وہ جمع کرے گا لوگوں کو اور ان کو جس کی وہ خدا کے سوا عبادت کرتے تھے میں ان

سے پوچھے گا کہ تم نے میرے ان بندوں کو بہکا یا تھا یا یہ خود ہی بہک گئے تھے؟
اس پر یہ حضرات بھی عذر کریں گے۔ قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كُنْ يَنْبَغِيْ لَنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ اَوْلِيَاءَ
وہ کہیں گے تو پاک ہے ہمارے لئے یہ لائق ہی نہ تھا کہ ہم تیرے سوا کسی کو ولی بناتے، اور ظاہر ہے اس قسم کی
باز پرسی میں کوئی الزامی پہلو نہیں ہے کیونکہ اس باز پرس سے تو ان پرستش کرنے والوں کو ڈانٹنا ڈپٹنا مقصود ہے
اور تنبیہ کر کے خود ان کے معبودوں کی زبان ان کے مذہب و عقیدہ کا کذب ظاہر کرنا ہے۔

اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ایسی باز پرس فرشتوں سے بھی ہرگز حالانکہ فرشتے بالا جماع معصوم ہیں اور غیر مکلف نہ وہ قابل مواخذہ ہیں نہ لائق عقاب !

چنانچہ ارشاد ہے : وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ يَتُوبُونَ لِنَاكَ أَهُلُ الْاٰلِیٰہِ الْغَاۡیِبِ اِنَّكَ یٰۤاَكْبَرُ یُنَبِّئُكَ وُجُوٰہُہُمْ دَلٰلِیۡمٌ
 ان سب کو جمع کری گے اسوقت فرشتوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ تم کو پوجتے تھے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے باز پرس نہ ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہونا یہ قرین انصاف تو ہے۔ قابل اعتراض بالکل نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر تھے اور پیغمبر کا فرمان قطعی دلیل ہوتا ہے اس لئے اس کے مستحال کر کے سامنے عذر بیان کیا جاسکتا ہے بخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ آپ سید الاولیاء اور تھے مگر پیغمبر بالکل نہ تھے اور ولی کا قول دلیل قطعی بالکل نہیں اور نہ اس سے استدلال کر کے بارگاہ ایزدی میں غور کیا جاسکتا ہے۔

اور پھر ایک بات اور بھی ہے کہ امت کی اچھائی اور برائی پر پیغمبر کی شہادت ضروری ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

وَكَيْفَ تَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ عَلَيْكُمْ ۖ زَكَاةٌ أَوْ يَنْتَهِىٰ ۖ وَإِنَّكُمْ كُنْتُمْ مِنْ أَهْلِ الْعَذَابِ ۖ لَئِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۚ

ایک گواہ اٹھائیں گے۔ اور ان سب پر آپ سے گواہی ملیں گے۔ اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں مگر امت پر ولی کی شہادت ضروری نہیں! لہذا معلوم ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرنا اور حضرت علی سے نہ کرنا حقیقت عیسیٰ علیہ السلام کی فصیلت کی واضح دلیل ہے۔

(۱۲) روایت مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ محض لفظ اور تاریخی اعتبار سے سراسر بے اصل و بنیاد ہے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش میں بڑا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں۔ فلسطین میں ہوئی تو بعض دوسرے مصر میں مانتے ہیں اور بعض دمشق رشام میں، مگر مشہور قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت بیت اللحم میں ہوئی مگر یہ بات کسی مورخ نے کبھی نہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کو بیت المقدس میں دوزخ لاحق ہوا اور اگر یہ صورت تسلیم کر لی جائے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ ان کو بیت المقدس سے نکالا گیا قرآنی عبارت تو صاف یہ بتاتی ہے کہ ان کو مدوزخ کی وجہ سے سخت بے چینی لاحق تھی انہوں نے چاہا کہ کسی چہرے سے پیچھے لگا کر سہارا لیں چنانچہ دیرانے کی طرف نکل کھڑی ہوئیں۔

چونکہ بچہ بے باپ کا نفی ملک (خوشہ) سے تھا اس لئے وہ شرماتی بھی نہیں، اسی لئے کسی سے مدد بھی نہ لینا چاہتی ہوں گی۔ لامحالہ اس وقت جنگل ہی ان کے حال کے مطابق تھا وہاں جا کر ایک کجور کے تنے سے ٹھیک لٹکا کر بیٹھ گئیں جنگل کا ماحول، ولادت کے عمل سے ناواقفیت تنہائی اور دردِ دل اس لئے بے ساختہ بہت

کی دعاہوں پر آگئی، فاجاء ہا انا فی الی چلہ الخ الخ کانت یلیکتی میت قبل هذا و کنت نسیا متسیرا۔ درودہ ان کو ایک گھور کے تنے کی طرف لایا اس وقت، انہوں نے کہا کاش میں اس سے قبل ہی مر کر بھولی بسری ہو جاتی۔

فاطمہ بنت اسد، رضی اللہ عنہا کے متعلق جو یہ کہا گیا کہ ان کو وحی ہوئی کہ خانہ کعبہ میں جا کر وضع حمل کریں وہ حقیقت ایک بے لطف جھوٹ ہے کیونکہ اسلامی یا غیر اسلامی کسی فرقہ کے نزدیک بھی وہ نبی نہیں تھیں پھر حجاج نے اس کو کسی بنا پر تسلیم کر لیا یہ قابل تعجب بات ہے۔

مشہور روایت میں آیا ہے کہ ایام ہابیت میں یہ رواج تھا کہ رجب کی پندرہ تاریخ کو کعبہ کا دروازہ کھولتے اور اس مبارک گھر کی زیارت کے لئے اندر داخل ہوتے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی چونکہ اسی دن ہوئی تھی اس لئے اس کو یوم الاستفتاح یا روزہ مریم کہتے ہیں۔

بزرگوں نے اس دن کے کچھ اوراد و وظائف بھی مقرر کئے ہیں۔ رسم یہ تھی کہ اس دن سے ایک دور روز پہلے عورتیں کعبہ کی زیارت کرتیں۔ اتفاقاً عورتوں کے لئے عیسوی انہیں دنوں میں فاطمہ بنت اسد نے بھی زیارت کا دروازہ کیا گو ان کی مدت گزر چکی تھی مگر یہ دن چونکہ سال میں ایک ہی مرتبہ آتا تھا۔ اس لئے باوجود ایسے دنوں میں حرکت و تہلکہ اور باعث تکلیف ہوتی ہے مگر انہوں نے تکلیف برداشت کر کے اپنے کو کعبہ کے دروازے تک پہنچایا اس زمانہ میں بھی بابت کعبہ قد آدم سے اونچا تھا۔ اور سیریل وغیرہ بھی نہیں ہوتی تھی اس لئے عورتوں کو ان کے مرد بدقت تمام اوپر چڑھاتے تھے

چنانچہ اس اٹھانے بٹھانے کے سبب درد میں اماند ہو گیا، فاطمہ نے خیال کیا کہ تھوڑی دیر میں یہ تکلیف جاتی رہے گی میں اس کی وجہ سے زیارت کعبہ سے کیوں محروم رہوں وہ جیسے ہی دروازہ میں داخل ہوئیں۔ درود نے شدت اختیار کر لی اور حضرت ملی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہو گئی۔

شیعوں کی روایات میں یہ واقعہ دوسرے انداز سے بیان ہو رہا ہے کہ مدت حمل گزر جانے اور مدد کی شدت میں اضافہ کے سبب جناب ابوطالب ماہر ہو کر شفا طلبی کے لئے ان کو کعبہ میں لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور جلد ولادت ہو گئی۔

کتب شیعہ میں یہ روایت جناب امام زین العابدین رحمہ اللہ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔ اَخْبَرَتْنِي زَيْنَةُ بِنْتُ جَلُولَةَ السَّاعِدِ بِقَوْلِ امِّ عَمَارَةَ بِنْتِ عُبَادِ السَّاعِدِ يَوْمَ اَظْهَرَ اَنَّهُ قَالَتْ كُنْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فِي نِسَاءٍ مِنَ الْعَوْبِ اِذَا اَقْبَلَ اَبُو طَالِبٍ لَبِيسًا فَقُلْتُ لَهُ مَا شَأْنُكَ قَالَ اِنِّي قَاطِمَةٌ بِنْتُ اَسَدٍ فِي شَيْءٍ مِنَ الْفُلْكِ وَانْهَكَ نَفْسُ ثُمَّ اَنَّهُ اَخَذَ بِيَدِهَا وَجَاءَ بِهَا اِلَى الْكَلْبَةِ فَذَكَرَ لَهَا وَنَالَ اِحْلِي عَنِّي اِسْمَ اللَّهِ فَجَلَسْتُ وَطَلَقْتُ طَلَقًا فَلَمْ يَخْلُ مَا تَطِيفًا فَسَمَا اَبُو طَالِبٍ عَلِيًّا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو زبردہ بنت عبلان الساعدیہ سے خبر دی اور انہوں نے روایت کی ام امارہ بنت عباد ان عدیہ سے، انہوں نے کہا میں ایک روز مستورات عرب کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک ابوطالب فکر مند سے وہاں آئے میں نے ان سے خیریت اور حال پوچھا تو کہنے لگے فاطمہ بنت اسد درودہ کی تکلیف میں مبتلا ہے مگر ولادت نہیں ہو رہی۔ پھر انہوں نے فاطمہ کا ہاتھ پکڑا اور کعبہ تک لائے اور انور

لے گئے، اور کہا اللہ کا نام لے کر بیٹھ جاوہ بیٹھ گئیں تو درد کی شدت اور بڑھ گئی اور بالآخر ایک بچہ کو جنم دیا جس کا نام جناب ابو طالب نے علی رکھا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کعبہ میں پیدا ہونے ہی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر برتری حاصل ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کو افضل ہونا چاہیے حالانکہ ایسی بات نہ سنی سوجھ سکتے ہیں اور شیعہ اس کے قائل ہیں۔

اور پھر تاریخ کی مشرکتاں ہیں یہ بھی بتانی ہیں کہ ام المومنین سرت خدیجہ البکری رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خریذ بھی کعبہ میں پیدا ہوئے تھے۔ سو شیعہ منطلق کی روش سے ان کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی نہیں تمام انبیاء سے افضل ہونا چاہیے حالانکہ ایسے سرچ و عقیدہ عقول کی شناسات ظاہر ہے۔
اٹھاسیواں دھوکہ کہ شیعہ قریت کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ شریعتیں صرف چھ گزری ہیں اور ہر نبی کے بارہ وحی ہوئے ہیں۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت (۲) حضرت نوح علیہ السلام کی (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور (۶) حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت۔

لاحید رآ علی دشیعہ نے محیط اعظم و نامی کتاب میں ان کے نام تفصیلاً درج کئے ہیں مگر نہ ان کے الفاظ و معانی کے بارے میں صحیح علم ہے نہ ان کے صحیح تلفظ سے کوئی واقف اور مزے کی بات یہ کہ خود توریت میں اس نقل کا کوئی نام و نشان نہیں۔ لہذا اس کے جھوٹ ہونے میں کیا شبہ ہے!

اور دلیل عقل سے بھی اس کا افتراء ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام تمام روئے زمین کے لئے مبعوث نہیں ہوتے تھے اس لئے شرائع کو عاں بعد از بدو (مثلاً چھ) میں محدود کرنے کا کیا مطلب ہے؟

دوسری بات یہ کہ اس وقت سلسلہ نبوت ختم نہیں ہوا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت شعیث علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت ادریس، پھر حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام ان کے بعد حضرت یعقوب، حضرت یوسف حضرت موسیٰ، حضرت یوشع علیہم السلام نبوت و رسالت سے سرفراز ہوئے اور دین کی برقراری خود ان انبیاء کرام کی ذوات مبارکہ سے تھی تو ان کے ساتھ اوصیاء کی ضرورت ہی کیا تھی۔

اگر یہ سب کچھ مان بھی لیا جائے تو قرآن و حدیث کے حوالہ سے بارہ کے عدد کے سوا اور کیا فائدہ حاصل ہو اور اس میں یہ اختلاف ہے کہ ان بارہ میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم، بیثیت اوصیاء شامل و داخل ہوں اور حقیقت میں وہ وحی ہونے کے لائق اور حقدار بھی ہیں۔

کیونکہ جہاد کرنا، شہروں کو فتح کرنا، کفر کو مٹا دینا، مسجدوں اور منبروں کی تعمیر کرنا اور شریعت کو مکمل طریقہ سے نافذ و رائج کرنا۔ ان ہی بزرگوں کے مبارک ہاتھوں سے بھلائی کے یہ سارے کام انجام پذیر ہوئے بخلاف ائمہ کے کہ دشیعوں کے صدقے میں، انہوں نے ساری زندگی خاموشی، عزت اور گوشہ نشینی میں گزار دی۔ (اور وسیلوں والا کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا)۔

نواسی والی دھوکہ دہا الزام لگاتے ہیں کہ اہل سنت ظاہر البیروت چیزوں کا بھی انکار کرتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے قائل ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بالمشاہدہ باطل اور محال ہے۔ کیونکہ کسی چیزوں کو دیکھنا چند بانوں کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ نہ پانی جائیں تو دیکھنا مستحق نہیں ہو سکتا، مثلاً۔

(۱) دیکھنے والی چیز دیکھنے والے کے مقابل یا مقابل کے مکمل (جیسے آئینہ میں صورت دیکھنا) میں ہو۔

(۲) بالکل قریب نہ ہو۔

(۳) مد نظر سے بہت دور بھی نہ ہو۔

(۴) درمیان میں کوئی آڑ حاصل نہ ہو۔

(۵) اندھیرے اور تاریکی میں نہ ہو، بلکہ اس تک روشنی پہنچ رہی ہو۔

(۶) مدد بہ لطیف بھی نہ ہو، کچھ نہ کچھ کثافت بھی ہو، جیسے ہوا کی لطافت کے سبب ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔

(۷) دیکھنے والے کی نظر بھی سالم ہو اندھے پن، ارتوئیس یا اسی قسم کے امراض چشم لاحق نہ ہوں۔

(۸) دیکھنے والے کا دیکھنے کا ارادہ بھی ہو۔

اور ظاہر ہے یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بارے میں مقصور نہیں ہیں۔

اس سلسلہ میں اہل سنت کا یہ جواب ہے کہ بطور عادت دیکھنے کے لئے درحقیقت یہی صورتیں شرط ہیں کہ ان کے بغیر عام طور سے کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہیں لیکن بعض خاص حالات میں ان کے بغیر بھی دیکھا جاسکتا ہے اس بات کی کیا دلیل ہے کہ عقل بھی ان شرطوں کے بغیر کسی چیز کو دیکھنے کو جائز نہیں رکھتی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ بھی عام جاحلوں کی طرح عادات اور ادلیات میں فرق و تمیز نہیں کرتے۔ عالم اور محقق ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔

ہندوستان میں اگر اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ برف کے بطور بارش گرنے کو تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ وہ خلاف عادت ہے۔ وہ انکار کی وجہ یہ بناتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پتھر کے مانند ٹھوس اور جمی ہوئی چیز کے ٹرے کے توڑے زمین و آسمان کے درمیان صاف اور ایک ہوئے ہوں اور پھر وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہیں۔

اور یہ بھی نہیں مانتے کہ موسم بہار میں چادر کی فصل اسی سے ہوتی ہے، حالانکہ سرد ممالک میں یہ بات عام اور مشہور ہے۔

خط استوا میں آٹھ فصلیں ہوتی ہیں، اس کو بھی ہندو جاہل نہیں مانتے اور محالات میں شمار کرتے ہیں۔

اسی طرح ہر ملک کے جاہل اپنے ملک کے مقررہ موسم کے خلاف میوہ جات کی پیداوار کو بھی محالات میں شمار کرتے ہیں۔

اگر بالفرض کسی شخص کی عادت طلوع آفتاب سے سونے اور غروب آفتاب کے بعد جاگنے کی ہو تو وہ ان چیزوں کے علاوہ جو مشعل، چراغ یا موم جی کی روشنی یا چاند کی چاندنی میں دکھائی دیتی ہیں، ان کی روشنی میں دیکھنے والی چیزوں کا کبھی قائل نہ ہوگا، کیونکہ وہ دن کی حقیقت سے نا آشنا اور شعاع آفتاب کی کیفیت سے نااہل ہے وہ نہیں جانتا کہ آفتاب کی شعاع کو اس کی معلوم شدہ شعاعوں سے کیا نسبت ہے؛ وہ کیا جانتا ہے کہ آفتاب کی روشنی میں

وہ جس چیز کو میل بھر سے دیکھ سکتا ہے شعل اور چراغ کی روشنی میں چند گز کی مسافت سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور دکنے والی چیزوں کی دوسری باریکیاں اور مسامات جس طرح سورج کی روشنی میں دیکھے جاسکتے ہیں دوسری شمعوں میں ان کو دیکھنا غیر ممکن ہے!

جب عالم دنیا کے دن رات اور ملکوں اور شہروں کے اختلافات کا یہ حال ہو تو دوسرے عالم کے اختلاف کو کیوں اور کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے جس کا زمانہ دوسرا جس کا مکان جدا اور جس کے دن و ریم آخرت کو شمع۔ انشورقت اللہ صنف بیکر ہا کھا ہر تھا روشن کرے گی۔ اور جو قبلی الشواہد اور قیام النفس کا مصداق ہے۔ اس دن کے مقابلہ میں تو عالم دنیا کے دن اندھیری کو ٹھہریں کی طرح معلوم ہوں گے۔

وہ دن تو اپنے رب کے نور سے سوز و روش ہو گا اس دن نہ دکنے والی اشیاء دشا پوشیدہ و چھپے ہوئے غلوک و اعمال بھی دکھائی دیں گے۔ روح حیوانی میں صرف عالم بدل جانے سے وہ فراخی اور کشادگی پیدا ہو جاتی گی اور اس کے تمام حواس دنیاوی حواس کے مقابلہ میں ہزاروں گنا برتر اور حساس ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے وَاِنَّ اللّٰہَ لَیَاْذِخْرٌ لِّہِیْ الْعٰلِیّٰیْنَ کُوْزًا کُوْذًا یَّکْشُھُوْنَ۔ دار آخرت ہی حیات زندگی ہے، کاش یہ اس کو جانتے ہوتے اور فرمایا اَسْمِعْ بِہِمْہِمْ وَابْصِرْ یَوْمَہِمْ یَا تُوْنَنَا جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو غروب دیکھتے اور خوب سننے والے ہوں گے۔ دیکھ فرمایا (لَنُکْشِفَنَّ عَنْکَ وَہَا لَنَکَ فَبْصِرٌ لِّکَ الْیَوْمَ حٰدِیْدٌ) دھیرم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا کر دیا۔ بس اس کا دل تیری نگاہ تیز ہو گی۔

اب اس بارے میں کہ دیکھنے کے لئے مذکورہ عقلی شرطیں ضروری نہیں دلیل سنئے ہزار سے زائد قرآنی آیات بقا ہیں کہ اللہ تعالیٰ سننا بھی ہے دیکھتا بھی ہی ہے اور خود شیعہ بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے اور سننے والا مانتے اور کہتے ہیں حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ میں یہ شرائط ناپید ہیں۔ اور دیکھنے والی آنکھ کی پتلی میں دکنے والی چیز کی صورت کا چھینا اور اس سے شمعوں کا لکھنا اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے علاوہ فلاسفہ جو عادات کے چھندے میں گرفتار اور عقلیات کی بیڑی میں جکڑے ہوئے ہیں دیدار کے لئے ان شرطوں کو ضروری نہیں سمجھتے۔

ثابت قرہ حرانی نے جہاں روحانی اشیاء کو دیکھنے یا ان سے گفتگو و ملاقات کو جائز بتایا ہے وہی وہ کہتا ہے کہ زحل کی روح کو میرے ساتھ خاص وابستگی اور تعلق تھا۔ وہ میرے دشمنوں کے مقابلہ میں میری مدد کرتی تھی ایک دن یہ سانحہ پیش آیا کہ خلیفہ وقت مرنق بائیس نے میری چٹلی کھائی کہ تمہارے لئے معتقد کو بیکانا اور پرے انفال پر ابھارتا اور ان کا باعث بنا ہے۔ خلیفہ اس ماسدانہ چٹلی پر بہت برہم ہوا اور میرے قتل پر آمادہ ہو گیا اور مجھے کچھ خبر نہ تھی میں بے خبر اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ یک بیک وہ روحانیت میرے پاس آئی اور مجھے جگا کر صورت مالی سے آگاہ کر کے بھاگ جانے کی ہدایت کی۔

میں حواس باختہ گھر سے نکلا اور ایک دوست کے گھر جا چھا، ادھر خلیفہ نے ایک جماعت میری گرفتاری کے لئے بھیجی انہوں نے گھر میں مجھے تلاش کیا، پڑوسی پر بھی سختی کی مگر میرا سراغ نہ ملا میرا لڑکا ستان بھی گھر ہی میں رہ گیا تھا میرے ساتھ نہ آسکا حالانکہ وہ انہیں کے ساتھ چل پھر رہا تھا۔ مگر وہ اس کو نہ دیکھ سکے۔

دوسرے دن وہ روحانیت میرے پاس آئی اور سارا قصہ مجھے بتایا میں نے اس سے کہا کہ پھر مجھے بھی میرے لڑکے کی طرح کہوں نہ کر دیا کہ میں گھر ہی میں رہتا اور دوست کا احسان مند نہ ہوتا۔ وہ کہنے لگی کہ تیرا لڑائی مریخ کے مقابلہ میں تھا۔ اس لئے تجھ پر میری پوری توجہ نہ تھی اور تیرے بیٹے کا لڑائی غصہ سے محفوظ تھا۔ اس لئے اس پر میری پوری توجہ تھی۔

ثابت قرہ مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ فلاسفہ قدیم نے ایک سرمہ تیار کیا تھا جو اس قدر مقوی ہوتا تھا کہ اس کے لگانے سے دن کے وقت تارے نظر آجاتے تھے اور دور کی چیز ایسی نظر آتی تھی جیسے آنکھوں کے سامنے قریب ہی ہو میں نے وہ سرمہ بابل کے ایک شخص کے بطور تجربہ لگایا، وہ شخص کہنے لگا کہ ثوابت و سارے اپنی اپنی جگہ مجھے صاف نظر آ رہے ہیں۔ میری نظر کشیف اور ٹھوس چیزوں سے بھی گزر رہی ہے۔ اور میں ان کے پیچھے کی چیزوں کو بھی مان دیکھ رہا ہوں، چنانچہ میں اور قسطنطنیہ اور قسطنطنیہ کے ایک شخص کے اندر گئے اور اس شخص کو باہر کھڑا کر دیا گھر کے اندر ہم نے ایک کتاب لکھی شروع کی وہ شخص باہر کھڑا ہوا ہیکو کتاب کی عبارت پڑھ کر لفظ بلفظ سنا سنا لگا وہ یہ بھی بتا رہا تھا کہ پہلی سطر اس عبارت سے شروع ہوتی ہے۔ اور دوسری ان الفاظ سے پھر ہم نے ایک کاغذ لیا اور اس پر کچھ لکھنے لگے اس شخص نے بھی باہر ایک کاغذ لیا اور ہمارے لکھے کی ساتھ ساتھ نقل کرنے لگا۔ پھر ہم نے اپنے لکھے ہوئے سے اس کی تحریر ملانی تو لفظ بلفظ صحیح تھی۔

ایک مرتبہ قسطنطنیہ اس شخص سے اپنے بھائی کا حال دریافت کیا جو بعلبک میں تھا اس نے نظر ڈالی اور کہا وہ بیمار ہے اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا طالع برج ہے ثور کا تیسرا درجہ ہے چنانچہ تفتیش و تحقیق سے پتہ چلا کہ اس نے جو بتایا صحیح تھا۔

خدا مہر کلامیہ کہ جو شخص عالم دنیا اور عالم آخرت کے فرق و اختلاف کو مانتا و مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر اعتقاد رکھتا ہے وہ ان تمام امور کو بعید از عقل نہیں مانتا جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے جنت یا دوزخ میں کیا ہے اور اس میں تو اہل اسلام ہی نہیں ہر مذہب کا بھی اتفاق ہے کہ آخرت میں مومن و کافر کو فرشتے، حوریں اور نعمان دکھائی دیں گے۔ اسی طرح بہشتی اپنے ملکیتی رقبہ کو ایسے دیکھے گا جیسے ابتدائی حصے کو دیکھتا ہو گا حالانکہ دونوں کناروں کے بین بڑی طویل مسافت اور بعد ہو گا۔ چنانچہ ابن بابویہ قمی کی روایت مذکورہ کتاب المعراج کا وہ حصہ اس کی تائید کرتا ہے جس میں اس نے بتایا تھا کہ جناب امیر مومنین علی رضی اللہ عنہ زمین پر وہی کچھ دیکھ رہے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر ملاحظہ فرما رہے تھے۔

اس کے علاوہ ابن بابویہ نے کتاب الروضہ میں متعدد صحیح طرق سند سے اور ابو جعفر طوسی نے کتاب الامالی میں روایات بیان کی ہیں کہ ہر مومن، جناب پیغمبر علیہ السلام و جناب علی و حسین رضی اللہ عنہ کی آرام گاہوں کو دیکھتا ہے۔ اور راوندی نے بھی روایت کی ہے کہ جب خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کی موت محل پوری ہو کر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ حضرت سارہ حضرت مریم حضرت آسیہ علیہم السلام کو ان کے پاس بٹھایا کہ ان کی خدمت کریں۔ جیسا کہ ایک زندہ عورت کی زندہ عورتیں خدمت کرتی ہیں، حضرت خدیجہؓ ان کو دیکھتی تھیں ان سے ہم کلام ہوتی ہیں۔

صفار نے کتاب البصائر میں بیان کیا۔ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جبر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک ملا اس کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے ابو جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو اور ان کے رشتہ دار کو علیحدہ علیحدہ جہنم کے دریا میں کشتی کے واپسی سفر میں دیکھ لیا۔

اور شیخ الطائف محمد بن النعمان نے کتاب المقالات میں دعویٰ کیا۔ ہے کہ مذکورہ اور تحریر کردہ آثار و اخبار شیعوں کے نزدیک تو ائمہ کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔

یہ ساری گفتگو اس صورت میں ہے جب اہل سنت روایت خالق و مخلوق میں کوئی تمیز و فرق نہ کریں اور دونوں مذہبوں کو متحد الہائیت مانیں لیکن اگر گفتگو اور کلام کی بنیاد محققین اہل سنت کے مذہب پر رکھیں جو یہ ہے کہ ان کے نزدیک مخلوق کا دیکھنا اور سب سے اور خالق کا دیکھنا جدا جدا کیسی روایت دنیا میں ایک دو بار سے زائد و فرق پذیر نہیں ہوتا اور وہ بھی صرف پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس صورت میں اشکال و اعتراض بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بالکل ظاہر الثبوت چیز ہے۔ کہ ایک قسم کا مشروط ہونا بعض شرطوں کے ساتھ یہ لازم نہیں کرتا کہ دوسری قسم بھی انہیں شرطوں کے ساتھ مشروط ہو۔

فوسے وال دھوکہ : یہ کہتے ہیں کہ قبر کا عذاب اہل سنت اور دوسرے اسلامی فرقوں کے لئے عفو ہے لیکن امامیہ کہتے ہیں فاسق و فاجر عاصی و غافل کیوں نہ ہو ان کے لئے عالم قبر میں سوائے لذت و نعمت کے دکھ کا کوئی سوال ہی نہیں۔

ان کا یہ اعتقاد بے اصل اور لغو ہے کیونکہ خود شیعوں کی کتابوں میں صاف و سریع روایتیں اور آثار مروی ہیں جو ہر عاصی و گناہ گار مسلمان کے حق میں ہیں۔ چنانچہ ابن بابویہ قمی عمران بن زید سے ان الفاظ میں روایت کرتا ہے، قُلْتُ لِإِنِّي عَبْدُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنِّي سَمِعْتُكَ أَنْتَ تَقُولُ مَقُولِي فِي الْجَنَّةِ عَلَى مَا كَانَتْ مِنْهُمْ قَالَتْ مَنْ قُلْتُكَ وَاللَّهِ كُلُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ قُلْتُ كَيْفَ قُلْتُ فَإِنَّكَ إِنْ أَلَّكَ قُرْبُكَ لَيْسَ بِمَعْنَا وَكَيفَ قَالَ أَمَّا فِي الْبَقِيَّةِ فَكُلُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ بِشَفَاعَةِ النَّبِيِّ الْمُسَاءِرِ أَوْ رِثَةِ النَّبِيِّ لِكُنِّي وَاللَّهِ أَلْحَقَنِي عَلَيْهِمْ فِي الْبَرَزِخِ قَالَتْ أَلَكُنْتُ مِنْ حِلْيَةِ مَوْتِهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ رَكَبًا مِّنْ أَلِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ سے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے سارے شیعہ جنت میں ہیں خواہ وہ کسی بھی حال میں ہوں فرمایا واللہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ سب جنت میں ہیں۔ میں نے کہا میں آپ پر نذر چھوٹے بڑے گناہ کی تو کثرت سے فرمایا وہ گناہ تو انبی اور ان کے وحی کی شفاعت سے و صاف ہو جائیں گے اور وہ سب جنت میں ہیں لیکن واللہ میں برزخ میں تمہارے بارے میں خوفزدہ اور نگر مند ہوں میں نے کہا برزخ کیا ہے؟ فرمایا قبر کا عرصہ موت سے قیامت تک۔

اکاٹوسے وال دھوکہ : کہتے ہیں کہ اہل سنت اہل بیت کے دشمنوں کو دوست رکھتے ہیں اور دشمنوں کا دوست بھی دشمن ہی ہوتا ہے کیونکہ مکنا نے کہا ہے کہ دشمن تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اپنا دشمن۔ اپنا دوست کا دشمن اپنے دشمنوں کا دوست اسی طرح دوست بھی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اپنا دوست اپنے دوست کا دوست اپنے دشمن کا دشمن۔

پس لا محالہ اہل سنت بھی اہل بیت کے دشمن ہونے اور یہ کلام اس قاعدہ پر مبنی ہے جو اہل شرع و اہل عقل

کا منکر کر دے اور ثابت کر دے کہ کسی سے محبت رکھنے والا اس کے حبیب اور محبوب مددوں سے محبت رکھتا ہے اور اس کے دشمن کا دشمن یا جس کا وہ دشمن ہوتا ہے اس کا یہی دشمن ہوتا ہے اسی طرح کسی دشمنی رکھنے والا محبت رکھتا ہے اس کے دشمن سے اور اس سے جس کا وہ خود دشمن ہے،

اور دشمنی رکھتا ہے اس کے حبیب و محبوب سے! لہذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ دوست عام ہے دوست رکھنے والے اور دوست رکھنے ہوئے سے اور دشمن عام ہے دشمن رکھنے والے اور دشمن رکھنے ہوئے سے:

اہل سنت کی طرف سے اس طعن کا جواب ایک تو بطریقِ جدل ہے کہ اہل سنت خواص و لواصب کے دشمن ہیں اور وہ اہل بیت کے دشمن ہیں۔ لہذا اہل سنت جب اہل بیت کے دشمن ہوئے تو اہل بیت کے دوست ہوئے۔

اور شیعہ خواص و لواصب کے دشمن ہیں اور وہ پیغمبر علیہ السلام کے دوست ہیں تو گویا شیعہ پیغمبر علیہ السلام کے دوست کے دشمن ہوئے اور دوست کا دشمن دشمن ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ شیعہ پیغمبر علیہ السلام کے دشمن ہیں! اس ضمن میں اسی قسم کی اور باتیں بھی کہی جاسکتی ہیں جن سے شیعوں کی پیغمبر دشمنی ثابت ہوتی ہو۔

دوسرے! یہ کہ دوستی اور دشمنی جب براہِ راست ہو تو بالواسطہ دوستی اور دشمنی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح تمام نسبتوں اور تعلقات میں بھی یہی اصول کار فرما ہے کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ کے مقابلے میں قابلِ لحاظ نہیں۔

مثلاً ایک شخص کسی کا سگا بھائی ہے، اور اس کے دشمن کا ہم زلف بھی قریب اپنے بھائی کا دشمن شمار نہیں ہوگا ایسے ہی اگر ایک شخص کا نوکر اس کے دشمن کے نوکر کا بھائی ہے اور اس نوکر کو اس شخص کے دشمن کا نوکر نہیں کہیں گے یہی حال باقی نسبتوں کا سمجھ لو! پس اب جب اہل سنت بلا واسطہ اہل بیت کے دوست ہوئے تو اسی بلا واسطہ دوستی کا اعتبار ہوگا اور وہ دشمنی جو ان کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھنے والوں سے بالواسطہ لازم آتی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

حاصل گفتگو یہ نکلا کہ بالواسطہ اوصاف کا لحاظ اسی وقت سے جب بلا واسطہ اوصاف نہ ہوں کیونکہ بلا واسطہ اوصاف قوی تر اور ادنیٰ تر ہیں اور قوی ترکی موجودگی کے وقت کمزور علاقہ کا اعتبار غلط عقل ہے۔

تیسرے یہ کہ تحقیق یہ ہے کہ نفس و دشمنی کا اعتبار صفات و حیثیات کے لحاظ کئے بغیر خلاف عقل ہے بلکہ دوستی اور دشمنی کی عرض و غایات صفات و حیثیات ہی ہیں۔

پس اگر کوئی شخص کسی کو خاص وصف و حیثیت کی وجہ سے دوست رکھتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام حیثیات سے اس کو دوست رکھتا ہے اور دوستی اور دشمنی بالواسطہ کی تبدیلی اس وقت ہوتی ہے کہ ایک ہی حیثیت سے اس کو دوست بھی رکھتا ہے اور دشمن بھی! پس اہل سنت اہل بیت کے دشمنوں کو اس حیثیت سے دوست نہیں رکھتے کہ وہ اہل بیت کے دشمن ہیں۔ لہذا یہ الزام ان پر آتا ہی نہیں۔

چوتھے یہ بھی تحقیق شدہ امر ہے کہ اہل سنت ان کو دوست رکھتے ہیں جن کو وہ اپنے اعتقاد میں اہل بیت کا دشمن نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے دوست اور اعتقاد میں موافق خیال کرتے ہیں اور ان کی روایتوں میں جواز یہ ثابت ہے کہ وہ ہمیشہ اہل بیت کے صالح اور شایع خواں رہے۔

اور ان کے دین و شریعت کے مددگار معادن، پیغمبرِ حقہ نمازوں اور خطبوں اور دوسری دعاؤں میں ان پر درود بھیجتے رہے۔ البتہ شیعوں نے اپنے گمان میں ان حضرات کو مخالف اور دشمن اہل بیت قرار دیا ہے تو شیعوں کے اس گمان

سے وہ واقعہ میں اہل بیت کے وطن نہیں ہو جاتے پھر اہل سنت، اہل بیت کے دشمن کو کس طرح درست رکھ سکتے ہیں جب کہ خود ان کی کتابوں میں اس مسنون کی صحیح روایات موجود ہیں کہ در ترجمہ: جو شخص آل محمد سے بغض رکھنے کی حالت میں مر جائے تو اگرچہ وہ نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہو ورنہ میں ڈالا جائے گا۔

اور طہرائی میں یہ روایات ہیں۔ مَنِ الْبَيْتِ أَهْلُ الْبَيْتِ فَهُوَ مُنَافِقٌ د اہل بیت سے بغض رکھنے والا منافق ہے۔ یا۔ لَا يُغْنِيْنَا أَهْلُ الْبَيْتِ أَحَدٌ وَلَا يَحْسُدُ نَا أَحَدٌ إِلَّا رُدَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْجَوْشَنِ سَيَّاطِلِ النَّارِ ہم میں سے جو کوئی بھی اہل بیت سے حسد و بغض رکھے گا وہ قیامت کے دن حوض کوثر سے آگ کے کوڑے لاکھ ہوگا دمانائے گا۔

[illegible]

بلکہ فاضل کاشی نے بھی جو شیعہ امامیہ کے فضلہ میں سے ہے اہل سنت کو کہا رہا ہے رسول اللہ علیہم السلام کی محبت پر معذور سمجھا ہے۔ اور اہل سنت کی نجات کا قائل ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ان کو اس پر جناب باری سے خواب و اجر کا امید وار قرار دیا ہے۔ یہی نہیں پھر ائمہ کرام کی روایات سے اپنے ان اقوال کو ثابت بھی کیا ہے یہاں ہم اس کے کلام کا علامہ پیش کرتے ہیں تاکہ اس دھوکہ کا ازالہ شیعہ فضلہ کی شہادت سے بالکل ہو جائے۔ الْحَبِیْبَةُ وَالْمُبَغَّضَةُ إِذَا كَانَ ابْنُ يُوْحَرَّصَ جُھُومًا وَإِنْ كَانَ الْمُحِبُّوبُ مِنَ أَهْلِ النَّارِ وَالْمُبْغُوضُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ لَا عُقْبَادَ الْعَمْرِ فِي الْأَدْوَانِ وَالشَّرْقِيُّ لِلنَّارِ وَإِنْ أخطأ فِي عِتْقَادِهِ يَدُلُّ عَلَى ذَاتِهِ مَا سَوَّاهُ فِي الْكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَوْ أَنَّ سَرَّحْتُ أَحَبَّ رَجُلًا لِلَّهِ لَشَابَهُهُ عَلَى حُبِّهِ إِيَّاهُ وَإِنْ كَانَ الْمُحِبُّوبُ فِي عِلْمِ اللَّهِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا اتَّبَعَنِي سَخَطًا لِلَّهِ آثَابَهُ اللَّهُ عَلَى بُغْضِهِ إِيَّاهُ وَإِنْ كَانَ الْمُبْغُوضُ مِنْ فِي عِلْمِ اللَّهِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَلَا يُخْفَى أَنْ هَذَا الْحَبِيبُ وَالْمُبْغُوضُ يَرْبِ إِلَى حَبِيبَةِ الْمُقَامِ وَالْحَقِيقَةِ وَهُوَ الشَّخْصُ الْفُجُورِي وَكَذَلِكَ الْمُبْغُضَةُ خُصُومًا لِإِسْمِ الْحَبِيبِ وَالْمُبْغُضُ خُصُومًا وَمُبْغُوضٌ مِنْهُ وَإِنَّمَا سَمِعَ بِصِفَاتِهِ وَآخِلَاتِهِ وَمِنْ هَؤُلَاءِ يُحْكَمُ بِتَجَاوُزِ كَثِيرٍ مِنَ الْمُتَأَلِّفِينَ الْمُسْتَقْبَحِينَ سَيِّئَاتِهِمْ لَوْ لَعَيْنُ فِي حَقِّهِ إِذَا مَا لَحِقَ الْحَبِيبُ لَا يَمْتَنِي سَكَرَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَغْفِرْهُمُ أَذَرَهُمْ وَإِنَّمَا كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ مَا سَوَّاهُ الْكَافِي بِإِسْنَادِهِ السَّجِيْدُ عَنْ زَيْنَبَ عَنْ أَبِي هَبَلٍ اللَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ أَصْلَحَكَ اللَّهُ أَمْ دَنَيْتَ مِنْ صَلَاحٍ وَمَا وَاجْتَنَبَ الْحَيَاءُ وَهَسْنُ وَرَعْلُهُ وَمَنْ لَا يُغْنِيهِ وَقَالَ إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ أَوَّلِيكَ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهِ وَفِي إِيْتِجَارِ الطَّبْرِيِّ عَنْ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَ فِي كَلَامٍ لَهُ لَمَنْ أَخَذَ بِمَا عَلَيْهِ أَهْلُ الْقَبِيلَةِ الَّذِينَ لَيْسَ فِيهِ إِخْلَافٌ وَهُوَ عَلَيْهِ مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ إِلَى اللَّهِ سَلِمَ وَنَجَاهُ مِنَ النَّارِ وَدَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ وَقَفَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَفَعَلَ بِهِ وَاجْتَنَبَ عَلَيْهِمْ بِأَنْ تُؤَسَّ قَلْبُهُ بِغُرْفَةٍ وَلَوْ أَنَّ لِمَنْ مِنْ أَيْتَهُمْ وَمَعْدَنَ الْعِلْمِ أَيْ هُوَ فَمَنْ عِنْدَ اللَّهِ سَعِيدٌ وَلِلَّهِ وَلِيٌّ ثُمَّ قَالَ بَعْدَ كَلَامِهِ إِنَّمَا النَّاسُ ثَلَاثَةٌ مَوْءُونٌ يَعْرِفُ حَقَّقًا وَيُسَلِّمُ لَنَا وَيَأْتِيَنَا بِمَا فَدَايِكَ نَاجٍ مُجِبُّ لِلَّهِ وَلِيٌّ وَمَا صَدَّقْنَا الْعِدَارَةَ يَتَّبِعُ مَا وَيُجَنِّدُنَا وَيُسَعِّلُ مَا دَاوَا وَيُجَدِّدُ حَقَّنَا وَيَدِينُ اللَّهُ

تَعَالَى بِالْبَرَاءَةِ مِنْهُمَا فَهُوَ كَانَ كَأَنَّهُ مُشْرِكٌ فَاسْتَقْبَلَهُ اللَّهُ بِغَيْرِ عِلْمِهِ وَكَذَلِكَ يَشْرِكُ بِغَيْرِ عِلْمِهِ سَجُلٌ أَخَذَ بِمَا لَا يَخْلُقُ فِيهِ وَهُوَ وَدَّ عَلَيْهِ مَا أَشْكَلَ عَلَيْهِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مَعَ وَكَذَلِكَ لَا يَأْتِيهِمَا وَلَا يُعَادِيَانِ وَلَا يَعْرِفُ حَقًّا نَحْنُ نَرَبُّهُمَا أَنْ يَعْفِرَ اللَّهُ لَهُ وَيُدْخِلَ الْجَنَّةَ هَذَا مَسْئَلَةٌ مُنْجِيْفٌ اسْتَهْلَى رَحْمَتِ اللَّهِ وَدُشْمَنِي جِبِ صِرْفِ اللَّهِ كَيْ لَمْ يَهْوِ تَوَهُ مَا جُورَ مِنَ اللَّهِ هِيَ أَكْرَبُ اس كَامُوب دُوزْخِي بِرُاور دُشْمَنِ جَنْبِي كِيُونَكُم اس كُو مَجُوب سِي اِعْتِقَاد نِيك هُو تَا هِي اُور دُشْمَن سِي بِرَانِي كَا اِكْرَب دِه اِسْنِي اِعْتِقَاد مِي حَقِي بِجَانِب نِه هُو اس بِر دِه رُوَايَت دِلَالَت كَرْتِي هِي جُو مَاجِب كَافِي نِي اِسْنِي سِنْدُو سِي كَافِي مِي بِيَان كِي هِي كِه اَبِي جَعْفَر عِبْدِ اللَّهِ سِي رُوَايَت هِي كِه فَرْمَا يَحْسُ كَمِي نِي كَمِي سِي اَللّٰهُ كِي وَاسِطِي مَحَبَّت رَكْعِي اَللّٰهُ تَعَالَى اس مَحَبَّت رَكْعِي بِر اس كُو ثَوَاب دِي كَا اِكْرَب اس كَامُوب اَللّٰهُ كِي عِلْم مِي دُوزْخِي هُو اِی طَرَح اِكْرَب كَمِي نِي كَمِي سِي اَللّٰهُ وَاسِطِي كَا بِسِر رِغْبِي رَكْعَا تَوَا اَللّٰهُ تَعَالَى اس كِي رِغْبِي رَكْعِي بِر اس كُو اَجْر دِي كَا اِكْرَب اس كَامُوب اَللّٰهُ تَعَالَى كِي عِلْم مِي جَنْبِي هُو اُور بِر بَات بِر شِيْدِه نِهِي كِه يِه مَحَبَّت وِعْدَاوَت حَقِيقَت اُور مَتَمَام مَحَبَّت كِي طَرَف لَوْحِي هِي نِه اس خَاص شَخْص كِي طَرَف خُصُوصًا جِب كِه مَحَبَّت وِ رِغْبِي رَكْعِي دَا لِي نِي مَجُوب وِ مَخُوض كُو نِه دِي كَمَا هُو بَلَكِه اس كِي اخْلَاق وَاوْصَاف نِي هُوِي۔

اسی نظریہ کے تحت ان برائے نام مخالفوں کی نجات کا حکم لگایا گیا ہے جو کسی امام کی پوشیدگی کے وقت موجود ہوں مگر وہ ہمارے ائمہ کرام کے ساتھ محبت رکھتے ہوں گے کہ وہ ان کی پوری قدر و منزلت اور امامت کو نہ پہچان سکے ہوں۔ اس پر کافی کی وہ روایت دلاتی ہے جو زہارہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابی عبد اللہ سے بایں الفاظ روایت کی ہے کہ میں نے آپ سے کہا اللہ آپ کو نیک بخت کرے مجھ کو اس شخص کے حال سے باخبر نہ کیجئے جو نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے مہربان ہے پیتا ہے اور خرب تقویٰ والا ہے مگر ہے ایسے لوگوں میں سے جو نہ ائمہ کے دشمن ہیں نہ ان کی امامت کے قائل ہیں پس آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو انچی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔

اور احتجاج طبرسی نام کتاب میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دوران گفتگو ایک مرتبہ آپ نے فرمایا جس نے اس بات کو لیا۔ جیسر سب اہل قبلہ متفق ہیں اور اختلافی بات کو حوالہ اہل کمال تودہ محفوظ رہا اور اس نے دوزخ سے نجات پائی اور جنت میں جگہ پائی اور جس پر اللہ کا احسان ہوا اسے توفیق ملی اور محبت قائم ہوئی تو اس کے دل کو صاحب ریاست اور معدن علم ائمہ کی معرفت سے منور کیا۔ ایسا شخص اللہ کے نزدیک نیک بخت ہے اور اللہ کا ولی ہے پھر کچھ مزید گفتگو کے بعد فرمایا کہ لوگ تین قسم کے ہیں ایک وہ مومن جو ہمارا حق پہچانتا ہے ہمارا تابع اور پیروی کرتا ہے۔ پس وہ نجات پائے والا اللہ کا محبوب اور ولی ہے۔

دوسرا وہ جو ہم سے عداوت رکھتا ہے ہم سے بیزار ہے۔ ہم پر لعنت بھیجتا ہے ہمارا خونریزی کو ملال مانتا ہے ہمارے حق سے انکار کرتا ہے اور ہم سے بیزاری کو اللہ تعالیٰ کا دین کہتا ہے۔ پس ایسا شخص کافر مشرک اور ناسق ہے اس نے لاعلمی میں کفر و شرک کیا جیسے بغیر علم کے بوجھے کوئی اللہ کو گالی دیتا ہے اسی طرح یہ بغیر علم کے مشرک کرتا ہے۔

اور تیسرا وہ شخص جو متفق علیہ بات کو قبول کر لیتا ہے اور جو بات محمد میں نہ آئے اسے اللہ کے حوالہ کرتا

ہے، ہم سے دوستی تو رکھتا ہے مگر ہماری پیروی نہیں کرتا اور نہ ہم سے عداوت رکھتا ہے۔ نہ ہمارے حق کو پہچانتا ہے۔ تو اس کے بارے میں ہم امید رکھتے ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ بخشدے اور جنت میں داخل کرے کہ یہ ضعیف الایمان مسلمان ہے۔

فاضل کاشی کا یہ کلام بظاہر تو بڑا معقول اور پر مغز اور نقص سے خالی نظر آتا ہے مگر اس کی تہ اور گہرائی میں جھانکا جائے تو وہ نقص عیاں ہو جاتا ہے۔ اندر یہ کلام اصلاح و درستی کا محتاج نظر آتا ہے۔ اس کلام کا نقص نہ یہ ہے کہ یہ انہ کرام کے کلام کے خلاف اور متضاد معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ انہ کرام نے تو نصیب کو روزی کا نذر اور ناسخ فرمایا ہے جب کہ خرد کاشی نے کانی سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ نواصب اس بات کے مدعی ہیں کہ انہ اہل بیت سے ان کا بغض صرف اللہ واسطے کہ ہے اور یوحنا قول امام مذکور جب ان کا بغض اللہ واسطے کا ہوا تو چاہے وہ خلاف واقعہ ہو وہ نجات بخار ثواب کا موجب ہو گا ایسی صورت میں ان کو کافر و فاسق کہنا کیسے درست ہو گا۔ پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے کلام میں تفصیل ہے کہ جو شخص خاندان نبوت سے کم اور کم زور سی جہت رکھتا ہو، ان کی واقعی قدر و عزت کو نہ پہچانتا ہو اس کو ناجی قرار دیا ہے اور جو ان کے ساتھ عداوت رکھتا ہو اور اس میں خاندان نبوت سے جہت کی بوتک نہ ہو اس کو ملکہ ٹھیرایا ہے اس سے یہ پتہ چلا کہ جو بیاں خدا سے عداوت کسی صورت میں عذر پذیر نہیں۔ البتہ جہت و تعظیم کے جتنے درجے ہیں سب مقبول ہیں اور درجہ اولیٰ سے اعلیٰ تک ناجی معذور و جہت کے اعلیٰ درجہ میں قصور و کمی اور چیز ہے، اور عداوت اور چیز اور قصور کو نظر انداز اور صاحب قصور کو معذور رکھیں تو بجا و درست ہے، لیکن عداوت میں اس کی گنجائش کہاں۔

اس کلام کی اصلاح و درستگی پورے اور مکمل طور پر تو کتاب کے بار جو میں باب قول و تبرا میں انشاء اللہ پیش کی جائے گی جہاں صرف ناظرین کے انتظار کی تسکین کے لئے مختصر سا بیان کیا جاتا ہے لہذا اس کا مطالعہ نہایت توجہ اور غور سے کرنا چاہیئے۔

اول تو یہ کہ محبوب و مبغوض میں فرق و تمیز کرنی چاہیئے اور یوں سمجھنا چاہیئے کہ استحقاق محبوبیت و مبغوضیت دراصل دو قسموں پر منقسم ہے۔

(۱) ایک یہ کہ شارع کی طرف سے اس کا ثبوت قطعی اور تواتر کے ساتھ ہو اس قسم میں خلاف واقعہ اعتقاد کو قابل غور و درگزر نہیں سمجھنا چاہیئے کہ شرعاً جو محبوب ہو اسے مبغوض خیال کرے اور جو مبغوض ہو اسے محبوب اور اس اعتقاد میں نہ کسی باطل تاویل اور خاصہ شبہ کو دخل انداز ہونے دینا چاہیئے اور نہ ایسی باتوں پر کان دھرنا چاہیئے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ معاذ اللہ اس شخص کو بھی معذور اور مستحق اجر مانا پڑے گا جو انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی لغزشوں کی وجہ سے شد مبغوض رکھتا ہو اور اہلسنت اور فراعنہ کو نیز انہ کفر کو صرف اس لئے کہ وہ بھی آخر اللہ کے بندے ہیں اس کی صفات کے مظہر ہیں اللہ واسطے محبوب رکھتا ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ یہ استحقاق بطریق تواتر ہم تک نہ پہنچا ہو۔ اور حضرت ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو اسی پر محمول کرنا چاہیئے اور آپ کا وہ کلام جو مطلق ہے۔ وہ اس بنا پر کہ جہت و بغض جو اللہ واسطے کا ہو گا وہ لامحالہ معذوریات دین کے مخالف نہ ہو گا۔ اگر غور کیا جائے تو آپ کا کلام صاف صاف اس قید کی خبر دیتا ہے جہاں آپ نے فرمایا ہے

﴿اِنَّ كَانَ فِيْ عَلِيْهِ اللّٰهُ خَلَقَ﴾ اعتقاد ۴۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر شیعہ علم کی طرف حوالہ اسی جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے
جہاں شریعت سے اس کا قطع ثبوت صراحت کے ساتھ نہ ہو۔

قسم اول کے مجاہدین کی مثال اہل بیت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جن کی شان میں قرآن مجید میں ارشاد ہے
﴿قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ آپ فرماتے ہیں تم سے کسی مزدوری کا مجھ اپنے عزیز واقارب
سے محبت کے خواہاں نہیں ہوں،

دوسری جگہ یوں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (اے اہل بیت
اللہ تعالیٰ اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ تم سے رجس دور کر دے۔

یا اس کی مثال وہ صحابہ کرام ہیں۔ جنہوں نے بیت رضوان کی ہجرت و نصرت پیغمبر کے فخر سے سرفراز ہوئے
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتدین کے فتنہ کا قلع قمع کرنے اٹھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد
ہے۔ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُمْ اِنَّ كُوْنَهُمُ الدُّوْسُ رَكِبْتُمْ۔ اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں۔ کیا یہ یحییٰ بن مہزیار
حاجتہ راکیہ علیہ السلام کو دوست رکھتے ہیں۔ جنہوں نے ان کی طرف ہجرت کی، یا سحیب بن علیؓ اللہ عنہم و سحرہ علیہ
اللہ ان سے راضی ہو اور اللہ سے راضی ہیں، یا کہ یحییٰ بن مہزیارؓ اللہ عنہم و سحرہ علیہ اللہ ان سے راضی ہیں
طرف سے ہمارے دل میں کھوٹ پیدا نہ کر)

اسی طرح قسم اول کے مفسرین کی مثال ابلیس اور دیگر تمام معاندین کفار ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے۔ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اَلَيْسَ شَيْطٰنًا تَهْتَدُوْنَ۔ اے تم بھی اس کو اپنا دشمن
جانو، یا فرمایا۔ اَلَمْ يَجْعَلِ الْيَهُودَ الْاَنْصَارَ اَوْلٰىا مِنْ دُوْنِ الْمُوْمِنِيْنَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ
مؤمنوں کو چاہیے کہ وہ مومنین کے علاوہ کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اللہ کی طرف سے اسے
کچھ نہ ملے گا نہ حمایت نہ امداد و نصرت، یا فرمایا۔ لَا تَقْعُدُوْا قَوْمًا يَّزِيْعُوْنَ بِاللّٰهِ عَزِيْزًا اُوْدُوْا مِنْ حَادِثَةٍ
اللہ عزوجل کہ تم کسی قوم کو ایسا نہ پاؤ کہ وہ اللہ اور ایمان پر ایمان لاکر بھی ایسے شخص کو دوست نہ بنائیں
جس نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی ہو۔

ان ارشادات ربانی کی موجودگی میں اب کوئی ناصبی اہل بیت کی عداوت میں اور کوئی رافضی صحابہ کرام رضی اللہ
عنہم کے خلاف بغض رکھنے میں حاسم کر ان صحابہ کے بارے میں جنکا شمار مہاجرین اولین اور انصار سابقین میں ہوتا
ہے اور جنہوں نے بیت رضوان کا شرف حاصل کیا اور مرتدین اسلام کو نہ تبلیغ کیا ہرگز معذور نہیں سمجھا جائے گا بل
کوئی فرقہ ان بزرگوں کی حقیقی اور واقعی قدر و منزلت سے کمر جانے اور اپنی جہالت یا نادانی کے سبب یا کسی شبہ نادانی
کی بنا پر ان کے کسی مرتجع یا درجہ کا انکار کر بیٹھے تو وہ البتہ معذور شمار ہوگا۔

جیسے تقضیٰ شیعہ یا خود حضرات ائمہ مجتہدین کے وہ دوست یا محب جنہوں نے ان کی امامت کا انکار کیا۔
مثلاً محمد بن الحنفیہ اور زید بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہم چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے کلام میں بھی اسی
قسم کے لوگوں کو معذور قرار دیا گیا ہے۔

قسم ثانی کے مجاہدین کی مثال عام نیک بخت مسلمان خصوصاً عام صحابہ عرب اور قریش میں اور اسی قسم کے

مبغضین کی مثال عام فاسق نافرمان، ظالم اور کاذب لوگ ہیں کہ ان ہر دو فریق کی محبت و بغض کا ثبوت شریعت میں اوصاف عامہ کے تحت یا مفہومات کلیہ کے ضمن میں سے مثلاً فرمایا۔ **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ** (تحقیقی اللہ نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) یا **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الصَّالِحِينَ** (بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) یا فرمایا **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ مُقَاتِلِينَ** (بے شک اللہ ان غازیوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، صف بستہ ہو کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ اور فرمایا **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الشَّوَّاعِينَ** (بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف سہنے والوں کو پسند کرتا ہے) نیز فرمایا **إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَاسِقِينَ** (بے شک اللہ تعالیٰ فاسقوں کو دوست نہیں رکھتا یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان **أَجِبُوا الْقُرْبَ لِلَّهِ إِلَى عَرَبِيٍّ وَالْقُرْآنَ وَلِسَانُ أَحْمَلِ الْجَنَّةَ عَرَبِيٌّ** عربوں کو تین باتوں کے سبب دوست رکھو میں عربی ہوں قرآن عربی ہے۔ اور اہل جنت کی زبان عربی ہے۔ یا فرمایا **مَنْ أَهَانَ قَوْمًا كَيْفَ أَهَانَهُ اللَّهُ**۔ **وَمَنْ عَادَى قَوْمًا كَيْفَ أَكْبَهُ اللَّهُ** (جو قریش کی اہانت کرے اللہ اس کی اہانت کرتا ہے اور جو قریش سے دشمنی رکھے اس کو اللہ تعالیٰ نگوں ساز و شر مساز کرے) یا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان **إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ** (اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا) نیز فرمایا **أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ** (سن رکھو۔ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہوتی ہے اور فرمایا **يَوْمَ لَا يُخَيِّرُ اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا** (جس دن اللہ اپنے نبی اور اس کے اصحاب کو رسوا نہیں کرے گا۔ **أَكْبَهُ اللَّهُ فِي أَصْحَابِهِ لَا تُؤْنَدُ وَكُفْرُهُمْ ضَالٌّ بَعْدَ ضَالٍّ مَنْ أَحْبَبَهُمْ فَهُوَ فِي أَحْبَبِهِمْ** **وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَهُوَ فِي أَبْغَضِهِمْ**۔ دیکھو دیکھو میرے بعد میرے صحابہ کو دشمن نہ بناؤ جو ان سے محبت رکھے وہ مجھ سے محبت کے سبب سے ان سے محبت کرتا ہے۔ اور جو ان سے بغض رکھے تو مجھ سے بغض رکھنے کے سبب سے ان سے بغض رکھے گا۔)

اسی قسم ثانی کے تمام متعلقہ اشخاص میں سے ہر ایک کی محبت و بغض دو وجوہ سے قطعی الثبوت نہیں اول یہ کہ ان عبادات کے منشاء اور مضمون کا ان خاص خاص ذاتوں میں قطعی طور سے پایا جاتا نادر و کمیاب ہے، دوم مضمون عبارت یا کلام کا کسی جگہ متفق ہونا حکم کے تحقق اور وجود کے لئے اس وقت تک کافی نہیں جب تک تمام موانع دور نہ ہو جائیں مثلاً محبت میں حب کے موانع اتفاق غلبہ باطن اور فاسد ارادوں کا نہ ہونا ضروری ہے اسی طرح بغض میں اس کے موانع یعنی صحت ایمان صفائے باطن، اور صلاح نیت کا نہ ہونا لازمی ہے اور ان موانع کے دور نہ ہوجانے کا قطعی اور یقینی علم تکمیل و ختم نبوت اور سلسلہ وحی بند ہوجانے کے بعد حاصل ہو گیا ہے۔

د جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ اور سلسلہ وحی جاری تھا کسی بھی معاملہ میں قطعی اور یقینی علم ہو جاتا تھا مثلاً صحیح امامیہ میں یغان صحابی رضی اللہ عنہ پر باوجود ان کے شرابی ہونے کے برائی سے یاد کرنے اور ان پر لعنت کرنے پر زجر و توبیخ کی گئی آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہے (اس پر لعنت و پھٹکا نہ کرو) مالک بن دیش جن کا منافقین میں اٹھنا بیٹھنا تھا۔ وہ ان کا یہی خواہ بھی تھا۔ جب ظاہری حالات کی بناء پر ان کو منافق کہا گیا تو اس کو رد کیا گیا اور اس کے ایمان صحیح ہونیکی توثیق کی گئی۔ ایک اور غصی جو بڑا مومنین اور بزرگان تھا اس کے حق میں ارشاد فرمایا گیا۔ **يَحْيِيهِمُ اللَّهُ لِسَانًا وَطَبِيبًا الْقَلْبِ** (زبان کا تو گزندہ ہے مگر دل کا

پاک ہے، اسی طرح کی اور بہتر سی مثالیں ہیں۔

علیٰ بڑا محبت سے متعلق بھی بہت سی روایت اور آثار مروی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ محض گمان اور خیال آرائی پر بھروسہ کر کے کسی کی نجائیت اور بلندی درجات کی شہادت نہیں دینی چاہیے تا آنکہ حقیقت حال پوری طرح منکشف نہ ہو جائے۔

بخلاف قسم اول کے جیب محبت یا بغض معینہ اشخاص کی قطعی دلیل سے تواتر کے ساتھ ثابت ہو گئی تو اب مغفون
 کلام کا مستحق ہونا اور حکم کا پایا جانا قطعاً لازم ہو گیا۔ یہی کہ انبیاء و کرام علیہم السلام کا حال معلوم ہوا۔

بانوسے وال دھوکہ دے کہتے ہیں کہ اہل سنت خلافت و امامت کے معاملہ میں، بزدل کو شجاع پر ترجیح دیتے ہیں۔
 حالانکہ خلافت و امامت کا تو دواہی بہادری اور شجاعت پر ہے۔ اور کفار کے ساتھ بدال و قتال اور ان پر فوج کشی
 اس کا خاصہ ہے۔ مزید وضاحت کے طور پر کہتے ہیں کہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بہادری اور شجاعت میں تمام
 عالم میں ضرب المثل اور شہرہ آفاق ہیں۔ بخلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کہ وہ بزدل ہیں۔ جبکہ بزدلی
 پر قرآن کی یہ آیت دلالت کرتی ہے **اِنْ يَبْذُلُوا بِعَابِثَةٍ لَّا تُغْنِي عَنْهُمْ** جب کہ وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے
 تھے کہ غم نہ کرو، معلوم ہوا کہ غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غمگین اور فکر مند تھے۔ اور ایسے صبر آزما رہے
 پر غم کرنا ہی بزدلی کی نشانی ہے۔

اس طعن اور طنز کا جواب کئی طریقوں سے دیا جاسکتا ہے۔

اول۔ حزن اور غم سے روکنے والا صاحب حزن کی بزدلی کی نشانی بالکل نہیں ہے اس لئے کہ حزن و غم تو شجاع اور بہادر کو بھی ہوتا ہے اس لئے کہ حزن اور غم کے معنی کسی مجبور چیز سے محرومی یا کسی ناگوار چیز کا سامنے آ جانا ہے۔ اور یہ شجاعت کے معانی بالکل نہیں ہے۔

چنانچہ رستم جیسے شجاع کو بھی سہراب کے قتل پر غم ہوا۔ اور اتنا ہوا کہ اس نے ماتمی سیاہ لباس پہن لیا۔ ماتم کیا اور گریبان چاک کیا یہ گھر کی بات نہیں یہ واقعہ تو زمانہ بھر میں مشہور رہے۔ مان حزن کے بدلے خوف ہوتا تو البتہ قابل توجہ بات ہوتی۔

دوسرے یہ کہ اگر خزن سے روکنا بذلی کی علامت ہوتا تو پھر حضرت موسیٰ اور حضرت لوط علیہما السلام پر بھی یہی طعن وارد ہو گا کیونکہ ان حضرات کو تو حزن سے نہیں خوف سے منع کیا گیا ہے یٰمُوسٰی لَا تَخَفْ اے موسیٰ (درومیت) اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدٰی الْمُرْسَلُوْنَ (کیونکہ میرے رسولی ڈرا نہیں کرتے۔ یا فرما) وَتَاوُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَخَفْتَ اِنَّا مُنْجُوْکَ وَاهْلَکَ اِذَا اُمُوْا کَذٰبٌ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (دشمنوں نے کہا نہ ڈرو نہ غم کرو کہ ہم تم کو اور تمہارے اہل کو (اس عذاب سے نجات دیں گے، مگر تمہاری بیوی کہ وہ البتہ پیچھے رہ جائے والوں میں سے ہے) یہی نہیں بلکہ بعض نصوص قرآنی میں صراحت سے کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام واقعی خوف زدہ بھی ہوئے فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیۡفَۃً مُّؤَسِّیَ (پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں ڈر محسوس کیا۔

نبی سے تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر آپ کا گھونٹا اور دم گھٹنے سے آپ کی مبارک آنکھیں سرخ ہو گئیں اور آپ کو سخت اذیت ہوئی تو ان کفار کے

ڈر اور خوف کے سبب بار دوست عزیز واقارب میں کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ آ سکتا تھا۔ ایسے کھن لے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی جرأت تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و حمایت میں آگے بڑھے اور مدد فرماؤ۔

اسی طرح جب ابن الزبیر نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حمایت سے ہاتھ اٹھایا اور کفار مکہ کے قبر و غلبہ سے آپ کو ڈرایا۔ اور آپ کو اسلامیہ عبادت اور قرآن پڑھنے سے ازراہ ہمدردی منع کیا، تو آپ نے ہمت و دلیری کا یوں مظاہر فرمایا کہ اپنے گھر سے باہر ایک بجگہ غصوں کر کے سب کے سامنے عبادت و عبادت کا عمل شروع کر دیا اور بلند آواز سے قرأت کی۔

ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتدوں کے قتل کے معاملہ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و ازراہ احتیاط، خوف زدہ تھے، جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس طرح جرأت و ہمت اور دلیری کا اظہار فرمایا اس پر دنیا بھر کے دلیر اور شہاۃ انگشت ہر نڈال ہیں۔

چوتھے شیعوں کے شیخ الطائف ابو جعفر طوسی کی روایت کے مطابق جو اس نے امالی میں بیان کی ہے شب معراج کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد تم کو میرا وزیر میرا خلیفہ بنا دیا ہے اور صاحب نواب اور الحکمہ کی روایت کے بموجب جو اس نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بیان کی یا قطب راوندی کی روایت کے موافق جو اس نے بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے کی، جناب امیر رضی اللہ عنہ معراج کے سفر میں آپ کے ہمراہ تھے اور آپ نے روح محفوظ کا مطالعہ فرمایا تھا تو ان کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تیس سال زندہ رہوں گا اور امامت و خلافت کی سند پر فائز ہوں گا اور پھر محمد کو ابن طعم مروی شہید کرنے لگا تو اس سب کچھ کے باوجود آپ رڑائیوں میں ڈرنے کیوں لگے۔

پانچویں شیعوں کے اہل یہ بات طے شدہ ہے کہ امام اپنی مرضی اور اختیار سے مرتبہ ایسی صورت میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ رڑائیوں میں شرکت فرماتے اور دشمنوں کے مقابلہ میں آتے تو آپ اپنی موت اختیار نہیں فرماتے تھے اور آپ کی مرضی کے بغیر موت کا آنا محال تھا۔ بخلاف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ ان کو با جماع امت نہ یہ درجہ حاصل تھا اور نہ ان کو اس قسم کا علم اور یہ بھی ظاہر اور فطری بات ہے کہ جس کو اپنی جان کا خطرہ ہو گا وہ امکان بھر جگہ جبل میں طوط ہونے میں پس و پیش کرے گا اور جس کو اپنی جان جانے کا خطرہ نہ ہو گا بلکہ یقین ہو گا کہ وہ ابھی نہیں مرے گا اس کو کسی بات کی پروا نہ ہوگی تو ایسی صورت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو باوجود جان جانے کے خطرہ اور خوف کے باج نادی اور ہان بازی دکھائیں۔ دین کی نفرت فرمائیں اور مرتدین سے بے دھرمک قتال کریں تو یہ تو جرأت اور بہادری اور انتہائی دلیری اور شہادت قلبی کی دلیل ہے ان کو کیسے بزدل کہا جا سکتا ہے۔

چھٹے۔ پھر جب خود جناب امیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دلیری اور شہادت پر گواہی دی ہو تو اس کے بعد ان کو بزدل کہنا خود جناب امیر رضی اللہ عنہ کو ای کا انکار اور کرنا ہے چنانچہ محمد بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ تَعَبْنَا عَنْكَ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ أَتْبَعْتُمُ النَّاسَ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ دَاوُدُ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمْ يَكُنْ يَدْرِي مَا يَفْعَلُ إِلَّا بِمَا يَفْعَلُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْعَرِشُ قُلْنَا مَنْ يَقُولُ هَذَا لَا يَكُنْ لَكَ أَكْبَارُ

اَحَدًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَمَا قَامَ اِلَّا اَبُو بَكْرٍ وَانَّهُ كَانَ كَسَاهِدًا لِّلثَلَاثَةِ اَيُّهَا اَحَدًا اَوْ اَكْثَرًا
ابو بکر بائیں ہوا۔ ہمارے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی اور حاضرین سے پوچھا بتاؤ سب سے زیادہ بہادر
کون ہے۔ میں نے کہا اسے امیر المومنین آپ اکہ نے فرمایا۔ وہ بہادر، ابو بکر صدیق ہیں جنگ بدر کے دن ہم نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گھاس پھوس کا ایک ساٹھان بنایا پھر لوگوں سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے
لئے آپ کے پاس کون کھڑا ہو گا کسی مشرک کو آپ کے پاس پھینکے نہ دے تو اس کے لئے ابو بکر کے سرا کوئی آمادہ نہ ہوا۔
آپ غمخیز رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے جب بھی کوئی مشرک ادھر کا رخ کرتا آپ تلوار
کے کراس پر ٹوٹ پڑتے۔

ساتویں۔ ایک ایسا شخص جس سے بہادر دل اور دلیروں جیسے کام سرزد ہوئے ہوں، جس کے ہاتھوں امور خلافت
وامامت روز روشن کی طرح انجام پائے ہوں اس کے متعلق بزدلی کا دل میں خیال لانا یا یہ کہنا کہ یہ شخص خلافت و ریاست
کے قابل نہ تھا نہ ہایت لغو و بھرا رہے معنی بات ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص عین دوپہر کی دھوپ میں بیٹھ
آفتاب کی شعاعوں کی روشنی میں سب کچھ دیکھے پھر بھی یہ کہے یا دل میں خیال لائے کہ آفتاب تو تاریک ہے تو یہ اس
شعر کا مصداق ہوا اگر نہ بنید بروز شہرہ چشم

چشم آفتاب را چو گماہ

اور جو شخص واقف یرت ہو اور جنگ و فتوحات عراق و شام کے حالات سے بخوبی آگاہ ہو وہ یقیناً یہ مانے گا اور اس
کی گواہی دے گا کہ محنت جہان کے وقت دل مضبوطی ارادہ کی انتہائی پہنچی اور اس پر ٹوٹے نہ تھے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ
عناہ کا کوئی ہمسار درمیل نہ تھا۔

چنانچہ تاحی فاضل اپنے رسائل میں اس بادشاہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے رقمطراز ہے جس نے مختصر سی مدت میں
ملک شام کو فرنگیوں کے پنجے سے آزاد کر لیا ان سے جنگ آزا ہوا اور ان کے قلعوں کو مسمار کیا لَقَدْ اَفْرَسَاتِ الْعُقَبُ يَتَقِيَّةُ
وَالْفَتْوحَاتِ الْعُقَبُ يَتَقِيَّةُ وَالْعُقَبُ يَتَقِيَّةُ اَوْ اَطْلُبُهَا اَوْ اَلْحَيْدُ يَتَقِيَّةُ۔ رجو صدیقی جیسے پختہ ارادے رکھنے والا اور عزم
جہی فتوحات کرنے والا اور عثمان جیسی فوجی طاقت کا مالک اور حیدر جیسا حملہ آور تھا

اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہادری و قوت بازو، شہیر زنی، نیزہ بازی پہلوانوں کو بچھاڑنے خود بنفس
نفیس معرکہ کار زار اور جنگ و جدل میں حصہ لینے اور دشمنوں میں گھس پڑنے کی جتنی روایات منقول ہیں اتنی دوسرے
کے بارے میں نہیں مگر یہ صفات چونکہ ہتھیار، سوار، نیزہ بازی کے فنون اور جنگوں اور میدان جنگ کی تجربہ کاریوں
سے تعلق نہیں رکھتی ہیں، اصل شجاعت سے جو ایک قلبی صفت ہے زیادہ تعلق نہیں رکھتی اور ریاست کبریٰ و خلافت
میں اس کی جہاز ضرورت نہیں۔

کیونکہ مثلاً حضرت امام سجاد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد بہت سے دوسرے ائمہ ان فنون اور باتوں سے بالکل
نا آشنا تھے۔ حالانکہ ان سب کو امامت کبریٰ کا مستحق مانا گیا ہے۔

اسی طرح بہت سے بادشاہ مثلاً سکندر اورنگ زیب وغیرہ گزرے ہیں کہ جو شجاع قلب اور شیرانگن تھے مگر
میدان جنگ میں کسی ہمسرے دوبر و نیزہ آزمائی یا پہلوانوں سے کشتی لڑنے کا موقع پیش نہیں آیا اس کے باوجود
ان کی شجاعت میں کسی نے شک نہیں کیا نہ ان کو بزدل کہا۔ دراصل ان ہر دو صفات شجاعت، جنگی مہارت میں فرق

ہے شہادت ایک قلبی صفت ہے اور یہ غلطی اور فطری ہوتی ہے جب کہ جگہ مہارت بدلی صفت ہے جو حشری اور کسی کام ہے۔ عام اصطلاح میں اس کو فن سپاہ گری بھی کہتے ہیں۔ اور شہادت کو اس سے بالکل الگ صفت شمار کرتے ہیں۔ دھوکہ (۹۳) شیعوں کا ایک گروہ مثلاً ابن مطہر علی اور اس کے پیروا علی سنت پر طعن کر کے کہتے ہیں کہ یہ لوگ نمبرِ محیرہ میں جو تجسیم الہی اور جبر مانتے ہیں، حالانکہ یہ طعن بھی حسبِ عادت افراد اور جھوٹ اور سراسر بہتان ہے اہل سنت تو مجسمہ اور محیرہ کو کافر مانتے ہیں ان کے اقوال و عقائد کے رد میں رسالے اور کتابیں لکھی ہیں البتہ ان شیعہ حضرات کے سربراہان پشیوا اور راویان اخبار بے شک مجسمہ گزرے ہیں جسکی پوری تفصیل انشاء اللہ آگے بیان ہوگی اور ان ہی میں سے ایک بڑی جماعت محیرہ کی بھی گذری ہے۔ چنانچہ کلیتی طور پر ان میں اسے مطایرت کیا ہے۔

اس سلسلہ میں شہرستانی کے اس قول سے جس میں اس نے اہل سنت کو مجسمہ کہا ہے سنا لانا اور دلیل میں پیش کرنا درست نہیں کیونکہ اہل سنت نے اس گروہ کے قول کو بھی رد کیا ہے۔ اگرچہ اہل سنت کے مذہب کی تعبیر میں لفظ جسم آتا ہے مگر اس سے مراد صرف وجود مستقل ہے۔ اور یہ درست ہے اور اسی لفظی اشتراک کے سبب ان کو بھی مجسمہ کہا گیا ہے۔

ہاں وجود مستقل پر لفظ جسم کا اطلاق کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو البعد و ثلث و طول و عرض و حق، اور لازمِ جمانیت سے پاک جاننا جسکی گنجائش اور اختلاف اسی میں ہے اس لئے کہ اکثر حضرات نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر چہرہ ہاتھ، آنکھ وغیرہ کا اطلاق جائز قرار دیا ہے مگر ان کے نزدیک بھی ذاتِ باری کو اجزاء میں بٹا ہوا ماننا اور اس حیثیت سے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کا اعتقاد رکھنا گمراہی ہے بخلاف شیعہ حضرات کے کہ وہ البعد و ثلث کے اعتقاد کے ساتھ ذاتِ باری کی حقیقی جمعیت کو مانتے ہیں اور بعض نے تو ذاتِ باری کی شکل و صورت بھی بیان کی ہے (شیعہ ہے کہ بعض ملکوں میں ذاتِ باری کے خیالی فوٹو بھی دستیاب ہیں)

اسی طرح اہل سنت جبر و متوسلہ کو مانتے ہیں جو بالکل حق اور درست ہے جیسا کہ جناب ابی عبد اللہ رحمہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِیْضَ وَلَا کُنْ أَمْرٌ بَيْنَ أَمْرَيْنِ نہ پورا جبر ہی ہے اور نہ پوری تفویض بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک چیز ہے۔

دھوکہ (۹۴) آیت میں کہ اہل سنت کی اپنی صحیح کتابوں میں یہ روایت مروی ہے کانت عائشة تلعب بالبنات فی بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں گھڑیاں کھیل کر تھیں، اب ظاہر ہے کہ اس فعل کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف کرنا اور آپ کی نوجو محترمہ کو متہم کرنا کہ وہ ناجائز صورت بناتی تھیں اور ایسے گھر میں جو اتنے جلیل القدر پیغمبر کی عبادت گاہ ہو اور وحی فرشتوں اور جبرائیل علیہ السلام کی فردو گاہ ان میں حرام صورتوں کو رکھتی تھیں بہت ہی بے ادب اور نازیبا بات ہے حالانکہ خود اہل سنت نے روایت کی ہے کہ جس گھر میں صورت یا بت ہو نماز جائز نہیں اور فرشتے اس گھر میں نہیں آتے اور ان ہی نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غارِ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے تو وہاں حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل علیہما السلام کے بت رکھے دیکھے تو ان کو باہر نکالنے کا حکم فرمایا، اس نثر و دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت پر یہ الزام اس وقت لگانا تو کچھ ٹھیک ہوتا جب وہ بجائے

بنات کے تصویر تمثال یا صورت کے الفاظ نقل کرتے بنات سے صورت ہی کے معنے کیوں مراد لئے جائیں اس سے مراد ہی لینا چاہیے جہاں زمانہ میں مروج و مشہور ہو، چنانچہ اس زمانہ میں گڑیا کی ہیئت کھڑا اس طرح ہوتی تھی کہ گول شکل کا ایک کپڑا کرتے، پھر اس کے بیچ میں دوسرے کپڑے کی گول سی پٹی ہوتی گول رکھ دیتے اور گول کپڑے کے اطراف کو سیدھی الٹی سمت سے سمیٹ کر گول کے نیچے دھاگہ سے مضبوطی کے ساتھ سی لیتے۔ کہ وہ گول آدمی کے سر کی طرح ہو جاتی اور اس کے نیچے کا حصہ آدمی کے دھڑ کی مانند گلتا اس دھڑ میں ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضا نہیں ہوتے تھے نہ گول حصہ میں منہ ناک آنکھ کچھ ہوتا اسی گڑیا کو اڑھنی، کرتا پہناتے اور تیار کر دہ شکل کو کھلونے کے طور پر بنات کہتے اور آج کل طرح طرح کی باریکیوں اور اور نوع بنوس کارنگریوں کا جو درواج سے اس زمانہ میں بالکل رواج نہ تھا اور ایک گڑیا ہی کیا رہن بہن کھانے پینے زیورات و ملبوسات فرش و فرش میں جو سادگی تھی اس میں اور آج کل کے تکلفات میں زمین و آسمان کا فرق ہے یہ آج کل کی بت اور صورت سازی تو فقہائے اہل سنت کے نزدیک حرام ہے البتہ لامعصری تصویر جس سے کوئی حکمت دینی مقصود نہ ہو وہ تو حجاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے مثلاً ایک مرتبہ آپ نے ایک خط کھینچ کر اس انسانی شکل کو ظاہر فرمایا۔ اور دوسرے دو خطوں میں سے ایک سے اہل اور دوسرے سے اہل کی تصویر کھینچی ہے اور ایسی گڑیوں کی ایجاد بھی اس لئے تھی کہ چھوٹی بچیوں میں کم سنی ہی ہے۔ امور خانہ داری پڑھنے لکھنے سینے پر دئے وغیرہ جیسے کاموں میں دلچسپی اور رغبت پیدا کی جائے جیسے ہر زمانہ میں حسب ضرورت و مناسب حالات بچوں کے لئے طرح طرح کے کھلونے بنائے جاتے ہیں تاکہ کم سنی ہی سے ان کے متعلق معلومات و دلچسپی اور واقفیت پیدا ہو، اور ان سے کام لینے کی مشق ابھی سے کر ل جائے۔ علاوہ ازیں اس طنز پر زبان کھولنا اس وقت تخریب دیتا کہ اس وقت تک تصویر بنانا یا ان کو گھروں میں لکھنا حرام ہو چکا تھا اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ گھر میں تصویر رکھنے سے فرشتے گھر میں نہیں آتے تھے اور یہ ثابت کیا بھی کیسے جا سکتا ہے جب کہ قصہ مذکورہ ہجرت کے متعلق زمانہ کا ہے اور تصویروں کا مٹانا اور کعبہ سے ان کا نکالنا آٹھ سال بعد واقعہ ہے۔ اور کسی چیز کی حرمت سے پہلے کی کسی بات پر نہ طنز و زور مت ہے اور وہ قابل گرفت مثلاً حرمت خمر سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شراب نوشی یا حرمت سود سے پیشتر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سودی لین دین۔

اور تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ یہاں تو ان شیعوں نے زوجہ رسولی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے غانہ مبارک کی ہمدردی کو اس طعن کی سند بنا کر پیش کیا ہے مگر جہاں ان ظالموں نے ام المؤمنین صدیقہ دام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی شان میں سراسر جعلی اور گھڑی ہوئی ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن سے ان کا ایمان سلب ہوتا اور یہ کفر و ارتداد تک پہنچ جاتے ہیں وہاں وہ ایسی ہمدردی کو کیوں بھول گئے۔ ان پر وہ مثل صادق آتی ہے ”مرا یا تہذا فراموش“ و ترجمہ کو تو یاد سے تو بھول گیا ہو گا، انشاء اللہ باب مطالعہ اہد باب ہفوات میں ہم لکھے اسی قسم کے کھوٹے اور غیر ملکی سکون کو گڑھا لکھتے اور ان کا کھوٹ اور جعلی ہونا بیان کریں گے۔

دھوکہ (۹۵)۔ اہل سنت پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ بے غیرتی بے حجابی اور کدے کام پر سکوت اور اس سے نزدیک کے نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہیں اور اس کے لئے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت یاں الفاظ نقل کرتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ آيَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْسَتْ مُنِي بِرَدِّهِمْ وَأَنَا أَلْغَرُّ إِلَى الْخَبَشَةِ يَلْعَبُونَ بِاللَّذِّقَةِ

وَالْغَرْبَ يَوْمَ الْقِيَامِ لِرَأْيِ كَيْفَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسَبَ ابْنِي جَادٍ سَ مِيرَا پَر دہ کر لیا اور میں نے ان حبشیوں کا کھیل دیکھا جو عید کے دن اپنے ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے۔

پس اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات آتی ہے کہ آپ نے خود بھی یہ کھیل دیکھا اور عین مسجد میں حبشیوں کے کھیل پر اور اپنی زوجہ مطہرہ کے ناخرووں پر نظر ڈالنے پر سکوت فرمایا اور یہ سب باتیں خلاف شرع اور منافی عورت ہونے کے ساتھ ساتھ اہل سنت کی اس روایت کے بھی خلاف ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے کہ اَنْجَبِيْنَ مِنْ غَيْرَةٍ وَ اَنَا اَخِيٌّ مِنْكَ وَ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَقِيٍّ دیکھ کر سعد بن خیرت پر تعجب ہوتا ہے میں ان سے بھی زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت والا ہے (یہ تو پیغمبر کوئی آدمی بھی یہ گوارا نہ کرے گا کہ ان کی بیویاں غیروں کو یا ان کے کھیل تماشے کو دیکھیں)

اس منظر کا جواب یہ ہے کہ ان کا اتنا بڑھ چڑھ کر ہونا اسلام کے ابتدائی حالات سے ناواقفیت اور تاریخ سے جہالت کی دلیل ہے۔

اس لئے کہ یہ واقعہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے کا ہے جب کہ تمام مسلمان عورتیں حتیٰ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور ما جزا دیاں گھروں سے باہر آتیں اور باہر کے کام کا انجام دیتی تھیں، چنانچہ سنی اور شیعوں ہر دو کی روایات سے ثابت ہے کہ خاتون جنت بل بی فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے جبکہ احد کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کو دھویا اور دوا لگائی۔ سہل بن سعد اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے یہ واقعہ دیکھا اور اس کی روایت کی۔
تو اگر یہ کسی ایسی بات کی روایت کریں جو آیت تحریم سے پیشتر کی ہو تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی نصیب مطہرہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ہی ہو تو اس پر طعن کا کیا جواز ہے۔

اسی طرح صحیح طریق سند کے ساتھ شیعہ اور سنی دونوں کے ہاں یہ واقعہ ثابت ہے کہ حضرت حمزہ حضرت ابوطالب اور دوسرے اصحاب نے شراب پی، دست جوئے اور باہم دست دگر بیاں جوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورت ملاحظہ فرمانے کے باوجود اس پر سکوت فرمایا اور ان حضرات کو کچھ نہ کہا۔

منکر پر سکوت کا الزام تو اس وقت آئے گا جب وہ منکر جو، اور حرام ہونے سے پیشتر وہ منکر کیسے ہو سکتا ہے۔
پھر ایک بات کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت غیر مکلف تھیں کہ عریض کیا تھی، اگر کوئی بھی پردہ میں ہو کر کہ غیر مودعہ دیکھ سکے اس قسم کی جنگی شق دیکھے تو اس میں قباحت کی بات ہی کیا ہے۔

اور پھر یہ کھیل کو دیکھ تھا۔ ہتھیاروں سے فوجی شق اور جنگ کی تیاری کے لئے پیشتر بازی آلات حرب کے استعمال کی تربیت کی ایک لائق تعریف شکی تھی، مگر ظاہر میں کھیل کو دنگتا تھا مگر وہ پردہ اور فی الحقیقت اس میں حکمت ہوتی تھی جیسے گھڑ دوڑ اور نیزہ بازی۔

ایسے کرتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف ملاحظہ فرماتے بعض اوقات عملی شرکت بھی فرماتے، بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اس قسم کے نرمی کھیلوں میں فرشتے بھی شریک ہوتے ہیں۔

اب رہی بات اس روایت کی جس سے ان حبشیوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جھڑکنا اور ڈانٹنا ثابت ہوتا ہے۔
تو اس کا سبب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدت محبت ہے اس محبت ہی نے ان کو

اس پر اجماع ہے کہ گویہ فعل شرعاً جائز ہے مگر محبوب کے وقار و شان کے سامنے یہ خفیف الحرج ہے جو عیب کو بری مانتی ہے اور آپ کا سکوت اخلاق کرمانہ کا مظہر ہے۔ لیکن جب محبوب کا یہ فرمان سنا: **يَا مَعْشَرُ النَّبِيِّينَ لَا تَدْرُسُوا عَمْرًا مِنْهُمْ** نہ چھیڑو، اور ہاں اسے بنی ارفدہ اطمینان سے اپنے مظاہرہ میں لگے رہو، تو نہ صرف ڈانٹ ڈپٹ ہی سے باز آ گئے بلکہ خود بھی خوشحالی کے ساتھ اسے دیکھا کئے اور مجھ گئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک یہ ہے تو یہ کھیلی اور جگہی مظاہرہ، اہل فضل کے وقار و تمکین سے بھی اونچی کر لی چیز ہے۔

غنیوں کی یہ بات باعث حیرت و تعجب ہے کہ قبل حرم کے واقعات کو تو یہ سب عزتی اور سکوت منکر کہتے ہیں اور خود ائمہ اہل ہار سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لغت بگڑ اور آپ کے نائب ہیں اور وہ ان کے نزدیک معصوم اور واجب اطاعت بھی۔ ایسی روایات کی نسبت کرتے ہیں کہ ان کے حجاب صادق تو کیا ہر شریف شخص کی زبان ان کی نقل و حکایت سے لڑکھڑاتی اور ان کے سننے سے ہر مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جو ان کی کتب میں بروایت صحیح منقول ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دوستوں اور شیعوں سے فرمایا: **إِنَّ هَذِهِ مِمَّا جَاءَتْ فِيهَا نَأْيٌ وَفَرْجٌ مِمَّا كُنَّا نَحْكُمُ بِهِ** (ہماری چھوکر یاں ہمارے لئے ان کی خدمت کافی ہے اور ان کی شرمگاہیں تنہا سے لئے حلال ہیں) اسی لغو و بیہودہ روایت پر بنا رکھتے ہوئے شیعہ علماء نے اس وقت کہ امام حق روپوش تھے، جہاد معطل و یکار تھا۔ جس مال غنیمت سے علیحدہ نہ ہونے کے سبب اپنے مصرف میں مصرف نہ تھا اور سارے مال غنیمت سے علیحدہ نہ ہو چکے سبب اپنے مصرف میں مصرف نہ ہوتا تھا اور سارے مال غنیمت میں مل کر اس کو بھی خراب کر دیتا تھا، شیعوں کے لئے چھوکر یاں حلال ہونے کا فتویٰ صادر کیا۔

اب ذرا چشمِ عبرت واکریں اور اس ناشائستہ لفظ پر غور کریں کہ کیا اس کو غیرت و شرم سے دور کا واسطہ بھی ہے۔

اسی طرح اس فرقہ کے بڑے مفسران قرآن میں سے ایک مفسر مقدار کثیر لعرفان فی احکام القرآن کا مصنف آیت **هَلْ أَدْرَاكَ أَنْتَ إِنَّا نَكْنُزُ الْغَيْبَاتِ** (یہاں اتیان سے مراد مقرر اور رائج طریقے کے خلاف طریقہ مراد ہے) یہاں اس کے نہاد مفسر نے حضرت موطا علیہ السلام کی طرف ایسے شرمناک کام کی نسبت کی ہے جس کو ذیل ترین اور اباؤں کا دسی بھی اپنے لئے باعث فحک و عاصیجہ اور اس سے گریز کرتے ہیں۔ چہ جائیکہ شرفاء اور پیغمبر یا پیغمبر زادے۔

اگر کسی شیعہ کے دل میں یہ بات کھلے کہ گو اس وقت انہیوں کے دیکھنے کا حکم حرم نہ آیا تھا۔ لیکن سلیم الطبع اشخاص کی فطری خصلت اسے عاری سمجھتی ہے اس لئے پیغمبر علیہ السلام کو اس کی اجازت نہ دی جا سکتی تھی بلکہ منع کرنا چاہیے تھا۔ تو اس کا یہ شک قابل تسلیم نہیں اس لئے کہ طبرسی کی مجمع البیان اور دوسری شیعہ تفسیر میں لکھا ہوا ہے کہ جس وقت خوش جمال اور خوش پرشاک فرشتے مہمانوں کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اس وقت ان کا فرشتہ ہونا ظاہر نہیں ہوا تھا۔ تو حضرت سارہ علیہا السلام بھی وہاں آئیں اور مہمانوں کی باتیں سن کر نہیں بھی مکرر آئیں۔ تو حضرت سارہ علیہا السلام کا آنا، غیر مردوں کی باتوں پر مسکراتا ہنسنا، غیرت و شرم سے کس قدر بعید بات ہے لہذا اس سے پتہ چلا ملا و شرم اس وقت لاحق ہوتی ہے کہ ذہنوں میں اس کے متعلق برائی بیٹھی ہو اور برائی دل

اس میں نہ کوئی اعتراض کی بات ہے نہ تعجب کی، تعجب اور ماتم تو ان لوگوں پر کرنا چاہئے جنہوں نے چھو کر یوں کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال جاننا جس کو کبھی لوگ تنگ و مار سبھتے اور نازیبا و ناشائستہ حرکت خیال کرتے ہیں ان کے لئے کیسے قابل قبول اور لائق تسلیم ہو گیا۔

وصو کہ (۹۶) :- ان کا ایک طنز اہل سنت پر بصورت الزام یہ ہے کہ انہوں نے اپنی صحاح میں یہ قفسہ بیان کیا ہے کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس قبضہ روح کے لئے آئے تو آپ نے ان کے منہ پر ایسا طمانچہ مارا کہ ملک الموت کی ایک آنکھ جاتی رہی حالانکہ اس واقعہ میں کئی قابل اعتراض باتیں ہیں۔ اولیٰ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدائی فیصلہ پر راضی نہ ہوئے۔ دوسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طاعات کو ناپسند کیا۔

حالانکہ خود اہل سنت نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ من گھڑت یقاً ذل اللہ و گمراہ اللہ یعادہ رجواظہ کی حقیقت کہ
عائین اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملقات پسند نہیں فرماتا۔

تیسرے یہ کہ کیا ملک الموت اتنے کمزور و عاجز اور بے اختیار ہو گئے تھے کہ قبضہ نہ کیا یا کچھ گنواؤں مگر اتنا نہ ہو سکا کہ روح قبضہ کر لیجے آخر ناکام ہو کر واپس ہوئے اور خالق الموت والہیات کے دربار میں شکایت کی یہ ساری ظرایف ان اصول شریعت کے خلاف ہیں۔

اس طنز کا جواب یہ ہے کہ روح قبض کا عمل دو طریقوں پر ہوتا ہے، پہلا طریقہ تو یہ ہے جو ملک الموت عام مخلوق کے ساتھ برتتے ہیں کہ اس کو بغیر کوئی اختیار دینے اور یہ پوچھے اور بتائے بغیر کہ میں ملک الموت ہوں اگر اجازت ہو تو ایسا کروں اس کی روح قبض کر لیتے ہیں دوسرا طریقہ وہ ہے کہ جو وہ پیغمبروں کے ساتھ اختیار کرتے ہیں کہ اول تو اپنا تعارف کرتے ہیں کہ میں ملک الموت ہوں پھر چلنے اور رہنے کا اختیار دیتے ہیں اور یہ پیغام دیتے ہیں۔ (انجوئی الی کہ تلبیہ اپنے رب کی طرف لوٹ چلئے) چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام تقارب کے انتہائی شائق ہوتے اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں اس لئے ان سے قبض روح کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ جب اجازت ملے چکتے ہیں تو اپنا کام انجام دیتے ہیں۔

پس موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہلی مرتبہ اسی مام طریقہ سے آئے نہ اپنا تعارف کرایا نہ ہی شکل و صورت فرشتے کی سی تھی اس لئے موسیٰ علیہ السلام نہ سمجھ سکے کہ کون ہیں۔ اور کہیں آئے ہیں۔ بلکہ انسانی شکل میں ہونے کے سبب یہ سمجھ کر کوئی دشمن ہے جو قتل کرنے کے لئے آیا ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دو فرشتوں کو جو عہد کی دیر اور پناہ نہ کر اذرا آگئے اور آپس میں جھگڑنے لگے اپنا دشمن خیال کیا اور چلا آئے قرآن مجید میں بھی اس کا قصہ ہے اور اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت جبریل علیہ السلام کو اعرابی سائل کی شکل میں دیکھ کر نہ پہچانا حالانکہ جبریل علیہ السلام سے آپ کو اتنا لگاؤ اور اتنی زیادہ مبالغہ رہی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس کا سوال حصہ بھی میسر نہ تھا اور دشمن سے ہر ممکنہ طریقہ پر دفاع ضروری اور لازمی ہے اس لئے انہوں نے ملک الموت کے ساتھ یہ بہتاؤ کیا دشمن بھی کر کیا اور ملک الموت نے خصوصی طریقہ اختیار نہیں کیا تھا۔ پھر ان کے مرتبہ، نسبت اور اس قرب سے جو فائز ہاری سے ان کو تھا۔ واقف تھے۔ اس لئے مار کھا کر بھی ان کے سامنے جھک گئے اور کوئی حرکت نہ کی اور آخر تک اپنی حیثیت ظاہر نہ کی پھر دربار الہی میں حاضر ہو کر روزِ ادا بیان کی اور جو واقعہ گزرا تھا۔ عرض کیا

پھر دوسری مرتبہ اسی اصول و امتیاز کے ساتھ جو انبیاء کرام کے لئے مخصوص تھا ملک الموت کو بھیجا گیا تب انہوں نے اپنا تعارف کرایا اور موسیٰ علیہ السلام کو چلنے یا رہنے کے متعلق اختیار دیا، تو آپ نے چلنے پر آمادگی ظاہر فرمائی اور اتنی مہلت مانگی کہ زمین مقدس کے نزدیک پہنچ جائوں تو اپنا کام کر گزروں۔

اب ذرا اس پر انصاف کی نظر ڈال کر دیکھ لیجئے اس میں اعتراض کی کیا بات ہے اور کونسی خرابی لازم آتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی تنگی کی آخری گھڑی یہی مقرر تھی اس لئے اس میں موت کے ٹل جانے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اور ملک الموت فرشتگانہ طاقت و قوت کے مالک ہوتے ہوئے بھی بہت سی جگہ سپانڈاز ہو جاتے ہیں ان میں مرجعہ شناسی ہوتی ہے حفظ مراتب کا خیال اور تعظیم کا لحاظ رکھتے ہوئے اجازت طلب ہوتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا واقعہ جو امام جعفر سے شیعہ سنی دونوں کے مان منقول ہے۔

اور جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ یہ ملک الموت ہیں اور حکم الہی روح قبض کرنے کے لئے آئے ہیں، تو اس میں نقصانے الہی سے ناخوشی اور تقارب سے ناپسندیدگی کا سوال ہی کہاں سے نکل آیا۔

اب ہم اس کتاب کو پیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو پہلی دفعہ ہی اس ہیئت اور شکل میں کیوں نہ بھیجا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو پہچان کر مقصد آمد جان جاتے تب نہ جیل و جنت کا موقع آتا نہ مار پیٹ کی فزیت آتی تو اللہ تعالیٰ کے معاملات اور طریقے اپنے مخصوص بندوں کے ساتھ جس توسل کے ہیں ان کی حکمتوں و مصلحتوں اور اسرار و رموز ملک جو بہت نازک باریک اور گہرے اور پوشیدہ ہیں ہر ذہن کی رسائی نہیں ہوتی اگر کوئی اپنے مذاق و مشرب کے مطابق حکمت کا، تصوف اور فقر سے اغفر کر کے یا سنی، شیعہ معتزلہ کے مذاہب کے اصول کی بنا پر لب کشائی کرے اور کوئی ایک ادھر گھنٹہ بھائی کر دے تو اس حکمت کی حقیقت اور واقع سے اتنی سی نسبت ہوتی ہے، جیسے قطرہ کی دریا سے یا ذرہ کی حمار سے اسلئے اہل تحقیق نے ان اسرار و رموز کے علم کو اللہ کے حوالے کیا اور خود ہر لب ہو رہے۔ اور عقل اجمالی طوط پر اتنا جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بعض معاملات میں بعض بندوں کو مخصوص کر لینا کئی اسباب سے ہوتا ہے کبھی۔

درجات قرب کے لحاظ سے کبھی لطائف و درجہ کے درجات کے مطابق اور کبھی ان اسامہ و صفات الہی کے باعث جو اس بندہ کے مربی ہوتے ہیں انہیں اسباب پر مبنی ہوتا ہے بعض بندوں کا مخصوص کر لینا بعض رنگوں اور شکلوں کے ساتھ رزق کی فراخی و تنگی کے ساتھ، عمر کی درازی یا کوتاہی کے ساتھ۔

چنانچہ بعض اسباب کا اہل طوائف یا اطباء کی نظر سرخ و گالیقی ہے، تو بعض تک اہل نجوم و احکام کی خود و نمکر پہنچ جاتی ہے۔

غرض کارخانہ خداوندی کا احاطہ اس کی ذات کے سوا کسی کے لئے ممکن نہیں، اس وقت اگر ہم اس معاملہ کے کہ جس کو علم تادیل الا حادیث کہتے ہیں جو باریک بینی و تامل باریک امور پر مبنی بھی اسباب کو حل کرنے میں پیش تو موعود اور مذاق کتاب سے بہت دور جا پڑیں گے اور پھر صانع کے آگما جانے اور گہرا بانیکا باعث بھی ہوگا۔

دھوکہ (۹۷) ایک الزام اہل سنت پر یہ لوگ یہ بھی لگاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی صحاح میں ایسی روایات بھی درج کی ہیں جن سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف شک کی نسبت پائی جاتی ہے مثلاً یہ حدیث جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: *نَحْنُ أَحَقُّ بِالْشُّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ سَابَّ إِبْرَاهِيمَ كَيْفَ تَحْتِیْ أَلَمْ یَلِكْ*

ہم ابراہیم سے زیادہ شک کے حقدار ہیں، جس کا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مردوں کی دوبارہ زندگی کی کیفیت معلوم کر کے کیا تہ تک اُمرائی کَیْفُ تَحْیِی الْمَوْتِی۔

اس طعن کا انزای جواب تو یہ ہے کہ خود شیعوں نے حضرت علیہ السلام کے مکالمہ میں جو حجاج کے ساتھ ہوا جس کا بیان اوپر آچکا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اور صرف ایک ہی پیغمبر کے متعلق شک کا اظہار طعن و تشنیع کے لئے کافی ہے تو جس بات کا اہل سنت کو الزام دیتے ہیں خود اسی الزام کے مورد ہیں۔ جب دونوں ہی اس میں شریک ہیں تو اہل سنت ہی کو اس کے لئے مخصوص کیوں کیا جاتا ہے۔

دوسرے۔ یہ کہ یہ حدیث شریف قیاس استثنائی کے معنی میں ہے کہ اس میں یقین ثنائی کی استثنائی ہے تاکہ اس سے یقینی مقدم نتیجہ حاصل ہو۔ دراصل اس کلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت وَلَکِن تَیَسِّرُنَ کَلْبَیْ سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ شک کے ہونے اور یقین کے حاصل نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے بلکہ آپ کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شک ہو تا تو ہم کو بھی شک ہونا چاہئے تھا کیونکہ ہم ان سے زیادہ شک کے حقدار ہیں۔ اور جب ہم کو شک نہیں تو لا محالہ ان کو بھی شک نہیں تھا۔ تو گویا آپ کا سوال صرف علم الیقین سے ترقی کے معنی یقین تک پہنچنے کے لئے ہے، اور اگر کلام کو ظاہر پر محمول کریں تو بھی درست ہے اس لئے کہ شک یقین کے مقابل ہے اور جس طرح یقین کے درجے تین علم الیقین، علم الیقین اور حق الیقین ہیں اسی طرح شک کے بھی تین ہی درجے ہیں، لہذا یہاں شک سے مراد یہ ہے علم الیقین رکھتے ہوئے علم الیقین کا حاصل نہ ہونا اور پھر بین الیقین کا حاصل نہ ہونا کوئی نقص یا عیب تو نہیں یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ انبیاء کرام علیہ السلام تمام امور غیبیہ کو ان ظاہری آنکھوں ہی سے ملاحظہ فرمائیں اور نہ شیعوں اور سنیوں میں سے کوئی بھی اس کے واجب ہونے کا قائل ہے۔ پس اس صحیح مطلب کو جو راہ حق سے ذرا بھی ادھر ادھر ہٹا ہوا نہیں ہے یہ مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور اپنے ہاں جو انہوں نے انبیاء کرام کے حق میں قابل الزام روایات کو اپنی کتابوں میں بھر رکھا ہے۔ اس کو بھول گئے چنانچہ اس کا کچھ حصہ شیعہ مؤرخ از خود اسٹے کے طور پر انشاء اللہ باب نبوت میں ذکر کیا جائے گا اور اس سے ان کے اس عقیدہ کی قطعی کھل جائے گی جو یہ انبیاء کرام علیہ السلام کے متعلق رکھتے ہیں۔

دھوکہ (۹۸) اس کہتے ہیں کہ اہل سنت نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین بھوٹ ہوئے ہیں مگر انبیاء کرام کا بھوٹ سے پاک ہونا بالاتفاق واجب ہے ورنہ پھر ان کی تبلیغ پر سے اعتقاد اٹھ جائے اور بعثت کی غرض مفقود ہو جائے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں بھوٹ سے مراد تعریض ہے جو مردہ تو بھوٹ دکھائی دیتا ہے مگر درحقیقت سچ ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاحمت میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اَلْمَیِّتُ لَا تَدْرُکُ الْجَنَّةَ (بوڑھی مرد تین جنت میں داخل نہیں ہوں گی) یا فرمایا اِنِّیْ حَیٌّ لَکَیْ وَلَکِیْ فَاَقِیْہِ بِیْ تَحْیِیْہِیْ کے بچہ پر سواری کر دیا گا، اِنِّ فِیْ حَیِّیْ سَؤُجَکَ پناہ کا دھیرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے)

اسی قسم کی اور مثالیں ملتی ہیں اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی بہت سی تعریضات مروی ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ تین بھوٹ بھی اسی نوعیت کے تھے اس لئے کہ انہوں نے اپنی زوجہ کو تشدد کے خوف سے بہن بتایا اور اس سے مراد اسامی اخوت ملتی اور اِنِّیْ سَیِّدُہُ فرمایا تو اس سے غرض رومانی کدورت اور شہرہ زگی

حق جو جسمانی مرض سے زیادہ سخت چیز ہے اور نَعَلَتْ كَبِدَهُمْ کفار کو الزام دیتے ہوئے بطور قرین فرمایا۔ تو ان باتوں کو جھوٹ کہنا محض جھوٹ سے مشابہت رکھنے اور ہم شکل ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ بھی ایک ضروری مصلحت کی بنا پر تھا۔ کیونکہ کسی ظالم کو اپنے مال، جان اور آبرو سے باز رکھنے میں اگر صاف جھوٹ بولنا پڑ جائے تو اس کی بھی شرعا اجازت ہے تعریفیں تو جھوٹ سے ہی نہیں، بہر حال ان صحیح السنہ روایات کو مورد الزام ٹھیکرانا اور اپنی ان روایات کو بھول جانا یا پس پشت ڈال دینا جو انبیاء کرام علیہم السلام کے پاک دامن پر برائی اور الزام کا دھبہ لگاتی ہیں انتہائی دھیشٹ پن اور حد درجہ بے شرمی ہے۔

آگے چل کر باب نبوت میں انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ بعض انبیاء کو تو یہ وحی سے بھی منکر مانتے ہیں بعض پر حد بعض عقائد کا اتہام لگاتے ہیں اور بعض کو گناہ کبیرہ کا مرتکب ٹھیکرتے ہیں ان کے ہاں تو بطور اعتقاد یہ ملک مٹا ہے کہ انبیاء پر کفر کا اظہار بطور تقیہ واجب ہے،

اہل سنت کو الزام دینے سے پہلے ان کو چاہیے کہ اپنے عقائد اور ان روایات کا مقابلہ و موازنہ ان تعریفیات سے کریں، پھر زبان کھولیں،

دھوکہ (۹۹) : ایک طعن یہ کرتے ہیں کہ اہل سنت کی صحاح میں یہ روایت ہے کہ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَفْتَرُ مِنْ ظُلْمِ عَمْرٍ وَ الشَّيْطَانُ حضرت عمرؓ کے سایہ سے بھی بھاگتا ہے، حالانکہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت انبیاء کرام علیہم السلام پر ظاہر ہوتی ہے، اس لئے کہ انبیاء تو نفوس قرآنیر کے بموجب شیطان سے محفوظ نہ رہ سکے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا، فَتَوَسَّسَ الْكَيْدُ الشَّيْطَانُ، شیطان نے ان کے دل میں دوسرہ ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (یہ شیطان کا کام ہے) حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا، اَنَّىٰ يَتَّبِعُ الشَّيْطَانُ بَشُفَّ وَ عَذَابٍ دے شک جھوٹا ہے شیطان نے دشمنی اور تکلیف کے ساتھ، پھر تمام رسولوں اور نبیوں کی شان میں ارشاد ہوا ہے، وَمَا اَنْزَلْنَاهُ مِنْ قَبْلِكَ مِنْ شَيْءٍ وَلَا يَتَّبِعِيْكَ وَلَا يَخْلُقُ اَلْفَاكُ الشَّيْطَانُ لَا اُمِّيْتِيْعُهُمْ، آپ سے پہلے تم کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ ان کی تنائیں شیطان نے گڑ بڑ کی ہیں اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں اب جب کہ شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا بلکہ ان کے سائے سے بھی بھاگتا ہے اور انبیاء و رسول کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ ان کے دلوں پر قبضہ پا کر ان میں دوسرہ ڈالتا ہے تو حالہ حضرت عمر انبیاء سے افضل ہونے اور یہ بات بالاجماع غلط و باطل ہے،

ان کے ہاں یہ الزام بڑا منکر اور بھسا ہوتا ہے اور ان کے ہاں کے اہل علم اس شبہ کو بیان کر کے بڑی خوشی اور فخر کا اظہار کرتے ہیں۔

اہل سنت کی طرف سے اس الزام کا جواب کئی انداز اور وجوہ سے دیا جاتا ہے اول ہم خود ان شیعوں سے پوچھتے ہیں کہ تم ان آیات مذکورہ بالا ان جیسی دوسری آیات کی روشنی میں انبیاء پر شیطان کا عمل دخل مانتے ہو یا نہیں اگر مانتے ہیں تو انبیاء و آئمہ کرام کی عصمت کا عقیدہ تمہارے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ اور نہ ماننے کی صورت میں ان آیات کی تاویل کر کے انبیاء کرام کی عصمت شیطان سے محفوظ و برقرار رکھو گے تا کہ ان کی ذات پر کوئی الزام نہ آئے، اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عصمت میں انبیاء کرام کے شریک ہو جائیں گے اور اس میں

کوئی حرج بھی نہیں ہے کیونکہ بعض اولیاء انبیاء کے ساتھ بعض صفات میں شریک ہو جاتے ہیں، البتہ ان میں فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام پر شیطان کا تسلط اور غلبہ ناممکن ہے اور ان کے اسی مرتبہ کا نام عصمت ہے اور اولیاء پر شیطان کا غلبہ ممکن ہے، اور ان کے اس مرتبہ کا نام معفوئیت ہے، شیطان کا غلبہ ممکن ہے اور ان کے اس مرتبہ کا پتہ بعض قرآنی آیات سے بھی پلتا ہے کہ خدا کے بعض بندے بھی شیطان کے تسلط سے مامون ہیں، یہ خاصہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مختص نہیں، چنانچہ ارشاد ہے: **إِنَّ بَنِي إِدْرِيسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ بَعِثْنَا مِنْهُمْ خَلَفَاءَ** (مگر ان میں سے تیرے بعض خلیفے بندے تھے تو اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شمار بھی ایسے بندوں میں ہو جائے تو اس میں کوئی شرعی یا عقلی خرابی لازم آتی ہے،

اب رہے یہ الفاظ کہ **فَلَا**، **فَلَا** کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ تو یہ محض ایک مثال ہے یہ کیا ضروری ہے کہ ان الفاظ کو حقیقی معنی پر معمول کر کے دوران عقل معنی پیدا کریں۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ شیطان ان کو بہکانے میں بے بس ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **قُلْ إِنْ الْمَوْتُ آتَتْكُمْ لَبِئْسَ الْفِرَارُ** (اے لوگو! تم فرار نہ کرو) سے تم بھاگتے ہو، اس میں مراد بچتے ہو، یہ فرمایا جاتا ہے **إِنَّمَا يَنْفَعُ الْفِرَارَ** (فیرار جو ٹوٹا ہی چاہتی تھی اس میں گمراہی چاہتی تھی مراد ہے،

دوسرے۔ شیطان کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر کر بھاگنا اور انبیاء و رسول سے نہ ڈرنا اس بات سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت انبیاء کرام پر ثابت نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ چور کو تو مال، اور پیر سے دار سے اور لہزن و فجار سے جتنا ڈرتے اور کانپتے ہیں اتنا بادشاہ وقت سے نہیں کیونکہ کو تو مال اور فوجدار کی تو ڈریں اور فرنی ہی یہ ہے کہ مفسدوں چوروں ڈاکوؤں سے ملک و شہر کو پاک کریں اسی لئے یہ مفسدوں اور چوروں کے مکرو فریب اور ہتھکنڈوں کو بادشاہ کی نسبت زیادہ جانتے اور پہچانتے ہیں بادشاہ کو ملکی بہات اور معاملات میں الجھ کر یہ موقع کہاں کہ وہ چوروں کی نغیات اور ان کی داراتوں کی ٹوہ لگائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ عہدہ احتساب سے سرفراز تھے اس لئے ہر کردار اور بد افعال اثناس جو بد پردہ شیطانی گرے تھے ان سے لرزاں و ترساں رہتے تھے بلکہ ان کے احتساب کو تو دریائے نیل بھی مانتا تھا۔ کہ ان کے حکم پر جاری ہوا۔

علامہ کلام یہ کہ شیطان کا کسی شخص یا چیز سے ڈرنا اس شخص یا چیز کی اصلیت کو اس شخص یا چیز پر ثابت نہیں کرتا جس کی انصافیت قطعی الثبوت ہے،

مثلاً اذان کے بارے میں فریقین کے ہاں بروایت صحیح مروی ہے کہ اذان سن کر شیطان گوند کرتا ہوا بھاگتا ہے اور پھر نماز میں آ موجود ہوتا ہے اور سوئے ڈالتا ہے حالانکہ یہ بات بالاجماع ثابت ہے کہ نماز تمام اصل عبادت میں افضل ہے چہ جائیکہ اذان کہ وہ تو وسیلہ نماز ہے نہ اصل عبادت ہے نہ فرض، اور نماز سے اس کی برابری کا سوال ہی نہیں اسی صورت پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے معاملہ کو قیاس کرنا چاہیے تیسرے یہ کہ انبیاء علیہم السلام تو شیطانی مکرو فریب اجالی طور پر بیان کر کے اس کے راستے بند فرماتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے مکرو فریب کا پوسٹ مارٹم کر کے اس کے سارے انجیر پتھر کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔

اور بہکانے، مگرہ کرنے، کے ذرائع و وسائل، اور اوزاروں کی تفصیلی جانچ پڑتال کرتے اور ان کا توڑ تلاش

کرتے ہیں

اور چونکہ عقل مدرک سمجھنے والی احکام کلیات کی ہے اور وہم جزوی احکام کا مدرک ہے اور وہم ہی قرئی کیا پوسے وجود انسانی پر مکرانی کرتا ہے اور اکثر لوگوں میں اکثر اوقات عقل پر غالب رہتا ہے اور عقل کے خوف و ڈر کو خاطر میں نہیں لاتا نہ اس کے خوف میں اپنی مملکت اعضاء انسانی میں من مانے احکام صادر کرنے سے باز رہتا ہے نہ عاجز ہوتا ہے جب تک وہ خود ہی کسی بات یا چیز سے خائف نہ ہو جائے شیطان بھی جب تک اس کی مدد اور طاقت نہ حاصل کرے کوئی کام انجام نہیں دیتا۔ وہم شیطان کا اتنا بڑا ہتھیار ہے کہ وہ ساتھ نہ دے تو شیطان مغلوب ہو کر رہ جائے،

لہذا ان وجوہ سے شیطان حضرت عمر سے خائف ہو گا انبیاء کرام سے نہیں اور یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا ان ہمیں ہستیوں کی فضیلت کی نہیں بلکہ یہ چیز ان کی جزئی کار گیری اور باریک بینی سے حاصل ہوئی ہے جیسے فرست ہونا بھی کہا جاسکتا ہے، جو انبیاء کرام علیہم السلام ہی سے ماخوذ اور ان کے الزام و تہمیلات کا پر تو ہے یہ زیرکی و دانائی اور ذرف نگاہی و نور نبوت ہی کا فیضان ہے،

چوتھے یہ کہ انبیاء کرام توحید کی نعمتوں کی امید و لا کر، اور دوزخ کے شواہد اور ہولناکیوں سے ڈر کر، طاعت کی طرف راغب اور معاصی سے نفور و خائف کرتے ہیں، اول تو یہ باتیں نظر سے غائب ہیں، اور بہت سے لوگوں کی عقل میں بھی نہیں آتیں۔ دوسرے یہ صرف وعدہ و وعید ہے اور وہ بھی حشر کے دن کا، اور ایسے آدمی کو شاذ و نادر ہی ملیں گے جو ان وعدوں پر ایسا ایمان رکھتے ہوں جیسا کہ آنکھوں دیکھی چیز پر اور جن کو انبیاء کرام علیہم السلام کے وعدوں پر اعتماد کلی ہو!

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا ان ہمیں ہستیاں دنیاوی نعمتوں کے ساتھ رغبت دلا کر مار ڈھکے کے زور سے اطاعت کی طرف راغب کرتی اور ہدایوں سے باز رکھتی ہیں۔ پھر دنیا کے اکثر لوگ تو ثمرت فائدے اور نفع ہی کو قابل توجہ سمجھتے اور یہ ہیں کے مکافات عمل سے ڈرتے اور خوف زدہ ہوتے ہیں، اس لئے لامحالہ شیطان فوج اور اس کے گرگے، عمری دہریہ و قہر سے زیادہ خائف اور ان کے نام سے لرزہ بر اندام تھے، نہ کہ انبیاء سے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے، السُّلْطَانُ بَيْرُهُمُ الْكُفْرُ مِثْلًا بَيْرُهُمُ الْفُتْرَانُ و قرآن مجید و لبت سے زیادہ سلطان ہدایت و نعت ہوتا ہے، اردو میں بھی ایک مثل مشہور ہے کہ ”مار کے آگے بھوت بھی بھاگتا ہے“ جو جن بھوت تعویذ گندھوں سے نہ بھاگے اس کی اگر پٹائی کر دی جائے تو فوراً دفع ہو جاتا ہے یا بخود یہ روایت بھی اس طعن کے بننے اور ہیبت ہے جو شیعوں اور سنیوں دونوں کی کتب میں موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے اجاب اور دوستوں کے مراتب دریافت کے لئے تو آپ نے فرما کر و ابیان فرمائے اور حضرت عمار کے فضائل میں یہ الفاظ فرمائے ذَالِكَ الَّذِي أَجَارَ اللَّهُ عَنِ الشَّيْطَانِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكَ يَوْمَ هَمَّتْ مِنْهُ الشَّيْطَانُ مِنْ بَنِي إِسْرَافِيلَ اس روایت سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا شیطان سے محفوظ رہنا ثابت ہوتا ہے، تو چاہئے نہیں بھی انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت ہو، اور کسی کے نزدیک بھی ایسا نہیں ہے، ہر حال عمر ہوں یا عمار مادہ دونوں کا مشترک ہے فرق صرف اتنا ہے کہ عمار خود شیطان سے محفوظ ہیں اور حضرت

عمر رضی اللہ عنہ خود محفوظ ہونے کے ساتھ شیطان کے لئے ہڑا بھی ہیں کہ ان کے سایہ تک سے لرزتا ہوا میدان چھوڑ بھاگتا ہے، اب اگر طعن کرنے والوں کی منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو بدیہی نتیجہ نکلے گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام تو محفوظ باللہ شیطان سے محفوظ نہ رہ سکے اور حضرت عمار کی محفولیت کی لسان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے خبر دیدی تو گویا یہ بھی انبیاء سے افضل ہوئے،

الجہا ہے پاؤں یاد کا زلف دراز میں لو آپ اپنے دام میں مبادا آگیا۔

دھوکہ (۱۰۰) ۱۔ کہتے ہیں کہ کتب صحاح میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے آگے دیکھا اور ان کی جوتی کی آواز آپ کی سماعت میں آئی، اعتراض ان کا یہ ہے کہ اس روایت سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت لازم آتی ہے، اور یہ بڑی ناریا بات اس اعتراض میں بڑے ظلم اور تعصب سے کام لیا گیا ہے اس لئے کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا بہشت میں آگے چلنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے زمین پر تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ آگے آگے ہی چلتے تھے تاکہ راہ کے موافقات اور تکلیف دینے والی چیز کو چٹا دیں، صلاۃ الجلب کی طرح بہتر ہے آپ کے دشمن تھے آپ کی ایذا رسانی کے لئے کچھ بھی آپ کے راستے میں ڈال سکتے تھے یہ بھی نہ ہو تو راستہ میں اینٹ، پتھر اور روٹے تو ہوتے ہی ہیں نہانی، اور وہ اینٹ پتھر جو بھی ہوتا اٹھاتے اور آپ کے لئے راستہ صاف کرتے تھے عام طور پر خدام اسی لئے رکھے جاتے تھے اگر ان کو اس کام کے لئے خاص طور پر نہ بھی رکھا جاتا تو خدام از خود اسے اپنا فرض قرار دے لیتے کہ کوئی ایسی بات نہ ہو کہ آقا کو کلفت اور بے آرامی ہو۔

اور اس وقت یہ رسم غایت ادب کی علامت اور نشانی تھی۔ اور خدام کا یہ عام معمول تھا کہ اپنے آقا و مخدوم کے آگے آگے چلیں، اور اس کا مشاہدہ آج بھی برائے السین کیا جاسکتا ہے۔ سلاطین زمانہ اور حکام وقت کے باڈی گارڈ کہاں چلتے ہیں، پیچھے ہاتھ باندھے یا آگے دندناتے ہوئے، دنیا میں اعتراض کرنے والی ہی ایسی عجیب الخفیت مخلوق ہے جس کو بین ادب بے ادبی نظر آتا ہے نہانی۔

اس ادب کے مقابلہ میں یہ بات سوراہت ہے کہ مخدوم اپنے راستے کے موافقات خود اپنے ہاتھ سے بٹائے راستہ صاف کرنے اور خدام دست بستہ تماشا بین بننے کی بجائے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام امراء اغنیاء اور بادشاہوں اور ذی اقتدار لوگوں میں ادب کی یہی صورت ہمیشہ رائج رہی ہے اور تو اور عرب کے جاہل اکھڑ ناک پرکھی نہ بیٹھنے والے ذی حشم لوگ بھی اسی کو شائستہ ادب مانتے تھے، چنانچہ مثل کے طور پر ان کے ہاں یہ مشہور ہے، ثَلَاثٌ يَتَقَدَّمُ رِيفًا الدَّصَاغِرُ عَلَى الدَّكَابِرِ إِذَا سَارُوا كَيْلًا أَوْ خَافُوا سَبِيلًا أَوْ صَادُوا فَوَاحِلًا۔ تین مواقع پر چھوٹے بڑوں کے آگے ہتھ ہیں جب رات کو کہیں جائیں یا پانی میں گھسیں یا لشکر لے کر چلیں، اور اس قسم کا تقدم نہ جنت میں پہلے داخل ہونے کا متقاضی ہے، اور نہ ہی مرتبہ اور درجہ کی بلندی کا۔ جس سے کوئی یہ نتیجہ نکالے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں، اور فرض کر لیں کہ وہ جنت میں پہلے ہی داخل ہوئے تھے تو بھی جنت میں داخلہ اس وقت بزرگی و فضیلت کا باعث ہوتا ہے جب کہ ثواب اور اجر اعمال بھی اس سے زیادہ ہوں ورنہ ہوں تو فرشتے بھی انبیاء سے پہلے جنت میں چلے جاتے ہیں اور حضرت ادریس علیہ السلام ہمارے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم سے پہلے جنت میں چلے گئے بلکہ جنت میں تو ابلیس حضرت آدم سے پیشتر پیدا جانا تھا۔
پھر بڑی نفیست اور بڑی تویہ ہے کہ جینے جاگتے اس گوشت پرست کے جسم کے ساتھ بہشت میں داخل ہوا
جیسا کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا نہ یہ کہ خواب یا استغراق میں صرف درج جنت میں جائے اور خود کو بہتر
نہ پہلے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درمراج کی شب آپ کی امت کے مراتب اور ان کے ثواب و درجات کی مقدار
و کھان اور بتائی جا رہی تھی تو ساتھ ساتھ صاحب درجات و مراتب کی صورتیں بھی پیش کی جا رہی تھیں اور بتایا جا رہا تھا کہ آپ
کی امت میں سے فلاں شخص کو فلاں عمل کے سبب یہ درجہ و مرتبہ نصیب ہوا تا کہ آپ لوگوں کو اس عمل کے خواص و فضائل
سے آگاہ فرمائیں۔

اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی سے فرماتے کہ میں نے تم کو اس مرتبہ و درجہ پر فائز دیکھا ہے
تم ایسا کیا کام کرتے ہو جس کے سبب اس مرتبہ کے مستحق سمجھے گئے مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ بھی اس عمل کی اہمیت و افادیت
سے واقف ہو اور پھر کبھی وہ عمل ترک نہ کرے اور دوسرے لوگ بھی اس کام کی طرف راغب ہوں اور ان میں بھی اس
کی حرم پیدا ہو۔ حالانکہ ایسے حضرات کو ان امور کا کچھ پتہ نہ ہوتا تھا اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو درجہ و ثواب میں بھی
جنت میں دیکھا تھا چنانچہ جناب بلال رضی اللہ عنہ کو بہشت میں اپنے آگے دیکھنے کا معاملہ بھی اسی طرح کا تھا، وہ ان کی
مثال صورت ہے جو آپ نے ملا حلقہ فرمائے یا محسوس فرمائے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عمل کے بارے میں
دریافت فرمایا تو یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ تحیۃ الوضوء پابندی اور اہتمام سے پڑھتے تھے اور اس سے تحیۃ الوضوء
کی نفیست واضح ہو گئی،

اسی طرح دوسرے صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کے بارے میں متعدد احادیث میں یہ آیا ہے کہ آپ نے نام لے
لے کر فرمایا کہ فلاں کو ایسا دیکھا اور فلاں کو ایسا اور یہ فلاں فلاں عمل کے سبب تھے ان میں حضرت ابو طلحہ کی بیوی
حضرت ریشہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں اور حارث بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ بھی کہ بہشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان کی قرأت سماعت فرمائی پھر معلوم ہوا کہ ان کا یہ اعزاز اور مرتبہ ان کی خدمت کا صلہ نتیجہ اور سبب ہے۔
طبرانی میں اسی حدیث بلال کے آخر میں فقرہ اور ان کی اولاد کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے جس سے یہ شبہ بالکل ہی جاتا رہا۔
عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَبَيَّضَتْ حَرَكَتُ أُمَامِي فَتَنَظَّرْتُ فَإِذَا
بِلَالٍ وَنَظَرْتُ إِلَى أَعْلَاهَا فَإِذَا فَقَرَاءُ أُمِّي وَأَوْلَادُهُمْ وَنَظَرْتُ فِي أَسْفَلِهَا فَإِذَا حُلَّةُ الْأَعْيَانِ رِأْيِي أُمَامَةَ
رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو اپنے آگے کچھ چاہ سنی جب میں
نے ادھر نظر ڈالی تو بلال نظر آئے، اوپر کے حصہ کی طرف نظر اٹھائی تو وہاں میری امت کے فقرہ اور ان کی اولاد نظر
آئی اور نیچے کے حصہ کی طرف جھانکا تو وہاں امراء اور اغنیاء نظر آئے۔

شیعوں کے اعتراض میں اگر آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے متعلق تعدد فی الفاظ غلام ابو بکر پر غور کریں گے تو ان
کے دلوں میں چھپا ہوا تعصب اور عناد عیاں ہو کر سامنے آ جائے گا یہ نامنصف متعصب اتنا نہیں سوچتے کہ اہل سنت
اگر حضرت بلال کے فضائل اور نیکی کا اعتقاد صرف اس بنا پر رکھتے ہیں کہ ان کی نسبت اور وابستگی حضرت ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ سے ہے تو ان کی جگہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو نسبت میں کیوں نہ دکھاتے اور ان کی تعریف کیوں نہ کرتے اس لئے کہ بیٹا بہر حال غلام ہے زیادہ قریب ہوتا ہے وہ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت، ایمانی قوت، صدق اخلاق اور طاعات پر مدامت کی برکت سے نصیب ہوا اسی لئے یہ روایت تھیجۃ الوضوء کی طرف رغبت و شوق دلانے کے سلسلہ میں لائی گئی ہے نہ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں،

وہو کہ نمبر (۱۰۱) اس اعتراض پر ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
 اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی نَظَرَ عَشِيَّةَ يَوْمٍ عَرَفَةَ اِلٰى يَبْلَاحٍ فَبَا هَا يَا لَنَا مِنْ عَامَّةٍ وَيَعْمُرُ خَاصَّةً رَا اللّٰهَ تَعَالٰی يَوْمَ عَرَفَةِ
 کی شام اپنے بندوں پر نظر ڈالی تو سب پر عموماً اور عمر پر خصوصاً فخر کیا یہ روایت حضرت عمر کی فضیلت پر بھیجیہ علیہ السلام پر
 اور جناب پیغمبر علیہ السلام کی محفیز ثابت کرتی ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں میں شمار کیا سچا اور
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاص ہیں۔

اس اعتراض میں ظلم و نا انصافی تعصب و دشمنی حد سے بڑھ گئی اور کلام کو بالکل غیر محل پر استعمال کیا ہے
اول تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں میں شمار کرنے کی کوئی دلیل اور ثبوت نہیں کیونکہ ناس سے مراد وہ
تمام حجاج ہیں جو میدان عزت میں حاضر تھے اصول کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ متکلم عموم کلام سے خارج ہو تاہم یہاں متکلم
خود حضور ہیں تو ان کا عام میں شمار نہیں) دوسرے مختصر نے عموم و خصوص کے وہ حصے سمجھے جو آج کل لوگوں میں مشہور و
معروف ہیں، کہ کہتے ہیں فلاں شخص عام لوگوں میں سے ہے اور فلاں خواص میں سے۔ یہ سبے عزیمت کے بالکل منہ
نہیں اور جس نے ایسا سمجھا اس نے کلام عرب سے اپنے کو نا آشنا ثابت کیا۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
اس روز فرشتوں پر حاجیوں کی فضیلت بالعموم اور حضرت عمر کی بالخصوص بیان فرمائی پس اس حدیث میں حجۃ الوداع
کے سارے ہی حاجیوں کی فضیلت فرشتوں پر مقصود ہے

ہاں حضرت رضی اللہ عنہ کو ان کے مشرف کے اظہار کے لئے فخر سے مخصوص فرمایا۔ کیونکہ ملاو علی میں آپ کی فضیلت شہرت پانچویں تھی اور سب فرشتے آپ کی جبرگی کے معتقد ہو چکے تھے اور اس وقت بھی ان کو حضرت عمرؓ کے مال سے باخبر نہ تھے کیونکہ میرے محبوب علیؓ علیہ السلام کے دوستوں میں سے ایک یہ بھی ہیں، جو اس بلند مرتبہ سے شرفیاب ہوئے یہ فوق و در حقیقت حضور علیؓ علیہ السلام کی عظمت و بزرگی پر ہے کہ آپ کے دوست اور ساتھی ایسے مرتبوں اور عزت کے مالک ہیں۔

دھوکہ (۱۰۶) اہل سنت پر ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے اپنی روایت میں ایک رنگ اور نازیبا کی نسبت جن کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے ان کا اشارہ حضرت مدیف رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف ہے، **اِنَّهُ مَعِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَى مُبَالَغَةً فَوَهِ خَبَالٌ قَائِمًا رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کاگزرا ایک کوڑھی پر ہوا دہاں آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔

اہل سنت کی طرف سے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح سند کے ساتھ یہ روایت بھی درج ہے کہ مَنْ حَقَّ كُفْرُهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُولُ قَائِمًا فَلَمْ يَتَمَلَّ قَوْلُهُ مَا كَانَ يَبُولُ إِلَّا قَاعًا اور جو تم سے یہ بات کہے کہ حضور علیہ السلام کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا کرتے تھے اس کو

ان باغیوں کے کرنے کے بعد ان کی کھالوں کی حرمت کا حکم صرف اس لئے دیا جاتا ہے کہ اس وقت انسان مرد و عورت خون چربی اور گوشت کے ساتھ مل کر یکجا ہو جاتی ہے جب وہ عورت مصالحوں اور کیمیکلز کے ذریعہ کھال سے نکال کر اسے صاف و خشک کر لیا جائے تو کھال پھر اپنی اصل و پاک حالت پر نہ آتی ہے اور اس کا حکم بدل جاتا ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی فاسٹ کپڑے پر رنگ پڑ جائے اور دھو کر صاف کر لیا جائے تو کپڑا پاک ہو جاتا ہے، البتہ خنزیر کی کھال اس اصول کی سے خارج ہے کہ کبوتر قرآن مجید میں اس کو مجسمہ ناپاکی قرار کیا گیا ہے، لہذا اگر کسی مردہ یا مکمل نجس ہے، اسی لئے اس کی کھال، جیاتی، بالی اور ہڈی تک سب ناپاک ہیں اور اس مسئلہ میں اگر کتا بھی خنزیر کی مانند ہے کہ کوئی شرعی دین مبراہ نہیں بلکہ قرآن مجید میں کتے کی تشکار کو حلال فرمایا گیا ہے،

اور ایسے تشکار کو سنتی اور شہیدہ و دونوں کھانے ہیں، حالانکہ تشکار سے وقت اس کا علاج بدین تشکار کو کھانا ہے، ایسی صورت میں کھال اور در و سوسہ اعضا، بالی و ہڈی و خنزیر کیوں ناپاک ہوں گے اگر کتا بھی خنزیر جیسا ہوتا تو اس کا تشکار حلال کیوں ہوتا،

اس کلام سے واضح ہو گیا کہ اس مسئلہ میں اہل سنت پر اعتراض نہ قرآن کی رو سے درست ہے نہ حدیث کی رو سے، اور ان معتزلیں امامیہ کی اپنی حالت یہ ہے کہ ان کے نزدیک جہاں انسان کا بول و براز پھیلا ہوا ہو اس جگہ نماز پڑھنا جائز ہے حالانکہ انسانی براز بلا جان نجس العین ہے جو کسی طرح بھی پاک نہیں ہو سکتا، چنانچہ شیخ علی نے (کتاب، ارشاد میں ابوالقاسم نے کتاب شرائع میں اور ابو جعفر طوسی نے اس مسئلہ کو بالشرع بیان کیا ہے عزین مجملہ امامیہ کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے، اب آپ انسان گندگ اور کتے کی کھال میں خود ہی موازنہ کر کے معتزلیں کی دماغی ساخت کے متعلق غور فرمایا کیجئے۔

دھوکہ نمبر (۱۱۴)۔ اعتراض یہ ہے کہ اہل سنت شطرنج کے کھیل کو جائز کہتے ہیں حالانکہ اگر دوسرے شرع جہم ہو تو کب برے ہیں اور ان کی برائی قرآنی نصوص سے ثابت ہے، اس اعتراض کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اخاف، مالکیہ اور حنابلہ شطرنج کی حرمت کے قائل ہیں اور اس کی حرمت میں اجماع بیان کرتے ہیں۔ البتہ شطرنج کے نزدیک اس میں دو قول ہیں، اول یہ کہ مندرجہ ذیل پانچ شرائط کی رعایت کے ساتھ یہ مکروہ ہے حرام نہیں (۱)، اس کی وجہ سے نماز و وقت سے مؤخر نہ ہوتا اس کی وجہ سے نماز کی ادائیگی میں عجلت کرنے اور نہ آداب سنن نماز کو ترک کرے (۲) شرط لگا کر نہ کھیلے نہ اس میں جوش کی کرنی اور شکل ہو (۳) اس کی وجہ سے کسی دوسرے واجب میں فرق نہ آنے پائے، مثلاً لاویں کی سزور یا خدمت، اہل و خیال کی دیکھ بھال عزیز و اقارب سے میل جول مریموں کی عبادت اور جنازوں میں شمولیت (۴) کھیل کے دوران کھیل سے متعلق نظر اٹھائے، جھگڑا، جھوٹ، قسم وغیرہ قسم کی باتیں پیش نہ آئیں، (۵) اس کے مہر وں اور گرتوں پر انسان یا حیوانات کی تصاویر نہ ہوں،

اگر پانچوں شرطوں میں سے ایک کی بھی خلاف ورزی ہوگی تو یہ کھیل حرام ہو جائے گا، اور انکی پابندی نہ کرنے والا گناہ کبیرہ کا مستحق ہوگا (ایضاً دغالباً ایضاً العلوم) میں بھی اسی طرح ذکر ہے،

اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا دوسرا قول دیگر ائمہ نظر و جہم اللہ کے موافق ہے، یعنی وہ بھی بغیر شرط مطلق حرام قرار دیتے ہیں اور یہ ثابت شدہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے پہلے قول سے رجوع فرمایا ہے امام غزالی رحمہ اللہ علیہ نے

ہاں تصریح اس کو رقم کیا ہے

اور بالعرض اس کو جائز ہی مان لیں تو گھوڑ دوڑ، تیر اندازی، نیرہ بازی وغیرہ کی طرح یہ بھی ایک سماع کھیل ہوگا کیونکہ اس کھیل میں یہ فائدے ہوتے ہیں،

ذہن کو تیز کرتا ہے۔ جنگ بازی کے ہنر سکھاتا ہے، اور تاناہے کہ دشمن کی چالوں سے کس طرح بچا جائے وغیرہ وغیرہ۔ بلا کھیل وہ ہوتا ہے جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو، وہی ہرود لعب بھی کہلاتا ہے اور ایسے کھیل کو اہل سنت جائز نہیں جتنے برخلاف امامیہ کے وہ عین حالت نماز میں جو خالق سادات والارمنی کے ساتھ مناجات کا وقت ہے، اور ایک معنی کہ وہ اپنے رب کے ساتھ معراج کی حالت پر ہوتا ہے اعضاء مڑنے سے تلعب کو جائز کہتے ہیں چنانچہ ابو جعفر طوسی اور دوسروں نے تہذیب نامی کتاب اور دوسری کتابوں میں اسے لکھا ہے، اپنے موقع پر انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔

دھوکہ نمبر (۱۰۵) اہل سنت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ گانے بجانے کو جائز کہتے ہیں حالانکہ اس کی مذمت بے شمار احادیث و آثار میں بیان کی ہے

یہ اعتراض افتراء محض اور سرسراہٹانہ ہے، اس لئے کہ آلات موسیقی کے ساتھ گانا بجانا چاروں ائمہ رحمہم اللہ کے ماننے والے فقہاء کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے بڑے اور اونچے درجہ کے مشائخ اور بلند مرتبت صوفیائے کرام رحمہم اللہ نے اپنے حرام گانے نہ سنے اور نہ ان کو اس کی رغبت ہوئی

بلکہ سیدالاولیاء امام الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رَأَيْتُ بَطَّالَةً رِيهَ بِمِرْوَدٍ اور لغو چیز ہے۔ اور شیخ برزوق فارسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلَسَّامُ حَرَامٌ كَالْمَيْتَةِ رِسَاعٌ مَرْدَارٍ بانور کی طرح حرام ہے، سماع نام کی جو چیز بزرگان دین کی طرف منسوب ہے اور جس کا سماع ثابت بھی ہے اس کی کیفیت یہ ہوتی تھی قرال مرد خوش آواز ہوتے نہ مرد، یا عورت اجنبی، جن کو دیکھ کر سفلی جذبات جھٹکیں، اور کوئی فتنہ برپا ہو، ہرگز ہرگز ان کی محفل میں بار نہ پاسکتے تھے، اور آلات موسیقی میں سے کسی چیز کے ہونے کا تو ان کے ہاں سوال ہی نہیں تھا،

پھر جو اشعار وہ سنتے تھے اکثر جنت و دوزخ کے ذکر یا طاعات کی طرف رغبت اور معافی سے نفرت کے معانی پر مشتمل ہوتے تھے یا پھر ان میں وصل ہجر کا بیان ہوتا تھا جو محبت الہی میں مستغرق حضرات کے حسب حال ہوتا تھا خلاف شرع کوئی مضمون نہ ہوتا ان کی اس پاکبازانہ مجلس میں، امر و یا عورت کی شرکت تو کجا وہ کچے ذہن کے مردوں کو بھی شریک نہ کرتے تھے۔ نہ انہی مجلسیں آج کل کی طرح سرعام بھائی باقی تھیں، تخلیک میں ان یا بندیوں کے ساتھ ان بزرگان کرام کا سماع ہوتا تھا، ایسے سماع کو حرام کہنا ہی خلاف شرع ہے بلکہ خود ان شیعوں کے مذہب کے بھی خلاف ہے، چنانچہ ان شیخ مقتول نے کتاب الدروس میں ذکر کیا ہے یَجُوزُ الْغَنَاءُ بِشَرْطِ طَهْلِ فِي الْقُرْآنِ، شادی کے موقع پر گانا شردط کا لحاظ رکھتے ہوئے جائز ہے، اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان کے ہاں گانے کے جواز کے لئے جو شرائط مقرر رہے، فساد کی جڑ اور فاسقانہ ہے وَهُوَ أَنْ يَكُونُ الْمُسْتَمِعُ رَمْدًا أَوْ لَا يَكُونُ تَجْدًا وَلَا يَكُونُ السَّعْدِي الْقَبِيحُ وہ گانے والی عورت ہو مرد نہ ہو اور نہ شعر کسی کی بچو میں ہو، شرع القواعد میں بھی اسی طرح کامضون وجود ہے اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ کس صورت میں گانا سننا قبیح ہوگا۔ صوفیاء کی شرائط کے مطابق یا ان طاعنوں

اور معتبر منوں کی شرائط پر،

دھوکہ نمبر (۱۰۶) ان کے اسلاف سادہ دل بندوں اور کم عقولوں لوگوں کو دھوکہ اور فریب دینے کے لئے یہ حربہ استعمال کرتے ہیں کہ ائمہ اور بزرگان دین کی خدمت میں کثرت سے آمد و رفت رکھتے ان کی مجلسوں میں شرکت کرتے اور موقع بموقع ان کے مکانوں میں آتے جلتے ہیں تاکہ لوگ اس دھوکہ میں پڑ جائیں کہ یہ ان کے بہت چہیتے شاگرد یا بہت گہرے دوست ہیں اور اپنے دینی مسائل کا حل انہیں سے حاصل کرتے ہیں، اور ان کی روایات پر اعتقاد کرتے ہیں۔ جب لوگ اس قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں تو ان کا اصل رنگ کھلتا ہے اس وقت یہ اپنی گھڑی ہوئی لغو اور گمراہ کن باتیں ان روایات میں داخل کر کے ان کو پھیلاتے اور خوب شہرت دیتے ہیں اور یوں وہ خوش فہم لوگ ان کے دام مکروں میں آکر اپنا دین و ایمان برباد کر بیٹھتے ہیں۔ اس قسم کے مکار اور غداروں کے سرگروہ ہشام بن الحکم، ہشام بن سالم، احوال طاق ہمیشہ زید بن جہیم ہلالی زرارہ بن اعین حکم بن عتبہ اور عروہ نجی ہیں جو حضرت سہل حضرت باقر اور حضرت صادق رحمۃ اللہ علیہم کے زمانے میں گزرے ہیں یہ ان ہی امان عالی مقام سے روایت کرنے کے مدعی ہیں پھر ان کے بعد صدی بعد صدی بہت سے گروہ اس قماش کے پیدا ہوتے رہے اور مخلوق خدا کا دین و ایمان بے باکی سے غارت کرتے رہے۔

حتیٰ کہ امام محمد بن حسن المہدی کا زمانہ آیا آپ پیدا ہوئے بچپن اور کم سنی ہی میں دمال بھی فرما گئے ان کے بعد جھوٹ اور مکہ کا دائرہ وسیع۔ سے وسیع تر ہوتا گیا اصول و فروع میں جھوٹے اقوال داخل کئے گئے، صابہ، خلفاء، اہل بیت المؤمنین سے متعلق رنگ، نازیبا اور سراسر جھوٹے الزامات تراشے گئے۔ شیعوں کی تعریف اور اہل سنت کی مذمت میں روایات کے انبار لگائے گئے حالانکہ ائمہ کرام نے ہر وقت ان کے عقیدوں کی تکذیب کی ان کی خرافات اور جلساڑیوں سے اپنی براءت اور بیزار کا اظہار فرمایا ان کے عقیدوں کی تکذیب کی ان کی روایات کو یہ اصل اور من گھڑت قرار دیا۔

اور یہ ڈھیسٹ پنے۔ سے بھی کہتے رہے کہ یہ سب ائمہ کا تعلق اور زمانہ سازی ہے اور ظاہر واری پر مبنی ہے، اور ہم تو ان کے بڑے چہیتے ہیں، ہمیں تو ان کی جناب میں وہ قرب و خصوصیت حاصل ہے جو دوسروں کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتی،

اور اسی ذریعہ سے عام لوگوں خصوصاً سامیہ منودہ سے دودرازر ملک اور شہروں کے رہنے والوں شہزادوں فارس تم کاشان۔ سے نفس اور طرح طرح کے نذر و نیاز وصول کرتے رہے اس کام کے لئے جعلی مہر شدہ رقعہ جات حضرات ائمہ کی طرف سے پیش کرتے ہیں غرض اس طرح دین کو دشمن قلیل کے عوض بیچنے کا دھندہ کرتے تھے اور یہ دھندہ اتنا بڑھا کہ اس نے ایک مذہب کی شکل اختیار کر لی۔

اور تب اس پہلے کہ کلینی اور دوسرے امامی علماء نے اپنی صحاح میں ائمہ سے ان ہی روایات کی خدمت بھی نقل کی ہے اور پھر ان ہی روایات کو اپنا قبوہ کعبہ بھی بنایا ہے،

چنانچہ حضرت زید بنید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے برملا اس گروہ کے عقائد سے انکار کیا ان کو ڈنڈا ڈنڈا پٹا یہاں تک کہ ایک روز ہشام احوال سے کہا،

اَلَا تَسْتَحْيٰ نِيْمًا تَقُوْلُ عَنْ اَبِيْ وَهْبٍ
بِرَبِّكَ مَعْنَهُ حَتّٰى تَاْلَا اَلْخَوْلٰى لَهٗ
كَيْدًا اَنْتَ لَسْتَ بِاِمَامٍ وَّ اِنَّمَا الْاِمَامُ
بَعْدَ اَبِيْكَ اَخُوْلُكَ مَعْتَدٌ فَقَالَ يَا
اَخُوْلِيْ اَلَا تَسْتَحْيٰ نِيْمًا تَقُوْلُ رَاَيْتَ
اَهْلًا يُعَلِّمُكَ مَسَائِلَ الدِّيْنِ وَلَا
يُعَلِّمُوْنِيْ وَرَاَيْتَهُ كَاَنَّهُ يُحِبُّنِيْ حُبًّا شَدِيْدًا
كَأَنَّهُ يُبْرِئُ النَّفْسَ فَيَجْعَلُهَا فِيْ قَبْرِ
كَثِيْفٍ لَا يَكْفِيْهَا مَنَازِلُ خَلْقِيْ النَّاسِ هٰذَا اَلْاَكْبَرُ
اَبَدًا اِسْمًا وَاَكْبَرُ اَلْكَلْبِيْنِ وَهَلِيْءٌ مِّنَ الْاَصَا مِيْمَةٍ

مجھے میری بات پر جو کلام الزام لگاتے شرم نہیں آتی حالانکہ وہ
اس الزام سے پاک ہیں تو ایک روز احوال نے ان سے
کہا اپنے باپ کے بعد آپ امام کہاں ہیں امام تو آپ
کے بھائی محمد ہیں آپ نے فرمایا مجھے یہ کہنے ہارے بھی
جی نہیں آتی کہ میرے والد مجھے تو دین کے مسائل سکھاتے
تھے مگر مجھے نہیں مالا کہ ان کو مجھ سے بہت محبت تھی وہ
لفظ کو تو غصہ کرتے میرے منہ میں دیتے تھے تو یہ کیسے
ہو سکتا ہے۔ یہ وہ مجھے ایسی بات سے آگاہ نہ فرماتے جو مجھے
آگ میں لے جانے کا باعث ہو ایسا ہرگز بھی نہیں ہو سکتا
اس کی روایت کلینی اور دوسرے امامیوں نے کی ہے۔

پھر امامیہ مذہب کے داعیوں میں سے ایک اور شخص اسحاق بن ابراہیم نامی، جس کا لقب دیکھنا بھی تھا اور وہ
شاعر بھی تھا خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں گزرا ہے وہ خود کو حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کرتا تھا
مگر وہ حقیقت پر لے درجے کا پلید زندقہ تھا اس لئے اور ہمت کا منکر تھا آخرت کو بھی نہیں مانتا تھا، اس کے عیب
کا پستارہ تاریخ کی کتابوں میں بکھرا پڑا ہے۔ اور اس معاملہ میں وہ کافی شہرت یافتہ ملزم ہے۔
اس کے باوجود امامیہ کے شیخ الملّا فخر محمد بن محمد بن نعمان نے جو شیخ مفید کے لقب سے مشہور ہے جو محمد بن بابویہ
قی کا شاگرد اور سید مرتضیٰ اور ابو جعفر طوسی کا استاد ہے اپنی کتاب المثالب والمناقب میں اس زندقہ پلید کو اپنے فقہ اور پیغمبرؐ
میں شمار کیا ہے قیاس کن دنگستان من بہار مرا۔

ان لوگوں میں سے بعض نے جعلی نسخے جوئی اور کتابیں مرتب کر لی ہیں اور ان کی منبت حضرت باقر حضرت صادق
اور دوسرے ائمہ کی طرف کر دی ہے، اور اسی کے ساتھ یہ شوشہ بھی چھوڑا ہے کہ ان ائمہ نے اپنی زندگی میں بلویہ
ان کو چھپائے رکھا اور ہم کو وصیت کی کہ وقت آنے پر ان روایات کو یاد کر کے ان کو پھیلائیں اور شائع کریں،
جب یہ کتابیں شیعوں کے ہاتھ لگیں تو انہوں نے جرم چاٹے کہ سر پر رکھا اور بے دھرمک آزار سے نکل
روایات کا کاروبار جاری ہو گیا اور جعلی نمکسال کے سکوں کی خوب قدر و منزلت ہوئی جیسا کہ کلینی نے ابوالشہرہ
سے روایت کی ہے۔

اسی طرح ان میں سے ایک جماعت نے ایک کتاب ائمہ کے کسی رشتہ دار کی طرف منسوب کر دی جیسے کتاب،
قرب الاسناد امامیہ۔

پھر ان کے اسلاف میں بعض نصرانی بھی ہوئے ہیں کہ اہل بیت کی محبت کے دھجی بن کر خود کو شیعوں میں داخل کیا
اور کہہ دیا کہ ہم فلاں امام کے ساتھی ہیں، حالانکہ اپنی قوم دنیہ میں اپنا اسلام تک ظاہر نہیں کیا ناز و نرہ، عبادات
اور طریق اور رسوم میں ان کے ساتھ رہے اور ان ہی میں گھلے ملے رہے ساری عمر کھانا پینا اور دوسرے معاملات
نصرانیوں کی طرح کرتے رہے اور ادھر شیعہ ان کو اپنے میں شمار کر کے دین و ایمان و عقائد سے متعلق ان کی روایات

بے دخلی قبول کرتے رہے، چنانچہ ذکرِ بابین ابراہیم نصرانی اس فحاش کا شخص ہے جس سے ابو جعفر طوسی نے بھی تہذیبِ کتاب میں روایت کی ہے اور اسی طرح دوسرے بھی کرتے رہے،

دھوکہ نمبر (۱۰۷) ان کے کید و محکمہ کا سب سے بڑا حصہ یہ تفسیر ہے، اس پر یہ باب اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ تفسیر کا مطلب ہے اہل عقل و شعور سے اپنے باطل مذہب اور غلط عقیدوں کو چھپائے رکھنا سادہ لوحوں، بیوقوفوں، جاہلوں، بچوں اور اور عورتوں پر اس کو پیش کرنا اہل عقل و دانش سے چھپانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی گمراہی اور بھوٹ پر مطلع ہو کر کہیں وہ ان کا تار پور نہ کھیر دیں، اہل علم کی طرف سے جب ان کی گرفت کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ غلامِ کتاب میں تو ائمہ سے ایسی روایات پائی جاتی ہیں جو تمہاری روایت اور عقیدہ دونوں کی تردید کرتی ہیں تو جان چھڑانے کو ان کا بہترین جواب ایک ایسا ہے کہ یہ ان کا تفسیر تھا۔ گریبا یہ تفسیر ان کے مذہب کا سب سے بڑا اصول ہے اگر یہ بھی ان کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو بیوقوف اور احمق بھی ان کے ہاتھ نہ آتے اور ان کی نظروں سے بھی ان کا یہ مذہب گرباتا اور اتار دیا نہ پاتا۔

اب چونکہ اس فرقہ کی ساری خوشی اور تمام فخر اس بنا پر ہے کہ ہم نے اپنا مذہب اہل بیت سے لیا ہے اور ہم نامزدانِ نبوت کے خاص شاگرد ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس مذہب کے بدوین مرتب اور مصنفین براہِ راست ائمہ کرام سے تو نہ شرفِ ملاقات رکھتے ہیں اور نہ ہی بلا واسطہ شاگرد ہیں، اس لئے لاعلمی ان کے اور ائمہ کے درمیان ان کے وہی پیشوا واسطہ ہیں جو خود کو ائمہ سے منسوب کرتے ہیں اور ان ہی سے عقل مذہب کا دعویٰ کرتے تھے،

تو ان حالات میں یہ ضروری اور مناسب ہے کہ ان کے اسلاف، پیشواؤں اور واسطوں کا کچھ حال بھی ضبط تحریر میں لے آیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ ان کے اس مذہب کی حقیقت و درت کا پول بھی کھل جائے اور جو کچھ ان کے اسلاف سے لیا گیا ہے وہ بھی بے نقاب ہو جائے اس اہم مقصد کی خاطر ایک علیحدہ مستقل باب قائم کیا گیا ہے۔

باب سوم شیعوں کے اسلاف کے حالات کے بیان میں

اگرچہ یہ بحث اجمالی حیثیت سے باب اول میں آچکی ہے جس میں شیعہ مذہب کی پیدائش کے حالات اس کے چند در چند شاخوں میں بٹ جانے کا بیان کیا گیا ہے لیکن اس باب میں ان کے اسلاف کے حالات، خوبیاں اور برکتیں با تفصیل سپرد تم ہوں گی۔ اور بحث و نظر کا رخ اصالتاً اسی مقصد کی سمت رکھا جائیگا کیونکہ بال مقصد نظر ثانی نظریہ لاعلمی اہمیت رکھتی ہے اور تفصیلی بحث اور اجمالی بحث میں بہت فرق و تفاوت ہوتا ہے، یہاں پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ شیعوں کے اسلاف چند در چند طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں،

پہلا طبقہ اہل ان لوگوں کا ہے جنہوں نے براہ راست ضلالت و گمراہی کے سرگروہ اور اصل الاصول اہلیں یمن سے فائدہ اٹھایا، یہ طبقہ منافقین کا ہے جو درپردہ اپنے دلوں میں اہل اسلام سے دشمنی چھپائے ہوئے تھے زبان سے اسلام کا نام اس لیے لیتے تھے تاکہ اہل اسلام میں سیل جول، آمدورفت کی راہ کھلی رہے اور ان کی مخالفت و بغض و فساد ڈالنے اور ان کے ہرکانے کے مواقع حاصل رہیں۔ اس طبقہ کا سرگروہ اور پیشوا وہی عبداللہ ابن سبا یہودی منافق تھا جس کا ابتدائی حال تاریخ طبری کے حوالے سے باب اول میں تحریر کیا گیا اس نے پہلے قدم کے طور پر حضرت علیؑ کی فضیلت و برتری کے عقیدہ کی طرف لوگوں کو بلایا اس میں کامیابی کے بعد صحابہ کرام اور خلفاء عظام رضوان اللہ علیہم کی تکفیر وارتداد کا شوشہ چھوڑا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کو مسند الوصیت پر لا بیٹھایا۔ اس کی کامیابی کا اصل راز موم شای تھا وہ اپنے گمراہوں میں جس قسم کی باتوں کو قبول کرنے کی استعداد دیکھتا اس کو وہی باتیں اور عقیدہ بتاتا تاکہ قابو میں آیا ہوا بیچیں بھاگ نہ جائے چونکہ بہت کائیاں اور منصوبہ باز تھا اس لئے کوئی قدم اٹھانے سے ہیشتر معاملہ کے ہر پہلو کو جانچ کر قدم اٹھاتا،

لہذا وہی یمنی سارے رافضی فرقوں کا سرچرخ اور سر تاج ہے، اگر گندگی سے بھرا ہوا یہ مذہب اسی کے سینہ پر کینہ سے ابلا ہے، اور اہل زمین کو ملوث اور ان کے دلوں میں اترا ہے اگرچہ ان فرقوں میں سے اکثر اس کا احسان نہیں مانتے اور اس کو برائی سے یاد کرتے ہیں، صرف اس وجہ سے کہ وہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کو صرف خلاۃ (غالی شیعوں) کا پیشوا سمجھتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ سب کے سب اسی کے شاگرد اور اسی کے فیمن کے غرض چین ہیں یہی وجہ ہے کہ ان سب فرقوں میں یہودیت کی جھلکیاں صاف اور نمایاں دکھائی دیتی ہیں اور یہودیوں کے اخلاق خفیہ اور خیر محسوس طریقہ سے ان میں جڑ پکڑ گئے ہیں۔ مثلاً جھوٹ، اقرار و بہتان، بزرگوں اور اسلاف کو گالیاں دینا رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے جان نثار رفیقوں اور دوستوں پر لعنت و تیرہی بھیجا اللہ اور رسول اللہ کے کلام کو غلط معانی پر محمول کرنا ان کا مطلب کچھ کا کچھ بتانا۔ اہل حق کی طرف سے دل میں دشمنی چھپائے رکھنا موقع مل جائے تو اس کے اظہار سے نہ چونکا، خوف و طمع اور لالچ کی وجہ سے چاہی ہی اور خوشامد و آمد ہے کام نکالنا اتفاق کو بطور پیشہ اپنانا تقیہ کو دین کا رکن رکین شمار کرنا بناوٹی رقصے، اور جعلی خطوط و دستاویزات بنالینا اور بے شری کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام یا ائمہ کرام رحمہم اللہ کی طرف ان کو منسوب کر دینا دنیاوی اغراض فاسدہ اور چند ملکوں کی خاطر حق کو باطل، باطل کو حق کہہ دینا۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا یہ تو کچھ نہیں پہاڑ کی مانند ڈھیر کے باگی کے چند دانے ہیں، ان کے تفصیلی حال سے جو آگاہ ہونا چاہے، وہ سورہ بقرہ سے سورہ انفال کا بغور مطالعہ کرے قرآن کے اس حصہ میں یہودیوں کے اوصاف اعمال و اخلاق جو کچھ ملتا جائے ذہن میں محفوظ کرتا جائے پھر اس فقرہ کے اوصاف اعمال و اخلاق سے ان کا موازنہ کرے اور انہیں آئینے سامنے کھ کر ملائے ہم کو یقین ہے کہ ہمارے قول کی سچائی اس کے دل میں اتر جائے گی اور زبان سے طابقی الغل بالغل کے مادہ کی تصدیق پر مجبور ہو جائیگا اور دونوں کے اوصاف حرف بحرف ملنے نظر آئیں گے۔ دوسرا طبقہ اہل ابن ضعیف الایمان، منافق، قاتلین ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سبا کے ان پیروں کا ہے، جو صاحبکار رضی اللہ عنہم کی شان میں دریدہ دہنی اور بدزبانی سے کام لیتے تھے، یہ جن ہایتوں اور بڑی بڑی

ہرزہ سرانیوں کا سرچشمہ ہے، ملا اسلامیہ میں کس منہ سے رہ سکتے تھے اس لئے چارو ناچار ہر طرف سے بھاگ بھاگ کر جناب علی رضی اللہ عنہ کے منکر میں گھس پڑتے تھے، اور اپنے آپکو شیطان علی شمار کرتے تھے اور یہی مخلص مادیقین کہلاتے تھے ان میں سے کچھ ملازمتوں اور عہدوں کے لالچ میں دامن امیر سے چمٹے کر رہ گئے تھے اس کے باوجود اس کی بد باطنی جب بھی موقع دیکھتے پہلے وہ خفا سے نکل کر منظر عام پر آ جاتی، اور کھلم کھلا جناب امیر رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کا ارتکاب کرتے اور آپ کے ارشاد پر کان نہ دھرتے !

نہ آپ کی دعوت قبول کرتے نہ آپ کے ادا مرد و نواہی کی پروا کرتے اور اگر یہ مجھوں اور سرتوں پر غارتہ ہے تو خدا و خلق کے اموال و حقوق میں خیانت کرتے اور ظلم و ستم کی گرم بازاری کرتے اور صرف اپنی گرم بازاری کی خاطر صابر کرام پر زبان طعن و تشنیع دراز کرتے۔ یہی بدکردار خائن ظالم اور بد زبان لوگ رافضیوں کے پیشوا ان کے اسلاف اور ان کی مسلم الثبوت مقتدر ہستیاں ہیں جن کی روایات و منقولات پر انہوں نے اپنے دین و ایمان کی بنیاد رکھی کیونکہ جناب امیر رمی اللہ عنہ سے اکثر روایات ان ہی فاسق منافقین کی وساطت سے تو اس فرقہ تک پہنچی ہیں،

واقعہ حکیم پیش آیا تو ان منافقین فساق کے چہرے سامنے آگئے تاریخ بتاتی ہے کہ مسئلہ نجات پیش آنے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شیعانِ اولیٰ یعنی انصار و مہاجرین کے غلبہ کے سبب یہ لوگ دبے اور بے دست و پا اور شکست خوردہ سے وقت گزاری کر رہے تھے جب واقعہ حکیم رونما ہوا اور امور خلافت کی بدستوری و اصلاح کی امید ٹوٹی۔ اور خلافت موعودہ کا زمانہ فطری ختم ہونے کا وقت قریب نظر آنے لگا تو شیعانِ اولیٰ نفرتِ دین کے اس طریق سے مایوس ہو کر محلِ حکیم دومۃ الجندیٰ سے اپنے اپنے اوطان اور شہروں مثلاً مدینہ منورہ مکہ معظمہ یا حجاز کے دیگر قریوں اور قبضوں کی طرف لوٹے اور وہاں نفرتِ دین کی ایک اور جہت سے خدمت میں مصروف ہو گئے، اور خود جنابِ علی رضی اللہ عنہ بھی کوفہ پہنچ کر ان مشاغل میں مصروف ہو گئے گویا جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف واپس ہونے تو یہ وہ وقت تھا جب جنابِ امیرِ علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہی معدودے چند رہ گئے تھے

اور ان میں بھی وہ زیادہ تھے جو کونے ہی میں بہتے تھے شیطان اولیٰ میں سے کوئی باقی نہ رہا تھا۔
تو ان منافقین نے میدان خالی پا کر جناب امیرِ رمی اللہ عنہ کے حق میں نافرمانی، ظلم اور بے ادبی کی خوب داد دی اور ہر
آپ کے زندہ و مردہ دوستوں کی شان میں بدگوئی اور طعن و تشنیع پر زبان دراز کی اور چونکہ اس سادے فساد کی جڑ بھی
یہی تھی اس لئے جناب امیرِ رمی اللہ عنہ ہی کے تصرف و اقتدار میں تھے ان میں خدمت اور عہدوں کے حصول کی طمع اور
لاچ بھی ان کے دلوں کی جھٹی میں بھر چکا رہا تھا اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی جانتے تھے کہ دشمنوں کی کثرت اور مدد کا رونا
کی قلت کے باعث جناب امیرِ رمی اللہ عنہ بھی اس وقت ہم سے دست بردار نہیں ہوں گے اور ہماری زیادتیاں چارہ و
ناچار برداشت کریں گے اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے حوالہ سے اگر کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس وقت کی حالت
کا مطالعہ کرے جس میں آپ گھر گئے تھے کہ ایک طرف تو وفادار دوستوں کا مجمع آپ کے پاس سے چھٹ چکا ہے ،
اور ان کی جگہ ایسے نامشربوں نے آپ کو گھیر رکھا ہے ، دو سری طرف شام، صبح اور عرب کے دوسرے شہروں پر آپ
کے دشمن بھائے ہوئے تھے تو حضرت رسالتاً صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی یقیناً تصدیق کرے گا کہ اشلی
الْبُدَّ قَتْلَ الْأَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَشْلَى سُبْحَةَ آخِرَةِ أَنْبِيَائِهِمْ أَكْفَى هُمْ يَهْرَانِ كَمَا فِي مَجْمَعِ غَسَبٍ بِمَدِينَةٍ

گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ان منافقوں کے ساتھ یا ان منافقوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو جیسا تھا جیسے سنت رسولی علیہ السلام سے یہودیوں کا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منافقین کا کہ نہ تو یہ لشکر سے اپنا منہ کالا کرتے تھے اور نہ اطاعت و فرماں برداری کرتے تھے بلکہ ہمیشہ رنج و دلال خاطر کا سبب اور سواہن روح بنے رہتے تھے،

اب چونکہ شیعہ اہل سنت کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اس لئے اس باب میں اہل سنت کی روایات کو چھوڑ کر مجبوراً جناب علی رضی اللہ عنہ کے فرمودات خود شیعوں کی معتبر کتابوں سے جن کے اکثر مصنفین زبیرؓ نے اس لئے نقل کرتے ہیں، ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں اور انصاف کو کام میں لائیں،

امام مؤید باللہ یحییٰ بن حمزہ زبیریہ اپنی کتاب اطواق الحماہ فی مباحث اللہ کے آخر میں سوید بن غفلہ سے یہ روایت بیان کرتا ہے،

مَنْ لَمْ يَكُفِّرْ عَنْ ابْنِ بَكْرٍ وَعَمْرٍو فَأَخْبَرَتْ
قَوْلًا وَقُلْتُ كَذِبًا أَفَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ مَا أَخْبَرْتُمْ
مَا أَخْبَرْتُمْ عَلَى ذَلِكَ مِنْهُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُبَاكَ
أَوَّلُ مَنْ أَخْبَرَ ذَلِكَ فَقَالَ قَوْلِي أَخْبَرْتُ بِاللَّهِ
مَا حَسَبْتُ أَنَّ اللَّهَ شَيْءٌ نَهَضَ وَأَخَذَ بِدِي وَادَّخَلَنِي النَّجْدَ
فَمَعِدًا الْمُنْفَرِ فَسَمِعْتُ قَوْلِي لِحَبِيبَتِهِ وَهِيَ بِنْتُ عَمْرِو بْنِ
وَمَوْحُهُ النَّجْدِ وَأَنَا عَلَى بَيْتِهِمْ وَجَعَلَ النَّظَرُ لِلْبَيْتِ
حَتَّى اجْتَمَعَ النَّاسُ ثُمَّ خَلَبَ فَقَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَكُونُونَ
آخِرِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَوْنُ بَيْنِي
وَمَا بَيْنِي وَمَيْتِي فِي قَرْيَتِي أَكُونُ مُسْلِمِينَ وَأَنَا بَرِيءٌ
مِمَّا يَكُونُونَ عَلَيْهِمْ مَعَاذِ اللَّهِ عَمَّا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لِحَدِّ وَالْحَقِّ فِي أَمْرِ اللَّهِ يَا مُشْرِكِينَ
وَيُنَافِقِينَ وَيَفْقِهِيَانِ وَيَكَايَانِ لَا يَدْرِي رَسُولُ اللَّهِ
فَنَسَا اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يَهْمُ سَائِرَ أَهْلِهَا وَلَا يَحِبُّ كَعِبَتَا
عَمَّا يَمِيلُ مِنْ عَمْدٍ مَعَهَا فِي أَمْرِ اللَّهِ فَتُبْعُ وَهَوَّ
عَنْهَا سَائِرِينَ وَالْمُسْلِمُونَ سَائِرُونَ فَمَا تَجَاوَزَانِي
فِي أَمْرِهَا وَسَلِّمْ نَفْسًا أَمْرِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْرُكَ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ نَفْسًا
عَلَى ذَلِكَ تَرَاهُمَا اللَّهُ قَوْلِي فَلَنْ أَلْحَقَ وَاللَّهِ
وَبَرِيءٌ النَّسَبُ لَوْ عَجِبْتُ هَهُنَا لَا كَوْنِي فَا ضَلَّ وَلَا

میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزارش حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ کی توہین کے مرتکب ہو رہے تھے تو میں نے اس کی اطلاع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی اور ان سے کہا کہ اگر ان لوگوں کو یہ خیال نہ ہوتا کہ جس بات کو وہ بدلا کہہ رہے ہیں اسی بات کو آپ دل میں چھپائے ہوئے ہیں تو وہ اس عیدہ دلیری کی کبھی ہمت نہ کر پاتے افسوس کہ ان کے ہاتھ اپنی سے جتنا سکڑا ہوا ہے یہ نہ دیکھ سکتے تھے تو کیا خدا پناہ میں رکھے اللہ تعالیٰ ان دونوں رفیقوں پر رحم فرمائے پھر وہاں سے اٹھ کر اٹھ کر اور مجھ کے ساتھ لے کر مسجد میں آئے، منبر پر تشریف فرما ہوئے اپنی سفید ریش مبارک مٹھی میں محتام کر آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا یہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بھائیوں، دو وزیروں اور دو ساتھیوں کا اور قریش کے دوسرے واروں اور مسلمانوں کے دو ماہروں کا ذکر ہوائی کے ساتھ کرتے ہیں اور میں ان کے اس قول سے بری الذمہ ہوں اور ان کو ایسی باتیں کہنے کی وجہ سے سزا دی جائے گی، ہم قسم جو وہ جہد و وفا اور حدود اللہ کے معاملات میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے امور نبی کا فریق ادا کرتے رہے، یہ فیصلہ بھی کرتے اور سزا بھی دیتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رائے کے سامنے کسی کی رائے کو اہمیت نہ دیتے تھے ان کی برابر کسی سے

وَلَا يَنْفَعُهُمَا إِلَّا تَشْتَرِي مَا رِئَىٰ وَجْهَهُمَا أَكْرَبُ وَتَبِعَهُمَا
مُؤْمِنًا إِلَىٰ آخِرِ الْخَلْقِ بَيْتٌ. فِي رِأْيَايَةِ لَعَنَ اللَّهُ
مَنْ أَضْمَرَ كُفْلَهُمَا إِلَّا الْخُنَّ الْجَبِينُ وَسَتَىٰ ذَا ذِلَّةٍ
إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ثُمَّ أَسْرَعَ إِلَى ابْنِ سَبَاسْتِيَّةَ
إِلَى الْمَدِينَةِ وَقَالَ لَا تَسْأَلْنِي فِي بَيْتِي أَبَدًا -

جنت کرتے تھے ان کی یہ نذر و عنایت اللہ کے حکم میں ان کے ارادوں کے سبب تھی، پس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مال جو انرا آپ ان دونوں سے راہی تھے اور مسلمان بھی ان دونوں سے خوش اور مطمئن رہے۔

کیونکہ انہوں نے اپنے حکم و سیرت میں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم کے جین دجیات نہ بعد وصال آپ کی رائے اور حکم سے ذرہ برابر انحراف نہیں کیا اور اسی حال پر ان کی وفات ہوئی اور اللہ تعالیٰ ان پر اپنا رحم فرمائے اس فاتہ پاک کی قسم جس نے دار کو الگ یا اور جان کو پیدا کیا ان کو بلند و برہمن ہی ہوتے رکھ کتا ہے اور ان سے نبض رکھنے والا مزید بخت ہی ہو سکتا ہے ان کی عمت قرب الی اللہ کی نشانی ہے اور ان سے نبض ہے دینی کی علامت، دلی آخر الحدیث، اور ایک روایت میں یوں ہے اللہ اس پر لعنت کرے جو ان کے متعلق اچھا کئے سوا کوئی اور بات اپنے دل میں رکھے اور منقرب ہی تم اس کا نتیجہ دیکھ لو گے پھر آپ نے اپنے کار نامے کو بھیج کر عبد اللہ بن سبا کو رائے کی طرف بلا دلی کر دیا۔ اور کہلا بیجا تو میرے ساتھ ایک شہر میں کبھی نہیں رہ سکتا۔

پھر جب محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے قتل کی جو مصیبتیں ہوا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو آپ کی طرف سے بعبرہ کے صوبہ دار تھے ایک خط لکھا جس میں اس بد بخت اور شقی کے گروہ کے متعلق شکایتوں کے انبار لگا دیئے ۔

اب ہم کتاب پنج البوغ سے جو ان شیعوں کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد اعلیٰ کتاب اور جبر رکھتی ہے اور متواتر ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کرامت نامہ کی بیعت نقل کرتے ہیں تاکہ ان کے اسلام کی بزرگی اور امام معصوم کی شہادت کی خوبی سے روز و شب سے زیادہ واضح اور گزیر سے کھلی سے زیادہ صاف ہو جائے خط کی عبارت یہ ہے

(بعد حمد و ثناء، مصروف ہو گیا اور محمد بن ابی بکرؓ ہاتھ پید
 ہوئے، ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے ثواب و اجر کی
 دعا کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ لڑکا خیر خواہ، مخلص
 ننگی تلوار، اور ارکان کو بلند کر نوالا تھا، اس سانس سے
 پہلے میں نے لوگوں کو اس کی رفاقت کی تاکید کی تھی اور
 ان کو حکم دیا تھا کہ اس کی دربار میں نہ کریں تو اس وقت بعض
 لوگوں نے ابتدا ہی تاکید کے ساتھ اس کی طرف لوگوں کو
 متوجہ کیا اور دعوت دی تھی تو اس وقت بعض لوگوں
 نے اس کو برا سمجھتے ہوئے صاف انکار کر دیا اور بعض

آمَنَ بَعْدُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَدْ نَحِثَ مُحَمَّدٌ بْنُ أَبِي بَكْرٍ فَقَدْ
 اسْتَشْهَدَ فَعِنْدَهُ اللَّهُ نَحْبُهُ وَلَكِنَّهُ نَارِيحًا وَهَسَلًا كَأَحْيَا
 وَسَيِّفًا قَاتِلًا طَعَامُهُ كَمَا تَأْكُلُونَ وَكَأَنَّكَ قَدْ خَشِيتُ الْكَلَامَ
 عَلَى الْحَقِّ وَأَمْرُهُمْ بَيْنَهُمْ قَوْلُ الْوَقِيعَةِ وَهُمْ هُمُ
 سِرٌّ أَوْ جَهْرٌ أَوْ حُودٌ أَوْ بَيْنٌ وَبَيْنَهُمُ الْإِنْبَاءُ كَأَرْحَا
 مِنْهُمْ الْمُتَحَنُّنُ كَأَذْيَابٍ مِنْهُمْ الْقَاوِمُ كَأَوْلَا أَسْأَلُ
 اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يَجْعَلَ فِي مِنْهُمْ قَوْمًا عَالِمِينَ قَوْمًا لِلَّهِ كَرَمٌ
 لَا يَكْفِي مِنْهُمْ لِقَاءُ الْعَدُوِّ فِي الشَّهَادَةِ وَتَرْكُهَا فِي النَّفْسِ
 عَلَى الْمَيْتَةِ كَأَجْبَبْتُ أَنْ لَا أَلْقَى مَعَ هَذَا يَوْمًا قَوْمًا
 قَوْلًا لِقَائِهِمْ أَكْبَدُ ١-

نے جھوٹ بولتے ہوئے یہاں بازی کی اور بعض مرد سے

دست کش ہو کر بیٹھ رہے ہیں اکثر سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو ان لوگوں سے علیحدہ حق علیٰ فرمائے، خدا کی قسم اگر دشمن کے مقابلہ کے وقت مجھے شہادت کی کارزد نہ ہوئی اور میں اپنی جان کو موت پر آمادہ نہ کر لیتا تو میں اس بات کو پسند کرتا

کہ ان لوگوں کے ساتھ ایک دن بھی نہ رہیں اور ان کی شکل تک نہ دیکھیں، اور پھر جب یہ خبر پہنچی کہ سفیان بن عوف جو قبیلہ بنی عامر سے تعلق رکھتا تھا اور امراء معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے تھا، کے سواروں نے شہر انہار پہنچ کر وہاں کی رعایا کو تہ تیغ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا جس کا ایک حصہ یہ ہے،

وَاللّٰهُ يُمِيتُ الْقُلُوبَ وَيَحْيِي الْمَيِّتَ مَا تَرَى مِنْ اجْتِمَاعٍ
هَؤُلَاءِ عَلَى بِلَالٍ هَؤُلَاءِ وَتَفَرَّقُوا عَنْ حَقِّكُمْ فَيُتِمُّوْكُمْ
وَتُرْجَا جِلْمًا مِنْكُمْ خَرْنَا بِذِي يُعَاثُ عَلَيْكُمْ وَلَا تُخَيِّرُونِ
وَتَفَرَّقُونَ وَلَا تَفَرَّقُونَ وَبَقِيَ اللّٰهُ وَتَفَرَّقُونَ فَإِذَا
أَمَرْتُكُمْ بِالسَّيْرِ كَيْفَ سَأَلْتُمْ لِمَ سَأَلْتُمْ هَؤُلَاءِ
جَمَادًا الْقَيْطُ أَمَلْنَا يُسَلِّمُ عَلَيْنَا الْخَرَّ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ
بِالسَّيْرِ كَيْفَ سَأَلْتُمْ هَؤُلَاءِ مَتَابَرَةً أَفَرَأَيْتُمْ
يُسَلِّمُ عَلَيْنَا الْخَرَّ كُلُّ هَذَا مِنْ أَعْيُنِ الْخَرِّ وَالْخَرُّ
فَإِذَا كُنْتُمْ مِنَ الْخَرِّ وَالْخَرُّ تَفَرَّقُونَ فَأَنْتُمْ فَالْتَمِ
مِنَ السَّيْرِ أَفَرَأَيْتُمْ أَتَسْبَاةَ السَّيْرِ وَتَلَا سَابِلًا فَتَلَا
أَلَا طَعَالٍ وَتَقُولُ سَابِلًا لِيَجْعَلَ لَكَ ذَاتُ آتِي لَمْ
أَمَرْتُكُمْ وَكُنْتُمْ تَفَرَّقُونَ فَمَعْرِفَةُ

اس خدائی قسم جو دونوں کو مردہ کر دیتا ہے اور رنج کو کھینچ
لیتا ہے، میں کیا دیکھ رہا ہوں، کہ اہل شام تو باطل پر
جمع ہو گئے ہیں اور تم حق سے بھڑکے ہو، تمہارا ناس ہو اور
ذلیل و خوار ہو کہ تم تیروں کا نشانہ بن گئے ہو، تمہیں نیز اندازی
ہوتی ہے تم پر حملہ کیا جاتا ہے مگر تم حملہ آور نہیں ہوتے
تم سے جہاد کیا جاتا ہے، تم جہاد نہیں کرتے جو نافرمانی کرتا
ہے تم اس کی نافرمانی پر خوش ہوتے ہو، میں لگ رہی ہیں تم
سے جہاد کا مطالبہ کرتا ہوں تو کہتے ہو کہ یہ جہاد گری ہے اتنی جھٹ
دیکھو کہ یہ گزر جائے اور جب موسم سرما میں جہاد کا تقاضا
کرتا ہوں تو تم کہتے ہو یہ تو پہلے کا جہاد ہے ذرا ٹھہر جائے
یہ سردی گزر جائے دیکھنے پس یہ سردی گری سے فرار ہے
اور جب تم سردی گری سے اتنے حواس باختر ہو اور اس
کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تو مذاک قسم حلو اسے تو تم کہیں زیادہ جہاد کو گئے اسے نہ نماز مرد و بچوں جیسی عقل رکھنے والا اور مردوں
جیسی ہمت رکھنے والا کاش کہ میں نے تم کو دیکھا ہی نہ ہوتا، اور جانا ہی نہ ہوتا۔

پھر اسی خطبہ میں یہ بھی فرمایا۔

كَأَنَّكُمْ اللّٰهُ لَقَدْ سَدَّ لَكُمْ قُلُوبًا وَكَبَحْتُمْ مَذَاجَ
خَيْطًا وَجَعَلْتُ لَكُمْ تَغْيِبَ الْفَتَا مِثْلَ الْفَتَا فَانْتَدَبْتُمْ
عَلَى تَرَابِطِ الْبُلْدَانِ وَالْأَعْيُنِ حَتَّى قَالَتْ قُرَيْشُ
إِنَّا ابْنُ ابْنِ طَالِبٍ تَرَجَّلَ شُجَاعًا وَلَكِنْ لَا حِلْمَ لَهُ بِالْعَرَبِ
لَبَّوْا أَبْرَؤَكُمْ وَهَكَذَا أَحَلَّ أَشَدَّ لَكُمْ أَسَاقِدًا قَدْ نَمَّ فِيهَا
مَقَامَاتِي لَقَدْ خُصِّصْتُ فِيهَا وَمَا تَهْتَفُ الْعِشْرَةُ بِسِ
وَهَآ أَنَا وَتَرَكْتُ عَلَى السَّيِّئِينَ وَلَا وَكَيْتُ لَا تَأْتِي بَيْنِي وَ

اللہ تمہیں ہلاک کرے تم نے میرا دل زخموں سے بھر دیا سینہ
خون سے لبریز کر دیا و مبدوم تم نے مجھے سکڑوں اور رنجوں
کے جرعہ پلائے میرا ساتھ چھوڑ کر میری نافرمانی کر کے تم نے
میرے تیروں کو تپیلٹ اور برباد کر دیا اور قریش کو یہ کہنے
کا موقع دیا کہ ابن ابی طالب آدمی تو بہادری سے مگر جنگ
کی اونچ نیچ اور اوراد و بیچ نہیں جانتا بخدا یہ غلط ہے کیا
کوئی ہے جو جنگ کا تجربہ سے زیادہ ماہر ہو اور آزمودہ کاری
میں تجربہ سے بھرا ہوا ہو۔ میری عمر بیس سال بھی نہیں ہوئی

تھی کہ میں عداوت میں کود پڑا تھا، اب تو میری عمر ساٹھ سال سے بھی تجاوز کر گئی لیکن جس کی بات ہی کوئی نہ مانے اس کی
راستے ہی کیا،

ایک دوسرے خطبہ میں ارشاد فرمایا،

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ الْعَمَلَةُ اَيَّدُوا اَهْلَ الْمُتَّقَةِ اَهْلَ الْمُهْتَدِ كَلَامُكُمْ
يُؤْخِذُ السَّمْعَ الْقَلْبَ وَفِيكُمْ كَلِمَةٌ وَفِيكُمْ اَلْعَدَا
تَقْوَانُ فِي اَلْمَالِ كَيْفَ وَكَيْفَ فَاِذَا خَضَعْتُمْ اَلْقِيَالُ قَالْتُمْ
حَيَا تَهْمَايَا مَا خَرْتُ دَعْوَتِي مَنْ دَعَاكُمْ وَلَدَ اسْتَرَامَ قَلْبُ
مَنْ قَامَا كَمَا اَعَالَيْتُمْ يَا هَٰؤُلَاءِ اِيْلَ وِدَاعِ دِي السَّيِّئِ
الْمُطْعُوْلِ-

اے لوگو! جہاں خواہشوں میں گھسے ہوئے لوگو! باتیں تلاشی
کرتے ہو کہ پھر موم ہو جائے اور تمہارا عمل ایسا ہے کہ
لوگ تم کو نرم چارہ سمجھ کر تم پر چھپ پڑیں مجلسوں میں
بڑے چرب لسان ہو لیکن جب جنگ کا موقع آتا ہے تو
ساری چوڑیاں بھول کر بکا بکا رہ جاتے ہو جس نے تم کو
اپنے زیر علم جمع کیا اس نے تم سے کوئی تقویت نہ پائی
اور جس نے تمہاری خاطر تکلیفیں اور معیبتیں اٹھائیں تم سے اس کے دل کو کوئی آرام و سکون نہ ملا قرضو! اہل کوٹھڑے

کی طرح تمہارے پاس بھرتے پہلے بہت ہیں،

دوسرے خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا۔

اَلْمُعْرُوْرُ وَاللّٰهُ مِنْ خَيْرٍ تَقْوَا وَمَنْ قَامَا كَمَا اَعَالَيْتُمْ
يَا اَهْلَ الْاَمْنِ وَمَنْ تَرَمٰى بِكُمْ مَعٰى مَا قُوْلُ قَا ضِلْ
اَصْبَحْتَ وَاللّٰهُ لَا اَصْدُقُ قَوْلَكُمْ وَلَدَ اَطْمَعُ فِيْ نَصْرِكُمْ
وَمَا اَدْعُدُ الْعَدُوَّ بِكُمْ-

وہ دھوکہ کھایا ہو ہے جس کو تم نے دھوکہ دید اور جس
نے تم کو پایا اس کے حصہ میں ایک ردی اور ناکارہ حصہ آیا
اور تم جس کے پاسے پڑے اس کو لیے تیروں سے پلا پڑا
اور اُن کی قسم میری حالت ایسی ہو گئی ہے کہ نہ میں تمہاری بات کو
سچ سمجھتا ہوں نہ تمہاری مدد کی مجھے خواہش ہے اور نہ تمہارے ذریعہ میں دشمن کو مرعوب کر سکتا ہوں،

پھر ایک اور مرتبہ شامیوں کے بارے میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

اِنْ كُنْتُمْ لَقَدْ تَوَقَّعْتُمْ هَٰذَا بِكُمْ اَمْ نَبِيَّتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
مِنْ الدُّخْرِ عَرَضًا وَبِالدِّيْنِ مِنَ الْعَزِزِ خَلْفًا لَّا دَاوَعُوْكُمْ
اِلٰى جِهَادٍ اَعْدَا اَكْبَدَ اَوَامَتْ اَعْيَبَكُمْ كَا تَكْمُرُ مِنَ الْوَرْدِ
فِيْ غَسَرَةٍ وَمِنْ الزُّهْرِ فِيْ سَكْرَةٍ يَزِيْجُ عَلَيْكُمْ خَبْرًا فِيْ
فَتَعْلَمُوْنَ وَكَانَ قَوْلُكُمْ مَا وُصِّدْتُمْ فَاَنْتُمْ لَا تَقْبَلُوْنَ
مَا اَنْتُمْ فِيْ شُعْبَةٍ يَتَخَفُّنَ اَللّٰهُ اِيْ مَا اَنْتُمْ بِرُكْنٍ يُعَالِيْ بِكُمْ
وَلَدَ دُوْرٍ وَفِرَ وَحِزْ يَفْقِرُ اِلَيْكُمْ مَا اَنْتُمْ اِلَّا كَابِلٌ مِّنْ
مُّعَاثِمًا فَكُلَّمَا جُمِعَتْ مِنْ جَانِبٍ اَنْشَرْتُمْ مِنْ جَانِبٍ
اٰخَرٍ وَّبِئْسَ لَكُمْ اَللّٰهُ مُسَجِّرًا يَا اَلْحَبِيبُ اَنْتُمْ تَكَا دُوْنِ
وَلَا تَكْنِيْ دُوْنِ وَتَقْصُرُ اَهْلُكُمْ وَلَا تَقْبَلُوْنَ وَلَا تَنَامُ
عَنْكُمْ وَاَنْتُمْ فِيْ غَفْلَةٍ سَاهُوْنَ-

میں تم سے بہت دل تنگ ہو گئی میں نے تمہارا عاقبہ سن لیا
کیا تم آخرت کے بارے میں دنیا کی زندگی سے خوش ہو گئے
اور عزت کے عوض ذلت پسند کر لی جب میں تم کو تمہارے
ہی دشمنوں سے جہاد کے لئے بلاتا ہوں تو تمہاری آنکھیں
یوں چڑھ جاتی ہیں جیسے مرنے والے کی نزع کے وقت
یا بیہوشی کی حالت میں جان دینے والے کی طرح میرا جواب
تمہارے ذمہ ہے اور تم سرگشتہ ہو گئے ہو گویا تمہارے
دل سخت گھٹن میں ہیں اور تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم
عملہ کے وقت کی ایسی قوت ہو کہ سختی سے ڈٹ جاؤ نہ ایسے
سستوں ہو کہ تمہاری طرف میلان کیا جائے نہ یہ تم ذی عزت
و وقار ہو کہ کوئی کسی کی حاجت کی تم سے امید رکھے تم تو درحقیقت

ایسے جھٹکے ہوئے اونٹوں کی طرح ہو جی کہ چرواہے گم ہو گئے ہوں، ایک طرف سے اگر ان کو گھیرا جائے تو دوسری طرف سے
نکل جاسکتے ہیں، اور اللہ کی قسم جو لڑائی بھڑکانے والا ہے اور تم سب چالیں چل رہے ہو مگر تم کوئی پال اور دان نہیں

کھیلنے، تہارے ملک کے عدالتوں، تہارے افسانوں سے نکلا جا رہے ہیں مگر تم کو جو دشمنی نہیں آتا تہارے فکر میں تہارے دشمنوں کی قریندیں حرام ہو رہی ہیں، اور تم بیٹھی نیند میں پڑے ہو رہے ہو، ایک اور خطبہ میں میں ارشاد ہے،

مُنِيَّتُ بَعْنُ لَدِيطِيْلٍ اِذَا اَمُوْتُ وَلَا يُحِيْبُ اِذَا حُرِمْتُ
وَلَا اَمَّا اَنْكُمُ مَا تَشْفُرُوْنَ يَسْمُوْكُمْ كَذِبًا تَكْتُمُوْنَ
يَجْعَلُكُمْ وَلَا حَمِيَّةَ تَحِيْبِكُمْ اَقْرَبُ مِنْكُمْ مُسْتَضِيْخًا
وَاِنْ اِيَّكُمْ مُتَقَوِّرًا اَقْدَ تَسْتَعُوْنَ لِيْ قَوْلًا وَلَا تَطِيْرُوْنَ لِيْ
اَمْرًا حَتّٰى تَكْتَلِفَ الْاُمُورُ مِنْ حَوَائِبِ الْمَسَاوِيْهِ فَسَاوِيْ
يَكُمُ قَائِمًا وَلَا يَبْلُغُ مِنْكُمْ مَوَاعِدُ وَهَرُوكُمْ اِلَى نَفْسِيْ
اِخْوَانِكُمْ فَهَرُوكُمْ تَحْدِثُ لِيْ الْجَمَلُ الْاَسِيرُ وَتَا تَلْعَمُ
فَاَنْ تَنْصُرُ اِلَآذِيْ بَرٍّ تَحْدِثُ مِنْكُمْ خُذْ مِنْدَا اِيْتِ
ضَعِيْفًا كَمَا يَسَاوَرْتُ اِلَى اَمُوْتُ وَهَمْ يَنْقُورُوْنَ

میرے لئے دن لوگ معصیت بن گئے ہیں جو نہ میرا حکم لئے ہیں نہ میری پکار پہ کان دھرنے کی تمہارے باپ برس کیا نام اللہ کی مدد کا انتظار کرو گے مجھ کو نہ دین تم کو اکٹھا کرتا ہے نہ غیرت تمہارے دلوں کو گراتا ہے یہ میں تم میں کھڑی چیخ رہا ہوں اور فریاد یہی کہے لئے چلا رہا ہوں لیکن تم نہ میری بات سلتے ہو اور نہ میرا حکم بجالاتے ہو یہاں تک کہ کاموں کا نتیجہ بدافغانیوں میں کی شکل میں ظاہر ہو تو پھر نہ تمہارے ذریعہ کسی سے بدلہ لیا جاسکتا ہے اور نہ تم سے مقصد کسب ہینچا جاسکتا ہے، میں نے تمہیں تمہارے بھائیوں کی مدد کے لئے دیتا ہے اور ایسے بھائی پڑ جاتے ہو جیسے کدو اور زخمی امواست اور کدو در جیسے کوئی سوٹ کی طرف گھٹے لئے

بھرا نہیں جیسے یاروں کے بارے میں فرمایا۔
 لَمْ أَذْأِدْ كَيْدًا إِلَّا سَاءَ الْأَبْكَارُ الْفَيْدَةُ وَالْشَيْبَابُ
 الْمَتَدَاعِيَةُ كُلُّهَا خَبِثَتْ مِنْ بَنَاتِهِ تَهَلَّلَتْ مِنْ بَنَاتِهِ
 آخِرُ وَكُنَّا أَهْلَ عَلَيْنَا مُسْتَرْسِلِينَ مَنَاسِدِ الشَّامِ
 أَغْلَقَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بَابَهُ وَالْجَبَرُ انْجِيسَارُ الْفَيْدَةُ
 فِي سَبْعِهَا وَالشَّبْعُ فِي وَجَارِهَا،
 بھٹ میں گھس پڑنا ہے،

[illegible]

رمی نے یہ سارے پہلے بیچ البلاغہ میں درج کر رکھے ہیں، اس کے علاوہ دوسرے اماموں نے بھی اپنی کتابوں میں ان کی روایت کی ہے، چنانچہ علی بن موسیٰ بن عمار و حسن طوسی شیخ الطائفہ نے کہا ہے اَنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَانَتْ يَدُهُ النَّبَاتُ عَلَى مِثْلِ الْكَلْبَةِ إِلَى ذِي الْقَعْنَاءِ فَأَجَابَهُ إِلَّا مَا جُلْدَنِي فَنَفَسْتُ شِعْرًا وَكَانَ آيَةً يَقْعَانُ لِمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كُونِي فِي بَرٍّ سَبْرٍ بِأَغْيَرِي سَيِّدِ الْجَلْجَالِ كَيْسٌ لَا يُقَارَى وَلَا يُقَامَى وَأَنْتَ أَهْلُكُمْ وَمَا تَقُولُونَ

دیا۔ تو آپ نے ٹھنڈا سا سانس بھر کر ان سے کہا میں تم دو کا کیا کروں
پھر ان ملاؤں کا ہے،

هَذَا لَوْ خَلَقَ لَوْ مَعَهُ لَفَتَا حَيْثُ وَجَّهَا يَوْمَ يَفْعَلُ
مَا يَشَاءُ وَأَنَا صَاحِبُ الْمَتَى وَإِنَّ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ
عَلَىٰ آبَائِهِمْ وَكَانَ هَٰذَا السَّوْمُ يَدًا يَوْمَ يُفْعَلُ وَلَكِنْ لَا
يُفْعَلُ لِمَا أَمَرُوا نَفْعًا وَكَانَ سَمِعٌ قَرِيبًا تَيْنَ هَذَا لَوْ
يَكُونُ وَنَهَىٰ فِي سَمْعِهِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بِمَا نَفَعَهُمْ وَبِالْأَبَاءِ وَالْأُمَّهَاتِ
فَبَيْنَا يَوْمَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ
بَعْدَ قِيَامِ الْمَوْتِ أَمَّا اسْتَحْتَبْتُ
فَبَيْنَا يَوْمَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ

ان لوگوں نے آپ کا ساتھ ایسی حالت میں چھوڑا کہ ان کی
عقیدت کے بھی دھڑکنے لگے اور یہ بھی کہتے تھے کہ آپ کی
اطاعت فرض ہے اور وہ اطاعت کرنے کے صحیح مقدار
بھی ہیں اور آپ سے لڑنے والے ناحق جناب امیر مومنینؑ
عنہ کی رکھوالی کرتے تھے گو ان کو ان کی رکھوالی سے
کچھ ناز نہ تھا اور ان میں سے ایک جماعت کو عین مسجد
کوفہ میں آپ کی تحقیر و توہین کرتے سنا گیا، اس وقت آپ
کے دروازے کے دونوں پٹ پکڑ کر تنہا یہ شعر پڑھا۔
ہمارے محبوب کو بغیر کسی آزار کے گوارا و مرغوب ہو ہماری عزتیں اور جو کچھ وہ حلال جانے! پس آپ ان سے ناامید ہو گئے
اور ان کے لئے بد نما فرمائی!

ان تمام خطبوں اور ابن ملاؤں کی روایت سے ثابت ہوا کہ اس فرقہ کے حق میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت
کے دعوے پر تھے آپ نے تَا تَلَكُمُ اللَّهُ قَبْلَ أَنْ تَدْعَاهُ جیسے کلمات فرمائے اور قسم کہا کہ فرمایا کہ ان کے کہے کو کبھی سچ
نہ جائیگے،

جا بجا آپ کے حکم کی نافرمانی کرنے اور آپ کی بات نہ سننے کی شکایت کی بلکہ آپ تو ان کو دیکھنے یا ان کی بات
سننے تک سے بیزار تھے۔ اور مردہ بھی اپنی عادت کے پکے تھے کہ ہمیشہ آپ سے دغا کرتے رہے رنج پہناتے اور
آپ کے دل میں خیرین و غضب پیدا کرنے کا سبب بننے رہے عین مسجد میں آپ کے پس پشت آپ کی شان میں بدگوئی
کرتے اور آپ کی تحقیر و توہین کرتے رہے ایک اور بات کا یہیں سے پتہ چلا کہ اس وقت کے سارے شیعہ مجرد آدمیوں
کے اس بد اطواری، ذلت و توہین میں شریک کار تھے، اب قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب پہلی مبارک حدی کے پہلے
طبقة کا یہ حال ہو جو ان کے نزدیک چھٹے ہوئے تیر اور چیدہ پھل تھے تو پھر ان کے بعد والوں کا جو حال اور رویہ رہا ہوگا
اس کے افہام تک ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے،

تفسیر طبقة شیعہ اسلاف میں ہے اس جماعت کا ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سید محبتی جگر
پارہ زہر اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو امام تسلیم کیا چالیس ہزار افراد نے موت پر بیعت کر کے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
کے خلاف جنگ و قتال پر آمادہ کیا اور کوفہ سے باہر نکال لائے مگر مردہ پر وہ یہ ناپاک پخت و پز کر چکے اور دل میں ٹھان چکے
تھے کہ آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے، چنانچہ راستہ میں تنخواہ کی بابت جھگڑا اٹھا کہ آپ کو آزدہ خاطر کیا اور بد زبان اور بد عملی
اور بے ادبی سے پیش آئے، یہاں تک کہ حمار تقفی جو بڑا احماتی بنا پھرتا تھا اور اپنے آپ کو شیعیان اولیٰ میں گنتا تھا آپ
کے قدم مبارک کے نیچے سے مصلیٰ کھینچ کر لے گیا، ایک دوسرے لعین نے آپ کے قدم مبارک پر کدال دھسی کوئی چیز اٹھا
ماری اور جب فوت لڑائی اور مقابلے کی آئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جھک گئے اور آپ کی مدد سے کناہ کش ہو کر

دنیا و آخرت کی برہادی اپنے لئے مولیٰ، حالانکہ دعویٰ یہ تھا کہ ہم آپ کے اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شیعوں میں سے ہیں اور مذہب شیعہ انہی کا نکالنا ہوا ہے اور اس کی بنیاد انہیں نے رکھی ہے۔

سید مرتضیٰ نے تنزیہ الانبیاء والائمہ میں اس جماعت کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں، جہاں کہ اس نے امام حسن رضی اللہ عنہ کا جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لینے اور خلافت سے دست برداری کا خدہ بھی بیان کیا ہے،

کتاب الفصول الامیہ میں لکھا ہے کہ اس لشکر خدا کے دوسارے حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خفیہ خط و کتابت کا رابطہ رکھے ہوئے تھے، ان کو تائید کیا کرتے اور دروغ لگاتے کہ آپ جلد کارروائی کریں تاکہ ہم امام کو آپ کے حوالہ کر دیں اور یوں دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی چند ملکوں کے عوامین خرید سکیں، بلکہ ان میں سے بعض تو اپنے دل میں یہ ناپاک ارادہ چھپائے بیٹھے تھے کہ موقع پائیں اور امام کو دھوکے سے قتل کر ڈالیں۔

ادھر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو ان خدا ریلوں، اور مفسدوں کے فاسد ارادوں کی ثبوت کے ساتھ یقینی اطلاعات اور خبریں مل چکی تھی اسی لئے انہوں نے مصالحت پر گردن خم کی اور خلافت سے مجبوراً دست برداری اختیار کی۔

یہ کتاب فصول کی عبارت کا صیح خلاصہ اور لب لباب ہے جو امامیہ کی معتبر کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

جو تھا طبقہ اول اسلاف شیعہ میں سے ان کثیر القعدا کو فیوں کا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور خاتونِ جنت فاطمہ بنتول رضی اللہ عنہا کے جگر پارے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو امر اور بھری عزمیاں اور علوم، بھرے خط و صحیفہ پر دغا بازی کی چال چلی اول آپ کو مجبور کی کہ دارالامین حرم نبوی کو چھوڑ کر کوفہ روانہ ہوں اور جب آں جناب کوفہ کے نزدیک پہنچے اور دشمنوں سے مقابلے اور مقاتلے کی نوبت آئی، اور صدقِ اہلوس کے امتحان کا وقت آیا تو ان سب نے آپ کو دغا دی اور دشمنوں کی کثرت کے باوجود امام مظلوم کی مدد و نصرت سے بڑی دھنشاں کے ساتھ ہاتھ کھینچ لیا بلکہ ان میں سے کچھ تو آپ کے دشمنوں کے ساتھ ڈیرا لایا کچھ سبب مایے۔ اور جناب امام اور آپ کے رفقاء کی شہادت کا سبب بنے اور کربلا میں کچھ پیش آیا یہ سب کچھ اسی فرقہ کی بے وفائی اور دغا بازی کی وجہ سے پیش آیا۔

پانچواں طبقہ دوم اسلاف شیعہ میں سے ان لوگوں کا ہے جنہوں نے مختار ثقفی کے عراق وغیرہ پر اقتدار قائم کر لینے کے بعد امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے مختار کی موافقت کی خاطر منہ پھیر کر جناب محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلمہ پڑھا اور انہیں کو امام تسلیم کیا حالانکہ یہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب و نسل سے تعلق رکھتے تھے نہ ان کی امامت کی کوئی وجہ و جواز تھی چنانچہ ان اسلاف شیعہ کا جو حال پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آخر آخر تو یہ دین ہی سے پھر کر بے دین ہو گئے تھے کیونکہ یہ مختار کی نبوت اور اس کے پاس وحی آنے کے قائل ہو گئے تھے

چھٹا طبقہ سوم ان کے اسلاف میں سے ان لوگوں کا ہے جنہوں نے پہلے تو دوسرے وعید کر کے حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کو مقابلے میں لگانے کے لئے مجبور کیا اور ان کا ساتھ دیا مگر جب نوبت در بدر و مقابلہ اور مقاتلہ کی آئی تو ان کی امامت سے انکار کر کے کوفہ میں جا گئے۔

اور یہاں یہ گھڑا کہ یہ حضرات خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ علیہم پر تبرائیں کرتے اس طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح اس امام زادے کو دشمنوں کے پنجے میں دے دیا اور یوں وہ شہید ہوئے اور حضرت امام حسین کا واقعہ تازہ ہوا

وَمُحَمَّدٌ بْنُ الْحُسَيْنِ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى أَبِي الْحَسَنِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقُلْنَا إِنَّ هِشَامَ بْنَ سَالِحٍ وَالْمِثْقَالَ وَمُصَاحِبَ الطَّقِ يَقُولُونَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَخْرَفَ إِلَى الشَّرْقِ وَالْبَاقِي مَعَهُ فَضَرَّ اللَّهُ سَاجِدًا إِنَّهُ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا عَرَفُوكَ وَلَا وَحَدُّ لَكَ فِينِ أَجَلٍ ذَالِكَ وَمَقْصُودُكَ

کہ یہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم ابی الحسن رضا کے پاس گئے اور آپ سے کہا کہ ہشام بن سالم مینعی اور صاحب الطاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ناٹ تک کھر کھلا ہے اور باقی ٹھوس تو آپ یہ سنتے ہی سجدے میں گر گئے اور فرمایا اے اللہ تو پاک ہے تجھ کو انہوں نے نہ پہنچانا نہ واحد جانا اسی لئے تیرے بارے میں ایسی باتیں بنائیں،

اور اسی جماعت کو نیز زہراہ بن العین کو حضرت صادق نے خبر دے دی اور فرمایا اخذ احمد اللہ، واللہ ان کو ذلیل کرے، اس کی تفصیل انشاء اللہ اپنے مقام پر آئیگی۔

اور کلینی نے علی بن حمزہ سے یہ بھی روایت بیان کی ہے،

قَالَ قُلْتُ لِرَبِّ عَبْدِ اللَّهِ السَّادِّ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ الْحَكَمِ يَرْوِي عَنْكَ أَنَّ اللَّهَ جَسَمٌ مَسْنُونٌ لَوْ رَأَى مَعْرُوفَةً مَسْرُورَةً يَتَمَنَّى بِهَا عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَقَالَ سُبْحَانَ مَنْ لَا يَبْلُغُهُ أَحَدٌ كَيْفَ هُوَ أَلَا هُوَ لَكِنَّ كَيْفَ يَكُونُ وَهُوَ الشَّيْءُ الْبَصِيرُ لَا يَحُدُّ وَلَا يَحِيطُ وَلَا يَحِيطُ بِهِ شَيْءٌ وَلَا مَوْزَنٌ وَلَا تَحْطِيطُ وَلَا تَحْدِيدُ

کہ میں نے ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ سے کہا کہ میں نے ہشام بن حکم کو آپ کے حوالہ سے روایت بیان کرتے سنا کہ اللہ تعالیٰ ایک ٹھوس نور کا جسم ہے جس کا پہچانا ضروری ہے اپنے جس بندہ پر چاہتا ہے دیکھ کر اس کے ساتھ احسان کرتا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا پاک ہے وہ جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیسا ہے نہ اس کے ہم شکل کوئی چیز نہیں دہ سننے والا دیکھنے والا ہے نہ عقل سے سمجھا جاسکتا ہے نہ حس سے جانا جاتا ہے نہ اس کو کوئی چیز گھیرتی ہے نہ جسم سے نہ صورت نہ خطوط میں گھر سکتا ہے نہ بندہ میں،

ان کے اسلاف میں سے کچھ نواسیہ ہیں جو حضرت صادق رحمۃ اللہ علیہ کی موت کے منکر ہیں، وہ آپ کو مہدی موجود جانتے ہیں۔ باقی ائمہ امامت سے انکار کرتے ہیں، ان کے اکثر راوی واقفیت میں جن کے نام ان کی اسناد کے رجال میں جا بجا اس حوالہ سے ملتے ہیں کہ فلاں فلاں واقف ہیں،

یہ دونوں فرستے دنا و سیدہ واقفیت ائمہ کی تعداد اور تعیین کو نہیں مانتے جیسا کہ کتاب ہذا کے باب اول میں مذکور ہوا، اس کے برخلاف شیعہ منکر امامت کو منکر نبوت مانتے ہیں تو یہ دونوں فرقے بھی شیعوں کے نزدیک منکر نبوت ہوئے، اس کے باوجود دونوں فرقوں سے بے دھڑک اپنی صحابہ میں بہت سی روایات درج کی ہیں، حالانکہ یہ دونوں فرقے خود بھی ان ائمہ سے روایت بیان کرتے ہیں اس طرح الامم جرح صاف کھل گیا۔

ان کے اسلاف میں سے بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے امام وقت کو ہی نہیں پہچانا اور ساری تردد و حیلان میں رہے چنانچہ یہ وعید ان پر صادق آئی مَنْ ثَمَاتٍ وَكَلْبَةٍ يَعْرِفُ إِمَامًا بِمَا يَدَّ مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً جَوَامِ زَمَانٍ كَوَيْحَانٍ لَيْفٍ مَرَكِيَا، وہ جاہلیت کی موت مرے، ایسے لوگوں میں حسن بن ساعدی فضائل اور عمر بن سعید اور انہیں جیسے اور ان کے راویان حدیث بھیجے (امامیہ) جارود یہ سے بھی اپنی صحاح میں روایات لاتے ہیں حالانکہ ان کا مذہب معلوم ہو ہی چکا۔

ان کے بعض اسلاف نے کورا جھوٹ گھڑا اور پھر اسی پر مجھے رسبے مثلاً ابن عمیر ابن معمر اور نصیر بن معمر، یعنی وہ ہیں جنہوں نے امام صادق رحمہ اللہ علیہ کو اپنی مسجد سے نکال دیا اور پھر اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔ جیسے ابن مسکان!

ان میں کا ابو بصیر وہ ہے جس نے اپنی دروغ گوئی کا خود انفراد اعتراف کیا ہے، ان میں سے دارم بن حکم، ربیع بن صلت، ابن ہلال جہی زرارہ، اور ابن سالم کا تعلق فرقہ براہیہ غائیہ سے ہے اس عقیدہ کے یہ لوگ بظہور شیعہ کے نزدیک مذہباً بدترین اور باطل ترین ہیں (اس کے باوجود اسلاف میں شمار ہیں، ان اسلاف میں ایسے بھی ہیں، جو باہم ایک دوسرے کی تکذیب کرتے اور ایک دوسرے کی روایات کو غلط ثابت کرتے ہیں، مثل ہشام بن صاحب طلق اور میثمی۔

ان کے روایات احادیث و آثار میں سے ایک ابن عباس بھی ہے جس کو انہوں نے اپنے رجال میں کذاب لکھا ہے اور اثر سے اس کے بارے میں ایسی روایات بیان کی ہیں جس میں اس کو جھوٹا کہا گیا ہے (پھر بھی اس سے روایات قبول کرتے ہیں)

ان کے متقدمین میں سے ابن بابویہ صاحب رتقہ مزورہ اور متاخرین میں سے شریف رضی بھی مسیدہ کذاب کی صیغہ یادگار ہیں۔

مذکورہ بالا دعویٰ کے دلائل آئندہ باب میں ان ہی کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے بیان کے جائیں گے، اس کے علاوہ ان کے وہ علماء جو کتب سماء اللہ تعالیٰ اور اپنے اسلاف کے حالات سے پوری واقفیت رکھتے ہیں ان کے لئے ممکن نہیں کہ اس سے انکار کر سکیں۔ اگر کوئی جاہل یہاں شک و تردد بھی کرے تو اس کا کوئی ٹکڑہ بھی نہیں کہ انشاء اللہ اس کا شک و تردد بھی آئندہ دور ہو جائے گا،

یہاں ایک بڑا عمدہ نکتہ جو انتہائی توجہ طلب ہے یہ ہے کہ شیعوں کے جملہ فرقوں کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے علوم اہل بیت ہی سے حاصل کئے ہیں، ان میں ہر ایک کسی امام زادے سے اپنی نسبت اور تعلق جوڑتا ہے اور انہیں سے اپنی نسبت تعلق جوڑتا ہے اور لفظی ہے اپنے مذہب کے اصول و فروع کی روایات یہاں سے اسی کے ساتھ یہ واقعہ بھی ناقابل تردید ہے کہ یہ سب فرقے باہم ایک دوسرے کو جھٹلنے گراہ بتانے اور کافر قرار دینے میں بھی مشغول و مصروف رہتے ہیں حتیٰ کہ اصول عقائد خصوصاً امامت کے بارے میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں ان کے اس باہم اختلاف و نزاع سے عقلمند اسی نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں اس لئے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک ہی گھر سے یہ سب مختلف و متناقض روایات بیان کی جائیں اگر اہل خانہ میں کسی ایک کو صدق میں ترجیح دیں گے تو بعض دوسرے اہل خانہ کی تکذیب لازم آئے گی اور ان پر غلط گوئی اور مخلوق خدا کو گمراہ کرنے کا الزام آئے گا اور یہ بات نص قرانی کے خلاف تو ہے ہی واقعہ کے بھی خلاف ہوگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُتُبَكُمْ تَطْهِيراً اُدبے شک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسے اہل بیت وہ تنکو ہم قسم برائے سے ایسا پاک کر دے جو پاک کر دینے کا حق ہے،

پھر تاریخ سے بھی گواہی اس کی ملتی ہے کہ اہل بیت کے بزرگ خصوصاً دیگر بندگان خدا میں سب سے بڑے

کے قبیح اور پرہیزگانه اس کا کوئی امکان ہی نہیں کہ وہ اپنی ریاست و سیاست کی خاطر جھوٹ برہیں یا لوگوں کو دھوکہ اور فریب دیں، لا محالہ اس کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل بیت رحمہم اللہ ان روایات و حکایات سے بری الذمہ بھی ہیں اور بے غیر بھی اور ان مختلف فرقوں نے جس طرح مذہب تراشے اسی طرح اس کی اس تائید اور مخالف کی تردید میں حکایت و روایات بھی گھڑ لیں، جبکی نہ کوئی اصل ہے نہ بنیاد، اور جن کا مذہب جعلی ہو اس کو اس مجلس ازی کے لئے صحیح روایات کہاں سے میسر آ سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وَكَذَٰلِكَ يَكُنُ مِنْ حَيْثُ خَلَقَ اللَّهُ تَوَجُّدًا وَإِنْهَا اخْتِلَافًا كَثِيرًا، اگر یہ کلام پاک اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نازل کردہ ہوتا تو البتہ وہ اس میں بہت اختلاف پاتے (معلوم ہوا کہ کلام الہی کی طرح دین و مذہب کے اصول بھی خدا کی طرف سے اس کے رسول ہی متعین و بیان کرتے ہیں اس لئے اس کے اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا، دین و مذہب کے اصول میں اختلاف و تضاد اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ دین باطل اور مذہب جعلی ہے)

اب رہا اہل سنت کا باہم اختلاف۔ تو اول تو یہ اختلاف اجتہادی ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے دوسرے لئے کوفہ ہاد کے زمانہ تک سب کو مجتہد تسلیم کیا ہے اور مجتہد کو اپنی رائے پر عمل کا اختیار ہوتا ہے اور وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرتا ہے، اور اجتہاد و اراد کا اختلاف نوع انسانی کی فطری حالت سے روایات کا اختلاف نہیں کہتے جس سے چھوٹے ادا افراد کا ثبوت ہو،

دوسرے عقائد اہل سنت کا جو بھی باہم اختلاف ہے وہ فروعات فقہیہ میں ہے، اصول عقائد میں نہیں اور فروعی اختلاف جو اجتہاد کا نتیجہ ہوتا ہے بطلان مذہب کی دلیل نہیں بن سکتا جس طرح مجتہدین امامیہ آپس میں فروع میں مختلف ہیں کہ شکر شراب پاک ہے یا ناپاک یا عرق گلاب سے وضو جائز ہے یا نہیں، اب اس کے مقابلہ میں اہل بیت کے اختلاف کچھ جو طبیعی علوم کے ماترہ ہیں یہ بحث گرا جالی طور پر باب اول میں گزر چکی ہے مگر تفصیل کی بات ہی کچھ اور ہے،

شیعی فرقوں میں خالی فرقہ تمام فرقوں کا سر تاج ہے اور عقائد و اصول عبداللہ بن سبا کے شاگرد ہیں، جو خود کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خاص الحافن شاگرد اور آپ کا محرم راز کہتا تھا، اور مختاریہ و کیسانہ حضرت علی حضرت حسنین محمد بن علی اور ابو ہریرہ بن محمد بن علی۔ رضوان اللہ علیہم کی روایات سے اپنے مذہب کو متعین کرتے ہیں۔ زید یہ :- حضرت علی، حضرت حسنین، امام زین العابدین، زید بن علی بن یحییٰ اور یحییٰ بن زید رضی اللہ عنہم سے،

باقریہ :- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر امام باقر رحمہ اللہ علیہ تک، پانچ اماموں سے،
ناد میر :- چھ آئمہ سے، پانچ تو اوپر والے اور چھٹے امام صادق رحمۃ اللہ علیہ،

مبارک کیلے سات سے چھ اوپر والے ساتوں اسماعیل بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ،
 قرامطہ بن اٹھ سے : سات مذکورہ بالا اور آٹھویں محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ۔
 شملطیہ : بارہ سے : آٹھ مذکورہ بالا اور چارہ محمد بن جعفر، موسیٰ بن جعفر عبداللہ بن جعفر اور اسحاق بن جعفر
 مہدویہ : بائیس سے : ان کے نام باب اول میں بیان ہو چکے ہیں۔

اور لوگ مصر اور دیار مغرب کے بادشاہوں کو جو محمد مہدی کی اولاد میں سے تھے۔ امام ملتے ہیں اور ان
 کی عصمت اور ان کے علم عظیم کے معتقد ہیں، چنانچہ ابو محمد نجم الدین عمارہ بن علی بن ذریعہ الزنجی، مشہور شاعر اپنے قصیدہ
 میں جو اس نے فائز بن کافر اور اس کے وزیر کی تعریف میں لکھا کہتا ہے،
 أَشْتَبُ بِالنَّارِ الْمُعْصَمِ مُحَمَّدًا كَوْزَ الْحَقِّ وَأَجْرَ الْبَرِّ فِي الْقِسْمِ
 کے ساتھ لکھتا ہوں کہ میری قسم کا میابی اور سچائی کا اجر رکھتی ہے،
 اور پھر یہ بادشاہ خود بھی اپنے متعلق معصوم ہونے اور علم غیب اور دیگر حقی معلوم مثلاً کیا سیبا وغیرہ کے حامل
 ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے چنانچہ مصدود یار مغرب کی تواریخ اس پر گواہ ہیں۔
 نزاریہ : اپنے مذہب کی ہدایت اٹھارہ حضرات سے کرتا ہے جن میں پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور
 آخری مستقر۔

امامیہ : بارہ سے : اول ان میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آخر میں امام محمد مہدی۔
 امامیہ کے معتقدات کی اگر کچھ اصلیت ہوتی تو حضرت شیخ بن علی رحمۃ اللہ علیہ سب کے رو برو احوال پر غضب ناک
 ہو کر شدت سے اس کی برائی کیوں کرتے اور اس کو اپنی مجلس سے کیوں نکالتے یہی حال دوسرے فرقوں کے معتقدات
 کا بھی سمجھنا چاہیے،
 ان تمام فرقوں کے جھوٹا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ ان سب نے اپنے لئے کتابیں اور دفتر کے دفتر تیار
 کئے، اور ان میں علماء و فضلاء اہل زبان اور صاحب تصنیف سب ہی گزرے مگر اس ملک میں صرف امامیہ ہی کی کتب
 نظر آتی ہیں، اور دوسروں کی کیا ببلکہ نادر الوجود ہیں،
 بہر حال ان فرقوں کے علماء کا حال امامیہ کے حال سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سب کے سب ایک ہی طغر
 کے شر اور شاخیں ہیں،

علمائے امامیہ اور ان کے راویان حدیث کی حقیقت ابھی معلوم ہو چکی، کہ بعض تو انہی سے متکبر کہتا تھا جن
 کی شکایت جناب امیر رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں، بعض مذہب و دیانت میں خراب اور مجسمہ و مشبہ
 ہیں بعض ضعیف اور نامعلوم الحال جھپٹے اور جھلس رہے ہیں۔ اور بعض وہ جن کی جرح و تعدیل میں یہ خود مختلف
 ان خیال ہیں اور ان کے بارے میں کسی جانب کو ترجیح نہ دے سکے۔

بعض ان میں صرف خطوط اور رقعات کے راوی ہیں جنکی صحت پر کوئی اعتقاد اور بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ
 ایک تحریر کو دوسری تحریر سے ملا دینا اس فن کے ماہرین کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے خصوصاً امام غائب کا خط و رقم
 بنالینا، جن کا نہ کسی کو حال معلوم اور نہ کسی نے دیکھا تھا۔

ان میں سے بعض ایسا کرتے ہیں، کہ ایک پرچہ پر کوئی سوال لکھ کر رات کے وقت کسی درخت کے سوراخ میں رکھ دیتے، اور صبح اسی پرچہ کو نکال لاتے اور شیعوں کو سناتے اور کہتے کہ اس رقم کے بین السطور میں لکھا جواب امام کے ہاتھ کا ہے اور امامیہ آنکھ بند کر کے اسپر نہیں کر لیتے،

شیعی علماء اور اب ہم ہر فرقے کے عالموں اور ان کی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں، جو زیرِ نظر کتاب کے اہم مسائل ان کی کتاب میں ہے، اسی ضمن سے کہ اگر کوئی عبارت کسی کتاب سے یا کسی عالم سے حوالہ سے نقل کی جائے تو سامع اور ناظر کو بھی معلوم رہے کہ یہ کتاب یا یہ عالم کس فرقے سے متعلق ہے اور شیعوں کے نزدیک اس کا کیا مرتبہ ہے، یا اس کا قول اور اس کی روایت قابلِ اعتبار ہے یا نہیں۔

علاقہ ان کا سب سے پہلا عالم عبداللہ بن سبا ہے اس کے بعد ابو بکر میل اور عقیقہ جلی ہیں امام جعفر صادق رحمہ اللہ
علیہ نے ان دونوں سے نفرت ظاہر فرمائی اور ان کو جھوٹا قرار دیا اور فرمایا: اِنَّهُمَا يَقْتَرِعَانِ عَلَيْنَا اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُزَيِّنُ
عَنَّا الْكَافِرِيْنَ یہ دونوں ہم اہل بیت پر افتراء کرتے اور ہم سے جھوٹی روایات منسوب کرتے ہیں،
نصیر اسحاق غبار رام مغنئی صریحاً مزین بزرگ اور محمد بن یغفر بھی علاقہ کے علماء میں سے ہیں، ان کا سارا
کلام لغو و بیہودہ نہ کہنے کے لائق نہ سننے کے قابل،

ایک نتیجہ ۱۔ ان کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا عالم خود کیساں ہے، جو خود کو جناب محمد بن علی رحمانہ
 علیہ کا شکر گرد کہتا تھا، اس کے بعد ابو کریم مزید اسماعیلی بن عمرو اور عبداللہ بن حرب اور ان کے علاوہ دوسرے تھے۔
 زید یہ ۱۔ ان کا سب سے بڑا عالم بھی بن زید ہے اور دوسرے زید بن علی کے دوست ان کی زلیخہ تھے
 روایات حضرت علی جناب حسین امام سجاد اور خود زید شہید رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، ان کے اثر میں سے
 ایک نام مرتب ہے جس کا یہ مذہب مشہور ہے کہ پاؤں کا مس بھی کرنا چاہیے اور دھونا بھی چاہیے، ان کے
 کبار علمائیں ہادی ہے جس نے مشہور ہے بعد اس مذہب کو رواج دیا اس کا بیٹا مرتضیٰ بھی ان کے بڑے عالموں
 میں شمار ہوتا ہے یہ دونوں سادات حسینی سے تعلق رکھتے ہیں خود کو خالص زید یہ کہتے تھے، کیونکہ غیر خالص
 زیدیوں کی ایک اور جماعت بھی ہے جو اپنے آپ کو زید یہ کہتے ہیں حالانکہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے ان
 کے علاوہ یہ ہیں،

جارد بن احمد بن محمد بن سعید سجی ہمدانی، ابن عقدہ، سیماں، تبرقوی، خلف بن عبد الصمد، نعیم ابن الیمان
 یعقوب، حسین بن صالح اور اعطاب خوارزمی صاحب مناقب میر المومنین بھی زیدی ہیں،
 زیدیہ غیر خالصی میں سے سوائے چند مسائل کے مثلاً امامت صاحب الکبیرہ کا فرض نعمت فاسق کے اصول میں معتزلہ
 کے پیرو ہیں اور فروغ میں جناب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان میں سے بعض فروغ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ
 کی پیروی کرتے ہیں سوائے چند مسائل میں اختلاف کے مثلاً موزوں پر مسح کا انکار کرتے ہیں،
 اسماعیلیہ:- ان کے علمایہ ہیں، مبارک، عبد اللہ ابن میمون قدس، غیاث مصنف کتاب البیان محمد بن
 علی برقی اور مصنف،

کاسرگودہ محمد بن عبداللہ جو مہدی کے لقب سے مشہور تھا، اکثر عراقی، حجازی، مصری اور شامی اس کی شرافت و سیادت کے منکر تھے، اور اس کی ہمراہی میں شورش پسند اور سپاہی پیشہ اور اکھڑ لوگوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ عزیز جو اس کی اولاد میں سے تھا اختلافات تک پہنچا ایک جمعہ کو خطبہ دینے منبر پر چڑھا تو وہاں ایک رقعہ رکھا ہوا پایا جس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے،

اِنَّا سَعْنَا نَسَبًا مُنْكَرًا يَحْتَلِي عَلَى الشَّيْرِ فِي الْجَامِعِ
لَا كُنْتُ نَيْمًا لَدَى صَادِقًا قَاذُكُمَا يَا بَعْدَ الدُّبَابِ التَّرَابِيعِ
اِنْ تَرِدُ تَقْقِيْقَ مَا قَاتَلْتَهُ قَا نَسَبَ لَنَا فَضْلَكَ كَالطَّارِيعِ
اَوْ لَادِعِ الزَّنَابِ مُسْتَوْرًا وَاَدْخُلْ بِنَا فِي النَّسَبِ الْوَاسِعِ
قَاتِ اَنْسَابَ بَنِي هَاشِمٍ يَقْصُرُ عَنْهَا حُلْمُ الطَّارِيعِ

جامع مجاہد کے منبر پر ام نے ایک غیر مشہور لقب کا ذکر ہوتے سنا۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ذرا اپنے چوتھے باپ سے اوپر کے پانچویں باپ کے نام تو بتا اگر تم اپنی بات کو مؤثر بنانا چاہتے ہو تو یا تو ہمارے سامنے اپنے نسب کو چکھتے سورج کی روشنی کی طرح صاف بیان کرو یا اس کو اسی طرح چھپا رہنے دو اور ہمارے ساتھ کھلے اور وسیع نسب میں شامل ہو جاؤ کیونکہ بنو ہاشم کے نسبوں میں شرکت کی طمع والا اپنی طمع کرنے سے تاسر رہ جاتا ہے،

ان اشعار میں طالع کے لفظ سے اشارہ عباسی خلیفہ طالع مابعد کی طرف ہے جو اس زمانہ میں بغداد کے اور دیگر اسلامی شہروں کا خلیفہ تھا۔ یہ واقعہ اسی کے عہد میں پیش آیا تھا، اور اس کا نسب شہرت میں اتنا داغ تھا، جیسا پہرہ چڑھے کا سورج۔

اور قاذکریا بعد الدب التراب، جو کہا ہے وہ اس لئے کہ طالع کا چوتھا باپ مہدی کا بھی باپ تھا اور اس کا نام عبید اللہ بن عبداللہ تھا اس لئے ان کو عبید بن بھی کہتے ہیں۔

جب مہدی کے دماغ میں یہ خناس سما یا کہ وہ مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ اس وقت تک ممکن نہیں تھا۔ جب تک اس کے باپ کا ہی نام نہ ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد مابعد کا تھا، یعنی عبداللہ اور مہدی کے باپ کا نام عبید اللہ تھا، اس لئے اس نے اپنے دادا کو باپ بنایا اور باپ کو دادا اور یوں اس نے سوائے مہدی بن عبید اللہ کے اپنا نسب یوں چلایا مہدی بن عبداللہ بن عبید اللہ بن القاسم بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادق جب دیا ر مصر میں ان کا اقتدار مستحکم ہوا اور عرصہ اقتدار طویل ہوا تو نوکر یوں اور عہدوں کے لالچ میں لوگ ان کے مذہب کے حلقہ گروش ہونے لگے۔ قرآن میں بھی علماء فضل اور ادبا پیدا ہوئے دیا وہ بھی طاعت یا قرطی کے خیال سے مذہب بدل کر ان میں شامل ہو گئے چنانچہ ان کے چوٹی کے ملا میں ابوالحسن علی بن نعمان اور ابو عبداللہ محمد بن نعمان تھے جو معزز اور عزیز کے زمانہ میں گزرے ہیں پھر ابوالقاسم مشہور ہوئے یہ عبدالعزیز حاکم کے زمانہ میں ہوئے اور عامر بن عبداللہ دواجی اور علی بن محمد بن علی علیی مستنصر کے دور میں!

جن لوگوں نے مال و جاہ کی طمع میں ان کا مذہب قبول کیا ان میں فقیر عمارہ یعنی ہے کہ عبید بن کے پورے

عہد سلطنت میں اس کا کوئی مثل پیدا نہیں ہوا علم و فضل میں یہ بہت بلند پایہ تھا اس لئے جب اس نے مذہب تبدیل کر لیا تو اس کے بے شمار پیرو اور شاگردوں کی ایک بڑی جماعت بھی گمراہ ہو گئی اور اس پر یہ مثل صادق آئی،

أَنَّ الْفَقِيهَةَ إِذَا غَوَى وَأَطَاعَتْ
قَوْمًا غَوَوْا مَعَهُ قَضَاءً وَحُكْمًا
مِثْلُ أَتَيْنَاكَ إِذَا هَوَتْ فِي تَجْبَةٍ
غَرَقَتْ وَبَعِثْنَا مَا هُنَاكَ جَنِينًا

یہ نکتہ جب ایک عالم فقیہ گمراہ ہو جائے جس کی ایک قوم پیروی کرتی ہو تو وہ قوم بھی گمراہ ہو جاتی ہے پس وہ خود بھی منائع ہو جاتا ہے اور وہ قوم بھی اس کی مثال کشتی کی سی ہے کہ جب وہ دریا میں ڈوبنے لگتی ہے تو اس کے ساتھ جو بھی ہوتا ہے ڈوب جاتا ہے،

خود مہدی کی اولاد میں بھی بعض اہل علم ہوئے مثلاً عزیز بن ابیہ کہ وہ شاعر کے ساتھ ادیب اور فاضل عالم تھا ایسے ہی معز اور اس کا بیٹا حاکم۔

ان میں سے اکثر علم غیب کا دعویٰ کیا کرتے خصوصاً حاکم کہ وہ تو کہتا تھا کہ وہ طور پر میرے ساتھ مناجات و مکالمہ ہوتا ہے جس طرح کہ موشی علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا وہ کہہ طور پر بار بار جاتا تھا، علم کی کیا بھی جانتا تھا چنانچہ فرمایا میں تمہیں الحاکم۔ اس کی مشہور کتاب ہے اسی طرح کتاب الصیقل بھی اس کی مشہور کتابوں کے منجملہ ایک کتاب ہے، خلاصہ کلام یہ کہ ان لوگوں کی ہمہ دانی اور غیب دانی میں مورخین رطب اللسان میں اور اوراق تاریخ میں ان کے یہ اوصاف ثبت ہیں،

کہتے ہیں کہ ایک روز عزیز جمعہ کے خطبہ کے سٹے منبر پر چڑھا تو وہاں ایک رقعہ رکھا ہوا تھا جس پر یہ قطع تحریر تھا،

بِالظُّلُمِ وَالْجَوْرِ مَا بَيْنَنَا
وَلَيْسَ بِالْكَفْرِ وَالْحَسَاةِ
رَأَيْتُ كُنْتُ أُعْطِيتُ هَلَاكَ عَيْنٍ
فَقُلْنَا كَاتِبَ الْبِطَاةِ

ہم ظلم و جور کی وجہ سے تمہارے تسلط سے راضی ہوئے ہیں مگر کفر و حماقت کو ہم برداشت نہیں کریں گے اگر تمہیں علم غیب عطا ہوا ہے تو ذرا ہمیں اس رقعہ کے کاتب کا نام تو بتاؤ! ان میں حاکم بڑا سٹرا ہوا رافضی تھا اس نے چند آدمی بطور غصیہ طور سے مدینہ منورہ بھیجے کہ حضرات شیعین رضی اللہ عنہما کے جہوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک سے نکال دیں

یہ بد بخت مدینہ منورہ پہنچے اور روضہ مطہرہ کے پاس ایک علوی کو دھوکہ دے کر اس کے مکان میں مقیم ہوئے رات کو موقع پا کر نقب لگائی اور وہ نقب جسد مبارک تک پہنچی ہی تھی کہ بیک ایک مدینہ پر سخت آدمی اور جھکڑ پلٹنے لگے ہیبت ناک بجلیاں کوند نے لگیں گرد و غبار کا گویا طوفان آگیا اور مدینہ منورہ میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ فضا کی ہولناکی اتنی بڑھی کہ لوگ سمجھنے لگے کہ بلا کی یقینی ہے اور اس سے نجات و خلاصی سے نا امید ہو گئے کسی طرح اس علوی اور اس کے اہل خانہ کو بدر کرداروں کی حرکت ناشائستہ کا علم ہوا تو انہوں نے امیر مدینہ کو اس کی اطلاع دی حاکم مدینہ نے فی الفور ان کو پکڑ کر تہ تیغ کیا تو اس کے بعد طوفان تھا فضا سے گرد و غبار صاف ہوا اندھیرا دور ہوا اور لوگوں کی جان میں جان آئی۔

قاضی فاضل ابو عبد اللہ ابو منصور سنائی نے اپنی کتاب الاستنصار میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے،
نیز آریہ ۱۔ ان کا سب سے بڑا عالم فاضل حسن بن صباح چھری تھا۔ اس کے بعد ابو الحسن سلیمان بن محمد جو
ماشدرین کے لقب سے مشہور تھا یہی اسطیعلی قلعوں کا مالک تھا یہ ایک فاضل ادیب اور بہت اچھا شاعر بھی تھا فن
انشاء میں عالمانہ مقالے اور سارے بھی لکھے ہیں، انہیں تحریروں میں اس کا وہ خط بھی ہے جو اس نے سلطان
نور الدین محمود ابن سلطان علا الدین شہید زنگی، شاہ شام کو اس وقت لکھا تھا جب صلاح الدین بن ایوب نے سلطان
کی طرف سے مصر فتح کیا تھا اور مہدویوں کے پنجے سے نکالا تھا، مصر پر چڑھائی کے ساتھ سلطان نور الدین زنگی نے
اس راشر الدین کو بھی تنبیہی خط لکھا تھا کہ یہ بھی تو خود کو عبیدین کے پس ماندوں میں شمار کرتا تھا چنانچہ اس نے
بادشاہ کے خط کے جواب میں لکھا۔

يَا لَتَرْجَا لِي دَمِيرَ هَذَا مُنْقَطِعُهُ
يَا إِذَا الَّذِي بَقِيَ إِنْ شِئْتَ هَذَا
قَامَ الْخَصَامُ إِلَى الْبَايَتِ يَهْدُوهُ
أَفْضَلُ يَسْدُ قَدْ أَوْفَى بِأَفْضَلِهِ
قَصَى بِفَضْلِهِ وَجَلَّ وَاعْلَمْنَا
مَا تَرَكْتَ عَلَى سَنِيٍّ بِوَعْدِهِ
لَدَامَ قَامَ حَيْثُ خَلَّتْ نَصْرُهُ
وَمَشَرَتْ لِيَصْرَامُ الْأُسْدِ أَصْبَعُهُ
بِكَيْفِيهِ مَا ذَا يُدْقِي مِنْهُ أَوْفَعُهُ
مَا هَذَا دَنَا بِهِ مِنْ قَوْلِهِ فَعَلَهُ

فَبَا لِلَّهِ أَلْفَيْتُ مِنْ دَمَائِكَ تَطْنُ بِأَذْنِ فَيْلٍ وَتَبْرُؤُهُ تَعْدَ فِي الْأَشْيَاءِ تِلْكَ، وَقَدْ قَالَ هَاقُمُ الْخُرُونِ
قَدْ مَكْرُونًا هُمُ وَمَا كَانَ يَهْدُ فَاصْرُفْ، أَمْ لِيَحْتَقِ تَنْ خَصْرَتِ وَيَلْبَا حِلَّ نَصْرُوتِ، سَيَعْلَمُ الَّذِي بَيْنَ كَلْمَا
أَتَى مُتَقَلِّبُ يَنْقَلِبُونَ، أَمَّا مَا صَدَرَتْ بِهِ قَوْلِكَ مِنْ قَطْعِهَا أَيْسَى وَكَلْعِكَ بِقَدْحِي فِي الْجِبَالِ التَّرَائِي
فَقُلْتَ أَلَمْ يَأْتِ كَاذِبَةٌ وَخِيَانَةٌ عَيْدُ صَائِبَةٍ، فَإِنَّ الْجَوَاهِرَ لَيْدُ تَرْوُلٍ بِأَذْنِ عَرَاغٍ كَمَا أَنَّ الْأَسْمَاحَ
لَا تَفْضِلُ مِنْ الْأَمْرِ أَيْ، كَمَا بَلَّغْتَ قُوَّتِي وَصَحِيْبَ وَدَيْي وَشَرِيْفِي، إِنَّ عُدْنَا إِلَى الظُّلُومِ وَالْهَرَسَانِ
وَعَدَ لَنَا هِنَ الْهَرَسَانِ وَالْمَغْرُورَاتِ فَلَنَأْمُرَهُ بِرُسُلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ مَا أَوْفَى
بِعَمَلٍ مِثْلَ مَا أَوْفَى، وَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جَعَلِي فِي عَهْدِيهِمْ وَأَهْلِي بَيْتِهِ وَشَيْعَتِهِ وَالْعَالِ مَا خَالَ وَالْأَمْرِ
مَا زَالَ، وَلِلَّهِ الْحَمْدُ فِي الْأَجْرَةِ وَالْأَوَّلِ (أَذْنُ مَطْلُوعُ مَزُونِ لَدَا لَمْلَمُونَ وَمُخْضَرُ بُونِ لَدَا حَاصِبُونَ، وَقُلْتُ
جَاءَ الْحَقُّ وَتَرَهَّقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ تَرَهَّقًا، وَقَدْ عَلِمْتُمْ ظَاهِرَ حَالِنَا وَكَيْفَ قِتَالِ بَرَجَانِنَا وَمَا يَكُونُ الْوَشْ
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَلَنْ يَكُونُوا أَبَدًا، إِمَّا قَدْ مَسَّ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ، وَفِي الْأُمُشَاكِ السَّائِدَةِ أَوْ
لِلْبَطْرِ تَهْدُوتُ بِالْأَشْيَاءِ تَهْقِي لِيَهْدِي جَلْبَابًا رَمَدَ تَرَعُ لِيَكُنْ أَيْ، أَوْ لَا تَكُنْ كَالْبَاحِثِ عَنْ حَقِّهِمْ بِظُهُورِهِ وَاجْتِدَادِهِ
مَارِنَ أَلَيْهِمْ بِكَيْفِهِ، وَإِذَا دَأْبْتُ عَلَى كَيْفِي بِنَا فَنَكُنْ مِنْ أَمْرِنَا بِالْأَمْرِ صَادِقًا قَدْ أَوَّلَ الْفَعْلُ وَالْخَرَجُ الْقَصَادُ
يَا قُلْتُ هَذَا اللَّهُ حَقٌّ تَأْتَلْتُ
بِمُؤْتِكَ فِيهِ وَتَمُوتُ عَمُودُهَا
فَأَصْبَحْتُ تَرَمِيْنًا يَكْبَلُ تَدَا شَرِيْهِ
مَقَامِ سَهْدًا فَيُنَا وَفِيْنَا جَبْرِيْلُهَا

دو گروہ ہوں کہ خطرہ ہمیں ڈرا رہا ہے جس کے متعلق میرے کان میں بھی جھنک بھی نہ پڑی۔
وہ شخص جو ہم کو تلواروں کی جھنکار کا ڈرا وادے رہا ہے، جب تو اس پر پھٹے تو پھر اس کو میرے پاس

اپنے پاؤں پر کھڑا نہ رہنا چاہیے،

کبوتر باز کو دھمکارا ہے اور جو شیروں کو بچھاڑنے کی تیاریاں کر رہے ہیں، وہ اژدھے کے منہ کو اپنی انگلی سے بند کرنا چاہتا ہے اس تنگ دود میں اژدھے کی طرف سے اسکی انگلی کو جو تکلیف پہنچے گی وہی اس کے ہوش ٹھکانے لگا دیگی

اس نے ہمیں اشاروں میں اور صراحت سے بتا دیا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ پس خدا کی شان ہے کہ مکھی اور پھیرا بھی اذیت کو ذبح کرنے کے لئے اس کے کانوں پر بھنبھنانے لگے ہیں اور وہ بھی تصادیر میں شامل ہوتے ہیں،

دوسرے لوگوں نے بھی اس کو اسی طرح دھمکایا تھا، ہم نشان کو ایسی حالت میں موت کے گھاٹ اتارا کہ کوئی مددگار بھی نہ مل سکا کیونکہ باطل کی مدد سے حق کو ڈنگا نا چاہتے ہو، ظالموں کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ وہ کس پہلو پلٹے ہیں،

تم نے اپنے غفلت کی ابتداء میں میرا سر قلم کرنے اور میرے پہاڑی قلعوں کو پیوند زمین کرنے کے متعلق کہا ہے تو یہ تمہاری ناکام تمنا اور خام خیال ہے، کیونکہ جو اہل ارض سے ملیا میٹ نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے رو میں کمزور و مضلل ہوتے ہیں، طاقتور اور کمزور کے نیز ذلیل اور شریف کے درمیان بہت فرق ہے اور اگر ہم ان عقلی اور باطنی چیزوں میں جواب دینے کے بجائے ظاہر اور سی طور پر کچھ کہنا چاہیں تو ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور مسرت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جتنی اذیت و تکلیف تجھے دی گئی اتنی اور کسی نبی کو نہیں پہنچی اور تمہیں پتہ ہی ہے کہ آپ کی اولاد، آپ کے اہل بیت اور آپ کے شیعوں پر کیا کچھ نہیں گذرا دنیا و آخرت میں حمد و تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اس وقت ہم ظالم نہیں مظلوم ہیں ہم کبھی پر غضب و غارت نہیں ڈالتے ہم پر غارت ڈال جا رہی ہے، ہم حق آیا، باطل مٹا ہے شک باطل تو مٹا ہی ہے

ہماری ظاہری حالت اور طاقت و قوت کو تم جانتے ہی ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارے آدمی کیسی بے جگری سے لڑتے ہیں۔ اور موت کی ان کو کتنی تنہا رہتی ہے وہ جان ہار دیتے ہیں مگر میدان جنگ سمجھ نہیں سڑتے۔ اگر تم اپنے قول میں پچھو اور ایسا ہی کرنا چاہتے ہو تو موت کی تمنا کرو، مگر وہ ہرگز ان عملوں کی وجہ سے حرمہ آگے بھیج چکے ہیں موت کی تمنا نہیں کریگے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب بانٹا ہے بطور مثل کہتے ہیں کہ کیا تم بطن کو دریا سے ڈراتے ہو تو اب تم مصیبت سے بچنے اور آفتوں کو سہنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور خود اپنے ناخن سے اپنی موت کر دینے والے نہ جو نہ اپنے ہاتھ سے اپنی ناک کاٹنے والا بنو جب تم ہمارے جواب سے آگاہ ہو جاؤ تو ہم سے بچاؤ کے لئے جو تدابیر کر سکتے ہو کر لو اور ہمارے کام سے ہوشیار رہو۔

اور پھر سورہ نمل کا ابتدائی اور سورہ ص کا آخری حصہ مطالعہ کرو

تم نے ہمارے طفیل ملک حاصل کیا تاں کہ اپنے مکانات کو محفوظ و مضبوط بنا لیا اب تم مہر ہی تیرا نڈا کر کے گے ہم میں پوری ہجوا رہی ہے

اما میہ اور خصوصاً اشاعتیہ میں تو ان کے علماء کی حد و شمار ہی نہیں البتہ ان کے قدار میں جو مشہور ہیں

یہ ہیں، قیس بن سلیم بن قیس ہلالی، ابان، ہشام بن حکم، ہشام بن سالم صاحب الطاق ابو الاحوص علی بن منصور علی بن جعفر بنان بن سمان جس کی کنیت ابو احمد ہے اور جزری لقب سے مشہور ہے، ابی الی عمیر عبداللہ بن مغیرہ ظہیری ابو بصیر محمد بن حکم محمد بن فرح الرحبی، ابراہیم خزازی محمد بن حسین، سلیمان بن جعفری محمد بن مسلم بکیر بن امین ازراہ ابن امین اور ان دونوں کے بیٹے سامع بن مہران علی بن ابی حمزہ عقی عثمان علی، یہ تینوں ہی فضال ہیں احمد بن محمد بن عبداللہ ابو نصرہ ابو اسطی یونس بن عبداللہ القمی ارب بن نوح حسن بن عیاش الجریثی علی بن مظاہر واسطی احمد بن اسحاق جابر بن جعفری محمد بن جعفر قمی، حسین بن سعید عبداللہ، عید اللہ، محمد عمران اور عبدالاعلیٰ یہ سب علی بن شیبہ کے بیٹے ہیں،

اشاعرہ میں مصنفین میں یہ لوگ شمار کئے جاتے ہیں۔ صاحب معالم الاصول فخر الموقنین محمد بن علی الطرازی محمد بن علی البیاضی ابو الفتح کراچی کفخی جلال الدین حسن بن احمد خلیج مقتول، محمد بن ابی حسن الصغار ابان بن بشر البغالی عبید بن عبدالرحمن شعی فضل بن شاذل قمی حسین بن بابویہ قمی اور محمد بن بابویہ قمی، یہ قمی وہ نہیں ہے جس سے حدیث شفا میں امام بخاری نے استشہاد کیا ہے، صحیح بخاری کی کتاب الطب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے راہ القمی عن لیث عن جابر، اس لئے کہ یہ بابویہ قمی چوتھی صدی کا ہے اور لیث دوسری صدی کے، اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ بابویہ قمی نے لیث کو دیکھا ہو، اور ان سے روایت کی ہو اور اگر رواہ عن لیث کو ارسال اور روایت بالواسطہ حمل کری تو اگرچہ یہ بخاری کے اصول کے خلاف بھی۔

پھر بھی اس موقع پر اس کی گنجائش نہیں کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات تیسری صدی کے وسط کی ہے، جبکہ ابن بابویہ اس کے بہت بعد کا ہے تو اس سے استشہاد کا سوال ہی نہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش، وفات اور زمانہ حیات کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے کہ وہ سہائی کے ماحول میں پیدا ہوئے تعریف کے ساتھ زندہ رہے اور نور میں وفات پائی، یہ بحساب الجبر آپ کی تینوں حالتوں کا بیان ہے، بعض بلیل القدر اہل علم کو سہائی کی عبارت سے یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ یہ قمی، وہی قمی ہے جس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استشہاد کیا ہے، اس لئے یہاں سہائی کی عبارت نقل کر کے غلطی کے غشا کو واضح کیا جاتا ہے،

قَالَ السَّعَافِي فِي الْمُسَوِّدَاتِ إِلَى مُسَدِّدِ جَعْفَرِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ الْحُسَيْنِ بِأَبِيهِ الْقَمِي نَزَلَ بَعْدَ إِدْوَعَاتٍ بِهَا هُوَ أَيْمُونٌ وَكَانَ مِنْ شُعْبَةِ الشَّيْخَةِ وَشَهِدَ أَمَّا الرَّافِعَةُ تَمُودِي عَنْهُ مُحَمَّدُ بْنُ طَالِحَةَ النَّعَالِي وَكَيفُوبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ الْقَمِي اسْتَشْهَدَ بِهِ الْبُخَارِيُّ فِي حَيْثُ فِي كِتَابِ التَّبِ فَقَالَ فِي حَدِيثِ الشَّهَادَةِ فِي ثَلَاثِ شُرُطَةٍ مُحْتَجَّةٍ وَشُرُطَةُ عَمَلٍ وَكَيْفَةُ بِنَارٍ وَأَمَّا الْقَمِي عَنْ لَيْثٍ عَنْ جَابِرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَالْأَشْأَذُ الْعَمِيدُ أَبُو طَاهِرٍ سَعْدُ بْنُ عَلِيٍّ الْقَمِي مَاتَ وَفِي يَدِ السُّلْطَانِ سَعِيدِ بْنِ مَلِكٍ شَاهِدًا إِلَى مَا قَالَهُ هَذَا فِي حَيْثُ أَلْزَمَ النَّسَابُ وَصَحَّحَ شُرُطَةُ الْبُخَارِيِّ بِأَنَّ الْقَمِي الَّذِي اسْتَشْهَدَ بِهِ الْبُخَارِيُّ هُوَ كَيْفُوبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ سَعْدٍ الْقَمِي لَمْ يَنْبُ بِأَبِيهِ وَفِي النَّسَابَةِ فِي كِتَابِ الْأَنْسَابِ

أَنْ يُعْطَى أَحَدُ الْمَسْئُومِينَ بِسَبِّهِ وَاحِدٌ عَلَى الْآخَرِ بِوَأَعْيُفٍ مَكْتُوبَةٍ بِالْحَمْدِ فَلَعَلَّ نَارَهُمْ تُنْفَخُ ذَالِكَ
الْبَعْضُ سَهْمًا فَلَكْتُبَ تِلْكَ الرَّاوِيَةَ لِسَوَادٍ حَتَّى طَوَّعَ مِنْهُ وَأَكْبَرُ مِنْهُ وَأَكْبَرُ مِنْهُ وَأَكْبَرُ مِنْهُ وَأَكْبَرُ مِنْهُ وَأَكْبَرُ مِنْهُ
بِهِ الْبُخَارِيُّ مَا يَنْتَقِلُ بِحَالِ الْوَقْفِ كَيْفَ كُنْتُ مُرَحِّمَةً ابْنُ بَابُورِيَّةَ إِلَى حَوْلِي
مَوْضِعِ عَنْهُ مُحَمَّدٌ بْنُ طَلْحَةَ النَّعَانِي وَأَبْنَاءُ يَقُولُهُ يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدِ الْقَسْبِ اسْتَشْهَدَ بِهِ
الْبُخَارِيُّ فِي تَرْجُمَتِهِ أُخْرَى وَكُلُّ هَذَا إِذَا نَشَأَ مِنْ عِلَلِ النَّاسِ وَتَصَرُّفِ السَّامِعِ أَشَدُّ تَغْلِيظًا مِنْ هَذَا
الْقَدَرِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ كُنْتُ نَزَلِي،

سنانی نے تم کی طرف منسوب لوگوں کے سلسلہ میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بابوہ قمی
نہراؤ میں آیا وہ اپنے باپ کی سند کے ساتھ احادیث کی روایت کرتا تھا، یہ شیعوں کے شیعہ رخ میں سے تھا اور شہرہ
رافضیوں میں اس کا شمار ہوتا تھا محمد بن طلحہ نعانی اور یعقوب بن عبد اللہ بن سعد قمی نے اسی سے روایت کی ہے اور
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کی کتاب الطب میں حدیث شفاء کے ذیل میں اسی سے استنباط کیا ہے،
اور کہا ہے کہ روایت کی اس کی قمی نے یث سے انہوں نے مجاہد سے مجاہد سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، اور
استاذ عمید البوطہ یعنی سعد بن علی ابن عیسیٰ قمی، سلطان سحر بن ملک شاہ کا وزیر ہو گیا تھا۔

یہ عبارت انساب سمعانی کی ہے، بخاری کے شارحین کی جو تصدیحات اس عبارت سے مستقی ہیں وہ ظاہر
کرتی ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس سے استنباط کیا ہے وہ یعقوب بن عبد اللہ سعد قمی ہے ابن بابوہ
قمی نہیں ہے،

کتاب الانساب میں یہ قاعدہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ایک ہی نسبت سے منسوب دو افراد میں سے جب ایک
کا عطف بذریعہ واؤ دوسرے پر کیا جاتا ہے تو اس واؤ کو سرخ روشنائی سے لکھتے ہیں اور یہاں کاتب نے بھول
کر واؤ خلاف قاعدہ سیاہی سے لکھ دیا اور اس طرح اس کے راویوں میں بابوہ قمی کو شمار کر دیا گیا،

اور یوں استنباط یہ البخاری کا تعلق بظاہر بابوہ سے ہو گا حالانکہ یہ خلاف واقع اور غلط تھا
کیونکہ اس کے متعلق تعارف توروی عنہ محمد بن طلحہ النعانی پر مضمون ہو گیا، اور یعقوب بن عبد اللہ بن
سعد استنباط یہ البخاری سے دوسرا تعارف شروع ہوا اور یہ ساری غلط فہمیاں کاتب کی اس غلطی سے
ہوئیں کہ اس نے عطف کا واؤ سرخ نہیں لکھا اور یہ غلطی تو کیا کاتب حضرات تو اتنی خطرناک غلطیاں کرتے ہیں کہ
خدا کی پناہ! اور ہر لغزش سے اللہ تعالیٰ ہی بچائے والا ہے،

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں، اثنا عشریہ کے علماء و مصنفین میں یہ حضرات
مزید ہیں، عبید اللہ بن علی علی، علی بن مہران یا راہوازی، سالار علی بن ابراہیم قمی، ابن براج ابن زہرہ اور
ابن ادریس ہیں،

یہ ابن ادریس وہی ہے جس کے فرضی اشعار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیئے گئے
ہیں جیسا کہ اب دوم میں گزرا ہے، دراصل یہ جرات کنیت کی کیسانی کے سبب مل آئی ورنہ یہ تو اپنے خیال میں
کذب صریح سے بچا ہے،

نیز ان کے علماء و مصنفین میں یہ بھی شمار ہوتے ہیں، حسن کیدری، معین الدین مصری، ابن جنید، حمزہ ابو الصلاح ابن مشرعر، الواسطی، ابن عقیل، عصابی، کشی، نجاشی، ملا حیدر، املی، برقی، محمد بن جریر طبری، املی، ابن ہشام، دیلمی، رجب بن رجب بن محمد البرسی، املی ابن شہر آشوب، سردی، مازندانی، منتخب دین، ابو الحسن علی بن عبید اللہ جو علی بن حسین بن بابویہ قمی کا پانچ واسطوں سے پوتا ہے طبری، محمد بن احمد بن یحییٰ بن عمران اشعری، صاحب نوادر الحکمت، شیخ مفقوت، محمد بن مکی، سعدی بن عبد اللہ، کتاب الرحمہ کا مصنف محمد بن حسن بن ولید شیخ ابن بابویہ احمد بن محمد میثم بن میثم البحرانی، عبد الواحد بن صبیح نوانی، ابو یحییٰ الوزان ابن راوندی، مسی، ابو عبد اللہ محمد بن عثمان ملقب شیخ مفید، عبید بابا ابن العلم سید مرتضیٰ، سید ابن ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، کا لقب شیخ الطائفہ ہے اور اس کے نواسے علی بن موسیٰ بن طاووس اور احمد بن طاووس، جمال الدین ابو علی بن حسن بن یوسف بن مظہر علی سے مشہور ہے اس کا بیٹا فخر الدین محمد بن علی کا لقب ہے نصیر الدین بن محمد طوسی جو خواجہ نصیر سے مشہور ہے، ابو القاسم نجم الدین بن سعید صاحب خزائن اس کا لقب محقق ہے، نقی الدین بن داؤد سدید الدین محمود گھمٹی رحمی الدین بن طاووس، جمال الدین بن طاووس اس کا بیٹا غیاث الدین مقداد علی بن عبد العالی اس کا دادا دامیر باقر زین الدین مقتول، اس کا شاگرد بہاؤ الدین محمد عاملی تیس تریذین، شارح عد، نقی مجلسی، شاہ ح من لا یحضرنہ الفقہاء اور اس کا بیٹا ابن مجلسی، صاحب بحار الانوار،

یہ گویا اس فرقے کے مصنفین کی آخری کڑی ہے اور ان کے مذہب معتقد علیہ کہ روایات سابقہ میں سے یہ جو روایت کو اپنے امتحان کی کسوٹی پر کس کے کھار تباد سے تو وہ ان کے نزدیک وحی منزل من اللہ ہے بلکہ بالفعل اگر ان کے مذہب کی نسبت باقر مجلسی کی طرف کریں، ان کے سابقین کی طرف تو زیادہ اور بجا ہے۔ مذکورہ بالا کے علاوہ ان کے اور بھی علماء ہیں، جنہوں نے علوم دینیہ میں زیادہ لب کشائی نہیں کی۔ جیسے صدر الدین شیرازی، آخون حسین غرائب بازی اور حبیب اللہ مشہدی، ابو القاسم قنذری، استاد ملا محمود جو نپوری شمس بازقہ کا مصنف ان میں سے بعض نے مذہب و کلام میں البتہ دخل دیا ہے اور اس فرقہ کے عوام کے نزدیک درجہ اعتبار تک پہنچے مثلاً قاضی نور اللہ ثوستری، ملا عبد اللہ مشہدی، صاحب اظہار الحق اور ملا رفیع واعظ ابواب الجنۃ کا مصنف،

اب ان کے علماء کی تعداد کے شمار کے بعد یہ مناسب بھی ہے اور ضروری بھی کہ ہم ان کی معتبر کتابوں سے بھی روشناس کریں۔

کیونکہ ان علماء کا جو علم بھی ہے وہ ان ہی کتابوں میں تو منضبط اور درست ہے اور ان سے روایت یا نقل ان کتابوں کی طرف رجوع کئے بغیر ممکن نہیں، ان میں سلیم بن قیس ہلالی وہ پہلا شخص ہے جس نے ان کے اخبار میں کتاب تصنیف کی اور شیعوں کے تمام فرقوں نے اسے معتبر سمجھا ہے اور اب بھی اسے نایاب اور قیمتی چیز سمجھتے ہیں، اور گراں گے گراں ترقیمت پر بھی بڑے شوق سے خرید لیتے ہیں،

سبائے کی کوئی معقول کتاب نہیں ہے مگر ان کے جو قرون کا جمع کردہ بہت قلیل سا ذخیرہ جس میں امیر المؤمنین کی کچھ تعریف آپ کی علامات الوہیت آپ کے خوارق عادت افعال اور کچھ بیان اس بارے میں کہ آپ شہید نہیں

ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں، اور اب پھر زندہ فرمائیں گے،
 حلوقیہ کے پاس کچھ تصنیفی ذخیرہ ہے جس کا ماحصل اور کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے بعض روح کی
 شکل میں تھا، پھر قالب آدم میں داخل ہوا جس کی طرف ان کے خیال میں نزول تھا، وہی سے اشارہ ملتا
 ہے، پھر صدی بعد صدی اور پشت در پشت انبیاء کے اجسام میں حلول کرتا ہوا اور منتقل ہوتا ہوا جناب امیر اور
 ان کی ذریعات تک پہنچا۔

کیسا نیم اسکے ہاں بھی دلیلیات کے سوا کوئی قابل ذکر علمی کتاب نہیں مثلاً عربی الحنفیہ کا کچھ فروعی حال ان کے
 خوارق عادات ان کی کرامات، دیروں اور پرلوں سے ان کی نبرد آزمائی اور ان کا جزوں کو سحر و تالیع کر لینا جس طرح
 داستان امیر حمزہ جو عام افسانہ گروں اور قصہ خوانوں کی زبان ہے اسی ضمن میں کچھ نصوص امیر المؤمنین سے ان کی اور
 ان کی اولاد کی خلافت کے بارے میں ملے آئے ہیں،

فریدیہ ۱۔ ابتداء ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی، اصولوں میں معتزلہ کی خوشہ چینی کہتے اور فروع میں حنفیہ
 کی۔ محدودے چند روایات ان کے آئندہ سے سینہ بسینہ چلی آتی تھیں جو ان دونوں کے خلاف تھی بعد میں ان کے
 علمائے مسائل فقہیہ میں اجتہاد کا سلسلہ شروع کیا اور اکثر مسائل میں حنفیہ سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے اختیاری
 مسائل کو جمع کیا اور یوں تصنیف کا سلسلہ شروع ہو گیا اس کے بعد اصول و فروع میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں فروع
 کی کتابوں میں ان کے ہاں کتاب الاحکام ہے جو بلادین و حجاز میں شرفا کے ہاں ملتی ہے۔ اصول میں عقیدہ الالیاس
 ہے جو بہت مدلل اور ابواب و فصول پر مرتب ہے اس کے دو میں شیخ ابراہیم کردی مدنی نے قرآن کے نام سے
 بہت ضخیم شرح لکھی ہے حدیث و اخبار میں بھی ان کے پاس کچھ ذخیرہ ہے،

اسما علییہ۔ ان کے ہاں دولت عبیدیہ سے پیشتر سوائے کتاب البیان کے جس کا ذکر باب اول میں ہوا
 اور کوئی کتاب نہ تھی البتہ مہدی کے خروج کے بعد جب اس کا اور اس کی اولاد کا مصر و دیار مغرب میں تسلط و اقتدار
 قائم ہو گیا بہت سی تصانیف معروض وجود میں آئیں ان میں سب سے اچھا مصنف نعمان بن محمد مصری قاضی ہے ان
 کی کتب میں سے چند کتابیں یہ ہیں، کتاب اصول المذاہب کتاب الاخبار فی الفقہ کتاب الرد علی المالکیہ اس میں امام
 ابو حنیفہ امام شافعی امام مالک اور ابن شریح (جہم اللہ) چاروں فقہوں پر رد لکھا ہے کتاب اختلاف الفقہاء اس کتاب
 میں اپنے خیال کے مطابق مذہب اہل بیت کی بہت تائید لکھی ہے کتاب الانتصار فی الفقہ اس میں بھی اس قسم کا مقرون
 ہے کتاب المناقب والمثالب، اور کتاب الابداء العویۃ العبیہ لیکن جب ان کی حکومت و اقتدار کا شیرازہ منتشر ہوا
 اور تسلط مہم جو اتراں کی کتابیں بھی صفحہ ہمتی سے نابود ہو گئیں البتہ خال خال بلاد عدن و یمن میں جہاں ان کے مذہب
 کے کچھ لوگ رہتے ہیں ان کے پاس ملتی ہیں،

اہل سنت بھی ان کے مذہب کے بعض اصولی یا فروعی مسائل ان کی معتبر کتابوں سے اپنی تصانیف میں نقل کرتے
 ہیں بطور نمونہ ان مسائل میں سے کچھ کا تذکرہ ہم بھی یہاں بیان کرتے ہیں تاکہ ان کے طرز کلام کا کچھ بہتر لگایا جاسکے
 مثلاً کہتے ہیں، یَجِبُ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ مَخْصُومًا مِّنَ الْمَخَاصِي عِنْدَ الْوَلَدِ بَيْتَ لَا يُلْهَاهُ وَفَالْجَسَدُ قَبْلَهُ رِيشًا
 ولایت سے پہلے یہ ضروری ہے کہ امام گناہوں سے پاک ہو اور ولایت سے قبل یہ ضروری نہیں مگر بعض کہتے

ہیں کہ ولایت سے پہلے بھی ضروری ہے، اور کہتے ہیں اِنْ نَعَى الْاِمَامُ عَلٰی غَيْبِیْ ثُمَّ عَلٰی نَفْسِنَا فَالْاَمَانَةُ نَا سَمْعًا
لِلنَّفْسِ لَعْنَةُ الْمُفْضِلِ وَكَفَى وَالْقَدْ مَاءٌ وَقَالَتْ اَلَنْتَرَاہِ یَا یَا یَسْمَعُ بِالْاَذْنِ وَیَلْکُنِیْ الْاِثْنَانِ اِذَا اَمَامٌ نَعَى کَوْنِ فِرْمَانِ ہَارِی
کیا اور پھر اس کے خلاف کوئی حکم صادر کیا تو دوسرا حکم پہلے حکم کے لئے ناسخ ہو گا مہدویوں اور قدار کے نزدیک اور نزاری
کہتے ہیں کہ پہلے حکم پر عمل کیا جائے گا اور دوسرا حکم لغو سمجھا جائے گا

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب امام کوئی حکم صادر کرے تو مسلمان مرد و عورت پر اس کی تعمیل واجب و لازم ہوتی
ہے چاہے وہ حکم ان کی مرضی کے خلاف ہو کیوں نہ ہو پس اگر امام کسی عورت کو کسی بہہ زور پر مرد کے ساتھ نکاح کرنے
کے لئے نامزد کرے تو دونوں پر عقیدہ لازم ہو گیا اس کو توڑا نہیں جاسکتا چاہے عورت اسے ناپسند کرے یہی حکم دوسرے
معاملات میں و اجارہ وغیرہ کا ہے

فقیر ہمارے بیٹے نے جو مشہور شاعر تھا کہا ہے کہ سیدہ بنت احمد بن جعفر بن احمد علیہ علیہ حسن و جمال من ادب
حسن اطلاق اور نزاکت و طراقت میں شہرہ آفاق اور یکتا نے روزگار تھی اہل یمن اس کو بلقیس الاسلام کہتے تھے اس
کا شوہر شاہ یمن محرم صلیبی تھا شہر ذی حیلہ میں دارالغزاسی کا بنوایا ہوا تھا۔ اس کی وفات کے بعد بخت و اتفاق
سے سبا ابن احمد بن مظفر صلیبی یمن کا حاکم بن گیا۔ ملک پر اقتدار و تسلط کے ساتھ اس کی خواہش ہوئی کہ سیدہ
پر بھی تسلط حاصل کر لے مگر باوجود صاحب اقتدار و عروج کے سیدہ کی طرف سے یہم انکار ہوتا رہا اور معاملہ
نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ دونوں فریق آمادہ پیکار ہو گئے اور جنگ کی دونوں طرف سے تیاریاں ہونے لگیں
سیاہ کے معاصروں نے اس کو مشورہ دیا کہ لڑائی میں خطرہ نظر آتا ہے کہیں یہ اقتدار ہی ہا قبو سے نہ جانا رہے حصول
مقصد کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مستنصر عبیدی کو جو والی مصر تھا اور اہل یمن اس کی دعوت پر قائم تھے خط لکھو

چنانچہ بات اس کی سمجھ میں آگئی، اپنے آدمیوں میں سے دو مقتدا اثناس کو مناسب پیشکش کے ساتھ مصر
روانہ کیا اور سارا قلعہ اسے لکھ بھیجا، مستنصر نے اپنا ایک متمدن خواجہ سرا اور دو آدمی بطور ایچی بھیج دیے خواجہ سرا
نے یمن پہنچ کر روضاء اور امر اکو جمع کیا اور سب کو سیدہ کے گھر لے گیا ان کو دروازہ پر کھڑا کر کے خود سیدہ کے پاس
گیا اور کہا کہ امیر المؤمنین مستنصر نے تم کو امیر الامراء ابو حمیرہ سابق احمد بن مظفر کے عقد میں ایک لاکھ دینار نقد اور
اور بصورت نذر و تحائف دہا یا قیمتی پچاس ہزار دینار کے عوض دیے پاس ہے اور امیر المؤمنین نے یہ بھی کہا ہے یہاں
قرآنی آیت پڑھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لئے یہ عزادار نہیں ہے کہ جب اللہ اور
اس کا رسول کسی بات کا حکم دیں تو ان کو اس بات میں کوئی اعتراض باقی رہے اور جس نے اللہ اور رسول کی مخالفت کی
وہ مرتد گمراہی میں مبتلا ہو گیا

سیدہ نے اپنے مذہب و عقیدہ کی پاسداری میں اسے قبول تو کر لیا مگر دونوں کی بھی نہیں اور غشیں پیدا
ہو گئیں جس کی تفصیل ناریوں میں موجود دو مذکور ہے۔

ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مومن علیہ السلام کی طرح ہر کلام ہونا چاہیے چنانچہ
حاکم عبیدی اس بات کا مدعی تھا اور کوہ طور پر اکثر جانا رہتا تھا نیز کہتے ہیں اور اثنا عشریہ کا یہ قول ہے کہ امام
کے لئے غیب و ازل لازم ہے،

قُلْتُ لَكَ عِدَّةٌ اَمْ لَا مِثْلُ ۝ اَمْ بَعْدُ اَمْ بَعْدُ ۝ اَمْ بَعْدُ ۝

(میں نے اس سے کہا ان کے بڑوں کی تعداد کیا ہے (تو کہا) چار چار چار)

تو یہاں بارہ کی تعداد مراد ہے اور یہاں حرفِ عطف واؤ درمیان سے گزرا یا ہے)

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اہلِ لغت اس طرح کے معنی مراد لینے کو غلط کہتے ہیں دوسرے اسمائیلہ مذہب

کے شہوت میں کسی اشاعرِ شاعر کا کلام پیش کرنا پھر کا بھائی گرہ کٹ کے عاودہ کے پیش کرے جسے غلط ہے،

اس کے علاوہ بھی اس کا کلام سند میں پیش نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ مولدین میں سے ہے اور عربی میں

سنداً جاہلین اور محضین کے کلام کے سوا کسی اور کا کلام پیش نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ وہ قبول کیا جاسکتا ہے

اور یہ باعثِ اپنے مقام اور موقع پر طے شدہ ہے)

اور پھر یہ بھی ہے کہ شاعر ضرورتِ شعری کی بنا پر خلافِ قاعدہ باتیں بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ جو نثر میں

بالکل کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

ان سب باتوں سے قطع نظر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس شاعر کے پورے کلام کی بنیاد تفسیر پر ہے جیسا

کہ اسی شعر کے ساتھ کے دوسرے اشعار کے الفاظ میں بھی السنتۃ یا فی میتہ ابنکۃ اسپر دالت کرتے ہیں

اس شعر میں شاعر ان الفاظ کو اس ڈھب اور طریقے پر لایا ہے کہ لغت کے اعتبار سے اہل سنت کے مذہب

کے موافق ظاہر ہوں اور مفاہم اربعہ کی طرف اشارہ سمجھا جائے تو اس طرح تو اس کے کلام میں بھی اس حد کی تکلیف

صرف تاکید کو ظاہر کرتی ہے نہ صحیح کو

شرح کے خلاف یہ اس وجہ سے ہے کہ اگر معنی مذکور بد نظر ہوں تو یہ لازم آتا ہے کہ آیت مذکور میں جو اعداد بیان

ہوئے ہیں، ان سے کم کی تعداد میں نکاح جائز نہ ہو کیونکہ مثنیٰ مع اپنے معطوفات کے حال سے اور مال، باجماع اہل

عرب اپنے عامل کی قید ہوتا ہے جیسے اثنان یا ثلثہ اکیس میں راکبا حال بھی ہے اور قید بھی کہ بغیر حالت رکوب

کے مارنا جائز نہیں اور جب واؤ کو جمع و ترتیب کے معنی میں لیں، شرکت فی الحکم کے معنی میں لیں تو لا محالہ حدت

نکاح ان اعداد کی جمع و ترتیب کے ساتھ مقید ہوگی، حالانکہ یہ صورت بالا جماع باطل ہے،

پھر اگر اسی آیت میں یہی معنی مراد ہوں تو اس سے ایک اور بات لازم آئی گی کہ پھر ہر فرشتے کے اٹھارہ

اٹھارہ بازو ہوں، کیونکہ قرآن مجید میں ان کے لئے بعینہ یہی الفاظ آئے،

جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُفُلًا اُولٰٓئِکَ اَجْمَعُوۡا مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَتِلْکَ اُولٰٓئِکَ

ربانے والا فرشتوں کو رسول دو دو تین تین، چار چار بازو والے)

کیونکہ یہاں ملائم لفظ جمع لایا گیا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جمع پر ال داخل ہو تو اس کے سارے ہی افراد

مراد ہوتے ہیں،

عقل کے خلاف اس طور پر کہ اگر یہی معنی مراد ہوتے تو یوں کہنا چاہیے نھا۔ مَا طَابَ لَکُمۡ مِنَ النَّسَاءِ

ثَمَانِیۡۃٌ عَشَرَ عَوْرَتُوۡنَ مِّنۡ سِوَاۡ مَا کَانَ لَکُمۡ مِّنۡ ہُنۡدٍ ۚ

ایک ظاہر المعنی اور نسبتاً مختصر لفظ کو چھوڑ کر غیر ظاہر اور دراز لفظ کو لانا ایسی بات ہے جو حکمِ فہول کو

بھی خذرا، مشہور پر مائل کرتی ہے اور پھر ایسی رکیک حرکت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا کہ اس نے اپنے اس کتاب میں جو لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمائی ہے، ایسی ہدایت درج فرمائی۔

اور پھر اگر کسی مجلس میں کسی اٹھارہ سالہ نوجوان سے اس کی ضروریات کی جائے اور وہ جواب اسی طرح دے دے تو ہمیں، تین، چار، چار کہہ کر دے تو پھر مجلس میں جو اس کا مذاق اڑے گا اسے کون نہیں جانتا، بعض اسماعیلی نو عمر نون تک نکاح جائز سمجھتے ہیں $2 + 3 + 4 = 9$ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس آیت میں عطف کے معنی ملحوظ نہیں ہیں، یہ گویا عطف اور جمع میں تمیز نہیں کرتے،

اسماعیلی فرقہ میں باطنیہ کی کتابیں کثرت سے ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب البیان ہے جو غیث کی لکھی ہوئی ہے، جس کا ذکر پہلے گزر چکا۔ اور کتاب تادیل الانجار اور کتاب التاویلات بھی ان کی کتابیں ہیں جو ناصر خسرو کی طرف منسوب ہیں۔

گزارہ میرا۔ ان کے ہاں بھی بہت سی کتب معروف ہیں، جن کے مصنف ابن صباح اور نعیر الدین طوسی صاحب تجربہ ہیں۔ طوسی اگرچہ خود اثنا عشری ہے مگر بعض سلاطین کی فرمائش پر نزاری مذہب کے لئے اس نے کتابیں لکھی ہیں،

سلطان جلال الدین جس نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے توبہ کر لی تھی اس نے ان کے کتب خانوں کو نذر آتش کر دیا تھا، یونان کی کتابیں ضائع ہو گئیں اور چنگیزی فتنہ کے وقت قرآن کے فرقے ہی باقی نہ رہے کتابیں تو کی بچتیں ان کا نام و نشان بھی نہ رہا،

البتہ امامیہ کے جن ابن الوقتوں نے چنگیزی دربار سے تعلق استوار کر کے آمدورفت کی راہ نکال لی تھی وہ خوب پھلے پھولے، ان کے مذہب نے بھی خاصا عروج پایا،

امامیہ۔ اب ہم فرقہ امامیہ کی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے مختلف علوم و فنون مثلاً علم کلام، تفسیر حدیث، اصول فقہ اور فروع فقہ میں تصنیف کیں اور بکثرت لکھیں۔ مذہب و کلام ہشام بن حکم کی کتابیں ہیں جو علم کلام پر پہلا مصنف شمار ہوتا ہے اس کے علاوہ ہشام بن سالم محمد بن نوحان صیرق الطاق ابن جہم طالی ابوالاخض علی بن منصور حسین بن سعید فسن بن شادان قسری کی تصانیف بھی ہیں فضل قمی کی ایک کتاب القام بہت مشہور ہے تقلد اعتبار بھی سمجھی جاتی ہے،

ابوعلی الوذان، ابن راوندی کی کتابیں اور سیحی کی کتاب الیاقوت اور محمود بن مغار کی کتابیں مثلاً الدرجات وغیرہ اسی طرح علی بن مظاہر واسطی کی کتاب اور علی بن بابویہ کی کتاب التوحید اور محمد بن علی بن بابویہ کی کتاب التوحید اور اعتقالات جو اعتقادات صدق کے نام سے مشہور ہے اور حسین بن علی بن بابویہ کی بھی کتاب التوحید کے نام سے تصنیف اسمک امامت میں مرتضیٰ کی کتاب الشافی اور بن محمد بن جریر طبری کی کتاب المسترشدین طوسی کی کتاب تجرید العقائد اور اس کی شرح اور ابن مطر علی کی کتاب الایضین، نیج البیان، منہج الکرامہ اور باب حادی عشر مقداد کی شرح باب حادی عشر قواعد معظم اربعین، اور اس کی شرح نیج الراہین اور اس کی شرح نیج المسترشدین اور اس کی شرح واجب الاعتقاد اور اس کی شرح کتاب میثم بن میثم السجستانی اور تفریم وغیرہ وغیرہ۔

ان کی کتب تفسیر میں ایک تفسیر وہ ہے جس کو یہ حضرت امام حسن عسکریؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کی روایات ابن بابویہ نے بھی اپنی سند سے کی ہے اور دوسروں نے بھی اپنی اسناد سے قدرت کی بیعتی کے ساتھ روایت کی ہے۔

اہل سنت نے بھی امام مذکور اور دیگر ائمہ سے تفسیری روایات لی ہیں، جس کی تفصیل درجہ ثلث میں مذکور ہے اسی طرح تفسیر شاہی میں بھی اس کا پورا ذخیرہ ہے۔
اہل تشیعہ حضرت نے ائمہ سے جو تفسیری روایات بیان کی ہیں اہل سنت کی روایات کے ساتھ بالکل سلی نہیں کھاتیں۔

مشہور ابن ابراہیم کی تفسیر مجتبیٰ البیان، محمد بن حسن طوسی کی تفسیر البیان، تفسیر النعمان، تفسیر البیاض حیدر امالیٰ کی المیزان الاکمل فی تفسیر القرآن المکرم، مقدار کی تفسیر کفر العزائم فی احکام القرآن اور کسی اور کی تفسیر الاحکام۔
اب رہیں ان کی کتب حدیث، اخبار، تواریخ، کتبہ، اور اس کے پیچ جھوٹ کی پوری فہم داری انہیں پر ہے کہ ہر سو مصنفین کے پیار سے لکھے تھے، جن کو اصول کہا جاتا تھا، رفتہ رفتہ وہ سب نسخے ضائع ہو گئے، پھر ایک جماعت نے ان نسخوں کا خلاصہ تیار کیا اور ان سے چند نسخے تیار کئے ان میں سے:

محمد بن یعقوب کلینی کی کافی۔ ابی جعفر محمد بن حسن طوسی کی تہذیب، الاستبصار،

محمد بن علی بن بابویہ قمی و جوان کے ہاں صدوق مشہور ہے، کی من لا یحضرہ الفقیہ، دلیلیں کی معتبر سرائر اور ارشاد القلوب، علی بن جعفر کی قرب الاسناد، کتاب المسائل،

حسن قمی کی نوادر برد نظمی کی جامع برقی کی کتاب المسائل اور ابن بابویہ کی کتاب العلل ابن شہر آشوب سوی مازنی کی دعاء الاسلام و کشف المصالح والامار المہیوف، کتاب العیاشی، فلاح السائل اور کتاب المناقب ابن معلم کی الارشاد معانی الاخبار، المحاسن ابی علی بن ابی جعفر طوسی کی کتاب الترویج، کتاب المجالس، ابن فہم کی مدد الدوامی ابن طاووس کی کتاب الطرف ابن بابویہ کی کتاب المجالس، الفقیہ اور المجالس ابن مطهر علی کی الاستبصار۔ ابن عیاش کی کتاب اثنا عشر فی ایلة القدر۔ برقی کی کتاب الخصائص۔ سعد بن عبد اللہ کی کتاب البعائر۔ دلیلیں کی اعلام الدین۔ وادندی کی مجمع البیان، البصائر الصغار، الجامع کتاب النوادر، منفی الجہان، کتاب الجراح والحوائج ابی جعفر طوسی کی کتاب المحاسن معانی الاخبار۔ ابن بابویہ کی نوادر الحکمة کتاب الترویج، ثواب الاعمال والفضائل، کتاب المعراج اور عیون اخبار الرضا، طوسی کی جامع الاخبار والحلائف اور معراج اور ابن شریف واسطی کی الکمال الدین والنیون عقاب الاعمال والامانی الہدی علی الشرائع والاحکام، احتجاج شائق، انوار الباقین فی کشف اسرار امیر المؤمنین اور کتاب اللباب۔

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اصول حدیث میں اس فرقہ کے ہاں کوئی کتاب نہیں تھی، نہ ان کے ہاں اس کے اصول و قواعد منضبط تھے نہ یہ روایات کو کسی کسویں پر پرکھتے تھے غرض اس معاملہ میں بہت غفلت سستی اور لاپرواہی ان کا شعار ان کے اگلوں نے اپنے اسلاف کی کتابوں میں جو کچھ لکھا پایا بغیر جانچے پرکھے اس کو قبول کر لیا یہ انہوں نے کیا اور یہ سمجھ لیا کہ ان کے دلائل ان اخبار و احادیث میں وہم خطا، نسیان اور کذب کا ننگ محال ہے اس سے

جب ان اختلاف نے اپنے ہاں کی روایات میں اختلاف بلکہ تناقض کو دکھا اور اس کی ضرورت کو محسوس کیا تو اہل سنت کے اصول حدیث کو لے کر اور حسبِ منشا ان میں کچھ کمی بیشی کر کے چند ایسے قواعد بنا ڈالے جو ان کے اصول و وضع سے نہ ٹکرائیں، اور ان سے چند کتب مرتب کر لیں، ان میں سے ایک کتاب ترمذی فی علم الہدایہ ہے اور ایک اس کی طرح، اور دوسری تحفۃ القاصدین فی معرفۃ اصطلاح المحدثین اسی طرح ان کے اسلاف کے پاس فنِ جرح و تعدیل میں بھی کوئی کتاب نہ تھی اس فن میں ان کے ہاں پہلی کتاب کبھی ہے مگر بہت مختصر،

اس کے بعد ابو جعفر طوسی جالی الدین بن طاووس کی حضابری اور غاشی ہیں علامہ علی کی کتاب الخلاء اور ایضاً ہیں اور حسن بن وادو کی کتاب نفعی الدین اس فن میں یہ کتاب بہت مفصل ہے اصول فقہ میں ان کے ہاں مشہور معتد اور مدہ اور ان دونوں کی شرحیں ہیں پھر علامہ علی کی مبادی اور اس کی شرح مقداد کی قواعد شیخ مقبول اور اس کی شرح زبدۃ الاصول اور اس کی شرح عراق و خراسان میں اس کی بہترین شرح مازنی کی مانی جاتی ہے اور ہندوستان میں مولوی احمد اللہ سندیلوی کی جو انہوں نے صفر جنگ ابوالمفسرہ خال کے ہاں تقریباً حاصل کرنے کی غرض سے لکھی تھی،

فقہ میں ان کی سب سے پہلی کتاب فقہ الرضا ہے، پھر ابنِ مطہر علی کی قرب المسائل، بسوط اسناد شتہ الطب، تحریر تذکرۃ الفقہاء ابن بابویہ کی مقنعہ محبت علی بن ابراہیم کی، مقنعہ معتبر مکارم الاخلاق اور کتاب العلل۔ کرکچی کی کنز الفوائد ابن بابویہ کی کتاب الافعال مدینۃ العلم اور مجلس کتبی کی فلاح السائل اور جنتہ الامان ابن جنید کی لمعۃ اس کی شرح ایضاً خلاف تحریر ارشاد نافع اس کی شرح، نہایا، قواعد معیاج اور مختصر ابن فہد کی، فتاویٰ محقق اور مہذب۔ ابن بابویہ کی ایضاً القواعد المتہجی شرائع اور اس کی شرحیں مدارک اور مسالک اور ان کے علاوہ غلامہ مختلف معالم اور مجالس، شیخ مقبول کی دروس ذکر بی اور بیان باقر مجلسی کی بخار الانوار،

وہ کتابیں جو ابن بابویہ نے اپنے اساتذہ کے حالات میں لکھیں یا غاشی نے اپنے رجال کی سیرت پر لکھیں ان سب کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں، البتہ جن کتابوں کا ذکر اوپر آیا ہے بلا دایران میں رائج اور مستعمل ہیں اور ان کے اکثر نسخے یہاں بھی مل جاتے ہیں، یعنی ہندوستان برنالہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (فائدہ) واقع رہے کہ ان کے تمام علوم مثلاً کلام، عقائد اور تفسیر ان سب کی بناءً احادیث پر ہے اور دار و مدار محدثین پر، اور باجماع اشاعتیہ احادیث کا پورا ذخیرہ چار کتابوں پر تقسیم ہے جن کو یہ اپنے ہاں کی اصح الکتاب کہتے ہیں اور جو اصول اربعہ کے نام سے مشہور ہیں، کافی جو کچھ کر کے مشہور ہے۔ من لایحضرہ الفقیہ تہذیب، اور استبصار،

ان چاروں کتابوں پر عمل کرنے کو انہوں نے مراحت کے ساتھ واجب و لازم قرار دیا ہے، یہ بھی انہوں نے صاف صاف کہا ہے کہ امامی کی روایت پر بشرطیکہ وہ محدثین کی روایت سے نہ ٹکرائے عمل واجب ہے چنانچہ ابو جعفر طوسی شریف مرتضیٰ اور فخر الدین ملتق بہ تحقیق علی نے ان دونوں باتوں کو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں لکھا

ہے اس لئے ان دونوں قاعدوں کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کیونکہ آئندہ بحثوں میں یہ بہت سی جگہ کام آئیں گے،

ان چاروں کتابوں میں باہم ایک دوسرے کے مراتب و درجات فضیلت میں علمائے اشاعریہ کا اختلاف ہے بعض کتاب کو سب سے بلند درجہ سمجھتے ہیں تو بعض دوسرے من لایحضرہ الفقیہ کو، اور ان کے اختلاف نے جو اسلاف کے کلام کو پرکھنے میں زیادہ دسترس رکھتے ہیں ہر دو فریق بالا میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اصول میں احسن کتب کافی انکیینی تہذیب اور استبصار ہیں، اور کتاب من لایحضرہ الفقیہ حسن ہے احسن نہیں ہے،

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان حضرات کے مذہب کا پورا پورا مدار و قرار ان چار کتابوں پر ہی ہے اصول فقہ فقہی مسائل اور امامت کے مباحث سب کے سب انہیں کتابوں سے لیتے اور ان کا جو رجوع کرتے ہیں،

اب ہم ذرا ان کے اخبار کی اسناد پر ایک تحقیقی نظر ڈال لیں اس میں تو شک نہیں کہ ان میں بہہ رنگ راوی ملتے ہیں جسہ معصرہ مثل ہشام بن ادریس اور صاحب الطاق جیسے راوی بھی ان میں ملتے ہیں جو دل میں اللہ تعالیٰ کو جا بڑھ جانتے ہیں، جیسے زرارہ بن اعین، اخولین سلیمان جعفری محمد بن اسلم اور ان کے ملود ایسے بھی بد عقیدہ ان میں موجود ہیں، جو کسی بھی امام کو نہیں مانتے، یا امام وقت کو نہیں مانتے جیسے نبی فعال، ابن مہران اولہ ابن بکیر اور ان جیسے دوسرے روایات گھڑنے والے جن کے متعلق خود فقہیوں کو اقرار ہے کہ ان کا یہی پیشہ ہے مثلاً جعفر فرادی، ابن عیاش اور بعض ایسے ہیں جو ان کے خود کے نزدیک جھوٹے غلط گو ہیں مثل محمد بن یحییٰ کے بعض ایسے جو کمزور اور نامعلوم الحال ہیں جیسے ابن عمار ابن مکان ابن سکر اور دیدیما اور کچھ ایسے جو نا تحقیق الحال ہیں جیسے نفیسی تمام خدرا بن فرقد اور ان کے مثل پھر ان کی سندوں کی آخری کڑی ایسے لوگ ہیں، جو گناہ کے مرتکب ہی نہیں امامت کے غیب و غضب کا شکار بھی ہیں، جیسے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر یا سبط محبتی امام حسن رضی اللہ عنہ کے فرجی، یا سبط شہید حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دغا دینے اور ان کے ساتھ بے وفائی کرنے والے چنانچہ کتاب کلینی ابن عیاش کی روایات سے بھری پڑی ہے اور یہ ابن عیاش دی ہے جس کے متعلق سب کا یہ متفقہ فیصلہ ہے، کہ وہ جھوٹا اور روایتوں کو گھڑنے والا ہے،

اسی طرح ابو جعفر طوسی ایسے راویوں سے روایت لاتا ہے جن کا دعویٰ ہے کہ وہ براہ راست امام عالی مقام سے روایت کرتے اور انہیں امام کی صحبت بھی نصیب ہے، مگر امام کے دوسرے دوستوں نے نہایت شد و دسے ان کی تکذیب کی ہے اور کہا ہے کہ ان کو کبھی بھی امام کی صحبت نصیب نہیں ہوئی، اور نہ ہی ملاقات اچھے ابن مکی جو براہ راست امام صادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے کا دعویٰ ہے مگر امام کے دوسرے دوست اس کو جھٹلاتے ہیں،

اسی طرح ابو جعفر طوسی ابن مسلم سے بھی روایت کرتا ہے اور وہ ابن بابویہ صاحب رقمہ مذکورہ سے، اور حیرت تو خریف مرتضیٰ پر ہے، کہ پڑھا لکھا اور عقلمند ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کر بیٹھا کہ مجھے امامت تمام اہل بیت و جہ تو اتر تک پہنچ چکی ہیں، حالانکہ خود ان کے علمائے تمام کتابوں میں کھلے الفاظ میں کہا ہے کہ سوائے حدیث من کذب علی متعمداً فلیکنوا مفعلاً من النار جسے قصداً مجھ سے جھوٹ غسوب کیا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں

بنائے، کوئی حدیث متواتر نہیں!

شیخ مقبول نے بھی اس کی تصریح کی ہے، بلکہ اگر کوئی انکی کتابوں کی چھان بین کرے تو اس پر یہ راز بھی کھلے گا کہ ان کی احادیث میں سے کوئی بھی حدیث حد قراتر کو نہیں پہنچی، بلکہ احادیث کے درجہ ہی سے آگے نہیں بڑھی اگر کوئی حدیث کسی جماعت سے لائی بھی گئی ہے تو اس حدیث کے راوی نہ الفاظ و حدیث میں متفق ہوتے ہیں نہ قریب قریب ہی پہنچتے ہیں، بلکہ پورا اختلاف موجود ہوتا ہے، اور وہ اختلاف واضعاً بھی اس درجہ کا ہوتا ہے کہ ان میں باہم تطبیق و موافقت دینا دشوار ہو جاتا ہے اور جب راویوں کی کثرت اس رنگ و ڈھنگ کی ہو کہ ایک ہی واقعہ میں ہر راوی دوسرے سے مختلف الہیان ہو تو یہ بات حدیث کو درجہ صحت ہی سے گرا دیتی ہے، درجہ شہرت اور حد قراتر تک پہنچنے کا کیا سوال! پھر اس اختلاف و اضطراب کے ساتھ ساتھ ان کی سندوں کا سلسلہ ایسے لوگوں پر جا کر ختم ہوتا ہے جن پر یہ خود بھیبت کی تہمت لگاتے ہیں،

ایک دوسری صورت انجیز بات یہ ہے کہ ان کے ثقہ حضرات کی ایک جماعت ایک حدیث روایت کرتی اور اسے صحیح قرار دیتی ہے پھر اسی جماعت کے کم مرتبہ ایک اور جماعت اسی حدیث کو موضوع اور گھڑی ہوئی بتاتی ہے اور اسی سب روایات ان کی کتب صحاح میں موجود ہیں مثلاً ابن بابویہ نے ان احادیث کو موضوع بتایا ہے جو تحریف قرآن اور اسقاط آیات کے سلسلہ میں وارد ہیں یہی روایات کافی کھینی میں اس کے گمان کے مطابق صحیح سندوں سے لائی گئی ہیں اسی طرح ابن مطہر حل نے خبر لیلة التفریس اور ضروی الیدین کے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے جو کافی کھینی میں موجود ہیں اور شریف مرتضیٰ نے بڑے ذور دار الفاظ میں خبر یشاق کو جو اس کے استاذ الاستاذ ابن ابویہ اور محسن حسن صفار کی روایت ہے موضوع قرار دیا ہے حالانکہ ان کے خیال میں ان میں سے ہر ایک کی سند صحیح ہے،

اب جب سلسلہ کلام روایات و احادیث کے حال تک آ پہنچا ہے کہ جن پر درحقیقت ان کے مذہب کا دار و مدار ہے اور وہ اپنے اوپر وارد شدہ تمام الزامات کو ان اخبار کے ذریعے ٹالتے ہیں، اور اسی بنا پر ان کے محدثین دوسرے علماء پر فخر کرتے اور اس پر خوشی محسوس کرتے ہیں تو اب یہ بات مناسب اور ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ان کی اخبار و احادیث کا اصل حال جاننے کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا جائے کیونکہ ان جیسے معاملات میں استقلال اور تفصیلی بیان کے بجائے مہنی اور اجالی بیان ناظر و سامع اور قاری کو مطمئن نہیں کیا کرتا اللہ ہی سے مدد و توفیق کی دعا ہے،

چوتھا باب

شیعوں کی احادیث کے اقسام

۱۔

راویان اسناد کے حالات

ان کے نزدیک حدیث کی اصل چار قسمیں ہیں، (۱) صحیح (۲) حسن (۳) مؤثق اور (۴) ضعیف،

(۱) حدیث صحیح المصیح وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو اور وہ عادل امامی راویوں کے واسطے سے امام معصوم تک پہنچے ان کی اس تعریف سے مرسل اور منقطع مصیح سے خارج ہو گئیں حالانکہ انہوں نے اپنے کلام میں ان ہر دو کو مصیح کہا ہے، جیسا کہ کہتے ہیں راوی ابن حمید بن عیسیٰ کذا وفی جمیع ابن عبید کذا پھر مصیح کے بولنے میں عدالت کا لحاظ نہیں کرتے اگرچہ اس تعریف میں عدالت کو دخل ہے کہ روایت مجہول الحال کو مصیح کہہ دیتے ہیں مثلاً حسین بن حسین بن ابان کی روایت کو جو مجہول الحال ہے مصیح کہا ہے، چنانچہ علی نے غتھی میں اور تقی الدین بن داؤد نے اس کی تصریح کی ہے اور خلاصہ میں کہا ہے طریق الفقہۃ الی معاویۃ بن مسروقہ والی عابد الاحسن والی خالد بن نعیم والی عبد الاحل صحیحۃ (کہ فقہ کا سلسلہ سند معاویہ ابن مسیرہ اور عابد احسن اور خالد بن نعیم اور عبد الاحل تک مصیح ہے، حالانکہ مذکورہ ہر سہ راویوں کا ذکر کسی نے توفیق یا جرح میں نہیں کیا اور چوتھے کی تصدیق انہوں نے خود نہیں کی ہے بلکہ مصیح کے بولنے میں انہوں نے امامی ہونے کا اعتبار بھی درمیان سے اٹھا دیا ہے گویا انہوں نے مصیح کی تعریف کی تمام قیود سے غفلت برت کر ان کو نظر انداز کر دیا ہے،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حسن بن ساعد کی روایت کو مصیح کہا ہے اور وہ متعصب واقفی ہے اور امام وقت کی امامت سے منکر اسی طرح ابان بن عثمان کی روایت کو مصیح بتاتے ہیں، جو اناطی تھا اور امام وقت کی امامت سے منکر ہو کر دوسرے امام کو ماننا تھا ایسا ہی علی بن فضال اور عبد اللہ بن بکر کی روایات کو مصیح کہتے ہیں حالانکہ دونوں بد مذہب تھے اور حیرت کی بات قریہ ہے کہ سب کچھ ان کے علاوہ احوال رجال میں لاتے بھی ہیں، اور پھر بھی ان کی روایات لیتے اور بالاتفاق ان کی توفیق و تمیص بھی کرتے ہیں،

مثلاً ابن مطہر علی غلامۃ الاقوال میں کہتے ہیں علی بن فضال کان فقیہاً بالکوفۃ ووجہہ ہمدونی فقیہاً وعمار فہم بالحدیث، کہ علی بن فضال کوفہ کا فقیہ تھا اور ان سب میں سر بلند قابل اعتماد اور حدیث میں کافی درک رکھنے والا تھا، نہایت ہی کہتا ہے۔ کذا اعتزلت لہ علی ما کثر فی میں اس سے لغزش پر امیدہ نہیں ہوا) پس ان کے اپنے مقرر کردہ قواعد کے بموجب ان جلیروں کی روایتوں کو مؤثق ہونا چاہیے نہ کہ مصیح کیونکہ مصیح میں راوی کا امامی ہونا شرط ہے محض عدالت سے کام نہیں لیتا،

اور یہ تو اس راوی کی حدیث کو بھی مصیح کہہ دیتے ہیں جس کو امام معصوم نے بدو عادی ہو اور لعنت بھیجی ہو یا اس کے حق اخذ اللہ فائدہ اللہ یا ان جیسے کلمات فرمائے ہوں اس کے عقیدہ کی برائی بیان کی ہو اور خود کو اس سے بری اور بیزار ظاہر کیا ہو۔

یہ اس کی روایت کو بھی مصیح بتاتے ہیں جس نے امام وقت پر افتراء بانہا اور امام نے اس کو اس روایت میں جھٹلایا ہو جو اس نے ان سے کی ہو، بلکہ خود اس نے بھی اپنے جھوٹ کا اعتراف واقراً کر لیا ہو، یہ مجسّم مشبہ اور معرہ راویوں کی روایات کو بھی مصیح کہتے ہیں، جو اشدّ قتلے کے بارے میں یہ حبیہ رکھتے ہیں کہ وہ جسم رکھتا ہے، مکان و جهت رکھتا اور صورت و شکل والا ہے۔ ہاتھ رکھتا ہے۔ اور یہ کہ ازل میں اس کے اندر یہ مقتبہ نہ تھیں حالانکہ یہ سب باتیں بالاجماع کفر ہیں۔ اور کافر کی تو روایت ہی مہرگز قابل لحاظ نہیں ہے چاہے اس کو مصیح مانا جائے،

پھر ابن بابویہ کے نقل کردہ رقموں کی روایات کو اور ان خطوط کی جن کو یہ ائمہ کے بتاتے ہیں عمل میں اپنی صحیح لانا روایات پر ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ ابن بابویہ نے اس کی تصریح کی ہے آئندہ بیان میں انشاء اللہ یہ سب کچھ سامنے آئے گا،

یہ اس شخص کی روایت کو بھی صحیح کہتے ہیں جس نے امام کے راز کو فاش کیا اور یوں خیانت کا مرتکب ہوا مثلاً ابی بصیر اس کا حال بھی انشاء اللہ ابھی آئے گا،

اور صحیح حدیث کا اطلاق ایسے شخص کی حدیث پر بھی کر دیتے ہیں جو کاذب الاسناد ہو کہ ایک شخص سے حدیث سنا ہے مگر اس کو مشرب اس کے باپ یا داد اسے کر دیتا ہے،

اور جس کے چہرہ الال ہوئے پر سب کا اتفاق ہے اس کی حدیث کو بھی صحیح کہتے ہیں مثلاً حن بن ابان کہ ابن مطہر نے غتبہ اور مختلف میں اور شیخ متقول نے دروس میں اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے،

اسی طرح اس شخص کی حدیث کو بھی قابل اعتماد کہتے ہیں جن کی یہ خود تصنیف کرتے ہیں، جیسے خبر بن سنان جس کو یہ بہت ہی ضعیف شمار کرتے ہیں،

اور اس کی روایت کو صحیح کہتے ہیں جن کو امام اور شیعیوں کے درمیان ایلی ہوئے کا دعویٰ ہوتا ہے، بغیر کسی گواہ یا دلیل کے بلکہ جس عادل امامی نے صاحب الامر کو دیکھا ہو اگرچہ ایلی ہونے کا مدعی نہ ہو اس کی حدیث کو بھی صحیح بتاتے ہیں جیسے ابن سہریار اور داود صغریٰ، تو یہ ہے چہرہ ان کی صحیح حدیث کا جو قوی ترین بلند ترین اقسام حدیث میں سے ہے،

(۲) حدیث حسن اب اب حدیث حسن کو بیٹے حسن کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں، کہ حدیث حسن وہ ہے جس کا سلسلہ سند متصل ہو، اور ایسے تعریف شدہ امامی کے واسطے سے وہ امام معصوم تک پہنچے جن کی عدالت پر تعزیر نہ ہو۔

اس تعریف سے بھی یہ لازم آتا ہے کہ مرسل و منقطع حسن نہ ہوں۔ حالانکہ مرسل و منقطع کو حسن کہنا ان کے ہاں مشہور و معروف بات ہے، چنانچہ ان کے فقہائے تفسیر کا کہنا ہے کہ زرارہ کی روایت مفید و ج کے بارے میں جبکہ اس کی قضا کی جائے حسن ہے، حالانکہ وہ روایت منقطع ہے اور یہ واقعہ ان کی احادیث میں بے شمار جگہ سے،

پھر یہ جن کا اطلاق ان لوگوں کی روایتوں پر بھی کرتے ہیں جو تعریف سے یاد نہیں کئے گئے مثلاً ابن مطہر کہتا ہے،

طَرِيقُ الْفَقِيهِ إِلَى مُنْذِرٍ بِأَنْ يَجِبَ حَقُّ رُكْمِ فُقَيْهِ كَالسَّلَسِلَةِ مِنْ مَنَازِلِ جَبْرِتُكَ حَسَنٌ هُوَ (حالانکہ حنظل بن جبر کو اس فرقے میں سے کسی نے بھی تعریف سے یاد نہیں کیا یہی حال فقیہ کے سلسلہ سند کا اولین تک ہے،

یہ واقفوں کی روایت کو بھی حسن کہتے ہیں حالانکہ اس کا امامی نہ ہونا روز و عقل کی طرح واضح ہے جیسے فقیہ کا سلسلہ سند سامع بن مہران تک جو واقعی تھا،

(۳) حدیث موثق اب موثق جن کو قوی بھی کہتے ہیں کی تعریف یوں کرتے ہیں، مَا دَلَّكَ فِي حَلِيقَةِ مَنِ تَقِي الْأَعْيَابَ عَلَى تَوْثِيقِهِ كَمَنْ وَجَدَ عَيْنَيْهِ مَعَ سَلَا مَلَكٍ بَاتِحِ الْعَقْدِ نَيْتِ عَنِ الْفَقْهِ (موثق وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ

سند میں وہ راوی ہے جس کی توثیق علمائے بالمرحمت الاتفاق کی ہو اور اس کے عقیدہ میں غرابی ہو مگر باقی سلسلہ سند ضعیف سے پاک ہو اس میں بھی ان کو ضبط ہو گیا ہے، کہ انہوں نے سکونی کی روایت کو جو اس نے ابی عبد اللہ

وہ روایت رواج میں آگئی ہو اور اکثر و بیشتر کتب میں اس نے جگہ بھی پائی ہو اور علماء نے اسی روایت کے مضمون پر فتوے بھی صادر کئے ہوں۔

پس اس لحاظ سے تو اہل سنت کی اکثر احادیث جہاں کی کتابوں میں ثبت ہیں اور ان کے اندر شہرت یافتہ اور ان کے علاقہ کے نزدیک معنی بہ ہوں واجب العمل قرار پائے گی۔

حدیث ضعیف پر عمل۔ ان کے اعلان نے ضعیف روایت پر بھی عمل جائز قرار دیا ہے اگر وہ مشہور ہو جائے، بلکہ شیخ الطائف نے نو ناسقوں کی روایت کو بھی قابل عمل بتایا ہے اور اس میں شہرت کی بھی قید نہیں لگائی اسی طرح کلینی اس شخص کی روایت کو بھی قابل عمل بتاتا ہے جو مرتبہ ائمہ کے اصحاب میں سے ہو گو وہ ان کی امامت کا منکر ہی کیوں نہ ہو حالانکہ ایسا شخص ان کے نزدیک کا فر ہے خصوصاً جب کہ امام نے اس کو دعوت دی اور اس نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا ہو۔

پھر یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اکثر علمائے شیعہ زمانہ ماضی میں اپنے اصحاب کی روایات پر ان کو جانچے پرکھے بغیر عمل کرتے رہے ہیں، رواۃ کے اچھے برے کی ان میں تمیز ہی نہ تھی اس لئے رجال کے حالات یا ان کی اچھائی برائی میں ان کے پاس کوئی کتاب ہی نہ تھی۔ اور عرصہ دراز تک یہی حال رہا پھر کہیں جا کر شیعہ کے لگ بھگ کسی نے اسرار رجال اور ان کے حالات میں کتاب کیا مقرر سار سالہ لکھا۔ اس صورت حال سے ناظر کی حیرت اور تشویش اور بھی بڑھی کیونکہ وہ جرح و تعدیل میں متعارف احادیث تو بیان کرتا تھا لیکن ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے قاصر و عاجز رہتا تھا تو اگر یا تب بھی رجال کے حالات پر اشتباہ کا پردہ پڑا ہی رہا۔

پھر رضا بری نے منعفاء پر کچھ گفتگو کی اس کے بعد نجاشی اور ابو جعفر طوسی نے جرح و تعدیل میں کتابیں لکھیں اور جمال الدین بن مائوس ابن مطہر تقی الدین بن داؤد نے بھی اس سلسلہ میں دفتر کے دفتر سیاہ کئے لیکن سب ہی نے تعریف و تہمت کے ٹکڑاؤ اور تضاد کو دور کرنے میں شکست اور سستی سے کام لیا اور کسی قوی دلیل سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے قاصر رہے۔

اسی لئے صاحب درایہ نے انصاف سے کام لیتے ہوئے جرح و تعدیل کے معاملہ میں ان لوگوں کی تقلید سے قطعی رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اکثر جگہ وہ ایسے فرد کی تعدیل کر جاتے ہیں جو تعدیل کے بالکل بھی قابل نہیں ہوتا اور اس بات کا پتہ ان کی کتب اسرار رجال کے مطالعہ سے خصوصاً خلاصہ اول ہے جو سارے ہی دفاتر کا خلاصہ ہے چلتا ہے، ان حالات میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ خود ان پر ہی ان کے رجال کے حالات نہ کھل سکے اور اتنے دفتر کے دفتر سیاہ کرنے کے باوجود ان سے اشتباہ کا پردہ نہ اٹھ سکا۔

اور پھر یہ ستم کیا کہ ان علماء رجال نے راویوں کے ناموں کو بدل ڈالا جس کی وجہ سے حدیث میں بھی اشتباہ پیدا ہو گیا مثلاً ابو نعیم کو ابو نعیم اور مزاحم لکھ مارا، پس اس وجہ سے ان کے نزدیک مقبول الروایت اور غیر مقبول الروایت آپس میں گڑبڑ ہو گئیں۔ اور تمیز سمیع و علی کی صورت نہ رہی۔

ناموں کے تبدیل میں ابن مطہر سب کا گرو گشتال ہے، اس نے بہت سے ناموں کو بدل ڈالا ہمارے اس قول کی صداقت کی گواہی اگر کسی کو مطلوب ہو تو وہ ابن مطہر کا خلاصہ ایک طرف اور ایضاً الاشتباہ کو دوسری

اس فرق کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس سند میں ایک راوی قاسم بن سلیمان ہے جو مجہول العالیہ ہے اس کے باوجود اس پر سب نے عمل کیا،

بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اس معاملہ میں شیخ الطائف نے بہت آزادی دی ہے اور حدیث ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بتایا ہے بلکہ واجب قرار دیا ہے اور اس کی دلیل میں عمر بن حنظلہ کی حدیث پیش کی ہے کہ باوجود اس کے وہ حدیث ضعیف سے محسوس نے عمل کیا ہے،

ابن حنظلہ کی روایت کا ضعف اس لئے ہے کہ اس میں محمد بن عیسیٰ اور داؤد بن حصین دو فرسایت ضعیف ہیں، مگر ابن حنظلہ نے تعدیل و ترجمہ کسی پر کوئی نص نہیں کی۔ ایسی حدیث کو مقبول المتن کہتے ہیں اور اس قسم کی احادیث ان کے ہاں اتنی ہیں کہ حد و شمار سے باہر پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی آزادی اور اتنی گنجائش کے باوجود حدیث موثق پر عمل نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے،

اور اس سے بڑھ کر یہ بات باعث تعجب ہے کہ کلینی میں ابو عبد اللہ سے مراسیل پر عمل کرنیکی صحیح روایت موجود ہے جو انشاء اللہ ہم نقل کریں گے اور خود انہوں نے صحیح و حسن میں اتعمال سند کی شرط لگائی ہے اس کے باوجود بھی ابن ابی عمیر کی مراسیل پر عمل واجب کہتے ہیں اور اسی کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ابن ابی عمر ثقات کے علاوہ کسی سے مراسیل روایت نہیں کرتا مگر ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اسی بنا پر بشری شرح ذکر کے مصنف نے اس معاملہ میں جہور سے نزاع کیا ہے،

علی بن ابی حمزہ اور عبد اللہ بن مغیرہ کی مراسیل کو بھی واجب العمل کہتے ہیں اور ان دونوں کا جو مال ہے وہ منقوب ظاہر ہو گا،

شیخ الطائف اور متاخرین میں سے اس کے شاگردوں نے سند کے اضطراب کو حدیث پر عمل کرنے میں مانع نہیں سمجھا ہے۔ اضطراب سند کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی راوی کی روایت الفاظ سند حدیث میں مختلف ہو ایک مرتبہ ایک طریق سے روایت کرے اور دوسرے مرتبہ دوسرے طریق پر بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی پر کسی کو ترجیح دی جائے،

حالانکہ عقل بھی اضطراب محل سے مانع ہوتا ہے کہ دو مخالف اور باہم متضاد باتوں پر بیک وقت کسی طرح اور کیونکر عمل کیا جاسکتا ہے اور سبب ترجیح کے بغیر ایک کو دوسری پر ترجیح کس طرح دی جاسکتی ہے، ان کے اصولوں نے بھی سند کے اضطراب کو مانع عمل کہا ہے، اور ان کے محدثین نے اس پر اتفاق بھی کیا ہے کہ جب دو حدیثیں باہم مختلف ہوں تو ان میں وہ حدیث جو اسناد کے خط کی ہو اس حدیث کے لحاظ سے قابل ترجیح ہے جو سند صحیح سے مروی ہو چنانچہ ابن بابویہ نے اس پر نص کی ہے اور خط پر عمل کرنا اس کے خلاف ہے، جس کی کلینی نے صحیح سند سے روایت کی ہے،

اور پھر یہ بات ثابت کرنا بھی تو مشکل اور دشوار ہے کہ یہ خط امام کا ہی ہے اور احکام شرعیہ کو جن پر دین و ایمان کا مدار ہے اس قسم کی مشتبہ شہادت سے ثابت کرنا عقل سے بعید اور دیانت سے دور ہے، اور غالی شیعوں کی ایک بڑی جماعت نے تو احادیث گھڑنے کو جائز قرار دیا ہے،

چنانچہ ابراہیم الخلیل یونس علیہ السلام اور یزید بن صانع نے اپنے نزدیک میں سے شمار احادیث گھر لیں صاحب تحفہ القاصدین فی اسرار الحدیث نے اس کو بڑے واضح اور صاف الفاظ میں لکھا ہے،
ان میں سے ایک نبان ہمدی ہے جو امامیہ کے شیوخ میں سے ہے اور ان کا مجتہد ہے مگر پرے درجہ کا بڑا گہرا زعفرانی ہے اور دوسرا سفیر بن سعید سنجی جو کوفہ کا رہنے والا اور جھوٹا جادوگر ہے یہ دونوں حدیث گھر نے میں بدنامی کی حد تک مشہور ہیں ان دونوں کو خالد بن عبداللہ القری نے قتل کر کے جلا دیا۔ ان کی عدوت تھی کہ جب کسی معاملہ میں ان کی کوئی رائے ہوتی تو اسی کے موافق حدیث گھر دیتے،

یہ لوگ عبداللہ بن میمون قداح سے بھی اپنی کتابوں میں بہت سی روایات لاتے ہیں، صاحب معالم الاموال تو ابتداء بطور تبرک اس کی چند حدیثوں کو اپنے ہاں لایا ہے، حالانکہ گذشتہ اوراق میں معلوم ہو چکا ہے کہ بڑا گھاگ زعفرانی اور مجسمہ کذاب تھا علاوہ ان میں باطنیہ اسماعیلیہ اور قرامطہ بھی اچھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں اگر ان کے مقتداؤں اور پیشواؤں کے تفصیلی حالات ضبط تحریر میں لائے جائیں تو طویل و منہمک و فزور کا مرکز ہوگا یہاں بطور نمونہ فقوڑا سا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے،

قاضی نور اللہ شوستری زرارہ بن اعین شیبانی کوفی کے حالات میزان ذہبی سے نقل کرتا ہے، مگر اس پر سکوت اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے،

زرارہ بن اعین شیبانی کوفی برادر حمران رافضی تھا عقلی نے جو منہمک میں سے کہا کہ مجھ سے یحییٰ بن اسمعیل نے حدیث بیان کی اس نے یزید بن خالد ثقفی سے اس نے عبداللہ بن خالد سعیدی سے اس نے ابی صباح سے اس نے زرارہ بن اعین سے اس نے محمد بن علی بن عباس سے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اے علی مجھ کو کوئی تیرے سوا شمل نہ دے

"حدیث بیان کی مجھ سے یحییٰ نے اس سے اس کے باپ نے اس سے سعد بن منہمک نے اس سے ابن السمان نے وہ کہتا ہے کہ جب میں حج کو گیا تو میری ملاقات زرارہ بن اعین سے قادسیہ میں ہوئی وہ مجھ سے کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے بہت ضروری کام ہے اور اس کی بڑی اہمیت جاتی۔ میں نے پوچھا وہ کام کیا ہے تو کہنے لگا کہ جب تیری ملاقات جعفر بن محمد سے ہو تو پہلے تو ان کو میرا سلام کہنا پھر میری جانب سے پوچھنا کہ میں کون سی چیزوں میں سے ہوں یا جنتیوں میں سے میں اس کی بات پر حیران ہوا اور اس سے کہا وہ کیسے بتا سکتے ہیں تو کہنے لگا کہ وہ اس کو جانتے ہیں پھر جب میں جعفر بن محمد سے ملا تو ان کو یہ سارا قصہ سنایا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ دونوں میں سے ہے میں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا تو کہا کہ اس کی بد عقیدگی سے!"

قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے کہ زرارہ کے چار بھائی تھے ۱) حمران ۲) عبدالملک ۳) بکیر ۴) عبدالرحمن مازو دو بیٹے حسن اور حسین۔ حمران کے دو بیٹے تھے حمزہ اور محمد عبدالملک کا صرف ایک بیٹا حراش تھا، بکیر کے پانچ بیٹے عبدالجہم، عبدالجہید عبداللہ علی اور عمرو قاضی کے قول کے مطابق یہ ان سب کا وہی عقیدہ تھا جو زرارہ کا تھا، پھر قاضی نور اللہ نے عسکری سے جابر بن جعفر بن یزید جعفری کوفی کا حال نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ جعفر خود وثوق ہے لیکن اس کی اکثر روایات جو اس سے نقل ہوئی ہیں ضعیف ہیں، قاضی نے اس کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے

حضرت امام باقر علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگوں پر اس راز کا انکشاف کیا کہ امام سوموف نے اپنی زندگی میں مجھ دو کتابیں دی تھیں، ایک کے بارے میں یہ ہدایت فرمائی تھی کہ بتو امیہ کے زمانے تک تو اس کی روایت نہ کرنا اگر تو نے اس کے خلاف کیا تو تجھ پر خدا کی لعنت ہو، البتہ ان کے عہد کے بعد اس کی روایت کر سکتا ہے دوسری کتاب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تو اس کی روایت کسی سے بھی قطعاً نہ کرنا میں نے اس بھید کو حتی الامکان چھپایا مگر جب تاب برداشت نہ پاسکا اور ضبط راز کے سبب میرے پیٹ میں مروڑ اٹھا تو میں نے ایسے بیابان کا رخ کیا جہاں انسان کا گزرنہ تھا وہاں میں نے اس کتاب کی روایت کی تو مجھے اس مروڑ سے چھٹکارا ملا۔ اب میں اس کتاب کو لوگوں پر ظاہر کر رہا ہوں جس کی روایت کی تو مجھے اجازت مل چکی ہے۔ قاضی یہاں یہ بھی لکھتا ہے کہ ولید کے بارے میں جانے کے بعد ابھی بنی امیہ کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا کہ جابر نے مسجد میں جا کر اس کی روایت کرنی شروع کر دی یہ حرکت چونکہ امام کی ہدایت و حکم کے خلاف تھی اس لئے وہ مروڑ خدا کی لعنت کا نشانہ رہا ہو گا۔

اب جب گفتگو ان کے رجال کے حالات تک آپہنچی ہے تو ضروری معلوم ہوا کہ ان کے بعض راویوں کے حالات نقل کر دیئے جائیں۔

اول تو یہ بات جان لینی چاہیے کہ شیعوں کے ہر فرقہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کے پاس روایات کا جو ذخیرہ ہے وہ سب اہل بیت سے لیا گیا ہے، اور نہایت صحیح و مقبر ہے اور دوسروں کے پاس جو کچھ ہے وہ من گھڑت اور بے اصل ہے اور ان کا آپس میں ایک دوسرے کو جھٹکانے کا یہ رویہ ابتدا ہی سے ہے اور اب تک جاری ہے اس کا ایک ہی نتیجہ ہے کہ ان سب ہی سے اعتبار و اعتماد اٹھ گیا ہے دوسری طرف زید، اسماعیل اور امامیہ جو ایک دوسرے سے ٹٹتے جھگڑتے اور باہم یک دگر تکذیب کرتے رہے ہیں ان کے قطعاً مشہور و معروف ہیں، اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ امامیہ کے اسلاف اور ان کے مقتداجوان کے عہد میں سندوں کی آخری کڑیاں ہیں، مثلاً ہشام بن حکم، ہشام بن سالم جو ایضاً اور صاحب الطاق یہ خود آپس میں ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ایک دوسرے کی روایات کو جو ہر سرائے امام سجاد، امام کاظم اور امام صادق رحمہم اللہ سے مروی تھیں غلط ثابت کیا کرتے، اور ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ہشام بن حکم نے جو ایضاً اور صاحب الطاق کے رد میں ایک کتاب لکھی، جس کا غایتی نے بھی ذکر کیا ہے، لہذا ان سب کی احادیث درجہ اعتبار سے ساقط ہو گئیں اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے شیعوں کا حال پہلے گزر ہی چکا کہ سب کے سب گناہ گبیرہ کے مرتکب تھے اور آخر تک امام وقت کی نافرمانی پر مجھے رہے جناب امیر رضی اللہ عنہ کو رنج پہنچاتے رہے اور آئندہ بھی ان کو جھوٹا قرار دیتے رہے اور ان کے قول کی ہرگز تصدیق نہ فرماتے۔ ان میں بعض نے جناب حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی امداد سے کنراہ کشی ہی نہیں کی جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور جناب یزید سے خفیہ خط و کتابت رکھی اور یوں دین فروش کر کے دنیا کے خریدار بنے اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جنہوں نے اپنے اعماموں کے ساتھ ایسی نازیبا اور ناشائستہ حرکات کی ہوں ان سے دین لینے اسلام کا پیشوا بنانے اور ان کی روایات کو وقعت کی نظر سے دیکھنے کا کیا جواز رہ جاتا اور کیا وجہ بیان کی جاسکتی۔

پھر ان کا آپس کا اختلاف و تعارض اور ان کی احادیث میں اضطراب اس درجہ کا ہے جس کی کوئی حد ہی نہیں چنانچہ من لا یحضرہ الفقیہ اور استبصار کے مطالعہ سے اس بات کا پورا انکشاف ہوتا ہے غرض ہر علمند اس قدر اختلاف و تعارض

اور اضطراب کے ہوتے ہوئے کسی جانب کی حدیث پر بھی عمل پیرا نہیں ہو سکتا، خود ان کے شیخ الطائفہ بھی اس امر کے اعتراف پر مجبور ہوئے کہ جن احادیث سے وہ دلیل لاتے ہیں ان کی سندوں میں ضعیف، نامعلوم الحال، جھوٹے اور حدیث گھڑنے والے موجود ہیں، ان سب واقعات کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد اب ذرا تفصیل کی طرف توجہ دیجیے چاہیے اور اسی خانہ ہر آفتاب کی تصویر دیکھیں چاہیے،

جعفر بن محمد بن عیسیٰ ابن شاہر قزازی جیسی جسکی کیفیت ابن عبد اللہ سے، جھوٹا اور ضعیف حدیث سے پھر بھی ان کے ثقہ اس کی روایات قبول کرتے اور اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں۔

قَالَ الْقَاسِمِيُّ كَانَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ فِي الْحَدِيثِ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ يَفْعَلُ الْحَدِيثَ وَصَوَّافٌ بِرَدِّ عَيْنِ الْمَجَاهِيلِ وَكَسَفَتْ مَوْتَ قَاسِمٍ الْمَذْهَبُ وَقَدْ رَفَعَهُ أَبُو جَعْفَرٍ الطُّوسِيُّ شَيْخُ الطَّائِفَةِ وَاعْتَبَرْنَا هَذِهِ رِجَالًا كِتَابًا هُوَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ حَدِيثٌ فِي ضَعِيفٍ هُوَ، اور احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا ہے، اور اس میں غریب مشاقق ہے، نامعلوم الحال راویوں سے روایات بیان کرتا ہے میں نے بعض کو یہ کہتے سنا کہ وہ بد مذہب ہے حالانکہ شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی نے اس سے روایت لی اور اس پر اعتماد کیا،

اسی طرح حسن بن عیاش بن مریش رازی جس نے جعفر ثمالی سے روایت کی ہے بہت ضعیف ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اسی کی تصنیف ہے جس میں منطرب الالفاظ حدیثوں کی روایات لایا ہے، اس کے باوجود بھی کلینی نے اس سے چند حدیثوں کی روایت کی ہے جب کہ کلینی کی کتاب ان کے ہاں صحیح ترین شمار ہوتی ہے، حدیثیں گھڑنے والا علی بن حسان بھی ہے، قَالَ الْقَاسِمِيُّ ضَعِيفٌ جِدًّا اَذْكُرُهُ بَعْضُ اصْحَابِنَا فِي الْعِلَالَةِ قَاسِمٌ اِنْ عِتَقَادُ لَهْ كِتَابُ تَفْسِيرِ الْبَارِئِ تَحْلِيلٌ كَلَدٌ، دہاشی نے کہا وہ بہت ضعیف ہے۔ ہمارے بعض نے اسی کو بد عقیدہ غلام میں سے بتایا ہے اس کی تفسیر میں ایک کتاب تفسیر البارئ کے نام سے مشہور ہے جو از سر تا پایا بے ربط اور بے جوڑ ہے، حالانکہ اسی سے کلینی نے اپنی صحیح میں روایت لی ہے،

ایک ایسا ہی شخص محمد بن عیسیٰ ہے جس کے متعلق نصر بن صہب نے کہا ہے وہ جھوٹا تھا حالانکہ ابو عمرو کثی اور دیگروں نے اس سے روایت بیان کی ہے،

اور ایک نام عبدالرحمن بن کثیر دہاشی کا ہے اس کے بارے میں دہاشی کہتا ہے کہ ہمارے اصحاب کے اس پر ناک جھوں چڑھائی ہے کہ یہ تو حدیثیں گھڑتا ہے پھر بھی ان کے ثقہ حضرات اس سے روایت کرتے ہیں مثلاً حسین بن علی بن فضال وغیرہ اور کلینی ابن بابویہ اور محمد بن طوسی نے بھی اس کی روایات قبول کی ہیں ہشامی اور ان کے ہم عصروں کے حالات میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم اور صورت ماننے میں ائمہ پر صاف اور کھلا بہتان باندھتے ہیں چنانچہ حضرت امام علی رضی اللہ عنہ نے اس افتراء اور بہتان پر گواہی بھی دی ہے پھر بھی ان کے محدثین کا سارا دار و مدار انہیں پر ہے،

ان کے وہ راوی جو جھول اور ضعیف ہیں اور فقہی مسائل میں یہ جن سے حوالے اور حجت لاتے ہیں بے حد دہے شمار ہیں، ان دونوں میں سے نمونہ کے طور پر ہم چند نام لگاتے ہیں، ان میں سے ضعیف یہ ہیں،

شیعوں کے ضعیف راوی ابو ابراہیم بن صالح انطاکی، ابواسحاق، حسن بن اہل نوفلی، حسن بن راشد طفاوی، اسمعیل بن عمران بن ابابیل لینی، اسمعیل بن یسار، یحییٰ بن حسین بن احمد منفردی، اور جعفر بن سعید متقی یہ ضعیف کے ساتھ فاسد بھی ہے اس سے کلینی نے روایت لی ہے عثمان بن عیسیٰ اس سے شیخ الطائفة اور دوسروں نے روایت کی عمر بن شمر اس سے ایک جماعت نے روایت کی ہے، جیسے طوسی وغیرہ سہل بن زیاد اس سے ابو جعفر نے بھی روایت کی ہے اور اس کی روایت پر اعتماد کیا ہے، اس کے باوجود کہ اس کے ضعف پر سب نے اتفاق بھی کیا ہے ابراہیم بن عمرو یحییٰ اور داؤد بن یزید جو ضعیف اور فاسد ہے، اس سے طوسی نے تہذیب اور استبصار میں اور دوسروں نے بھی روایت کی ہے صالح بن حماد امیر جس کی کفایت ابو عبد اللہ ہے معاویہ بن عیرہ، یحییٰ بن محمد بن قیس، ابو احمد محمد بن عیسیٰ داؤد بن نصیف علی بن حمزہ، رقیہ بن معقل، حسین بن یزید، اہرق، اسمعیل بن زیاد، سکونی، واہب بن وارب اور حسین بن علیہ اور ان جیسے بے شمار دوسرے، کہ جن کے ضعف اور بطلان پر ان کے تمام علمائے حدیث اور خصوصاً علمائے جرح و تعدیل کا اتفاق ہے، مثلاً نجاشی، عسکری، نقی الدین بن داؤد، بسکی اور علی جیسا کہ اس نے خلاصہ میں ذکر کیا ہے اور اس سب کچھ کے باوجود ان کے محدثین نے ان ہی راویوں کی روایتوں سے اپنی صحاح کا بیٹ بھرا ہے اور پھر ان کے فقہان ہی روایات سے استدلال کر کے اپنے فقہی مسائل ہی نہیں اعتقادات کو بھی ثابت کرتے ہیں،

شیعوں کے مجہول راوی | اب رہے ان کے مجہول راوی قرآن کا شمار و حساب نہیں ہے مثلاً حسن بن ابان کہ اس کی حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے، حالانکہ ابن مطہر نے مختلف اور منتہی دکتاؤں کے نام، میں، اور شیخ مفید نے دوس میں اس کی جہالت کی تصریح کی ہے، اسی طرح قاسم بن سلیمان اور عمرو بن حنظلہ دونوں مجہول ہیں دکن مرزا عمر بن ربیع بن حسین بن علا اور ابی ابی العالیہ، تینوں مجہول الاسم بھی ہیں اور ان کی شخصیت بھی مجہول ہے، اور عباس بن عمر متقی، فضل بن سکن، علی بن عقبہ بن قیس بن سمان، یحییٰ بن ابی حمزہ، یحییٰ بن یسار، یسار بن موسیٰ بن جعفر فضل بن سکرہ، زید الہیامی، سعید بن زید، عبد الرحمن بن ابی ہشام، یحییٰ بن ابی بکر، یحییٰ بن زید، محمد بن سہیل، عبد اللہ بن یزید، غالب بن عثمان، ابی حبیب، لاری، ابی سعید الکداری، راکز بن فرقد، حسن نقی، قاسم بن خزاز، صالح سعدی، علی بن دوی، حسین بن علی بن ابراہیم، ابراہیم بن محمد حسن بن علی، اسحاق النوفلی، عثمان بن عبد الملک، عثمان بن عبد اللہ، عیسیٰ بن عمرو، الانصار، ربیع بن محمد سلمیٰ، علی بن سعد السعدی، محمد بن یوسف بن ابراہیم، محمود بن میمون اور جعفر بن سدید ابن جعفر بن کلاب،

پس یہ سب کے سب اور ان جیسے ان گنت راوی مجہول ہیں، مگر شیعوں کے شیوخ مثلاً علی بن ابراہیم اور اس کا بیٹا ابراہیم محمد یعقوب الکلبی، ابن بابویہ، ابی جعفر طوسی، اسکا استاد ابی عبد اللہ ملقب بہ مفید نے اپنی کتابیں جنہیں یہ صحاح کہتے ہیں انہی مجہول الحال راویوں سے بھری ہیں جن کو ان کے جہد بن نے واجب العمل قرار دیا ہے اور یہ ممکن کیا ہے کہ یہ علم یقینی کو مفید ہیں، جیسا کہ مرتضیٰ طوسی اور علی بن سنان کی تصریح کی ہے،

اور صدر درجہ تعجب و حیرت ہے کہ ان کے علمائے حدیث ایسے راویوں سے روایت کرتے ہیں جن کی تکذیب علی اسامہ اللہ حال نے کی ہے۔ جیسے عبد اللہ بن مسکان جو ابی عبد اللہ سے روایت کرتا ہے اس کی چند حدیثیں محمد بن یعقوب کافی میں ابن بابویہ نقیہ میں، ابو جعفر تہذیب میں اور دوسرے اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں جب کہ نجاشی کہتا ہے کہ یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ اس نے ابی عبد اللہ سے کسی بھی چیز کی روایت کی ہو اور یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں

۱۱۔ میں خوب مشہور ہے۔ محمد بن عینی بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ محمد بن محبوب اور دوسروں سے روایت کرتا ہے۔ ابو عمر کشی نے اس کے بارے میں کہا ہے۔ نصر بن جراح کہتا ہے کہ محمد بن عینی محمد بن محبوب سے عمر میں اس قدر چھوٹا ہے کہ اس سے روایت کرنا قرین قیاس ہی نہیں، محمد بن یحییٰ بن عبد یقین بھی اسی قاش کار اوی ہے جس کے متعلق محمد بن بابویہ قمی نے ابن الولید سے یہ قول نقل کیا ہے۔ **رواہ قال ما انفرد بہ محمد بن عینی من حدیث یونس وکتبہ لا یعد علیہ**۔ (ابن الولید نے کہا محمد بن عینی جو حدیث یونس سے روایت کرے اور وہ اس میں تنہا ہو، اس کو اگر وہ لکھ بھی لے تب بھی اسی پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے)۔

محمد بن احمد بن یحییٰ بن عمران الاشوی القمی بھی اسی قاش کار ہے اس میں نجاشی اور دوسروں نے عیب لگایا ہے اور کہا ہے کہ وہ ضعیفوں سے روایت کرتا ہے، اور جس سے روایت کرتا ہے اس کی اچھالی ہائی سے سروکار نہیں رکھتا اور مراسیل پر اعتماد رکھتا ہے،

پھر ان کے بعض معتبر راوی اسناد میں ارسال کرتے ہیں جیسے ابن ابی عمیر نظیری، اور عبد اللہ بن شہیرہ، اسلانیہ ان کے نزدیک ارسال کبیرہ گناہ ہے،

ابن یقوب کلینی اور دوسرے علماء حدیث ابی عبد اللہ رحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا شاخ در شاخ جھوٹ کیا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم سے کوئی شخص حدیث بیان کرے اور جب تم وہ حدیث بیان کرنے لگو تو جس نے تم سے کوئی حدیث بیان کی اس کا نام تو درمیان سے نکال دو اور اس شخص نے جس شخص سے وہ حدیث تمہیں سنائی تھی تم اس سے روایت کرنے لگو،

ان کے معتبر راویوں میں سے بہت سے وہ ہیں جو امام وقت کے منکر ہی نہ تھے۔ بلکہ ان کے خلاف دل میں دشمنی رکھتے تھے۔ اور اکثر امامیہ شیعوں کے نزدیک ان کا یہ برا عقیدہ پایہ شہادت تک پہنچ چکا تھا، مثلاً واقفیہ میں سے حسن بن محمد سماعہ ابو محمد الکندی العیفری۔ یہ وقت کے محاذ میں دل میں دشمنی اور تعصب رکھتا ہے، حسن بن محمد سعید باشم بن حیان المسکری ابو عبد اللہ، حسین بن مہران بن محمد بن ابی نصر اسکوئی، احمد بن محمد الباطنی الحیری جو طائری کے لقب سے مشہور ہے، صفوان ابن یحییٰ ابی محمد البعلی، عثمان بن عینی ابی حمزہ العامری الریاسی، مولیٰ بنی رواس وغیرہ وغیرہ بارود یہ اطمینان سے۔ مثلاً احمد بن محمد بن سعید بسبیجی ہمدانی، حسن ابن علی بن فضال، عبد اللہ بن بکر بن امین شیبانی، اور عمرو بن سعید ابی الحسن وایتی اور ان جیسے دوسرے،

ان سب سے شیعوں کی حدیث کی میچ کتابوں میں روایات موجود ہیں، شیخ مفقول نے ذکر کر دی ہیں یہ بات نقل کی ہے کہ حضرت صادق نے عبد اللہ بن مسکان کو اپنے پاس آنے سے روک دیا تھا۔ اور یہ پھر بھی ان سے روایت کرنے سے باز نہیں آیا۔

ابو جعفر طوسی عدہ میں لکھتا ہے، یعنی اصفائے بدنی سے سرزد شدہ بدکاریاں روایت کے قبول کرنے میں عاجز نہیں،

اور اس کا تو کوئی حواز ہی نہیں کہ نصرانیوں تک سے ان لوگوں نے حدیث کی روایت کی اور اسے قبول کرتے اور ان کو اپنے ائمہ کا دوست سمجھتے ہیں مثلاً ذکر کیا بن ابراہیم نصرانی کہ اس سے طوسی اور دوسرے لوگوں نے

روایت کی ہے۔

اور ایسا بھی ہے کہ ان کے علمائے حدیث اپنے اساتذہ کی کتابوں سے ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن کی نسبت امام کی طرف نہیں ہے مگر دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ان روایات کی نسبت امام ابو جعفر اور امام ابو عبد اللہ کی طرف ثابت ہے اور صحیح ہمارے اساتذہ نے اسے پردہ خفایں رکھا اور ائمہ کا نام ظاہر نہیں کیا اس لئے کہ اس وقت تفتیشی ہوا زور پر تھی، اب اساتذہ کے انتقال کے بعد جب یہ کتابیں ہمارے ہاتھ لگیں تو ہم کو قرآن سے پتہ لگا کہ یہ سب احادیث درحقیقت ائمہ کی ہیں،

اب عقل والوں سے کام لے کر سوچا جائے اور بتایا جائے کہ ان حالات میں ان کی روایات پر اعتماد اور بھروسہ کہاں باقی رہا اس کی مثال وہ روایت ہے، جس کو کلینی اپنے چند اصحاب سے اور وہ محمد بن خالد ثغبولہ یاد مروت سے نقل کرتا ہے چنانچہ ان کی اکثر روایات جن میں من من سے روایت ہو اسی قسم کی ہیں،

مڑنے کی بات یہ ہے کہ ان کی احادیث کا تقریباً آدھا ذخیرہ ایسے راویوں سے مروی ہے جو خود اپنی روایتوں کا اعتراف کر چکے ہیں۔ اور یہ پھر بھی ان کو چیدہ اور ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ مثلاً ابو بصیر، کہ کلینی کا جو ٹھکانہ اس کی روایتوں سے بھرا ہوا ہے، کلینی نے خود اس کا یہ قول نقل کیا ہے اَکْثَرُ مَا سَمِعْتُ مِنَ الْحَدِيثِ مِنْ الْقَادِي وَارْوَيْهِ عَنْ أَبِيهِ وَاسْمَعَكَ مِنْ أَبِيهِ وَارْوَيْهِ عَنْهُ رِثِيں ایک حدیث سننا تو امام صادق سے تھا اور اس کی روایت ان کے بچائے ان کے والد سے کر دیتا۔ اور سننا تو ان کے والد سے تھا مگر روایت امام صادق سے کر دیتا،

اور یہ ابو بصیر وہی تو ہے جس نے امام کے منع کرنے کے باوجود ان کے راز کو اس شدت سے پھیلایا اور شہرت دی کہ وہ شیعہ کتب تک میں جگہ پا گیا اور ان زبانوں پر جاری ساری ہو گیا جو اس قابل نہ تھیں کہ ان پاک اسرار کو ادا کر سکیں،

”میں نے ابی عبد اللہ سے کہا کہ یہ بتائیے کہ قیامت کے دن مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے آپ نے فرمایا ہاں! اور وہ قیامت سے پہلے بھی دیکھ چکے ہیں! میں نے کہا وہ کب؟ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے امت پر حکم فرمایا پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ مومن قیامت سے پہلے بھی سب کو دیکھتے ہیں اور کیا تو اس وقت سب کو نہیں دیکھ رہا ہے، ابو بصیر نے کہا میں آپ پر قربان کیا یہ حدیث میں آپ سے روایت کروں آپ نے فرمایا نہیں!۔“

اس کا لڑکا محمد امام کی نافرمانی میں اپنے والد کا خلف رشید بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے نکلا کلینی نے اس سے یہ روایت کی ہے، اَنَّهُ قَالَ ذَكَرَ اَنِّي اَبُو النَّسْرِ مُسْتَعَاذًا قَالَ لَا تَنْفَعُكَ فِيهِ فَفَتَحْتَهُ وَقَرَأْتُ فِيهِ لَسْتُ بِكَ تَوَجَّهْتَ فِيهِ سَبْعِينَ مَرَّةً مِنْ قَرْنَيْشٍ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ، اس نے کہا کہ مجھے ابو الحسن نے ایک قرآن دیا اور کہا کہ اس کو کھول کر نہ دیکھنا مگر میں نے اسے کھول لیا اور اس میں لم کہیں سورہ پڑھی تو میں نے اس میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام مع ولادت ورج پائے،

پھر ایک بات اور بھی ہے جیسا کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان کی کتابوں کی چھان بین کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی اکثر احادیث احاد ہیں نہ متواتر اور مشہور، اور وہ احاد بھی ضعیف، جن میں سے کچھ کو تو یہ صحیح سمجھتے ہیں

کچھ کہ موثق اور من اسادیتہ خود ان کے نزدیک ضعیف ہیں۔
گویا خود ان ہی کے خیال کے مطابق ان کی کتب میں صحیح و حسن حدیثیں نہیں ہیں ان کے صرف عقلی مفہومات ہیں
خارج و ظاہر ہیں ان کا کوئی جواب نہیں ہے، چنانچہ یہی بات صاحب ہدایہ نے صراحت سے بیان کی ہے۔ چلئے یہ سب
سہی مگر ان کی ضعیف اور موثق حدیثیں بھی تو اس قسم کی ہیں کہ آپس میں ایک دوسری سے متعارض اور مخالف ہیں اور ان
کی اسناد و متون ہر دو میں اضطراب ہے۔

شیخ ابو جعفر نے جس طریقے سے ان متعارض روایات کو جمع کرنے اور تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور پھر ایک کو دوسرے
پر ترجیح دی ہے وہ درحقیقت اہل تحقیق و اہل نظر کے نزدیک انتہائی مفہم و غیر سہی ہے ہم اس میں سے صرف ایک نکتہ بطور
نمونہ ذکر کرتے ہیں دوسرے مسائل اسی پر قیاس کر لئے جائیں،

ان کی اکثر روایات ہیں آتا ہے کہ گلاب کے پانی سے وضو جائز ہے، اور بہت سی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جائز
نہیں ہے اس کے بارے میں شیخ ابو جعفر کہتا ہے کہ صحیح تو یہ ہے کہ وضو درست نہیں اور حسن روایات سے جواز معلوم
ہوتا ہے، ان سے مراد عرق گلاب نہیں بلکہ وہ عام پانی مراد ہے جس میں کچھ بھول ڈال دیئے گئے ہوں۔
لہذا ان مذکورہ اسباب سے ان کی روایات خود ان کے آگے گمان کے مطابق نہ قابلِ محبت ہیں نہ لائقِ اعتماد پھر
حافظین کی کیا منہ لے کر مخالفت اور مقابلہ کرتے ہیں،

یہ حال تو ان ظاہر السنہ روایات کا تھا، جو ظاہر اور عالم وجود میں آئے ہوئے ائمہ ظاہرین سے مروی ہیں کہ جن
کے وجود میں کسی نے شک نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ ملاقاتیں کیں ان کو دیکھا اور ان سے بھلا ہونے،
اب شیعوں کی ان روایات کا حال سنئے جو صاحب الزمان سے مروی ہیں، اولیٰ تو امامیہ کے نزدیک ان کی پیدائش
ہی بالاتفاق ثابت نہیں، کیونکہ بعض ان کی پیدائش سے انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں امام حسن عسکری نے کوئی پس
ماندہ نہیں چھوڑا۔ یہ منکر بن جعفر یہ ہیں اس لئے کہ وہ حسن بن علی عسکری کی وفات کے بعد جعفر بن علی الہادی کی امامت
کے قابلِ ہیں، ایک طائفہ ان بزرگوار کے وجود کا تو البتہ قائل ہے مگر ان کے بقا و حیات سے منکر ہے اور کہتا ہے
کہ وہ بچپن ہی میں وفات پا گئے، پھر جو ان کو بلوغ تک پہنچاتا ہے ان کے درمیان بھی مختلف الحیالی پائی جاتی ہے بعض کہتے
ہیں کہ بحالت نماز اچانک انتقال فرما گئے بعض کہتے ہیں کہ کس وقت غائب ہوئے بعض ۲۵۶ھ بتاتے ہیں تو بعض دوسرے
۲۶۵ھ یا ۲۶۶ھ۔ پھر مکان غیبت کے بارے میں بہت اختلاف ہے ان کے ثقات مثلاً محمد بن یعقوب کلینی اور اس کے
ہم خیال اکثر شیعہ متقدمین کہتے ہیں کہ ان کا مکان نسبت بجز خال خالی شیعہ کے کوئی نہیں جانتا،

پس اب یہاں ان کا خاتمہ تباہی اور پریشانی پر ہے کیونکہ ان کے اسناد کی آخری کڑیاں یا جائے انتہا ایسے لوگ ہیں جو خود
کو امام کی نسبت مغربی کے زمانہ میں جس کی مدت جو ہتر برس ہے، سفرائے ائمہ کہتے ہیں۔ اولیٰ سفیر ابو عمرو عثمان بن سعید ہے اس
کے بعد اس کا بیٹا ابو جعفر محمد بن عثمان جو ۳۲۸ھ میں فوت ہوا، اس کے بعد ابو القاسم حسین بن اوج جو ماہ شہبان ۳۳۸ھ میں مرا
اور آخری سفیر علی بن محمد ہو جس کو خاتم السفراء کہتے ہیں، اس کے بعد غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع اور سفارت کا سلسلہ ختم ہو گیا،
اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ان میں سے جس کسی نے بھی سفارت کا دعویٰ کیا خالی خالی اپنے دعوے کے اپنی سفارت پر کوئی
گواہ پیش نہ کر سکا اور اس پر مارے شیعوں کا اتفاق ہے،

اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ نفس انسانی میں جب جاہ اکثر اس بدعوے کا سبب ہوتا ہے خصوصاً جب اس پر دلیل و گواہ کا مطالبہ بھی نہ ہو تو پھر دعویٰ کا میدان بہت وسیع و فراخ ہوتا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ امام صاحب الامر سے روایت کرنے میں سفاک کا واسطہ بھی چنداں ضروری نہیں، بلکہ جس نے صرف یہ دعویٰ کیا کہ اس نے جناب کو دیکھا ہے اور اسی کو گوسفات سے کوئی سرکار نہ ہو اس کی روایت بھی ان کے ہاں معتبر اور واجب القبول ہے۔ چنانچہ ابو ہاشم داؤد بن ابی القاسم جعفری، محمد بن علی بن ہلال، احمد بن اسحاق، ابراہیم بن ہریرہ اور محمد بن ابراہیم، وغیرہ وغیرہ انہوں نے صرف روایات کا دعویٰ کیا اور آفتاب سے عجیب و غریب روایات بیان کیں پھر بھی انہوں نے ان روایات میں کسی احتمال و شک کو دخل دینے بغیر ان کو بسوچ سمجھ قبول کیا۔ یہ بات دراصل ان جیسے بلند باگ دعویٰ کرنے والوں کے لئے عبرت کا مقام ہے کہ ایک طرف تو دروغ گوئی خطا و لغزش سے اس قدر احتیاط اور اس درجہ گریز کا دعویٰ کر اسی مقصد کی خاطر امام کا تقریر خدا تعالیٰ پر واجب و ضروری قرار دیا اور خدا نام کی فضیلت و عظمت پر نص قطعی متواتر کی شرط لگائی،

اور دوسری طرف دین کے اہم معاملات میں ایسے بے اصل، لغو، لجز احتمالات اور باتوں سے استدلالات کئے اور با حقیقت و بلادلیل ہر کائنات میں پر خدا اور انکرا اصول پر فریشتہ ہو گئے ان پر قویہ مثل سولہ آنے راست آتی ہے کہ بوچھاڑ سے بھاگے اور پر نالاکے نیچے جا کھڑے ہونے۔

اور پھر یہ عجب بھی لائق توجہ ہے کہ یہ صاحب الامر سے صرف روایات ہی پر صبر نہیں کرتے بلکہ ان کے ثقات نے رقعہ کی روایت کا شکر فرم بھی چھوڑ رکھا ہے، بعض نے سفاک کے ذریعہ مسائل کے رقعے بھیجے اور ان کا جواب آیا، اور بعض نے سفاک کے واسطہ بغیر ہی رقعے ارسال کئے،

اب چونکہ سفیر ولی کی سفارت کو ترکے بازوؤں سے بندھی ہوئی ہے رقعہ کا جو جواب ان کے ذریعہ ملے ظاہر ہے وہ کس قدر قابل اعتماد ہو گا اور جو جواب ان کے واسطہ کے بغیر ہو گا وہ اس سے زیادہ بدتر ہو گا،

سفاک کے ذریعہ جوابات ملنے والے بہت سے ہیں، ان میں سے ایک وہ جو علی بن حسین بن روح نے جو سفاک میں سے تھا علی بن جعفر بن اسود کو دیا کہ وہ اس کو صاحب الامر کے پاس پہنچا دے پھر یہ رقعہ اس نے بیگمان کرتے ہوئے اس کے پاس بھیجا کہ وہ صاحب الامر کا جواب ہے، محمد بن عبداللہ بن جعفر بن حسین بن جامع بن مالک حیرانی، ابی جعفر قمی، کے رقعہ بھی اسی نوعیت کے ہیں،

اس کے متعلق تجاویز کتاب ہے کہ ابو جعفر قمی صاحب الامر کا منشی تھا، اور اس نے بہت سے مسائل شرعیہ کو حل کیا ہے اس نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم سے احمد بن حسین نے بیان کیا کہ اصل نسخے میں نے ان مسائل پر واقفیت حاصل کی جن میں بین السطور دستخط تھے محمد بن حسن طوسی نے بھی کتاب العینہ اور کتاب الایضاح میں ان جوابات کا ذکر کیا ہے، ابو العباس جعفر بن عبد اللہ بن جعفر قمی کے رقعے بھی اسی قسم کے ہیں، یہ دونوں قیوں کا استاد اور سردار ہے، اور اس کے دوسرے بھی حسین اور تیسرے بھائی احمد کے رقعے ایک ہی جیسے ہیں، ان تینوں بھائیوں کا دعویٰ تھا کہ صاحب الامر سے ان کا خط و کتابت ہے اور یہ کہ ہم مسائل شریعت انہیں سے حل کرتے ہیں، اور ان کے پاس مسائل کے جو جوابات ہیں وہ صاحب الامر ہی کی طرف سے ہیں تجاویز اور دوسروں کی طاس کا تذکرہ کیا ہے،

اسی ابو العباس نے ان رقعہ مات کو جمع کر کے ان سے ایک کتاب مرتب کی جس کا نام اقرب الاسناد الی صاحب الامر لکھا

علی بن سلیمان بن حسین بن جهم بن کبیر بن امین ابو الحسین الرازی کے وقتے بھی اسی قماش کے ہیں، ان کے متعلق نباشی کا کہنا ہے کہ یہ رقم جات صاحب الامر تک پہنچے اور ان پر کو خط ثبت ہیں،

اب رہے بلا واسطہ کے رقم جات، تو ایسے رعایت محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی کے ہیں، جن کی مرادقت پر غلطو یہی سے دلیل دیتا ہے، کہنا ہے کہ میں جواب طلب کوئی مسئلہ لکھ لیتا اور شہر قم سے باہر ایک درخت کے سوراخ میں رکھ دیتا تھا ایک دن رات اس کو پیڑ رکھا رہنے دیتا اور سرسبز اس کو لے آتا۔ تو اس مسئلہ کا جواب اس میں لکھا ہوا پاتا،

صاحب الامر اور گزشتہ ائمہ کی تحریرات جو شیعوں کے سوالات کے جواب میں لکھی گئی ہیں، اور ان کے گمان میں وہ ائمہ کی دستی ہیں وہ سب ان کے نزدیک صحیح الاسناد و روایات پر قابل ترجیح ہیں، چنانچہ ابن بابویہ فقیہ نامی کتاب میں باب الرمل یوسی الی علیہن میں جانب مقدس سے آنے والی تحریرات میں سے کسی تحریر کو نقل کر کے کہنا ہے کہ میرے پاس ابی محمد بن علی کی یہ دستی تحریر موجود ہے، اور دوسری طرف محمد بن یعقوب کی کتاب کلینی میں جالب امام صادق سے ایک روایت مذکور ہے جو اس تحریر کے خلاف ہے، پھر اس نے وہ حدیث نقل کر کے کہا ہے کہ میں اس حدیث پر فتویٰ نہیں دیتا بلکہ میں اس تحریر پر فتویٰ دیتا ہوں جو میرے پاس محمد بن علی کی دستی موجود ہے،

ان میں اگر نقل ہو تو وہ بیان اس بات پر عقد کریں کہ اس کا ثابت کرنا کیسے ممکن ہے کہ یہ تحریر امام ہی کی ہے کیونکہ ایک تحریر دوسری سے اکثر ملتی رہتی ہے، اور اس میں بناوٹ اور جملہ سازی اتنی رواج پائی ہے، کہ ایک شخص نے کسی دوسرے کے غلط کی نقل کر کے اسی شخص کے سامنے پیش کی تو وہ بھی چکر لگایا اور تمیز نہ کر سکا۔ اور اس نے یہی خیال کیا کہ وہ اسی کی تحریر ہے، اور پھر اسنا طویل عمر گزارنے کے بعد کوئی اس کی تصدیق کر سکتا ہے امام کی تحریر عمر چھوٹیں اگر کبھی کسی نے دیکھی بھی ہوگی تو ایک دو مرتبہ وہ بھی تبرکات اور بطور تبرک ایک دو دفعہ دیکھنے سے کیا دوسرے غلوں میں کوئی تمیز و فرق کر سکتا ہے ایسا ممکن نہیں، چنانچہ اب خط کوئی میں اگر کوئی تحریر کسی کی نظر ٹپتی ہے تو وہ جھٹ کہہ اٹھتا ہے کہ یہ تحریر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ہے حالانکہ ذریعہ شناخت کسی کے پاس نہیں اور نہ ہی اب اس کی تصدیق ممکن ہے،

اور پھر صاحب الامر کا خط جس کو کسی نے نہ دیکھا ہی نہ ہوا وہاں اس بات کا تو سوال ہی نہیں کہ اس کے دیکھنے پر جتنے کا اس کا اکثر واسطہ پڑا ہوگا جس پر خط کی شناخت و معرفت موقوف ہے،

حاصل کلام یہ کہ دین کے احکامات ان مرموم اور دراز کار احتمالات سے ثابت کرنا کسی بے وقوف اور احمق ہی کا کام ہو سکتا ہے عقل مندوں کے نزدیک تو یہ پاگل پنہ کی حرکت کے سوا کچھ نہیں اور امام کو ابھی تک حیات مانا جب کہ تقریباً ہزار سال کا طویل عرصہ بیت چل رہا ہے اسی قسم کی حرکت ہے، اور لغو خیالی ہے، کیونکہ اس زمانہ میں کسی انسان کی اتنی طویل عمری عادتاً محال ہے اور حضرت نوح علیہ السلام، یا لقمان بن عاد یا اسی قسم کے حضرات کے مثال سامنے رکھتے اور اس پر قیاس کر کے حکم لگانے کی حرکت تو اس فرقہ کی مزید ہر قونی ہوگی اس لئے کہ اگر اس قیاس سے یہ جملہ نام مقصود ہو کہ ایسا ہونا ممکن ہے تو اس سے ان کی مطلب برآری یوں نہیں ہو سکتی کہ اس امکان کا کوئی بھی منکر نہیں، اور اگر غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ عمر کی اس قدر درازی عادتاً جائز ہے تو یہ بالکل غلط ہے غور و عبادت اور امور نادرہ پر قیاس کرنا جائز نہیں خصوصاً جب کہ اس میں بدن کی ساخت اور زمان و مکان کو بھی دخل ہو۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہو گا کہ کوئی ولایت گرم سیر کو ولایت سرد سیر کہے اور اس زمانہ کے لوگوں کو قوم عاد پر اور قوم سمرقند پر قیاس کر لے، اور ظاہر ہے اس زمانہ میں عمر کا اتنا دراز ہونا عادی امر تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کی عمر تو ذررت سے اتنی

ہیں جو گنجی چنانچہ اس زمانہ میں سوا ایک سو بیس برس کی عمر قدرت میں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کے برابر کا حکم رکھتی ہے، اور لقمان بن عادی کی عمر ان کی دعا قبول ہو جانے کی وجہ سے خلاف عادت اتنی دراز ہوئی اور یہ کی ضروری ہے کہ جو حزنِ عادت سابقہ بچوں یا دوسرے مسلمانوں سے ظہور میں آیا وہ عمار سے پیغمبر اور ان کی امت کے ائمہ سے بھی ظہور پذیر ہو۔ ورنہ پھر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حضرت نوح و حضرت لقمان علیہما السلام سے کم نہ ہوتی۔

اگر حضرت خضر و حضرت ایسا میں علیہما السلام کی درازی عمر کی بات صحیح ہو تو وہ بھی اس امت اور اس دوسرے سے خارج نہیں اور پھر وہ فرشتوں کے حکم میں ہیں جس سے کسی کو کوئی سروکار نہیں۔

ان سے احکامِ دین و اصولِ شریعت لینا اور واقعات و حادثات میں ان کی طرف رجوع کرنا ضروری و لازمی نہیں اور اگر وہ اپنی زندگی پوشیدہ گزار رہے ہیں گوارا کرتے ہیں کسی کو کیا پرواہ بھلا امامِ وقت کے، کہ امت کا کاروبار احکامِ شریعت کی مخالفت اور اموال و فرائض کا اجراء، حدود و تعزیرات کا قیام کرنا، مجمع و جماعت افواج اور لشکروں کی تیاری کا فرائض اور سرکشوں کے ساتھ جنگ و قتال، یہ سب سب امور ان کی تدبیر سے وابستہ اور ان کے احکام و فرائض پر موقوف ہیں اور پھر وہ نہ کسی کو نظر آتے ہیں نہ کسی سے ملاقات ہوتی ہے بلکہ کوئی نہ ان کو جانتا پہچانتا ہے نہ ان کی آواز سناتا ہے، لوگوں نے ان پر افتراء اور بہتان باندھ لئے ہیں جنہیں جملی غلط اور بناوٹی تحریریں بنانا کہ لوگوں کو منہالت و مگرابی کے غار میں دھکیل رہے ہیں، یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی بادشاہ کسی کو کوثرِ اقبال شہرِ خاک یہ حکم دیدے کہ لوگوں کی نظر سے اوجھل رہو نہ کسی کو اپنی صورت دکھاؤ نہ آواز سناؤ نہ اپنے مسکن اور ٹھکانے کا لوگوں کو پتہ بتاؤ کہ وہ تم تک پہنچ نہ سکیں اور تہدار اسرار غم نہ لگائیں،

اب کوئی بتائے ہم بتائیں کیا؟ کیا یہ باتیں عقلمندوں کی ہیں؟ جہالت نے یہ سارے گل کھلائے ہیں، اگر طریلِ العمری کے بارے میں ابو ریحان بیرونی، ابو معشر علی، ماشاء اللہ مہری، ابن شادان میں اور دیگر اہل نجوم سے اگر یہ فرقہ دلیل لائے تو یہ باطلِ معنی اور بے فائدہ بات ہے،

اہلِ نجوم کہتے ہیں کہ اگر کسی کی پیدائش قرآنِ اکبر کی تحریک سے قریب ہو اور طالع، زحل یا مشتری کے دو خانوں میں سے کسی ایک میں ہو اور حیضاج (اصطلاحِ نجوم میں دلیلِ عمر) آفتاب کا دن میں ہو یا مانتاب کالات میں ہو اور غمخیز و آفتاب و مانتاب کے علاوہ سات ستاروں میں سے پانچ ستارے، قویۃ الحالی و تادین ناظر، یا کہ خلا بنظر تو ذہن تو ممکن ہے وہ بچہ قرآنِ اکبر کے سالوں کے مطابق فوساسی شمسی سال زمرہ ہے۔ یا اسبابِ فلکی اگر اس کے خلاف بتائیں تو اس سے کچھ کم یا زیادہ رہ سکے۔

اول تو نجومیوں کی ہنرات کو شریعت کے اعتدالی امد میں دخل دینا پرلے درجہ کی بے دینی ہے دوسرے ان نجومیوں نے بھی کوئی حتمی و یقینی بات نہیں کہی عمر کی کمی و زیادتی کو اسبابِ فلکیہ کے حوالے سے کہا ہے اور ایک امکان کا ذکر کیا ہے، اور یہ سطور بالا میں معلوم ہو چکا کہ امکان سے کسی کو انکار نہیں، لیکن ہر ممکن کو یقینی، اور واقعہ ہونا، جانشایہ تو صحیح مبالغوی اور جنون ہے یا اس سے بھی کچھ سوا،

تیسرے، حضورؐ کی دیکھ کر اگر ان باتوں کو مان بھی لیں تو باتفاقِ معین و موردِ رضیٰ اور بشادات ان کتابوں کے جن سے ان کی پیدائش کا پتہ چلتا ہے مثل کتابِ اہم الامور فی وغیرہ حضرت امام صاحب الامر کی پیدائش ایسے حالات و مواقع میں نہیں ہوئی۔ اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو،

امام مہدی علیہ السلام کی پیدائش کے وقت کے بارے میں دو قول ہیں،

اول یہ کہ ان کی پیدائش شب برات ۱۵ شعبان ۵۰۰ ہجری بعد گزرنے چاند ماہ قرآنِ امصر سے کہ جو تھا تھا، قرآنِ کبر کا جو قوس میں واقع ہوا۔ اور طالع، سرطان سے پچیس تھا، اور زحل قوس کے آٹھویں درجے اور بارہویں دقیقے میں مشتری رجبت میں تھا اور مریخ جوزا کے بیسویں درجے اور چونتیسویں دقیقے میں، اور زہرا جوزا کے پچیسویں دقیقے میں اور عطارد اسد کے چوتھے درجے اور تیسویں دقیقے میں، اور قمر دلو کے تیسویں درجے اور تیرہویں دقیقے میں، اور راس حمل کے تیسویں درجے اور آٹھویں دقیقے میں، اور ذنب میزان کے آٹھ تیسویں درجے اور آٹھویں دقیقے میں،

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی پیدائش ۲۳ شعبان ۵۰۰ ہجرت میں ہوئی آپ کا طالع سرطان پچیسواں درجہ اور ساتواں دقیقہ تھا، اور زحل عقرب کے بیسویں درجے اور اٹھارہویں دقیقے میں، مشتری و مریخ حمل کے آٹھویں درجے اور چونتیسویں دقیقے میں، اور سورج اسد کے اکیسویں درجے اور آٹھ تیسویں دقیقے میں اور زہرا جوزا کے پچیسویں درجے اور سترہویں دقیقے میں اور مریخ عقرب کے تیسویں درجے اور تیرہویں دقیقے میں،

لہذا اس سے متعلقہ کہ دلائل فلیکھ آپ کی درازی عمر پر دلائل نہیں کر رہے تھے، بلکہ اس کے خلاف کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور اس بات کو مبرا نجوم ان دونوں زائچوں کی مدد سے بھی بخوبی معلوم کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ یہ بھی ثابت نہ ہو کہ آپ کی پیدائش تحویلِ قرآنِ کبر کے نزدیک تھی اور امام صاحب الامر کی پیدائش سے متعلق ان دو اقوال کے علاوہ کوئی اور قول نہ مروی ہے، نہ منقول، نہ عنایت حضرت نور علیہ السلام کے کہ باتفاق نجومی مورخین آپ کی پیدائش تحویلِ قرآنِ کبر کے نزدیک تھی، اور دلائل فلیکھ بھی آپ کی درازی عمر پر صاف دلائل کر رہے تھے چنانچہ غریبوں نے آپ کے زائچہ ولادت کی شرح میں اس کا ذکر کیا ہے، پھر قطع نظر ان سب باتوں کے دلائل قطعیہ عقلیہ بھی ایسے موجود ہیں جو امام صاحب الامر کی درازی عمر کو خود اصولِ شیعہ کے مطابق رد کرتے ہیں، اس لئے کہ اگر ان کو زندہ مانیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف ترک واجب کا الزام آتا ہے کہ ایک طرف تو آپ کو اس کے باوجود کہ آپ کھمبائی اور امور امت کو سرانجام دینے میں سب سے زیادہ قابلِ دلائل تھے اہل دنیا میں مقبول نہیں بنایا بلکہ اس کے برخلاف اہل دنیا کو ان سے متفرق کیا اور اس حد تک کہ وہ آپ کے قتل اور ایذا رسانی کے درپے ہو گئے جس کی وجہ سے آپ کو نسبتِ کبریٰ کے پردہ میں پھینکا پڑا۔ اور دوسری طرف ظالموں، کافروں، اور ناسقوں کو آپ کے ہوتے ہوئے زمین پر مسلط کیا لہذا اصل کی جو رعایت اللہ تعالیٰ پر واجب تھی اس نے ترک کر دی،

اس کے ساتھ ہی لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف امرِ قبیح کی نسبت بھی کی نہ ہو بالذات کہ ایک ایسے شخص کے ہوتے ہوئے جو امامت اور ریاست کے قابل ہو دوسرے کو جو قطعی نااہل ہو ملک و سلطنت اور امور دنیا پر تصرف دیدینا سراسر فحش ہے، پھر ایک شخص کو امامت بخشا اور اس کو غائب و روپوش ہو جانے کا بھی حکم دینا اور دوسروں کو مجبور کرنا کہ اس پر شیعہ عائد روپوش شخص سے حق کے نام کے سوا وہ اس کے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوں احکامِ دین کی تحقیق کریں اور مشکلات دنیا میں اسی کی طرف رجوع کریں اور جملہ امور تقسیم ملک و غنیمت، فوجوں کی تیاری، شہروں کا فتح کرنا جنگ و صلح سب اسی کی صوابدیر پر کریں تو یہ سب تکلیفِ مالِ بیطاق ہے، جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے جبرائیل کو تمہارا امام بنایا۔ اپنے تمام دینی مسائل انہی سے سیکھو اور کوئی دنیاوی کام بغیر ان کی مرضی کے نہ کرو تو ہر عقائد ان دونوں اصولوں میں کوئی فرق نہیں کرتا اور ہر دو کو تکلیفِ مالِ بیطاق سمجھتا ہے، جو بالجماع محال ہے، اور ایسے امام کو مقرر کرنا ہی عبث اور بے فائدہ ہے کہ جس کی ذات سے امامت کے

فوائد سے سے ظہور پذیر ہی نہ ہوں مگر میں کری کہ کوئی فرق عفا کر اپنا امام مان کر اپنے کو فرقہ عفا کہنے لگے تو اس کے مذہب کو کوئی کیسے مائل کرے اور ایک بحث فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا انتہائی قبیح ہے جس کی نفعی اللہ تعالیٰ کی ذات سے کرنا خود شیعوں کے نزدیک بھی واجب ہے،

خلاصہ کلام یہ کہ ان لوگوں کے خیال ناسد کے مداور بطلان پر دلائل اسنے ہیں کہ دفتر کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں مگر چونکہ یہ معنی بحث کا مقام ہے اور اس موقع کی مناسبت سے جتنا کچھ تحریر ہوا وہ حق کے متکاشی اور انصاف پسندوں کے لئے افشاہ کاف ہوگا، اس لئے اب اسپ قلم کی باگ اس میدان سے موڑ کر موضوع باب کی طرف موڑتے ہیں،

ان کے راویوں میں سے بنی نے ایسی چیز کی بھی روایت کر دی ہے جس کو قطعی اور عقلی دلائل محال قرار دیتے ہیں پھر بھی یہ اس کی کمزوری پر چڑنے کے بجائے اس کی روایت کو قبول کر لیتے اور اپنی ہر تصدیق ثبت کر کے خود کو بھی اس راوی کی سطح پر لے آتے ہیں، مثلاً ابو بکر نے امام صادق رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ وہ الوہیت کا دعویٰ کرتے تھے، یہاں تک کہ شیعوں کے اخبار در رجال کے حالات بطور نمونہ مشتمل از خود اسے بیان کر رہے تھے، اب مناسب اور ضروری معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے بقیہ دلائل کا بھی اجمال جائزہ ناظرین کے سامنے پیش کر دیں تاکہ ان پر ان دلائل کی حقیقت بھی منکشف ہو جائے اور ان کے جملہ استدلال کی کمزوری جو عمومی طور پر ان کے علم میں آجائے اور وہ ان کے جزئی و تفصیلی دلائل کو انہی بیانات کلیہ کی کسوٹی پر پرکھ کے ان کے کھوٹے اور نامکارہ ہونے کا بخوبی اندازہ لگا لیں،

تہ باب

شیعوں کے بقیہ دلائل

واضح رہے کہ ان کے نزدیک دلیل کی چار قسمیں ہیں، کتاب، خبر، اجتماع، اور عقل کتاب یعنی قرآن مجید تو ان کے خیال میں قابل استدلال نہیں، کیونکہ اس کے قرآن ہونے پر اسی وقت اعتماد کیا جاسکتا ہے، جبکہ یہ امام معصوم کے واسطے سے پہنچے ہوئے ان کے واسطے سے پہنچا ہوا کوئی قرآن ان کے پاس موجود نہیں اور مردہ قرآن ان کے گمان میں ائمہ کے نزدیک مستبر نہیں تھا اور انہوں نے نہ اس کو قابل استدلال یا حجت کے قابل جانا، چنانچہ یہ سب کچھ کلینی اور ان کے دوسری کتابوں سے نقل ہوگا کتاب کے متعلق ہم نے جو ان کا گمان بیان کیا ہے تو ہمارے اسی قول کا ثبوت مندرجہ ذیل وجوہ سے ہو سکتا ہے،

اول۔ امامیہ کی ایک بڑی جماعت نے اپنے اکثر سنے روایت کی ہے کہ کلمات قرآن منزل میں تحریف کی گئی ہے اور نہ صرف آیتیں بلکہ سورتیں تک حذف کر دی گئیں ہیں،

اور ترتیب اصلی میں بہت کچھ فرق آچکا ہے اور اب جو نسخہ دستیاب ہوتا ہے وہ مصحف عثمان ہے کہ انہوں نے سات لکھ کھرا کر عام میں اس کی اشاعت کرائی اور جو اصلی ترتیب وہ منہج کے قرآن کو پڑھتا اس سے ماہر بیٹ کرتے اور طرز سے چھوکتے اس لئے مجبوراً سب اہل دنیا نے اس مصحف پر اجماع کر لیا اور یوں یہ قرآن قابل استدلال اور لائق تمسک نہ رہا اس کی عبارت و الفاظ عام و خاص قابل اعتماد رہے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ احکام جو اس وقت قرآن میں موجود ہیں سب کے سب یا اکثر ان آیات و سورتوں سے منسوخ یا مخصوص ہوں جو قرآن سے خارج کر دی گئیں،

دوسرے یہ کہ اس قرآن کو نقل کرنے والے یا شبہ توریت و انجیل کے نقل کرنے والوں کی طرح تھے کہ بعض تو اہل نفاق،

تھے مثلاً کبار و سربراہان و صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور بعض زمانہ ساز دنیا طلب وین فروش، جیسے عام صحابہ بجز بارکے جرمال اور
عبداللہ کے لایچ سے اپنے سرداروں کے پیچھے ہونے اور مرتد ہو گئے سنت رسول کو خیر باد کہا اور رسول دحلہ الطریقہ سلم کے
خاندان کے ساتھ مداوت و دشمنی رکھی، اس کی کتاب تحریف کڑالی اور اس کے کلام کو بدل ڈالا مثالی کے لہر پر مین المراتق
کی جگہ الی المراتق بنا دیا اور اللہ ہی ان کی من السنکھ کی جگہ ائمہ تھیں آنہ بی مٹا کر دیا اس طرح اور بھی، چنانچہ دلائل
ضنی قریش میں جس کو یہ قنوت امیر المؤمنین (رضی اللہ عنہ) کہتے اور متواتر خیالی کرتے ہیں اس کا ذکر ہے، اس کا کچھ بیان باب دوم
میں گزر چکا ہے،

لہذا جس طرح قنوت واجب کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور نہ عقیدہ و عمل کی کوئی بات لی جاسکتی ہے گویا ہر دو متقابل
تمسک ہیں، اسی طرح قرآن موجود ہے بھی تمسک مشکل ہے، اور جس طرح ان دونوں کتابوں کے احکام قرآن مجید سے منوع ہونے
اسی طرح خود قرآن کی بہت سی چیزیں فسوخ ہو چکی ہیں، اور ناسخ کو سوائے ائمہ کے کون جان سکتا ہے،

تفسیر سے یہ کہ نزول اجماع قرآن کا ثبوت بلکہ خود نبوت کا ثبوت نفی کرنے والوں کی صداقت سے والہ ہے، جب ناقصین
نبوت پیغمبر اتفاق سے ایسی جماعت ہو، جنہوں نے اپنی لغو اغراض کی ناپاس مریخ حکم کو جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں
کے رد و رد دیا گیا تھا، چھپا دیا اور بوقت ضرورت کسی نے اس کے ظاہر کرنے کی جرات نہ کی حتیٰ کہ خاندان نبوت کا حق تلف
ہوا اور اس اصول دین یعنی امامت کا تختہ الٹا جو در حقیقت نبوت کے ہم پلہ ہے قرایے لوگوں کی نقل پر کیے اعتماد اور جو دوسرے
کیا جاسکتا ہے، ان سے کیا بعید کہ کسی غرض خاصہ کے لئے سب کے سب یک زبان ہو گئے کہ فلاں نبی تھا، معجزے لایا اور اس
پر قرآن اترا اور بلاغ عرب و علم اس کے مقابلہ سے عاجز رہے اور حقیقت میں کچھ بھی نہ ہوا،

اب را خبر کا معاملہ تو اس کا بیان اسی باب کے اوراق مابقی میں گزر چکا ہے، نئی بات یہ ہے کہ خبر کے ناقل
در کار ہے اور وہ ناقل یا شیعہ ہو یا غیر شیعہ، غیر شیعہ کو درجہ اعتبار سے یوں گر گئے کہ ان کا پہلا طبقہ جن پر ان کی سندیں
ختم ہوتی ہیں مرتد ہو گیا، اور منافق و عوف کتاب اور خاندان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمن گزر رہے ہیں رہے شیعہ تو یہ
آپس میں خود اصل امامت، اس کی تعیین اور ائمہ کی تعداد میں شدید اختلاف رکھتے ہیں،

کتاب جو نگر ان امور میں ایسا ثبوت ہم پہنچانے سے سناکت ہے جو مخالف پر چسپاں ہو سکے اس لئے لا علمہ ان میں
سے کسی ایک کے قول کا ثبوت خبر سے ہی ہو سکتا ہے، تو اگر خبر کا ثبوت بھی نیز اس کی بحیث اسی قول پر موقوف ہو تو
یہ صاف دور ہو گا و لیکن قول کا ثبوت خبر سے اور خبر کا ثبوت قول سے، اور دور باطل اور غلط ہے، اور پھر یہ بات بھی ہے
کہ خبر کا جہت ہونا اس پر موقوف ہے کہ وہ معصوم کا قول ہو یا کسی معصوم کا قول بھی کسی معصوم کے واسطے سے پہنچا ہوا ہو
اس شخص معین کی عصمت پھر اسی خبر پر موقوف ہے کیونکہ کتاب تو ساقط ہے ہی عقل بھی ثبوت سے عاجز و در ماندہ ہے
اسی طرح معجزہ کا ثبوت بھی خبر پر موقوف ہے اس لئے کہ ہر شخص تو بذات خود معجزہ دیکھتا ہی نہیں یہی حال اجماع
کا ہے کہ غائبین تک اجماع کی نقل میں خبر ہی ذریعہ لازم اور ضروری ہے، اور اس کے جہت ہونے کا دار بھی اسی پر ہے کہ
اس میں معصوم کو دخل ہے اور شخص معین کی عصمت اس معصوم کی خبر سے یا کسی دوسرے معصوم سے جو اس کے واسطے سے
ہو ثابت کہ نہ مخالف اور داغ و در ہے علاوہ از یہ خبر کی جہت یعنی نبوت اور امام کی امامت کے ثبوت پر موقوف ہے
وہ کیسے ثابت کی جاسکتی ہے،

غرضیکہ غرضیوں کے نزدیک تو اثر سے بھی اعتقاد لٹھ گیا اور وہ بھی معتبر نہیں رہا۔ اس لئے کہ واقعہ کی پوشیدگی مدد تو اس سے ظہور میں آئی اور یہ حال غیر واقعہ کا ہے، اس کے علاوہ اخباراً عاد تو وہ اس قسم کے مطالب میں قابل لحاظ نہیں لہذا اب خبر سے استدلال کسی صورت بھی ممکن نہ رہا،

اب رہا اجماع تو اس کا بطلان تو سب شقوں سے زیادہ ظاہر ہے و باہر ہے کیونکہ اجماع کا ثبوت موقوف ہے ثبوت و ختم کے ثبوت پر اور جب یہ دونوں ہی اپنے ثبوت کے لئے معترض شک میں ہوں تو اجماع کا ثبوت کیسے ہو گا اور پھر اجماع بنیاد خود حجت ہے نہیں وہ تو معصوم کے قول کے دخل کی وجہ ہے، اور اس کا معصوم ہونا اور تعین تشفی کہ وہ ایسا کون ہے اور پھر اس کا قول کون اور کیسا تشفی بیان کر رہا ہے یہ سب ہی باتیں ابھی موضوع بحث و نقیض میں ہیں۔ تو اجماع کے ثبوت کا سوال ہی کہاں رہا۔

قطع نظر اس کے مدار اول و دوم کا اجماع جبکہ ابھی امت میں اختلافات رونما نہیں ہوئے تھیں یوں غیر معتبر تھے اگر ان شیعوں نے ان امور خلاف ابو جعفر و عمر رضی اللہ عنہما حرمت متعہ تعریف کتاب، منع از میلث پیغمبر، امام حق کو حق سے محروم کرنے اور تعلقات خاندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غصب کرنے پر اجماع کر لیا،

تو اب اس وقت کا اجماع جب کہ امت اختلاف کا شکار ہو کر فرقہ فرقہ ہو گئی، اس طرح معتبر ہو اور یوں بھی مختلف فیہ مسائل میں کہ جن میں استدلال و حجت کی سنت اور خصوصی ضرورت و احتیاج ہے پھر امت اجماع میں معصوم کا دخل ہونا یا اس کا تمام امت کے قول کے مطابق ہونا سب کچھ خبر ہی سے ثابت ہوتا ہے اور خبر کا تعارض، تساقط اور ضعف جیسا کچھ ہے وہ عیاں و ظاہر ہے،

اور ہر مسئلہ مختلف فیہ میں اجماع کا نقل و حوالہ خصوصیت سے ایسا امر ہے کہ جو کبھی واقعہ نہیں ہو سکتا اور علانیہ شیعہ خصوصاً اثناعشریہ کا یہ حال ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب و تردید میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک فرقہ اگر اپنے فرقہ کا اجماع نقل کرتا ہے تو دوسرا اسے جھٹلاتا ہے اور تکذیب کرتا ہے، تو جب صرف ایک فرقہ امامیہ کا اجماع ہوشیوں ہی کا ایک فرقہ ہے، شیعوں کے دوسرے فرقہ کے نزدیک ثابت نہیں ہوتا۔ تو بری امت کے اجماع کو ثابت کرنا تصور تک میں نہیں آ سکتا۔

اس کی وضاحت ذیل کی مثالوں سے اچھی طرح ہو جائے گی مثلاً سبیل السلام الی معالم الاسلام کا مصنف حدیث عقلی کے ذیل میں کہتا ہے۔ کلامنا شیخ ابی الفتح انکر جکی فی کثرت الفوائد یثبوت علی اجماع الامامین علی الہدایۃ و انکھ من خصائصہ و انکر کما ساء فی فرقہ و کلام الحنفی فی التہذیب و کشف الحق یثبوت علی الاصول و فی الہدایۃ کہ کثرت الفوائد میں شیخ ابی الفتح کراچی کے کام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امامیہ کا مسئلہ بداد پر اجماع ہے اور ہر مسئلہ ان کے ضامین میں سے ہے و مگر یہ غلط ہے کیونکہ تمام فرقوں نے اس سے انکار کیا ہے بلکہ علی نے نہایا، تہذیب اور کشف الحقائق میں اس انکار پر اصرار کیا ہے۔

اسی طرح ان کے شیخ شہید ثانی نے ایک پوری فصل صرف اس لئے رکھی کہ ان کے شیخ نے باجاً بفرقہ کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے، مگر دوسری جگہ اس نے خود ہی اس کے خلاف رکھا ہے، اس فصل سے مختصر سا حوالہ ہم یہاں تحریر کئے دیتے ہیں،

قَالَ قَسْلُ بْنُ شَافِرٍ عَلَى مَسَائِلِ الْأَدْعَى الشَّيْخِ الْجَمَاعَةِ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الْإِجْمَاعُ عَلَى أَنَّ لَا يُعْتَبَرُ الْفُقَهَاءُ بِقَوْلِهِمْ قَوْلِي
الْجَمَاعَةُ لَقَدْ وَتَحَرَّفُوا الْخَطَاءَ وَالْجَمَاعَةُ كَثِيرَةٌ مِنْ عَمَلٍ وَاحِدٍ مِنَ الْفُقَهَاءِ سَيِّمَاتِ الشَّيْخِ مَوْسَى بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ

بزرگ ساتھ بیک وقت اٹھ سکتے ہیں، ایک جسم ایک آن میں دو جگہ نہیں پایا جاسکتا جو عموماً اس کی گرفت سے باہر اور غائب ہوا سے حاضر نہیں کہہ سکتے اور کسی چیز کا نام عین وہی چیز نہیں ہے یا ان جیسے اور بدیہی امور۔ تو ایسے لوگوں کے نزدیک تو کوئی بھی دعویٰ عقلی و دلائل سے ثابت نہیں کیا جاسکتا،

اور یہی عالی شرمی دلائل اور دینی مقدمات کا ہے، جو ملت حنفیہ کے اثبات کے لئے لائے گئے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اب تک تمام ادیان و مذاہب میں مسلم اور متفق علیہ رہے ہیں، مثلاً اللہ ایک ہے، وہ ایک سول بھیجتا ہے جو معجزات اپنے ساتھ لاتا ہے۔ فرشتے اللہ کے فرستادے ہیں جو مخلوق کے پاس آتے ہیں، اور جو تبلیغ و ارشاد میں جھوٹ و خیانت سے قطعی پاک ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو احکام کی تکلیف دیتا ہے، جن پر انکو قیامت کے دن اٹھنے پر جنت کی صورت میں ثواب یا دوزخ کی شکل میں عذاب دے گا،

اور ملت حنفیہ کے اصولی و قواعد کا ثبوت شیعہ ہی طریقے پر تو ممکن نہیں تو پھر کوئی بھی دینی مسئلہ ان کے نزدیک دلیل سے ثابت نہیں، تو گو یا یہ شیعہ دین کے سوسلطانی ہوئے۔

اس اجمال و اختصار کی تفصیل اور تشریح یہ ہے کہ یہ لوگ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جو تمام اصول و قواعد کا منبع اور سرچشمہ ہے امیر المومنین و ائمہ کی روایت اور واسطہ سے ثابت کرتے ہیں، اور یہ بات عیاں اور اظہر من الشمس ہے کہ براہ راست روایت کرنا ان کو نہ امیر المومنین سے نصیب نہ ائمہ سے، بلکہ واسطوں کے محتاج ہیں اور پھر وہ واسطہ بھی ایسے ہیں جن کی تکذیب خود امیر المومنین و ائمہ نے فرمائی ان کو مشہوم کیا اور حقیقت الامر یہ ہے کہ انہوں نے جس طرح نبوت کے متعلق روایت کی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جمیعت اور صورت و شکل کی بھی روایت کی،

اور یوں بزرگوں پر جھوٹ جوڑا۔ اور پھر یہ بات بھی اپنی جگہ ہے کہ شرائط امامت اور اس کے تعین میں اشاعتیہ توفیق رکھتے ہیں کہ اس کو دفع کرنا امکان سے باہر ہے ایسی صورت میں ان میں سے کسی ایک فرقہ کا جھڑپ ہونا یقینی ہوا اور ظاہر ہے کہ جھڑپوں کا تو اثر جو کبھی بیہودہ و ناشائستہ عزمنی سے کسی جھڑپ کی اشاعت پر ایک زبان ہو جانا جس طرح قرن اول کے مسئلہ خلافت پر قابل اعتماد بھروسہ نہیں ہے، اور پھر ان کے نزدیک تو لاکھوں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صرف چار یا چھ ہی قابل اعتبار ہیں تو صرف ان چار یا چھ کی روایات پر تو اثر کا اطلاق کیسا، اور بطور فرض محال اس کو مان بھی لیں تو چار یا چھ آدمیوں کی حدیث میں کو عام لوگ عقل سے بعید اور محال جانیں یقین کو کس طرح مفید ہوں گی۔

سید بن تیس ہلالی نے کتاب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور انہوں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور بہتوں نے امام صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کہ وہ سوائے چار کے سب صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے، اور جناب صدوق کی ایک روایت میں چھ کی تعداد آئی ہے۔

گویا سب کرام و رموز ان علیہم السلام کے نزدیک مرتد، و بیچ سے خارج، فاسد اغراض رکھنے والے اور دوزخ گو تھے۔ لہذا ان کے خیال فاسد اور گمان غلط کے مطابق ”در مرتدین“ کی یہ جماعت جو بھی روایت کرے مثلاً دعوائے رسالت اسی دعوائے کفر کے ثبوت میں معجزہ پیش کرے فقہ قرآن کے نزول قرآن کے مقابلہ میں فصحاء عرب کا ہجر، جنت و دوزخ کے حالات شری تکلیفات نزول وحی و ملائکہ بلکہ گزشتہ انبیاء کی نبوت، توحید کی دعوت، شرک سے روکنے والی ساری احادیات مردود

ہوں گی، کیونکہ یہ ساری روایات آخر اسی جماعت کی توجہ پر، جنہوں نے اس وصیت کے خلاف پرجامع کیا جو ایک لاکھ میں ہزار پیغمبروں کے مجمع میں باطل و تاکید کی گئی تھی، خصوصاً جب کہ اس جماعت کی روایات شیعوں اور ان کی ہم مشرب جماعتوں کے نزدیک حد تو اترو کو بھی نہ پہنچی ہوں اور اس حد ہی میں یا بعد صدیوں میں صرف شہرت اور اشاعت کو ان امور بالا کی صداقت کے لئے کافی سمجھا جائے تو یہ وہی امور ہیں کمال درجہ کی بے اعتباری ہے کیونکہ یہ دینی (اس حدی یا بعد کی صدیوں سب کے سب پیغمبر کے اور مردِ نجات کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے،

چنانچہ انہوں نے قرآن کی تحریف کر ڈالی، اور بہت سے ان احکام کو جو اللہ کی طرف سے نازل کئے حکم کے خلاف تھے ان صدیوں میں اتنا مشہور و معروف کر دیا کہ اصل شریعت، اگر بھی اتنی شہرت نصیب نہ ہوئی۔ جیسے دسویں یا دسویں صدیوں کا مسئلہ کہ اس نے اس درجہ شہرت پکڑ لی کہ روزانہ پانچ وقت، اسے شمارِ شام نے اس کو دیکھا اور سب غلط روایات کرتے چلے گئے یہی حال موزوں پر مسیح کا ہوا اور اسی طرح کی اور بدلتی ان کے مقتداؤں اور پیروؤں نے اپنی طرف سے گھڑ کر ان کو روایا دینے میں اتنا اندر لگا یا کہ لوگ ان کو بھی اصل شریعت سمجھنے لگے، مثلاً سنتِ تراویح اور حستِ متحرک وغیرہ،

تو ایسی بے دینی اور بے باکی جماعت سے کیا بعید کہ انہوں نے امرِ نبوت اور نردلِ وحی و ملائکہ اور ذکرِ جنت و دوزخ پر لوگوں کو ڈرانے یا ترغیب دلانے کی غرض سے اتفاق و اجماع کر لیا ہو، اور تو اترو اس وقت یقین پیدا کرتا ہے جب اہل تو اترو اعراضِ فاسدہ سے پاک ہوں اور یہاں تو ان دسویوں، کی ان گنت اور بے شمار اعراض موجود ہیں بہت ممکن ہے ان میں چند کسی اپنی پوشیدہ غرض کے تحت و عوائج نبوت و اظہارِ معجزات کی روایات بیان کرتے ہوں اور دوسروں نے موافقت کے لالچ میں اور دین میں بے جا سستی کو کام میں لاتے ہوئے اور بغیر تحقیق کئے ان کو قبول کر کے شہرت و بیدی ہو،

اور اس کا بھی احتمال ہے کہ گزشتہ کاہنوں اور جویموں سے انہوں نے سن لیا ہو کہ قریش میں عبد مناف کی اولاد میں فطون قضی کے ہاں فلاں نام کا بیٹا پیدا ہوگا، جو روئے زمین کا اور ان کے خزانوں کا مالک و متصرف ہوگا۔ تو یہ مفلس فاقہ کشی کا مادہ صوڈنڈتے ہوئے اور ہر معیاش طبعِ غلط ایران کی نازک اندام پر بیزادوں سے لطف اندوزی کے ارادے دل میں چھپائے ہوئے اور ہر دنیا پرست منافق قدرت کا دلدادہ کسریٰ کے بانات قزوین و شیراز کی تفریح گاہوں، قیصر کے حملات و آسائش گاہوں کے خیالی لطف و لذت سے متاثر ہو کر اس قریشی لقبِ ہاشمی و مطلبی دندہ ار داخا کے پیچھے لگ پڑے ہوں دوسری طرف یہودیوں کی بھی ایک جماعت اپنی پرانی کتابوں کے ذریعہ اس قصہ و واقعہ سے باخبر ہو کر تورات سے اس مدعی نبوت کی تائید میں کوئی نصِ نکال لائی ہو، اور تورات کے قصص و اخبار کو فصیح و بلیغ عبارات سے آراستہ کر کے اس کو دیدیا ہو، گو ابھی خود تورات کا نزول اور اس کے قصص کی صداقت ہی موت و نیست کے خطر سے اور گڑ بڑی میں مبتلا ہے، اس کی موافقت یا مخالفت کیسے نتیجہ خیز ہو سکتی ہے،

اول اول تو عرب کے جاہلوں نے ان اعراض کے سبب اتباع میں پیش قدمی کی پھر لوگ اندھا دھند غلطی پر غلطی کا شکار ہوتے ہوئے نفسانی خواہشات اور دنیاوی طمع و لالچ کے سبب مسلسل اس بھیر کے نقش قدم پر چلتے چلے گئے اور دھیر دھیر یہ غلط روی اور غلط رفتار ایک دین و مذہب کی شکل اختیار کر گئی، چنانچہ شیعوں کے خیال کے مطابق اکثر امورِ شریعہ میں یہی صورت پیش آئی،

مثلاً شیعوں نے دسویں یا دسویں صدیوں کے مسئلہ میں جو بہت سی شبہات و احتمالات پیدا کئے ہیں، جب کہ مسیح کے

مقابلہ میں پاؤں دھونے میں زیادہ مشقت اور تکلیف ہے، اور مشقت و تکلیف کے کام کو رواج دینے اور مشہور کرنے میں دنیا کا کوئی فائدہ نظر بھی نہیں آتا تو جن امور میں بظاہر آرام ہی آرام اور مزے ہی مزے نظر آتے ہوں وہاں تو ان کے لئے ایسے شبہات و احتمالات نکالنے میں بڑی آسانی اور زیادہ مواقع ہیں مثلاً معاملہ نبوت، کہ وہ ریاست عامہ کا معاملہ ہے جو دلچسپ بھی ہے اور دل پسند بھی، اور طبع و عرص کے لئے اچھی آماجگاہ بھی؛ ہزاروں لاکھوں اشخاص سوارسی اور ریل کے لئے اپنی جائیں تک دس ڈالتے ہیں اس کے لئے کوئی ایک بات یا ایک روایت پر یک زبان ہو جائیں تو کوئی تعجب بھی نہیں اور پھر جب اس مجہول کے لئے یہ تائید بھی مل جائے کہ جو ان سے آمادہ پرکار ہوا تو دولت و خواری اور تباہی و بربادی کا شکار ہوا اور یہ ایسی تائید ہے کہ آئندہ آنے والے اپنے اسلاف کے ایسے حالات دیکھ کر اور معلوم کر کے ان کی روایت کی صداقت پر پختہ خیال ہو گئے۔

اور یہی وہ احتمالات و شبہات ہیں جو یہ شیعہ خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کی خلافت اہل مصر میں ان کی شہرت اور آئندہ آنے والی اہل سنت کی جماعتوں کے متعلق نیز ان کے اعتقادات کے بارے میں نکالتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر اسی قسم کے لوگوں کا تو اثر مفید ہوتا تو پھر یہ وہ دھماکا تو اثر بھی مفید ہونا چاہیے، جب کہ یہود کا تو اثر اللہ کی کتاب میں تحریف انبیاء کی مخالفت و تکذیب اور ان کی وصیتوں کو دین موسوی کی خاطر ٹھکانے میں ان دسینوں سے بھی چند قدم آگے ہے اس لئے کہ یہودی بھی موسیٰ علیہ السلام سے بطریق قزاقانہ یہ نفس صریح نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا کہ جب تک آسمان و زمین قائم ہیں میری شریعت قائم رہے گی۔

اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں سچ کی تعلیم قائم رہے گی، یہی حال نصاریٰ کے قزاقانہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ نفس صریح روایت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، اور یہ کہ انسانی رسالت ان کے آنے سے پہلے ختم ہو چکی۔

اب اسی ہی جماعت کے پاس جو تحریف شدہ قرآن ہے اس کی وہی حیثیت ہے جو تحریف شدہ توریت اور انجیل کی ہے، کیونکہ اس میں سب سے بہت سی آیات اور متعدد سورتیں نکال دی گئی ہیں اس کے کلمات کو اپنی جگہ سے بدل گیا ہے اور ترتیب کو بگاڑا ہے، اگر اس قسم کے متواتر قرآن سے ہم تسک کر سکتے ہیں تو انجیل سے بھی تسک ہو سکتا ہے اور انجیل مرقس میں جو صماح ثانی میں انجیل ثانی ہے یہ نفس مزبور سے اور چاروں انجیلیں ان کے نزدیک متواتر ہیں،

ایک شخص نے اپنی زمین میں درخت لگائے اس کے گرد چار دیواری بنائی اس میں کسوں کھدوایا اور عمارت بڑائی جب باغ کی عمارت مکمل ہو گئیں تو وہ باغ کا شکاروں کے حوالہ کر کے خود کسی اور شہر میں جا بسا جب باغ پھیلنے آیا تو اپنے ایک غلام کو کاشتکاروں کے پاس بھیجا کہ باغ سے پھیلے آئے۔ جب غلام وہاں پہنچا اور پھیل لینے کا ارادہ کیا تو کاشتکاروں نے اسے مار پیٹ کر نکال دیا اس نے پھر اپنا دوسرا غلام بھیجا انہوں نے اسے دھوکہ دیا

قَالَ هَؤُلَاءِ جُلُ أَشْجَارٍ فِي أَرْضِهِمْ وَبَنَى حَوْلَ الْبَيْتِ
الْجِدَارَ وَأَنْ وَحْشَةً فِيهَا كَلْبٌ وَأَوْبَى عَلَيْهَا يَبُوءُ تَأْخِذًا
كُنْتُ عَمَارَةً الْبُشَايَ أَوْ دَقَقْتُ عِنْدَ الْبَارِجِ وَ
سَافَرْتُ إِلَى بَلَدٍ آخَرَ وَأَقَامَ فِيهَا فَلَمَّا خَالَ أَنِ يَنْفِخَ
الْبُشَايَ أَثَرُ سَلِّ عَيْنٍ عَيْنُهُ إِلَى الْبَارِجِ فَلَمَّا
أَلْمَأَزَهُ فَلَمَّا جَاءَهُ وَأَرَادَ أَنْ يَأْخُذَ ثَمَرَهُمْ لَبَّوهُ
وَأَسْلَمُوهُ خَابِئًا ثُمَّ أَثَرُ سَلِّ عَيْنٍ الْآخِرَ فَأَذَوْهُ
وَأَسْرَبُوهُ وَأَذْمُوهُ وَنَجَّوْهُ ثُمَّ أَثَرُ سَلِّ عَيْنٍ

اَلْخَيْرُ قَتْلُوهُ وَكَانَ يُدْسِيهِ اَلَيْسَ عَيْنُهُ تَشْرِي فَيُفِي بَيْنَ
بَعْضِهِمْ وَيَقْتُلُونَ بَعْضَهُمْ وَكَانَ لَهُ ابْنٌ وَاحِدٌ يُحِبُّهُ
وَلَوْ كُنِيَ لَهُ وَلَدٌ سِوَاهُ فَارَسَلَهُ اِلَيْهِ فَلَمَّا رَاَهُ
اَلْكُفَّاسُ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ هَذَا الَّذِي يَبْرِئُ بَعْدَهُ
اَلْحَيَّةُ فَهَلْ دُوْا فَفَتَلَّهُ وَتَوَرَّثُ الْبَشَرُ فَوَكَّبُوا عَلَيْهِ
فَقَتَلُوهُ فَلَا جُرْمَ يَغْضِبُ عَلَيْهِ صَاحِبُ الْخَطِطِ يَزِيحُ
اِلَيْهِمْ وَيَنْزِعُهُ مِنْ اَيْدِيهِمْ وَيَدْفَعُهُ وَيَضَعُهُ عِنْدَ
اَلْخَيْرِ فَيَكْسِيهِ۔

اور لوہا نہ کر دیا اور سر پہاڑ دیا اس نے تیسرا غلام بھیجا
تو اس کو قتل کر دیا وہ اسی طرح غلام پر غلام جیتتا اور یہ یعنی
کو مار پیٹ کر نکال دیتے اور بعض کو قتل کر دیتے اس شخص
کا ایک ہی بیٹا تھا جس سے اسے بہت محبت تھی اس کے سوا
دوسرا بیٹا بھی نہ تھا اس نے اسے بھی بھیجا جب کاشتکاروں
نے رطکے کو دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ اس باغ کا وارث
و مالک یہی لڑکا ہوگا آؤ اسے قتل کر دیں تاکہ پھر ہم ہی اس
باغ کے مالک بن سکیں پس سب مل کر اس پر پل پڑے اور
اس کو قتل کر ڈالا اب اس کے بعد ظاہر ہے کہ یہی ہوگا کہ باغ کا مالک غصہ میں مہر کر خود ان کے پاس جائے گا باغ ان سے چھینے
گا، ان کو ہلاک کرے گا اور پھر باغ دوسروں کے سپرد کر دے گا۔

ان تمام تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ملت عقیقہ کا ثبوت جو قائم التنبہین علیہ وسلم کی نبوت کے ماننے
پر ہو سکتا ہے اہل سنت کے اصول مذہب کا اتباع کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ وہ ان اصول کو ان کہاں صحابہ رضوان اللہ علیہم کی
جماعت سے حاصل کرتے ہیں جو عشرہ مبشرہ و اربعہ اور کثیرین میں داخل اور اہل بدراہل اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اور مہاجرین
اولین ہیں اگر جن کی سچائی اور صلاح عمل پر حق تعالیٰ خود اپنی کتاب میں ان مختلف الفاظ سے گواہی دیتا ہے کہ اُولَئِكَ هُمُ
الصَّادِقُونَ دیکھیں وہی ہیں یا یہ فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِي نَزَّلَ مَعَهُ الْكِتَابُ اَعْلٰى الْكُفَّاسِ دعوہ اللہ کے رسول ہیں اور
ان کے ساتھی کافروں پر سخت ہیں الخ۔ اور اسی طرح بہت سی آیتوں میں ان کی شان میں خوشنودی و رفاہندی کے کلمات ارشاد
فرمائے ہیں مثلاً لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ اِذْ يَبَايَعُوْكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ اللہ راضی ہوا مومنین سے جب کہ وہ درخت
کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، اور ان جیسی دوسری آیات!۔

پھر اہل سنت کے اسلاف نے قرآن و احادیث میں یہ نسویں پڑھ اور سن کر ان بزرگوں کے متعلق حالات کی حاجی چھان
بین اور تحقیق کی تو یہ پھر بھی اسی نتیجہ پر پہنچے۔ کہ واقعی یہ سب کے سب سچے عقیدہ والے اور نہایت محبت و دروہ والے
منصف اور عدول تھے۔ اس روشن شریعت کے جھنڈوں کو بلند کرنے میں کسی کو کوتاہی سے کام نہیں لیا، نہ اس میں سستی اور
غفلت سے کام لے کر ملت عقیقہ کے احکام کی دیکھ بھال میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت کیا خدا کی کتاب کو اپنی جانوں سے زیادہ
عزیز رکھا دین الہی کی حرور و براہمت اپنے آپ سے بڑھ کر کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو نہ صرف عبادت کی
حیثیت دیکر ہی مضبوطی سے کار بند رہے بلکہ آپ کی عادات کو بھی عبادات ہی کی طرح اپنی زندگی کا نصب العین بنایا۔

عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کبار صحابہ کے فیض صحبت سے متاثر ہو کر اور ان کے سیاسی تدبیر اور انتظام کے
تحت یہی طریق زندگی اختیار کیا۔ اسی طرح ان کی صحبت اور ان کے انوار کی کرنوں سے فیضیاب ہو کر تابعین و رحمہم اللہ بھی اسی
ویژہ زندگی کو چھامے اور عمل پیرا رہے اور صدی بعد صدی یہ طریقہ یونہی جاری و ساری رہا۔ بلکہ ہوتا یوں رہا کہ سردارانِ عرب
میں سے اگر کسی کا دل محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی رہا تو وہ اپنی قوم کا سردار و مکیہا ہوتے ہوئے بھی ان کی نظروں
میں حقیر و ہلکا ہی رہا خلیفہ دوم کے ہاں اقرہ بن حابس وغیرہ تو مجلس میں نشست کے لئے بڑی مشکل اور مقبے سے جرتیوں

میں جگہ پاتے تھے۔ جب کہ اہل ایمان کے فقراء و مساکین اور غلام مثلاً، صہیب و عمار وغیرہ (رضی اللہ عنہم) صدر مجلس ہوتے اور اقتدار کے وقت ان بزرگوں کا طرز عمل یہ رہتا تھا کہ اختیارات کی تقسیم کے وقت قربت و رشتہ داری کے لحاظ کی جگہ اسلام میں قدیم ہونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور رفاقت میں بلند درجہ ہونے کو باعث ترجیح جانتے پھر ان میں سے بہتوں نے کافی خون خرابے اور قتل و غارت، عزیز و اقارب کے کٹ جانے اور کفر پر غصے تک ڈٹے رہنے کے بعد جب قوی معجزے دیکھ لئے تو ایمان کے سامنے سرنگوں ہوئے اور اس کو قبول کیا۔ اگر کابنوں، غومیوں اور اہل کتاب کے قول کے مطابق مالی و دولت اور عہدہ و اقتدار کے لالچ میں ایمان لانا ہوتا تو وہ اتنی کھکھیر میں پڑتے ہی کیوں شروع ہی میں ایمان لے آتے، اتنے عرصہ تک پیغمبر سے دشمنی مول لیتے اور ان کو اذیت دیکر اپنی دنیا و آخرت خراب کرنے کی حماقت کیوں کرتے اور اپنے پیادوں کو کیوں قتل کراتے، اور کیوں اہل ایمان کے کاموں میں اجتری پھیلاتے اور اہل جہل مچاتے،

اور جب ایسے لوگوں کی روایت سے دعویٰ بہت ظہور معجزہ و معجزہ قرآن اور فہمائے عرب کا طرز بمقابلہ قرآن ثابت ہو تو اس پر یقین ہونا لازمی ہے کہ یہ سب واقعی ایسا ہی تھا، اور آپ کی صداقت و صلاح کا علم قرآنی و نبوی شہادت سے دور کی شکل میں نہیں تھا، جس سے کوئی خرابی لازم آئے بلکہ وہ محض اعتقاد کی جنگی اور یقین کی زیادتی کے طریقے پر تھا۔ ورنہ ان کی متواتر روایات کی صداقت کا اعتقاد اور ان کے طریقوں کی اتباع و پیروی کا لازم ہونا تو ان کے حالات کی تحقیق سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے پس اگر شیعہ قرآن و حدیث رسول یا اجماع سے محبت لائیں تو لا محالہ وہ اپنی شیعیت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور اہل سنت کے اثر سے آلودہ ہو جائیں گے ورنہ ان کے منکات منہ سب کی کچک اور نقش بر آب کی طرح بے حقیقت اور بے اصل ہو جائیں گے، اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اصل شیعیت کی بنا پر ان کی کوئی بھی دلیل ٹھیک نہیں اتری۔ اور جب انہوں نے قرآن کے ماننے اور اصول ملت ضعیفہ کے قبول کرنے میں اہل سنت ہی کا دامن پکڑا تو اب انہیں چاہیے کہ وہ تمام متواتر امور مثلاً ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کا اختیار دینا ان کے فضائل و مناقب یا غسل و جلین اور مسخ خضیں جو قرآن و اصول ہی کی طرح متواتر ہیں انہیں بھی قبول کر لیں ورنہ یہ کیا بات ہوئی کہ کھائیں کسی کا اور ٹھکر یہ ادا کریں، دوسرے کا، اس میں کوئی مزے داری نہیں، وجہ و منہ بادہ اسے زاہد چہ کافر نعمتی است دشمن سے ہون و ہم رنگستان زلیستن

اے زاہد یہ کیا ناشکری ہے کہ شراب کی ممانعت بھی اور وجہ و حال بھی، شراب کا دشمن بھی اور ستوں کی طرح جینا بھی، لہذا یہ فائدہ بہت ہی قیمتی اور مفید ہے، اسے معمول سمجھ کر ہاتھ سے نہ جانے دیں،

گزشتہ بابوں سے اس کا علم ہو چکا ہے، کہ شیعہ مذہب کی تمام تر بنا اصحاب ائمہ کی روایات پر ہے اور آئمہ نیز ان کے اصحاب کے حالات سے اس کا بھی پتہ چلا کہ آئمہ کے اکثر اصحاب جھوٹے تھے، جن کے کذب و دروغ کی آئمہ نے خود شہادت دی اور کوئی امام ایسا نہیں گزرا کہ آئمہ والے اس کے کچھ اصحاب کی تکذیب نہ کی ہو اور سبب اس کا صرف یہ ہوتا تھا کہ یا تو وہ اس امام کی امامت کے قائل نہ رہے یا اس کے علاوہ دوسرے کسی کو امام مان بیٹھے یا وہ تہ و تہ و تہ شک میں پڑ کر سلسلہ امامت رک جانے کے قائل ہو گئے،

ان حالات کے ہوتے بھی ان شیعوں کو اصحاب امام سے "حسن ظن" ہے، اور اسی وجہ سے وہ نہ امام وقت کی اور نہ امام لاحق کی تکذیب کو ذرہ برابر وقت بھی دینے کو تیار نہیں، اور ان سب کی روایات پر پورا پورا اعتماد بھی کر لیتے ہیں تو پھر کیا بات ہے کہ وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن ظن رکھ کر ان کی روایات کو کیوں قبول کر نہیں لیتے جو تاثر محبت میں آئمہ

سے ہرگز روایات ائمہ کی روایات سے ٹکرائیں گی اور ان کو مصابحہ کی صداقت پر شک ہو گا۔ مگر یہ کوئی ایسی اہم اور بڑی بات یوں نہیں کہ آزاد اور روایات کا اختلاف و جھگڑا تو ہر امام کے اصحاب میں بھی ہوتا رہا ہے، اور یہ اختلاف و جھگڑا پھر بھی اصحاب ائمہ کی روایات قبول کرنے میں رکاوٹ نہیں بناتا۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں قبول ہدایت سے مانع کیوں ہو گا۔

لہذا معلوم یہ ہوا کہ بات اصول و دیانت کی نہیں، بات صرف تعصب و دشمنی کی ہے اور اس سے بھی زیادہ تاثیر صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و تذلیل کی ہے، لاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم حالانکہ خرد انکم کرام نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو باہمی مخالف میں مندرج رکھا، اور ان حضرات کی صداقت بیان فرمائی اور یہ سب کچھ ان کی اپنی صحاح میں موجود ہے، لیکن اس تعصب کا کیا علاج جس نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں کو بہرہ کر دیا چنانچہ کتاب کافی کلینی میں باب اختلاف الحدیث میں حذف اسناد کے ساتھ منقول بن عازم سے یہ روایت ہے،

قَالَ قُلْتُ لِذِي عَبْدِ اللَّهِ مَا بَالِي أَسْأَلُكَ مِنَ الْمَسْئَلَةِ فَتُجِيبُنِي فِيهَا بِالْجَوَابِ ثُمَّ تُجِيبُنِي غَيْرِي تَجِيبُهُ فِيهَا بِالْجَوَابِ
الْأَهْرَ فَقَالَ إِنَّمَا تُجِيبُ النَّاسَ عَلَى الْمُرَادِ وَالنَّقَصَاتِ قَالَ قُلْتُ فَأَخْبِرْنِي مِنْ أَضْعَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَدْفُوعًا عَلَى مُحَمَّدٍ أَمْ كَذِبًا قَالَ بَلَى مَدْفُوعًا قَالَ قُلْتُ فَمَا بَالُهُمْ اخْتَلَفُوا فَقَالَ أَمَا تَعْلَمُونَ أَنَّ الرَّسُولَ كَانَ يَأْتِي عَلَى
رَسُولٍ إِلَى اللَّهِ عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْأَلُهُ مِنَ الْمَسْئَلَةِ فَيُجِيبُهُ فِيهَا بِالْجَوَابِ ثُمَّ يُجِيبُهُ بَعْدَ ذَلِكَ بِمَا يُنْسِبُ ذَلِكَ
بِمَا يُنْسِبُ ذَلِكَ فَتَنْصَرِفُ إِلَيْكَ حَادِيَةً بَعْضُهَا بَعْضًا -

میں نے ابی عبد اللہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ میں آپ سے ایک مسئلہ پر پھجوں تو آپ مجھے تو اس کا ایک جواب دیتے ہیں اور جب دوسرا شخص وہی مسئلہ پوچھتا ہے تو اس کو آپ دوسرا جواب دیتے ہیں، فرمایا کہ ہم لوگوں کو کئی زیادتی کے ساتھ جواب دیتے ہیں، پھر میں نے یہ کہا کہ ذرا یہ بتائیے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے صحیح روایات کرتے ہیں یا جھوٹی؟ تو فرمایا صحیح تو میں نے کہا کہ پھر انہوں نے اختلاف کیوں کیا، فرمایا کیا تو اتنا نہیں جانتا کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا اور آپ سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہے اس کو ایک جواب دے دیتے پھر اس کو اس کے بعد ایسا جواب دیتے جو پہلے جواب کو منسوخ کرتا، اسی لئے بعض احادیث نے بعض کو منسوخ کیا۔

پھر حذیفہ اسناد کے ساتھ محمد بن مسلم سے اور وہ ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتا ہے / قَالَ قُلْتُ مَا جَاءَ أَقْرَأَهُ بِرُؤُوسَ عَن فُلَانٍ وَفُلَانٍ مِّن مَّا سَوَّلَ اللَّهُ عَنِي اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَهْتَسِرُونَ بِأَلِ الْكَذِبِ نَبِيَّهُمْ وَمِنْكُمْ خَلْفُهُ قَالَ إِنَّ الْحَدِيثَ كَمَا كُنْتُمْ أَتَقُولُونَ . اس نے کہا کہ میں نے پوچھا کیا بات ہے کہ بہت لوگ فلال فلاں سے روایت کرتے ہیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کسی کو جھوٹ سے متہم بھی نہیں کیا جاتا۔ پھر آپ اس کے خلاف فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ قرآن کی طرح حدیث بھی منسوخ ہوتی ہے ،

دوسرا فائدہ یہ دوسرا فائدہ پہلے سے بھی زیادہ اہم ہے ہم نے اس کو "سعادة الدارين فی شرح حدیث الثقلین" کے لقب سے مقب کیا، اگر کوئی چاہے تو اس کو بعد کے پانچ ابواب کے ساتھ ملا کر الگ رسالہ بنالے،

وایضاً رہنا چاہیے کہ شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فرمودہ حدیث صحیح ہے اپنی تائید کے
فیکمہ التقلید ما ان تمسکتہم بیدہا ان تصیدوا البعدی آخذہا اعظم من اللہ و عنہ و اهل بیہ
میں تم میں دو مرکز ثقل چیزیں (بڑی قدر و منزلت والی) چھوڑے جاتا ہوں اگر تم ان کو چھوڑے رہو گے تو میرے بعد ہرگز

نہ ہنگامے وہ ایک دوسرے سے اہم ہیں، یعنی اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور میری معرفت میرے اہل بیت، لہذا معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام نے دینی معاملات اور شرعی احکام میں یہ دو عظیم القدر چیزیں ہمارے حوالہ کی ہیں، اب جو مذہب ان دونوں کا مخالف ہو وہ باطل اور نامستبر ہے، اور ایسے ہی جو ان دونوں بزرگ مرتبہ چیزوں سے منکر ہو وہ گمراہ اور دین اسلام سے خارج ہے،

اب ہمیں یہ دیکھنا اور اس کی تحقیق کرنی ہے کہ دونوں فریق میں سے کون سا فرقہ ان دونوں مضبوط رسدوں کو نقصان پہنچا رہا ہے اور کون سا ان کی تحقیر و ہانت کرتا اور ان سے روگرداں ہے، ان کو درجہ اعتبار سے گراتا اور ان پر طعن کرتا ہے برائے خدا اس بحث کو بہت توجہ اور غور سے نیز ازراہ انصاف ملاحظہ فرمائیں۔ کہ ایک بہت انرکھی بات اور عجیب قسم ہے، جس طرح اس پوری کتاب میں سارے کے سارے حوالے شیعوں کی معتبر کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں اس بحث میں بھی یہی التزام ملحوظ رکھا گیا ہے، اور اسی کی پابندی کی گئی ہے،

اب شیعہ عقیدہ کے مطابق کتاب اللہ موجود قرآن تو قدرت و انجیل کی طرح معتبر اور قابل اعتبار ہی نہیں کیونکہ بقول ان کے اس میں تحریف کی گئی ہے، اس کے بہت سے احکام منسوخ ہو گئے ہیں اس کی بیشتر آیات اور سورتیں جو احکام کی بنا پر اور عوامات کی تخصیص کرنے والی تھیں چوری ہو گئی ہیں، باقی جو ہے اس کے بھی الفاظ بدلے ہوئے اور بعضی الفاظ میں کمی بیشی کی گئی ہے، چنانچہ کلینی نے ہشام بن سالم سے روایت کی ہے اور اس نے ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہ، **إِنَّ الْقُرْآنَ الَّذِي جَاءَ بِهِ جَبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةَ عَشَرَ آفَ آيَةٍ** میں قرآن کو جسے جبرائیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اس میں سترہ ہزار آیات تھیں۔

اور محمد بن نضر نے انہیں سے روایت کی ہے کہ **كَانَ فِي كِتَابِي كُنْتُ أَسْمَعُ سَبْعِينَ مِائَةً قُرْآنِي بِأَمْرِهِمْ وَأَمْرًا** آجائید کہ سورہ لم یکن میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام مع ولایت درج تھے اور سالم بن سلمہ کی روایت یوں ہے، **وَمَدَّ عَلِيٌّ عَنْ سَالِمِ بْنِ سُلَيْمٍ سَمِعَهُ يَقُولُ قَالَ قَرَأْتُ مَا جَاءَ عَلَى أَبِي عَبْدِ اللَّهِ وَأَنَا أَسْمَعُهُ حَرْفًا مِمَّنْ الْقُرْآنَ لَيْسَ مَا يَقْرَأُهُ النَّاسُ فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مَا أَكُنْتُ عَلَى هَذَا وَالْقُرْآنُ أَقْرَأَ كَمَا يَقْرَأُهُ النَّاسُ حَتَّى يَقُولُوا الْقَائِدُ فَإِذَا أَقَامَ الْقَائِدُ قَرَأَ الْكِتَابَ اللَّهُ عَلَى خَلْفٍ ۝ ۱۰** اس نے کہا کہ میری موجودگی میں ابی عبد اللہ کے پاس ایک آدمی نے قرآن کے ایسے الفاظ پڑھے جو اور لوگ نہیں پڑھا کرتے آپ نے وہ الفاظ سن کر اس سے کہا ٹھہرا ان الفاظ میں قرأت کرنے سے اس وقت تک باز رہو جب تک امام مہدی نہ آجائیں اب قریب ہے اور لوگ پڑھتے ہیں تو بھی پڑھو ان کے آنے کے بعد کتاب اللہ کو صحیح طریق پر پڑھنا،

اور کلینی نے نیز دوسروں نے جو روایت حکم بن عبدہ سے کی ہے اس میں وہ کہتا ہے کہ علی بن حسین نے آیت **وَمَا آتَيْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا فِي سَبْعٍ مِائَةٍ** کے بعد لفظ **مُحَمَّدٌ** پڑھا کر اسے تلاوت کیا اور کہا کہ جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ **مُحَمَّدٌ** صاحب الہام تھے،

اور محمد بن جهم ہمدانی اور دوسروں نے ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ **أَمَّا هِيَ آتَانِي مِنْ أُمَّةٍ اللَّهُ كَلَّمَ فِيهَا** بلکہ اس آیت میں تحریف ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تو **أَمَّا هِيَ** آتانی میں آؤ **فَتَكَلَّمَ** کہ یہ امام تمہارے (امروں سے زیادہ پاک ہیں)۔

اور ان کے اپنے ہاں یہ بات ثابت دہلے شدہ ہے اور مشہور ہے کہ بعض سورتیں پوری کی پوری حذف کر دی گئی ہیں مثلاً سورہ النور اور بعض سورتوں کا اکثر حصہ مثلاً سورہ الاحزاب کہ وہ سورہ انعام جتنی طویل تھی اور اس سورت میں سے اہل بیت کے فضائل اور ان کی امامت کے مسائل نکال دیئے گئے، اور آیت وَتَحْزَنُونَ اللہ تعالیٰ کے شروع سے وَيَلْزَمُكُمْ تیرا اس ہوا اور آیت وَقَفَّوْا أَنَّهُمْ مَسْنُونُونَ کے آخر سے وَنَزَلَتْ عَلَيْكَ وَاللَّهُ بِئْرَامِيہ کا اس ہوا آیت تَحْزَنُونَ الف کے آخر سے حذف ہے اور يَقُولُ فِي أَفِي طَالِب کو آیت لَقَدْ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالِ کے بعد سے نکال دیا لفظ آلِ عَمَّ کو آیت وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ أَنَّهُ مُنْقَلَبٌ يَنْقَلِبُونَ میں فَلَمَّا وَأَسَى کے بعد میں سے نکال دیا اور لفظ عَلَيْكَ تو آیت يَقُولُ فَرَادَ کے بعد سے حذف ہے، چنانچہ ابن شہر آشوب نے المازندرانی نے کتاب المناقب میں ان تمام تعریفات کا ذکر کیا ہے اور ان آیات کے علاوہ بہت سے کلمات اور بے شمار آیات گنوائیں ہیں۔

پس ایسے حالات میں موجودہ قرآن اور تہذیب و انجیل میں ان کے ہاں کوئی فرق نہیں رہا اور ان کے نزدیک ان تینوں سے کسی بھی طرح تمسک نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ تحریف شدہ، منہ شدہ اور کسی نامعلوم الحال کی تفسیر کی ہوئی ہیں، اب رہا عزت کا معاملہ تو اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ لفظ حضرت انسان کے اقارب پر بولاجاتا ہے اور یہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے سب افراد کو عزت سے خارج کرتے ہیں، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ و حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو، اور بعض کو عزت میں شمار نہیں کرتے مثلاً آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور ان کی اولاد کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بیٹی حضرت زہیرہ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہ کی اکثر اولاد کو دشمن جانتے ہیں اور ان کو برائی سے یاد کرتے ہیں، مثلاً حضرت زید بن علی حین رضی اللہ عنہم کہ بڑے متقی اور عالم تھے۔ جو مروانیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے ان کے بیٹے حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دشمن خیال کرتے ہیں۔ یہی حال جناب ابراہیم بن موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے،

اور جناب جعفر بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو تو کذاب کے لقب سے یاد کرتے ہیں حالانکہ وہ بڑے پایہ کے اولیا اللہ میں سے تھے۔ کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے علم طریقت انہیں سے لیکھا ہے ان کے بارے میں انہوں نے یہ غلط مشہور کیا کہ وہ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، اور جعفر بن علی حضرت امام حسن مگر رضی اللہ عنہما کے بھائی کو کذاب کہتے ہیں۔

اور حسن بن حسن مثنیٰ ان کے بیٹے عبد اللہ مثنیٰ اور ان کے بیٹے محمد بن کو نفیٰ زکیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ ان تینوں کو کافر اور مرتد کہتے ہیں۔ اسی طرح ابراہیم بن عبد اللہ ذکر یا بن محمد باقر محمد بن عبد اللہ بن حسین بن حسن محمد بن قاسم بن حسن اور یحییٰ بن عمر کہ زید بن علی بن حسین کے پوتوں میں سے ہیں، سب کو کافر و مرتد کہتے ہیں،

اور سادات حسید و حسنیہ رحمہم اللہ میں سے ایک جماعت کو جو جناب زید بن علی بن حسین کی امامت اور جدگی کے قائل ہیں مگر اہل قرار دیتے ہیں، حالانکہ کتب انساب اور کتب تاریخ سادات اس پر بصراحت دلالت کرتی ہیں کہ اکثر اہل بیت حسنی و حسینی حضرت زید بن علی بن حسین رحمہم اللہ کی امامت و نصیبت کے قائل تھے اور اکثر اشاعرہ شیعیان بزرگوں کے مشائخ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کافر و مرتد تھے اور یہ کہ یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ چنانچہ آگے چل کر باب سادات

ان کی کتابوں سے سارے حوالے نقل کئے جائیں گے،

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک منکر امامت ایسا ہی ہے جیسا منکر نبوت! اور منکر نبوت کا فرہوتا ہے اور وہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہے گا، اس میں کسی کو کیا شک! اور یہ بزرگ حضرات امام وقت کی ہی امامت کے منکر نہیں ہوئے بلکہ بعض ائمہ گذشتہ کی امامت کے بھی منکر ہوئے،

اثنا عشریہ کی ایک چھوٹی سی جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ لوگ مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ اطراف میں رہیں گے، بعض کہتے ہیں کہ سخت عذاب بھگنے کے بعد اپنے باپ دادا کی شفاعت سے مذاب سے نجات پائیں گے۔ مگر یہ دونوں ہی قول غلط اور مردود ہیں ان کے اصول و قواعد کے موافق وہ پہلا ہی قول ہے کیونکہ کفار کے حق میں بالاجماع شفاعت مقبول نہیں۔ اور اطراف ہدیشہ رہنے کی جگہ بھی نہیں پھر اطراف میں رہنے کی ان کی کوئی وجہ بھی نہیں کہ یہ نو امامت کے منکر تھے اور امامت کا منکر کافر ہوتا ہے اور کافر کی جگہ دوزخ ہی ہے اطراف نہیں مرنے کی بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ لوگ یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت رکھنے والا دوزخ میں نہیں جائے گا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بزرگ امیر المؤمنین کو بہ اختلاف محبوب رکھتے ہیں۔

اب یہاں ذرا اس فرق کے نامبھیوں کا متاثر دیکھیں کہ ائمہ کرام کے جگر پاروں اور بھائیوں کی یہ کتنی قربین قربان کرتے ہیں اور اہل بیت کی معدودے چند ہستیوں مثلاً باہ اماموں یا ان کے چند قرابت داروں کی محبت کی آڑ میں ہزاروں عیوب اور برائیوں کو ان کے سر تھوپتے ہیں اور خوارج سے بڑھ کر ان کی قربین و تذلیل کا ارتکاب کرتے ہیں، یہ سب نادان دوست سے و نادشمن بہر حال بہتر ہے، چنانچہ ان کی کتابوں اور روایات کے جائزہ اور چھان بھٹک اور تحقیق و جستجو سے ان سب برائیوں کا راز روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے لیکن یہاں ان کی کفر آمیز بکواس اور گندگی کے انہار در انہار سے بطور غموہ چند باتیں تحریر کرتے ہیں:-

اول:- یہ کہتے ہیں کہ امام وقت، صاحب صحروزماں امام مہدی، اس قدر بزدل و ڈر پوک، خوفزدہ اور ترسیدہ ہیں کہ ایک چھوٹی سی جماعت کے ڈر سے روپوش ہو گئے اور چھپے ہوئے ہیں ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا مگر ان کو منظر عام پر آنے کی جرات نہیں ہو رہی گراس درمیان بڑے بڑے انقلاب برپا ہو چکے عباسی حکومت کا تختہ الٹا چنگیزی دنیا پر چھا گئے پھر وہ مسلمان بھی ہوئے اور محب اہل بیت بھی ہوئے بلکہ بعض تو شیعہ مذہب کے بھی ملتے جلتے رہے اور عراق و خراسان پر چڑھیں ان کا ان اور ان کے لئے غلط مروج خیر ہے۔ صفویوں نے اپنا تسلط قائم کر لیا اور دوسری طرف ہندوستان میں سلاطین دکن، بنگالہ، یورپ کی امامت و وزارت ان کے ماتحت آئی،

دوسرے:- ان کی تمام کتابوں میں جناب صادق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت موجود ہے یا مَعَشَرَ الشَّيْخَةِ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ نَوَّافٍ وَفَرُّوخُ بْنُ لُكْهِ: غضب خدا کا بد باطن لوگ کتنی آسانی اور اپنے بزرگوں پر اس گندے بتان کو تھوپنے میں کتنے جری اور بے شرم ہیں،

تیسرے:- یہ عزت رسول پر یہ تمہت دھرتے ہیں، کہ حضرت سیدہ انسہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی کے بارے میں حضرت نے یہ کہا: هَذَا أَوَّلُ فَرْجٍ عُصَبٍ لَنَا كَسِمَ حِرَاتِ بَيْتِ بَاكِيٍّ اور آسانی سے یہ گندہ و بیہودہ کلمہ اپنی زبانی سے نکال رہے ہیں ان پر تو آسان ٹوٹ پڑنا چاہیئے آپ دیکھیں تو یہی کہ اول تو پاکدامن سیدہ کے حتیٰ میں جو رسول

ہوئی غرض خفیہ وہی کہ ائمہ کی تشابہت علمی کو مجروح کیا جائے، ایسی صورت میں لامحالہ سامع کے دل میں یہ غلط فہمی پیدا ہوگی کہ یہ حضرات متعلق طریقہ اور قواعد فروع سے بھی نااہل ہیں یا اس طرح بعض ایسی تفاسیر نقل کرتے ہیں جن میں کلام کا ربط نامفہوم عبارت ہے جوڑ عناصر میں گڑبڑ اور سیاق و سمن متعلق ہو جاتا ہے اور جس کی وجہ سے ان حضرات کے کمال علمی کے بارے میں برہمنی پیدا ہوتی ہے۔

آخر میں:۔ ائمہ سے ایسی روایت نقل کریں گے جس سے معلوم ہو کہ وہ جہاد سے روکتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں جس تاکید اور پر زور الفاظ میں جہاد کا حکم دیا ہے، وہ ایک مکتبی کچھ سے بھی پوشیدہ نہیں،

اس طرح یہ تعلیق میں اختلاف پیدا کرنے کا ارتکاب کرتے ہیں اگرچہ خود ہی روایت بھی بیان کرتے ہیں اگرچہ خود ہی یہ روایت کرتے ہیں کہ لَنْ يَنْتَفِرَ قَاتِلٌ يَرِيكَ اَهْلَى الْخَوَاصِّ۔ (جب تک یہ خون پر آئیں گے، ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے)۔

لہذا اس عبارت سے صاف پتہ چلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال فرماتے ہوئے کہ لوگ میری عزت پر جھوٹ و افتراء جوڑیں گے اس لئے ہمیں ان جھوٹوں اور مفترلوں کے قول اور مذہب کو سچ سمجھنے اور جاننے کے لئے ایک کسوٹی اور ایک معیار عنایت فرما گئے اور وہ ہے قرآن۔ کہ ہم ان لوگوں سے جو کچھ سنیں ان کو قرآن کی کسوٹی پر رکھ کر دیکھ لیں ان کی جس روایت یا قول کی قرآن تصدیق کر دے اسے صحیح سمجھیں اور جس کی کسوٹی پر تصدیق نہ کرے اسے جھوٹ اور افتراء سمجھ کر جھوٹوں اور مفترلوں کے منہ پر ماریں اور قرآن چونکہ متواتر ہے، ہر وقت ہر جگہ ہر ایک کے پاس ہے یا اس تک رسائی آسان ہے پھر اس کی حفاظت کا انتظام خود اللہ تعالیٰ نے ایسا فرما دیا ہے کہ بقول اس کے فرمان لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ حَكِيمٌ۔ (کہ باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے ہشک سکتا ہے، وہ حکمت والے اور لائق تعریف اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے) اس لئے وہی معیار اور کسوٹی مقرر کئے جانے کے لائق تھا۔

جہاں عزت کے کہ تبعاً مانائے بشریت، موت، فیست مکانی، بند زبانی اور دوسرے ایسے موارد میں موجود ہیں جن کی وجہ سے درد غلوی، افتراء پر ملازی اور بہتان تراشی کا دروازہ کھل سکتا ہے اور ہوا بھی ہے۔ کہ قرآن کے متعلق قرآن کی اڑائی ہوئی خاک نے انہیں کے منہ کاٹے کئے، مگر عزت کے ساتھ جس انداز اور طرز بقول سے اپنا جھٹ نکالا اور جس طرح ان کی عزت کے درپے رہے وہی آپ یہاں ملاحظہ فرمائیے (۱)۔

نوٹ:۔ یہ ائمہ کی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں کہ انہوں نے مطلقہ سے جماع جائز بتایا ہے، حالانکہ یہ تو صاف زنا کر جائز قرار دینا ہوا۔

دوسری:۔ عین ادائیگی نماز کی حالت میں عروہ معصومین اعفا سے کھیلنا ائمہ کے حوالہ اور نسبت سے جائز بتاتے ہیں، کھیل آپ سمجھتے ہی ہیں، اسے آپ بوقت مزدت ملاحظہ ہو جائے پر محمول نہیں کر سکتے اور پھر ایسے کھیل کی عین نماز میں ائمہ کی طرف سے اجازت بھی نسبت تفویض تو اسے۔۔۔

گیارہویں:۔ ائمہ کی طرف یہ بھی منسوب کرتے ہیں کہ جس کپڑے پر نجاست غلیظہ و پاخانہ وغیرہ لگی ہو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے، حالانکہ اسود باندہ کے متعلق ائمہ کی طرف سے جواز کا تصور بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا،

بارہویں :- یہ بھی ان کا کہنا ہے کہ امام نے مرود جانور کے بچے لگا گوشت کھانا جائز بنایا ہے۔
تیرھویں :- حالت نماز میں بیوی کے ساتھ چڑھا چائی کو بھی ائمہ کے حوالہ سے جائز کہتے ہیں۔ (باب فروع میں انشاء اللہ ان
سب کے حوالہ بات انہیں کی کتابوں سے نقل کئے جائیں گے)۔

چودھویں - عام لوگ خصوصاً عورتوں کو واجبات دینی سے روکنے اور منع کرنے کی نسبت بھی ائمہ کی طرف کرتے ہیں یحییٰ الطائفہ نے اوسم بن حرکی روایت جناب ابی عبداللہ سے باہی الفاظ نقل کی ہے، قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ الْمَرْأَةِ تَعْدِي فِي سَائِرِ النَّاسِ عَلَيْهَا عَيْتُكَ قَالَ لَعَنَهُ لَا تَحْبِرُ قَوْلُهَا حَتَّى تَكُونَ حِلَّةً رَمِينَ سَأَلْتُ عَنْ عَوْرَتِ كَعْبَةَ بَارِئَةَ فِي مَسْئَلَةٍ بِهَا عَوْرَتُهَا فِي يَدِهَا وَهِيَ تَقُولُ مَا تَشَاءُ قَالَ لَا تَحْبِرُ قَوْلَهَا حَتَّى تَكُونَ حِلَّةً رَمِينَ سَأَلْتُ عَنْ عَوْرَتِ كَعْبَةَ بَارِئَةَ فِي مَسْئَلَةٍ بِهَا عَوْرَتُهَا فِي يَدِهَا وَهِيَ تَقُولُ مَا تَشَاءُ قَالَ لَا تَحْبِرُ قَوْلَهَا حَتَّى تَكُونَ حِلَّةً رَمِينَ سَأَلْتُ عَنْ عَوْرَتِ كَعْبَةَ بَارِئَةَ فِي مَسْئَلَةٍ بِهَا عَوْرَتُهَا فِي يَدِهَا وَهِيَ تَقُولُ مَا تَشَاءُ قَالَ لَا تَحْبِرُ قَوْلَهَا حَتَّى تَكُونَ حِلَّةً رَمِينَ

مسلو کوئی آ۔ ایسے امور کی نسبت ائمہ کی طرف کرتے ہیں جو کتاب اللہ کے احکام کے مریخ خلاف ہے اور غرض یہ ہوتی ہے کہ ثقلین۔ کتاب اللہ و عزت رسول میں اختلاف پیدا اور لوگ دین کے معاملہ میں حیرت و پریشان کا شکار ہوں چنانچہ کہتے ہیں کہ جو سونا چاندی سکوں کی شکل میں نہ ہو تو ائمہ کے نزدیک اسی پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور نہ ائمہ نے اس کی زکوٰۃ طرودی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ چاہتے ہیں کہ قرآنی وعید اَلَّذِي يَنْتَظِرُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفَعُونَ فِي شَيْءٍ اللّٰهِ (جبرستان چاندی جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچہ نہیں کرتے۔ آخر آیت تک، کا آئمہ کو معذوق ٹھیکر ایسے۔
مستصر صہریٰ کہتے ہیں کہ بیٹے اور دوسرے اعزہ کی موت پر نوحہ، شور و شیون اور کپڑے بھاڑنا مرد و عورت صب کے لئے
ائمہ جائز سمجھتے تھے۔ اس اہتمام سے ان کا مقصد ان بزرگان دین کو بے صبروں اور روئے پیشے والوں میں شمار کر کے ان کو
اس بشارت قرآنی سے محروم کرنا ہے جو صبر کرنے والوں کی شان میں آئی ہے، اور لَيْسَ مِثْلَانِ كَشْفِ الْجُبِّ (جس نے
دامن چاک کیا وہ ہم میں سے نہیں) کی وعید میں ان کو داخل کرنا ہے،
اظهار دیں۔ حکم قصاص سے نابینا کو یہ مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، چونکہ قرآنی کے صریحاً خلاف ہے، اور نسبت اس کی بھی

اماموں ہی کی طرف کرتے ہیں۔

انیسویں۔ اگر کسی ذمی نے مسلمان کو قتل کر دیا ہو تو اسی کی اولاد کو غلام بنالینے کے حکم کو بھی اماموں کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ لاتین و مسلمان دونوں کے شرعی تقاضے کے یہ سراسر خلاف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بوجہ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجہ نہیں اٹھائے گا۔

یا یوں آیا ہے۔ لَا یَجْنِبُ عَلَى قَتْلِہِ وَلَا مَوَدَّتِہِ عَلَى دَالِیہِ وَ ذِہَابِ بَیْطِہِ کے بدلے کوئی سزا جتنے کا مدیثا باب کے بدلے، اس لئے کہ اگر اس قسم کا انتقام شرعاً جائز ہو جائے۔ تو شرعاً محمدی اور قانون چنگیزی میں پھر فرق کیا رہ جائے گا۔ البتہ کافر عربی کی ایسی اولاد کو غلام بنانا جائز ہے جس سے یہ خطرہ ہو کہ اس میں جنگ کی صلاحیت ہے وہ بھی اس مصلحت سے کہ اہل عرب کی آبادی کم ہو۔ اور قاتل ذمی کی اولاد نہ تو لڑائی کے قابل ہے اور نہ وہ اہل حرب آبادی میں داخل ہے وہ تو مسلمانوں کی ضرورت میں رہنے والی پر امن آبادی ہے، ان کو کسی جرم کی بنا پر غلام بنانا جائز ہے، برخلاف اسی کے کہ یہ تو حکم کھلا محدثکنی ہے جس کی تمام ارباب و مذاہب مخالفت کرتے اور ایضاً عہد کر سب ہی واجب قرار دیتے ہیں اس کے علاوہ یہ بات قرآن حکم لَاتُفْسِدُ بِالْقَسْفِ۔ (بے شک جان کا بدلہ جان کے بھی خلاف ہے)

بیسویں۔ حضرات ائمہ سے یہ بات منسوب کر کے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یوم قتل سے جو ان کے خیال میں ۹ ریح الاول کو ہو اور روز بعد تک کسی کے اعمال سے میں کوئی گناہ کبیرہ ہو یا منفرہ نہیں لکھا تا داس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اعمال نامے لکھنے والے سارے فرشتوں کو دشمنان فاروق اور ان کے قاتل۔ اور قتل کی شازش میں شریک نہ ہوں گے امان سے سیاہ کرنے پر لگا دیا ہو گا کہ ان کا جرم اتنا شدید تھا اور فرد جرم اتنی طویل تھی کہ دوز اس کی تکلیف میں لگ گئے ہوں گے (ن) گویا یہ کہہ کر وہ اماموں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے تین دن تک نہ لکھا حتیٰ کہ کفر تک کی اجازت دیدی کہ ان دنوں میں جو چاہو کر دو نامہ اعمالی سادہ کے سادہ رہیں گے۔

اکیسویں۔ ان پاک اور برگزیدہ ہستیوں کی طرف یہ بات بھی منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے استنبی کے پانی کو پینے کے کام کے لئے یا طہارت اور دیگر ضروریات میں استعمال کو جائز قرار دیا ہے،

بانیسویں۔ حضرات ائمہ سے روایت کرتے ہیں کہ امت مرحومہ کا لقب امت مہود ہے۔ میری نے ابی عبد اللہ سے اس کی روایت کی ہے۔ یعنی اور جناب ملوک سے یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے امت مصطفویہ کو خنازیر سے تشبیہ دی ہے۔ یہ روایت کلین نے امام صادق سے نقل کی ہے۔ حالانکہ قرآن نے اس امت کو غیر امت کے لقب سے سرفراز کیا اور ان ہمکشان میں اُمَّتٌ دُشْتُ اُفْرَیَا۔

تیسری بات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ اس ساری بغوات کا مقصد و حید صرف یہ ہے کہ تعلیق۔ جو حرم پر پہنچے تک مقہور متفق رہیں گے۔ ان میں مخالفت، جدائی اور افتراق کی راہ نکالی جائے۔ تاکہ سرشتہ دین با حق سے جاتا رہے اور مادر پدر آزاد ہو کر چچ پاپیوں اور درندوں کی زندگی بسر کرنے کا سنہرا موتھ مل جائے، اس لئے کہ جب ایک طرف کتاب اللہ میں تحریف، کمی بیشی، تغیر و جہل، کے سبب تنسک کے قابل نہ رہے اور دوسری طرف عترت بھی مجروح ہو کر کھلی کے قابل نہ رہے تو انسانی اور دینی زندگی کی تصدیق کون کرے گا جب فقہین سے مگر غلامی کرائی، ثواب حیوانی زندگی کے سوا مخلوق کے پاس کیا ہے۔ اسی کو تو جنگل کا قانون کہا جاتا ہے جس کا جو چاہے کرے، کوئی بندش نہیں کوئی پابندی

کر سکتا۔ اس پر آپ نے فرمایا تو کیا میرے بغیر زندگی چاہتے ہو؟ اس پر میں نے کہا اچھا اچھے یہ ایک جان ہے جو حاضر ہے۔ اگر زمین میں اللہ کے لئے محبت ہے تو آپ کے ساتھ چلنے اور چلنے والا دونوں برابر ہیں اس کے بعد انہوں نے کہا ابو جعفر میں اپنے باپ کے دسترخوان پر ہوتا تھا وہ مجھ کو بہتر چیز کا لقمہ کھاتے اور مجھ پر شفقت کر کے گرم لقمہ کو ٹھنڈا کر کے کھاتے، تو کیا دوزخ کی آگ سے بچانے کے لئے ان کی شفقت میرے ساتھ نہ رہی ہوگی کہ اس معاملہ کی وجہ تو خبر دی اور مجھے نہیں بتایا۔ میں نے کہا کہ ان کو یہ ڈر تھا کہ اگر آپ نے ان کی وہ بات نہ مانی تو آپ دوزخ میں چلے جائیں گے اور مجھے اس نے خبر دی کہ میں اسے مان لوں گا، تو نہات پا جاؤں گا، اور انکار کر دوں گا۔ ترجمے دوزخ میں جانے کا اٹا ڈر بھی نہیں ہے۔

در اصل بات یہ تھی کہ احوال کا کہنا تھا کہ جناب زید کے مقابلہ میں ان کے والد نے محمد باقر کو امام متین کیا ہے اور اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت زید شہید نے امام باقر کی تعیین کی روایت کو جھٹلایا ہے، اب امام صادق جو امام محمد باقر کے بیٹے اور فرزند ہیں ان کی دوسری روایت کو بھی ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ وہ جناب زید شہید کی تائید کر رہی ہے یا اس بھیلے راجول کے قول کی تاقضی نور اللہ شریستی مجالس المؤمنین میں مفصل بن یسار کے حالات لکھتے ہوئے امالی شیخ ابن بابویہ سے فضیل کی یہ روایت نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا کہ جب زید بن علی رحمہ اللہ علیہ کی شام کے باغی لشکر سے لڑائی ہوئی تو میں ان کے ہمراہ تھا حضرت زید کی شہادت کے بعد میں مدینہ حضرت صادق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا تو آپ نے مجھ سے پوچھا فضیل تم شامیوں کے ساتھ لڑائی میں ہمارے چپکے ساتھ تھے میں نے کہا ہاں، پوچھا تم نے کتنے آدمی مارے؟ میں نے کہا چھ، پھر پوچھا کہ تمہارے دل میں یہ شک تو نہیں کہ تم نے ان کو ناحق مارا؟ میں نے کہا یہ شک ہوتا تھا ان کو رات ہی کیوں اس وقت میں نے آپ کو یہ الفاظ فرماتے سنا اَشْرَفُ كُنْ اَللّٰهُ فِیْ تِلْكَ الْاَمَلِ وَلَا تَلْهُ مِنْ يَدِ حَقِّیْ حَقُّوْا اَصْحَابَ شَهَادَةٍ مِّثْلَ مَا مَرَّ فِیْ عَلٰی عَلٰی فِیْ اِلٰہِ اِلٰہِ اَصْحَابِ اَمَلِ اَتَمَّ بِلِقَافِہٖ، واللہ مجھے بھی ان خورن میں شہد فرمائے اللہ کی قسم میرے چا زید اور ان کے ساتھی ایسے ہی شہید ہیں، جیسے حضرت علی بن ابوطالب اور ان کے ساتھی شہید ہیں۔ اس کے الفاظ ختم ہوئے

اب حق گو امام صادق رحمہ اللہ علیہ کے کلام میں جو تشبیہ ہے وہ غور طلب ہے، یہ تو بلا ہوسے، کہ جناب صادق رحمہ اللہ علیہ کے اعتقاد میں حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کا حال جناب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے حال کے مماثل، ہم سرزمین اور ہم جنس ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت زید اپنے اعتقاد کے مطابق دشمن کے مقابلہ میں بنفس نفیس خود بخود جانے میں حق بجانب ہوں گے یہ نہیں ہوا کہ اپنے کسی مناسب نائب کو مقرر کیا ہو اگر ایسا ہوتا اور آپ شریک نہ ہوتے تو آپ کی شہادت کی گواہی اور اس شہادت کو امیر المؤمنین کی شہادت کے مماثل قرار دینے والی گواہی بے معنی اور بے فائدہ ہوگی اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ احوال نے امام زادہ کے متعلق جو کہو اس کی اور بیوفائی کو اس کا سبب قرار دیا وہ چند وجوہ سے لغو پوچھ اور بے معنی ہے،

اول۔ اس صورت کو اگر درست مانا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اپنے والد کے معاملہ میں ترک الصلح کا الزام آئے گا لہذا ان کو دین کی دعوت ہی کیوں دی کہ جس کا انکار کر کے وہ دوزخ میں چلے گئے ممکن ہے شیعہ اسے تسلیم نہ کریں کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے ایمان کے قائل ہیں تو چلے ہم یہی بات آئندہ کے متعلق کہتے ہیں

چوتھے۔ یہ کہ امام چوتھ نبی کا قائم مقام ہے اس پر بھی یہ فرض ہے کہ ہر مکلف کو وہ جو بھی ہو ضروریات دین سے واقف کرے کہ اس کا فیمن عام ہو یہاں باپ کا پیار، بیٹے کی محبت کو دخل انداز نہ ہونا چاہیے اور اپنے پرایوں میں فرق کرنا شان نبوت و امامت کے سراسر خلاف ہے، بلکہ اپنوں کو پرایوں سے پہلے اور زیادہ ڈرانا چاہیے چنانچہ ارشاد ربانی ہے
 وَآفِئْذُ مَنْ هَشِيؤُتَكَ اَلْاَشْرَؤُ بِئِيتِ رَاۡبِ اٰپَنے کنبہ والوں کو ڈرائیے یا لڑنا یا لڑنے نہ آکر انقرضی و مَن حَوْلَهَا
 و تاکہ وہ اہل مکہ اور گرد و نواح کے لوگوں کو ڈرائے،

پانچویں۔ شیعوں کے نزدیک یہ طے شد بات ہے کہ بارہ اماموں کی تعلیمیں اور ان کی ترتیب جناب رسا کتاب صلی اللہ علیہ وسلم سے بحکم صریح منقول ہی نہیں بلکہ منزل من اللہ ہے۔ جب یہ بات ہے تو پھر باپ کے قول کو قبول کرنے نہ کرنے کا سوال ہی نہیں،

ان کو تو چاہیے تھا کہ یہ حکم بھی تمام احکام دین کی طرح ان تک پہنچاتے کہ جان کے ساتھ اس کو بھی قبول کرتے، چھٹے۔ یہ کہ باپ کی تبلیغ کی اس میں ضرورت ہی کیا تھی جب کہ یہ نفس تمام عالم میں شہرت پا چکی تھی کیونکہ یہ منور تھی، خصوصاً اہل بیت میں کہ وہ وہاں تو اس قدر مشہور اور معروف تھی کہ ہر گھر کی لڑکی پڑھتی پڑھاتی رہتی تھی مشہر رکعات نماز کی گنتی اور اس کے اوقات کیونکہ امام پر مسائل خفیہ کی تعلیم موقوف ہوتی ہے نہ ان نفوس متواترہ کی جو صاف ظاہر ہیں۔

اور پھر تمام مذاہب و ادیان میں یہ بات مشہور و معروف اور رائج ہے کہ سن بلوغ سے پہلے بچوں کو دینی مسائل کے اصول سکھائے جاتے ہیں، تو یہ مسئلہ جو دین کے اہم مسائل میں سے ہے تو حضرت سجاد نے کس طرح اپنے فرزند و بلند سے چھپائے رکھا۔ حالانکہ جناب زید با اتفاق شیعہ و سنی سعادتمند بیٹوں میں سے تھے، اپنے والد بزرگوار کے ہر دم رفیق صحبت اور زندگی پھر والد کے نقش قدم پر چلے، تو ایسے فرزند سے انکار و تکذیب کا کیا خطرہ۔
 ساتویں۔ اگر جناب سجاد رحمہ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ جناب زید کو نہ بھی بتایا ہو تب بھی امام وقت نے تو بہر حال اپنی امامت کی دعوت دی ہوگی خواہ انہوں نے یہ دعوت قبول کی ہو یا نہ کی ہو، لہذا اس کا خبر نہ دینا بالکل عبرت رہا۔ حالانکہ حضرت ائمہ کا دامن ان تمام لغو اور بے فائدہ حرکات سے پاک ہے،

بعین نام سمجھ شیعہ اس معاملہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب پر قیاس کرتے ہیں کہ وہاں بھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کو منع فرمایا تھا کہ بھائیوں کو خواب نہ سنانا کہیں وہ حسد میں آکر کوئی ایذا نہ پہنچائیں حالانکہ یہ قیاس بالکل ہی غلط اور ناسد ہے کیونکہ دونوں صورتیں ایک نہیں ہیں، وہاں خواب کا بیان کرنا نہ حضرت یوسف علیہ السلام پر واجب اور ضروری تھا نہ حضرت یعقوب علیہ السلام پر اور نہ وہ اصول دین تھا، نہ مسائل شرعیہ میں کا کوئی مسئلہ، وہ محض ایک بشارت جو حضرت یوسف علیہ السلام کی علوشان کو ظاہر کرتی تھی۔ اور بشارت کا ظاہر کرنا پیغمبر پر واجب نہیں بلکہ بہت سے مواقع پر تو اس سے روکا گیا ہے، تاکہ صاحب خواب کے لئے باعث عجب و خود بینی اور سامع کے لئے باعث حسد نہ ہو، چنانچہ سنن ترمذی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر قریش کے امرا جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو اللہ کے ہاں ان کی جو غریبیاں ہیں انہیں ناش کر دیتا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اس شخص کے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری سنائی جو مدنی دل سے کلمہ پڑھ لے، تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں اس

خوشخبری کا چرچا نہ کرنا کہیں لوگ اس پر اعتماد کر کے نہ بیٹھ رہیں، اور عمل چھوڑ بیٹھیں، اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی نصیحت اس خواب کی تعبیر پر موقوف بھی نہ تھی، برخلاف آنے والے اماموں کی امانت کے کہ وہ پوری کی پوری ائمہ سابقہ کی نص اور تبلیغ پر موقوف ہے، اور مکلف کے لئے اس کے بغیر علم حاصل کرنا محال و ناممکن ہے،

فرمیکہ حضرت پاک سے تمسک کا جو طریقہ شیعوں کا ہے اس کا حال واضح ہو گیا اور کتاب اللہ ان کے خیال و گمان کے مطابق پہلے سے ہی قابل تمسک نہیں ہے لہذا دین کی دونوں مضبوط رسایاں رجل المتین، ان کے مانتوں سے فکلی گمبیں اور یوں یہ میدان گمراہی میں حیران و پریشانی رہ گئے اور آج تک ہیں اور انشاء اللہ تا قیام قیامت رہیں گے۔ اگر شیعوں یہ کہیں کہ ہم بعض ائمہ کو کافر یا گمراہ کہتے اور بعضوں کی برائیاں اور عیوب بیان کرتے ہیں، مگر پھر بھی ان کے اقوال و افعال کو اپنے لئے جنت بناتے ہیں بخلاف اہل سنت کے۔

اور تمسک کے معنی بھی یہی ہیں کہ کسی شخص کے قول و فعل کو اپنے لئے ہدایت کا نمونہ بنایا جائے خواہ وہ تعظیم کی صورت میں ہو یا امانت و تحقیر کے پیرائے میں مثلاً اگر کوئی شخص خدا غواستہ کتاب اللہ کو کوڑی پر پھینک دے یا اپنے پیرومرشد کے پاؤں میں رسی باندھ کر جھانکروں میں گھسیٹے، مگر اسی کے ساتھ قرآن عید کے احکام کی بجا آوری اور مرشد کے قول و فعل کی بجا آوری میں سرفروغ نہ آنے دے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اقوال و افعال دونوں کے ساتھ تمسک کیا بخلاف اس کے کہ قرآن کی تعظیم تو خوب کریں اسے سر پہ اٹھائیں آنکھوں سے لگائیں۔ پر اس کے ساتھ اس کے احکام کی پوری خلاف ورزی کرتے،

ایسے ہی پیرومرشد کی تعظیم و تکریم تو دوسرے زیادہ کریں مگر اس کے قول کو ٹھکرا دیں تو اس وقت اس کو تمسک نہ کیا جائے گا۔ ان کے اسی قول کی تردید میں کتاب میں پانچ ابواب کا اضافہ مناسب سمجھا گیا کہ عقائد و فقہ کے مسئلہ میں تقلید سے جہاں جہاں مخالفت کی ہے اس کو ان ہی کی مشیر کتابوں میں درج صیح و مستند روایات سے بیان کیا جائے کہ ان کا منہ بند ہو اور ان کا طریقہ تمسک روز روشن کی طرح سامنے آجائے،

پانچواں باب: مسائل الہیات

عقیدہ (۱)۔ ان مسائل میں سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کی معرفت میں غور و فکر کے وجوب کا ہے، اور اس میں اہل سنت اور اہل تشیع مختلف ان خیالات ہیں۔

اما یہ کہتے ہیں کہ اس میں غور و فکر کا وجوب عقلی ہے، شرعی نہیں ہے۔ یعنی قطع نظر اللہ تعالیٰ کے حکم کے صرف عقل کا یہ تقاضا ہے کہ ہر مکلف اللہ تعالیٰ کو جانے اور اس کی صفات کو پہچانے۔

جب کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ شرعی وجوب ہے عقلی نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے قطع نظر کہ عقل کے معنی عقل سے اس پر غور و فکر واجب نہیں اور اسی مسئلہ پر کیا محقق کسی بھی دینی معاملہ میں عقل کو حاکم و حکم نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ اس کے حکم کی پیروی کرنی چاہیے۔

اس معاملہ میں عقل پر انحصار کر کے امامیہ نے عقلمیں کی مخالفت کی ہے کتاب اللہ کی مخالفت کا ارتکاب تو اس طرح کہ کتاب اللہ میں فرمایا گیا ہے، **إِنَّ اللَّهَ يَدْعُ إِلَى دِينِهِ** و حکم صرف خدا ہی کا ہے، **أَلَا لَهُ الْخَلْقُ**۔ رسن لو حکم صرف اسی کا ہے **لَوْ تَعَقَّبْتَ لَعَلَّيْكُمْ** (اس کے حکم کو ٹھکرانے والا کوئی نہیں) **يُفَعِّلُ مَا يَشَاءُ وَيُخَيِّطُ مَا يُرِيدُ** رجوع جانتا ہے کرتا ہے اور رجوع جانتا ہے حکم دیتا ہے، **وَمَا لَكُمْ مَعِيَ دِينٍ** حقیقی نبوت تو رسول کا رہم جب تک رسول نہ بھیج لیں مذہب نہیں دیتے۔

اگر بتقاضائے عقل کوئی چیز واجب ہو تو رسول کے بھیج جانے سے قبل اس پر مذہب دیا جاسکتا تھا۔

اور عزت کی مخالفت اس طرح کہ کلینی نے کافی و کتاب میں امام ابی عبد اللہ رحمہ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ **أَنَّهُ قَالَ لَيْسَ لِلَّهِ عَلَى خَلْقِهِ أَنْ يَغْفِرَ لَكُمْ وَ لِلْعَاقِبَةِ عَلَى اللَّهِ أَنْ يَغْفِرَ لَكُمْ** انہوں نے کہا مخلوق پر خدا کا یہ حق نہیں کہ وہ اسے پھرانیں البتہ اللہ تعالیٰ پر مخلوق کا یہ حق ہے کہ وہ ان کو معرفت بخشنے۔

لہذا اگر حکم و بتقاضائے عقل معرفت واجب ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے معرفت دینے سے قبل ہی معرفت واجب ہوتی اور ایسا بھنا جناب مخلوق دہی عبد اللہ رحمہ اللہ علیہ کے قول کے خلاف ہے۔

عقیدہ ۱۲۲-۱۲۳ ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، واحد و یکتا ہے۔ حق ہے، سمیع ہے۔ بعیر و علیم ہے اور قادر ہے، اس کے برخلاف اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ موجود ہے نہ معدوم، نہ زندہ ہے، نہ مردہ، نہ سننے والا، نہ دیکھنے والا، نہ اندھا ہے، نہ بینا، نہ عالم ہے، نہ جاہل، نہ قادر ہے، نہ عاجز، نہ ایک ہے، نہ کئی،

اس عقیدہ میں عقلمیں کی مخالفت اسی ظاہر و جہاں ہے کہ کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں قرآن مجید کی ہر طرفوں آیات اور ائمہ کی سنکڑوں احادیث اس عقیدے کی کھلی تردید کرتی ہے،

عقیدہ ۱۲۳-۱۲۴ اللہ ایک ہے اس عقیدہ کا قرآن آیات اور احادیث ائمہ ثبوت سے ظاہر و باہر ہونے کے باوجود خطابیہ غیبیہ، اسماعیلیہ اور مقننہ خدا تعالیٰ کی کثرت کے قائل ہیں۔ اور یہ سب شیعوں کے فرقے ہیں۔

عقیدہ ۱۲۴-۱۲۵ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت ابدیت (ہیشگی) میں یکتا اور اکیلا ہے کوئی اور دوسرا اس میں اس کیساتھ شریک نہیں کیونکہ اس کی ذات و صفات کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ فانی اور فرہید ہے۔ مگر امامیہ کے فرقے کا ملیہ تجلیہ، زرامیہ، قراسطہ اور نزاد یہ کہتے ہیں کہ آسمان و زمین بھی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے ان کا یہ عقیدہ بھی عقلمیں کا خلاف ہے اسلحا حکم قرآنی آیات ان کی پیدائش بالترتیب کو ظاہر کرتی ہیں،

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، **هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ** وہ وہ ذات ہے جس نے آسمان و زمین کو پھر و فوں میں تخلیق کیا، **عَلَىٰ أَنْ يَكُونَ لَكُمْ مَوَدَّةٌ** یا اُنْزِلْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ فِي يَوْمَيْنِ و آپ ان سے پوچھئے کیا یہ اس ذات کا انکار کرتے ہیں میں نے زمین کو دو روز میں پیدا کیا،

فَتَدَا سَمَوَاتِي إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ پھر وہ سمان کی طرف بلند ہوا، اور آسمان دھواں دسا لگتا، (ہے) **وَأَنْزَلْنَا مِنْهَا نَارًا دُخَانًا** ذہاد اور اس کے بعد زمین کو بھمایا،

ان قرآنی آیات کے علاوہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت سے خطبوں مندرجہ بالا نہ میں اس کی تصریح و وضاحت ہے کہ ازل میں اللہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کو کم عدم سے عالم وجود میں لایا اس کے علاوہ مذکورہ بالا فرقے عالم کو بھی اجڑی مانتے ہیں۔ منسوریہ، معمریہ فرقے بھی اس عقیدہ میں ان کے ہم نوا اور

شریک ہو گئے۔ حالانکہ اللہ کی صیغہ و متواتر روایات آسمان و زمین کے فنا ہونے پر ناطق ہیں اور قرآنی آیات میں تو اس حقیقت کو واضح گاف الفاظ میں بیان کر رہی دیکھئے، ارشاد ہے، اِذَا نَسَّاتُ السَّحَابُ رَجَبِ آسَمَانٍ يُّهْطُ جَائِے گَا اِذَا نَسَّاتُ السَّحَابُ رَجَبِ آسَمَانٍ يُّهْطُ جَائِے گَا، اِنْفِطَرَّتْ رَجَبِ آسَمَانٍ كَهْلٍ جَائِے گَا، وَكَيْفَ تَشْفَقُ السَّحَابُ بِالْفَاوَرِ (جس دن آسمان مع ابر کے شق ہو جائے گا، وَكَيْفَ تَشْفَقُ السَّحَابُ بِالْفَاوَرِ) اس پر جو کچھ بھی ہے فانی ہے، وَكَيْفَ تَشْفَقُ السَّحَابُ بِالْفَاوَرِ (اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز مٹ جانے والی ہے)۔

عقیدہ (۵) یہ کہ اللہ تعالیٰ زندگی کے ساتھ زندہ علم کے ساتھ عالم اور قدرت کے ساتھ قدرت والا ہے اور اس طرح اور صفات بھی اس میں موجود ہیں جس طرح اس کے نام اس کی ذات پر اطلاق ہوتے ہیں، امامیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صفات سے عاری ہے۔ البتہ ان صفات کے شتعات اس کی ذات پر ہو سکتے ہیں، مثلاً یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ وحی ہے عالم ہے عین ہے، البصیر ہے قدیر ہے، اور قوی ہے؛ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے لئے حیات ہے، علم ہے، قدرت ہے، وسیع ہے و بصیر ہے،

ان کا یہ عقیدہ عقل کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ ثقلین اس کے بھی مخالفت ہے قرآن کی مخالفت تو اس طرح ہے کہ بہت سی آیات ان صفات کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرتی ہیں، مثلاً وَكَذَٰلِكَ يُطَوِّرُ رَحْمَتُہٗ مِنْ رَحْمَتِہٖ وَرَہٗ اس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے، اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہِمْ (اس کو اتنا علم کے ساتھ) عزت کی مخالفت اس طرح کہ جناب امیر مبنی اللہ عنہ کے ان خطبوں میں جو سبج البیانہ میں درج ہیں بابجا اللہ تعالیٰ کی صفات مذکور ہیں،

مَثَلًا عَزَّ وَجَلَّ تَمَّ ذَا اس کی قدرت غالب ہے، وَرَہٗ سَمْعُہٗ اَزۡمَوَاتِ اس کا سنا آوازوں پر حاوی ہو گیا۔

علاوہ ازیں اللہ سے بطریق تواتر یہ صفات مروی ہیں۔

عقیدہ (۶) یہ ہے کہ ذات باری کی صفات قدیم ہیں، وہ کسی بھی وقت عاجز و جاہل نہ تھا۔

مگر زرارہ بن اعین، سلیمان جعفری، محمد بن مسلم، جو امامیہ فرقہ کے مقتدا اور پیشوا اور ان کی امامیت کے راوی ہیں اور جن کو وہ وجوہ الطائفہ اور عمود الطائفہ کے القاب سے یاد کرتے ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انزل میں نہ عالم تھا نہ سمیع و بصیر بیان تک کہ جب تمام مخلوقات کو یہ صفات بخشے تو خود کو بھی علم و وسیع و بصیر کی صفات سے متصف فرمایا۔

اب اس عقیدہ کی مخالفت کتاب اللہ سے تو روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ بابجا کَانَ اللہُ عَلَیۡہَا حَکِیۡمًا عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا، سَمِیۡعًا، بَصِیۡرًا فرمایا۔

اور عزت سے مخالفت سورہ اس طرح کہ کلینی نے ابی جعفر رحمہ اللہ علیہ سے روایت کی ہے اَنۡتَ تَآیَ کَانَ اللہُ وَکَہۡ یَکُنْ شَیۡئٌ عَزِیۡزٌ وَکَہۡ یَزِیۡلُ عَاہِدًا انہوں نے فرمایا ایک وقت ایسا تھا کہ اللہ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی، اور وہ ہمیشہ سے عالم ہے،

ایسے ہی کلینی اور دوسرے امامیہ مختلف طرق سے اللہ سے روایت کرتے ہیں اَنۡہُمۡ کَاۡفُرًا یَقُولُوۡنَ اِنَّ اللہَ

سُبْحَانَكَ لَا يَبْدُلُ عَالِمًا مَبِيدًا (کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب سے بعید ہے) عقیدہ (۷) اللہ تعالیٰ قادر و مختار ہے۔ جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادہ و اختیار سے کرتا ہے، مگر اسما علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر و مختار نہیں ہے۔ وہ جس چیز کو پسند کر لیتا ہے، وہ چیز بے اختیار اس طرح موجود ہو جاتی ہے جس طرح سورج نکلنے پر شعاع موجود ہو جاتی ہے،

یہ عقیدہ کتاب اللہ کے یوں مخالف ہے کہ قرآن میں ارشاد فرمایا وَتَقْدِرُ مَا يَشَاءُ وَيُخْتَارُ تَعَالَى جبر پاتا ہے کرتا ہے اور اس کرنے میں وہ مختار ہے، يَقْدِرُ مَا يَشَاءُ جبر پاتا ہے کرتا ہے، تَقْدِرُ عَلَى أَنْ يَنْزِلَ وَهَازِلُ كَرْنِهِ پرتا ہے، بَلَى قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُسَيِّرَ مَا نَدَّ بَلْ لَيْسَ لَكَ بِهِمْ اسْمٌ ہم اس پر قادر ہیں کہ برابر کریں الگ کر دیں ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں،

اور عزت کی مخالفت اس طرح ہے کہ امامیہ نے جناب صادق رحمہ اللہ علیہ سے روایت کی ہے، اِنَّهُ قَالَ رَأَى اللّٰهَ تَعَالٰی يُرِيْدُ وَ لَا يُحِبُّ (انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اور نہیں پسند کرتا) مزید انشاء اللہ آگے آئیگا اگر مخلوقات کے وجہ سے لئے بغیر ارادہ و اختیار کے فعل کے صرف پسند کافی ہوئی تو مکلفین کے سر پر فرض ایمان و طاعت، احسان و عدل موجود ہوتے، اس کے خلاف صفات موجود نہ ہوتیں، کیونکہ ان صفات کا محبوب خدا ہونا ایسا ہی یقینی ہے جس طرح ان کی مخالف صفات کا مبغوض خدا ہونا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)، الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اللّٰهُ تَعَالٰی مومنوں کا دوست ہے، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُقْسِرِيْنَ اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

عقیدہ (۸) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

مگر شیخ ابو جعفر طوسی، شریف، اور امامیہ کی ایک جماعت نے اس عقیدہ کی مخالفت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مبین مقدور مجتہد پر قادر نہیں ہے، ان لوگوں کے اس خیال باطل کی تردید کے لئے کتاب اللہ کی یہ آیت کافی ہے، وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے)

عقیدہ (۹) اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے وجود سے پہلے جانتا ہے۔ یہی معنی تقدیر کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کا اندازہ ہو چکا ہے کہ وہ ایسی یا دوسری ہوگی، چنانچہ وہ اپنے مقررہ وقت پر اسی کے مطابق وجود میں آتی ہے۔

احول طاق کے متبعین جو فرقہ شیطانیہ کہلاتا ہے، اس کا مخالف ہے کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کے وجود میں آنے سے پہلے نہیں جانتا۔

فرقہ حکمیہ اور اثنا عشریہ کے معتقدین و متاخرین کی ایک جماعت جن میں کثر العرفان کا مصنف مقداد جلی شامل ہے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو ان کے وجود سے پہلے نہیں جانتا۔

ان لوگوں کا یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن میں تو ارشادات خداوندی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (اللہ ہر چیز کو جانتا ہے) قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلٰمًا (اس نے ہر چیز کا احاطہ علم سے کر رکھا ہے، مَا اَمَّا بَ مِنْ مُّسْتَبِطٍ فِي الدُّنْيَا وَ لَا فِي الْآخِرَةِ اَلَا فِيْ كِتٰبٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَنْبَأَ اَهَا

دعویٰ پختی کوئی مصیبت خواہ وہ زمینی ہو یا تمہارے نفسوں میں مگر ہمارے ظاہر کرنے سے پہلے ہی وہ کتاب میں موجود ہے اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (ہم نے ہر چیز کو اندازے کے موافق پیدا کیا) اِنَّكَ تَكْتُمُ الْبَيِّنَاتِ الْغَامِ
فِيَا مَالِكِيس وَاَلَمْ تَكُنْ مِنَ الْمَقْلُوْبِيْنَ وَالْقَلْبَانِ ذَالِكَ لَتَعْلَمُوْا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ مطلب۔ اللہ تعالیٰ نے کبیر، شہر حرام، ہدی، اور قلندر کو اپنی نشانیاں دے دی ہیں اور تمہارے لئے جہل مغفرت
اور دفع مسرت کا ذریعہ، اس لئے بتائیں کہ تم جان جاؤ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کا علم اللہ کو ہے۔
وَلَا تَرْجُبْ قَوْلًا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتٰى كِتٰبَ مٰيْمُوْنِ (ہر خشک و تر کتاب مبین میں موجود ہے، اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ الْغُيُوْبِ
اَدْنٰى الْاَرْضِيْنَ وَهَلْ مِنْ دُوْنِ غَيْبِهِۦ سِتْرٌ لِّمَنْ يَّشَآءُ) دردی نزدیک زمین (یعنی شام) میں مغلوب تو ہو گئے مگر اس غلبہ
کے بعد غم قریب غالب آجائیں گے، اور یہ آیت فارسی پر دوم کے غالب ہو جانے سے پہلے کی ہے
ان کے علاوہ قرآن مجید میں جا بجا اہل جنت و اہل نار کی گفتگو ہے و حالات کی خبریں موجود ہیں، اور مصنف قاطع
بہن آنے والی خبروں سے بھرا ہوا ہے اور پھر یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل سنت نے آنے
والے فتنوں اور واقعات کی خبر دی ہے اور ظاہر ہے ان حضرات کو یہ علم وحی اور اہام کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف
سے عنایت ہوا۔

یہ فرقہ اپنے عقیدہ کے لئے قرآن مجید کی جو ایسی آیات بطور دلیل بیان کرتا ہے جن سے بظاہر یہ پتہ چلتا ہے
کہ اشیاء کے وجود کے تحت ہی علم الہی کا وجود ہو جیسے یَعْلَمُ السَّابِقِیْنَ تاکہ مابعدوں کو جان سکے، یا وہ آیات
جو امتحان باجانبیہ پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً یَتَّبِعُوْكُمْ كَيْدًا اَتَاكُمْ دِيْنًا كَرِهْتُمْ اَوْ اَتَاكُمْ دِيْنًا كَرِهْتُمْ
اور یَتَّبِعُوْكُمْ اَتَاكُمْ اَحْسَنَ عَمَلًا تاکہ تمہیں آزمائے کہ عمل میں کون اچھا ہے،
قرآن کی یہ دلیل بالکل ہی غلط ہے اس لئے کہ یہاں علم کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ ظاہر میں چیز کا انتظار
اور متاخر ہونا مراد ہے، کیونکہ کسی شے کا پیدا کرنا بغیر اس کے علم کے یہ تو محال عقلی ہے، جیسا کہ خود فرمایا اَدْنٰى
تَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِيْر (دیکھو وہی نہ جانے کا جو پیدا کر رہا ہے وہ تو بہت باریکبین اور باخبر ہے،
حضرت کے یہ عقیدہ اس طرح مخالف ہے کہ سنی اور شیعہ ہر دو فریق نے جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے
یہ روایت کی ہے، اِنَّهُ قَالَ قَالَ اللّٰهُ كَمْ يَجْعَلُ وَكَمْ يَتَكَلَّمُ اَحَادٌ بِالْاَشْيَاءِ عَلِمًا فَلَمْ يَزِدْ وَكَوْنًا
عِلْمًا فَلَمْ يَزِدْ اَنْ يَّكُوْنَهَا لَعَلِّمْ بَعْدَ كَوْنِهَا فرمایا اللہ جاہل نہیں ہے اور نہ وہ کسی سے سیکھا ہو بلکہ
اس کا علم سب کو گھیر چکے ہے اشیاء کے وجود میں آنے سے اس کے علم میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی ان کی پیدائش کے
بعد کا علم بعینہ وہی علم ہے جو ان کی پیدائش سے پہلے تھا،

اور اثنا عشریہ میں سے علی بن ابیہم قس نے معبود بن حازم سے اس نے ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہاں الفاظ
روایت کی ہے، قَالَ مَا لَكُمْ حَتّٰی يَكُوْنُ كُنْیٰی الْیَوْمَ كَمْ یَكُنْ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ بِالْاَشْیَاءِ قَلَّ لَوْ مَنْ قَالَ هٰذَا اَخْرَاجُ
اللّٰهُ قُلُوْبَ اُمَّتٍ مَا كَانَتْ هَرَّكَ كَانَتْ اِلٰی یَوْمِ الْقِيَمَةِ اَلَيْسَ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ بِالْاَشْیَاءِ مَنْ قَالَ بَلَّ بَلَّ اَنْ یَّخْلُقَ
میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آج کوئی ایسی شے وجود میں آتی ہے جو کل تک اللہ کے علم میں نہ تھی۔ آپ نے فرمایا
جواب کیا کہتا ہے۔ اللہ اسے ذلیل و رسوا کرے، میں نے کہا یہ بتائیے کہ جو کچھ ہو چکا اور اب قیامت تک جو ہونے والا

جس کا حوالہ گزر چکا ہے۔

ایک اور روایت وہ ہے جو کلینی نے حسن بن عبد الرحمن عماری سے اور اس نے ابی الحسن موسیٰ بن جعفر سے کہی ہے
 اِنَّهُ قَالَ اَلَمْ تَكُنْ مِنَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ اِلٰهًا غَيْرَ رَبِّهِمْ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ
 ایک دوسری روایت جو کلینی اور دوسروں نے عبد اللہ بن سنان سے اور اس نے ابی عبد اللہ محمد سے بیان کی کہ اِنَّهُ
 قَالَ اَمَرَ اللّٰهُ وَكَفَىٰ نَشْأَ وَكَفَىٰ مَرْءًا اَبْلَسًا يٰ اَبْلَسُ يٰ اَبْلَسُ يٰ اَبْلَسُ وَكَفَىٰ نَشْأَ وَكَفَىٰ نَشْأَ وَكَفَىٰ نَشْأَ وَكَفَىٰ نَشْأَ
 قُلُوبُ اَدَمَ عَنْ اَكْلِ الشَّجَرَةِ وَكَفَىٰ اَنْ يَّمْلُكَ وَكَفَىٰ نَشْأَ وَكَفَىٰ نَشْأَ وَكَفَىٰ نَشْأَ وَكَفَىٰ نَشْأَ وَكَفَىٰ نَشْأَ وَكَفَىٰ نَشْأَ
 چاہے مگر حکم نہیں دیا۔ چنانچہ ابلیس کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم تو دیا تو مگر یہ نہیں چاہا کہ وہ سجدہ کرے۔ اس لئے
 کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ سجدہ کر لیتا، اور حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کے کھانے سے منع تو کیا مگر یہ چاہا کہ
 وہ اسے کھالیں اور اگر وہ نہ چاہتا تو وہ اس کو نہ کھاتے،

امامیہ اور زیدی فرقوں کا قول اسی کے موافق ہے، وہ کہتے ہیں کہ بعض ارادہ کی ہوئی چیزیں واقع نہیں ہوتیں
 اور شیطان و کافروں کی جاہی ہوئی باتیں وقوع پذیر ہوتی ہیں،

اس عقیدہ میں کیسا نتیجہ بھی ان ہی کے ساتھ ہیں۔ بخلاف اہل سنت کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایک
 چیز بھی حرکت نہیں کر سکتا اور اللہ کے ارادہ کے خلاف کسی کا ارادہ نہیں چل سکتا ہے اور نہ ہی وقوع پذیر ہو سکتا ہے
 جو اس نے چاہا ہو گا جو نہ چاہا نہیں ہوا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امامیہ اور زیدیوں نے یہ عقیدہ ازلیق جو سیدوں سے چرایا ہے، جنہوں نے خیر و شر کے
 الگ الگ خدا بنا رکھے ہیں ایک کو بزدان کہتے ہیں تو دوسرے کو اہل حق اور پھر واقعات عالم کو تقسیم کر کے ہر ایک کی طرف
 ملحدہ و ملحدہ واقعات کی نسبت کرتے ہیں۔

اور کبھی ایک کو دوسرے پر غالب بھی مانتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام صیوب سے پاک ہے،
 اور امامیہ و زیدیہ کا یہ قول بھی اسی طرح کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیز کا بھی ارادہ کرتا ہے جو ہونے کے
 قابل نہیں۔ البتہ باللہ! ان کے اس ناپاک عقیدہ کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ گویا اللہ تعالیٰ کی بیوقوفی ثابت کرنا چاہتے
 ہیں۔ اللہ بہت ہی پاک ہے، ان باتوں سے جو یہ ظالم اسپر دگاتے ہیں،

امامیہ اور زیدیہ کے آٹھوں فرقوں کا یہ قول بھی قول سابق ہی کی مثل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت
 کا ارادہ کرتا ہے مگر شیطان اور گمراہ کرنے والے انسان اس کو گمراہ کر دیتے ہیں گویا نعرہ باللہ ان لعینوں کے مقابلہ
 میں اللہ تعالیٰ کی کچھ نہیں ملتی۔ حالانکہ قرآن کی آیت مَنْ يَهْدِي اللّٰهُ فَاِنَّهُ لَا مُنَافِقَ لَهُ رَجَعِ اللّٰهُ هِدَايَتِ دَس
 اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اس خیال کو صاف جھٹکا رہی ہے،

اور عزت کی روایات میں سے وہ روایت بھی امامیہ وغیرہ کے مخالف ہے، جو کلینی نے ثابت بن سعید
 سے اور اس نے ابی عبد اللہ محمد بن علیہ سے روایت کی ہے کہ

قَالَ يٰ نَاسُ مَا لَكُمْ وَلَيْتَا مِثْلَايَ لَعَنَ النَّاسُ
 وَلَئِنْ عَزَا أَحَدٌ اِلَيَّ اَسْرَعْتُ وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ
 انہوں نے ثابت سے کہا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا لوگوں کو
 نہ چھڑو اور کسی کو اپنے کام کی طرف نہ بلاؤ اللہ قسم

أَهْلُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اجْعَلُوا عَلَيَّ يَوْمَئِذٍ
حَبِيبًا يُرِيدُ اللَّهُ هَذَا لِيُثَبِّتَ مَا أَسْطَأْتُكُمْ أَنْ يُعْزِلَكُمْ
وَكُونَ أَهْلُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اجْعَلُوا عَلَيَّ
أَنْ يَهْدِيَهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ اللَّهُ حَذَّائِلُكُمْ مَا سَطَأْتُمْ
أَنْ يَهْدِيَهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ

زمین و آسمان والے سارے مل کر بھی یہ کوشش کوں کہ
اس شخص کو گمراہ کر دیں جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کا ارادہ
کرتا ہے تو سب اس کے گمراہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اسی
طرح اگر زمین و آسمان والے سارے مل کر بھی کسی کو ہدایت
کریں۔ اور اللہ اس کی ہدایت نہ چاہے تو وہ اس کو گمراہ

مل کر بھی ہدایت نہ کر پائیں گے۔

عقیدہ ۱۱۲۔ ”اللہ تعالیٰ جسم نہیں رکھتا۔ نہ طول و عرض اور عمق، نہ ہی وہ شکل و صورت رکھتا ہے۔ مگر امامیہ کے فرقوں
میں حکمیر، سالمیہ، شیطانیہ، اور مشیمہ، یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم رکھتا ہے۔

اس کے ثبوت کے لئے کلینی کی یہ روایت ملاحظہ ہو جو اس نے ابراہیم بن محمد مدانی سے کی ہے۔ قَالَ كُنْتُ
رَأَى الرَّجُلِ عَلِيَّ السَّيِّدِ أَتَانِي قَبْلًا مِنْ هَذِهِ الْبَيْتِ قَدْ اخْتَفَرُوا فِي التَّوْحِيدِ فَيَذَرُونَ مَنْ يَقُولُ جِسْمًا وَمِنْهُمْ
مَنْ يَقُولُ مُنْزَلًا بِمَنْ نَعَى أَنْتَ مِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ جِسْمًا وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ مُنْزَلًا بِمَنْ نَعَى أَنْتَ مِنْهُمْ
العقیدہ ہیں بعض اپنا یہ عقیدہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم والا ہے اور بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ اس کے صورت و شکل
بھی ہے۔

اور سہیل بن زیادہ سے بھی ایک روایت ہے کہ اس نے کہا ”میں نے ابی محمد کو کھاکہ اسے سردار ہمارے

ساتھی عقیدہ توحید میں مختلف اقوال ہیں، بعض اس کو جسم ٹھہراتے ہیں اور بعض صورت“

ان روایات سے مختصر یہ قرأت ہو گیا کہ ان میں ایسے لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم، صورت و شکل

مانتے تھے اب ان ترسیاں امامیہ کے اس لفظ مذہب کی تفصیل دیکھئے،

حکمیرہ کہتے ہیں کہ وہ طول و عرض اور عمق، رکھنے والا ایک جسم ہے، جس کے ہر سہ اطراف مذکورہ برابر ہیں اور اس
کے باہر بھی ہیں، وہ بچھلی ہوئی چاندی کی طرح سفید ہے ہر طرف چمکتا ہوا، وہ رنگ بھی رکھتا ہے تو بھی مزہ بھی اور
محبت بھی! وہ اپنے بالشت سے ساتھ بالشت قد کا ہے۔ عرش سے بغیر فاصلہ کے چٹا ہوا ہے،

کلینی نے علی بن حمزہ سے روایت کی ہے کہ ہشام بن حکم پیشوائے حکمیرہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ٹھوس جسم
ہے، جس کا پہچانا ضروری ہے،

اس کے علاوہ محمد بن حکم، یونس بن طہیان اور حسن بن عبد الرحمن سے بھی مختلف سندوں کے ساتھ اس قسم

کی روایت لایا ہے،

سالمیہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ انسان کی شکل کا ایک جسم ہے، جو چہرہ، آنکھ، کان، ناک، منہ اور ہاتھ پاؤں رکھتا
اس کے حواس خمسہ بھی ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کان کی تو دھڑلہ، ناک اس کے سیاہ بال بھی ہیں،

کلینی نے محمد بن خریج سے روایت کی ہے کہ ہشام بن حکم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے اور ہشام بن سالم و سالمیہ فرقہ
کا بانی اس کو صورت و شکل والا کہتا ہے ناف تک کھوکھلا۔ اور باقی ٹھوس۔ شیطانیہ، اور مشیمہ بھی سالمیہ کے ہم خیال
وہ ہم عقیدہ ہیں،

کلینی نے ابن الخزاز اور ابن الحسین سے روایت کی ہے کہ پیشی کہتا ہے کہ وہ کھوکھلا ہے ناف تک اور باقی ٹھوس ہے اور یہی قول جر البقی اور صاحب الطاق کا بھی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ امامیہ کا یہ عقیدہ مستحکم غیر تو ہے ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ نقلین کے بھی مخالف ہے۔ کتاب اللہ تو کہتی ہے تیس کثیدہ شیئی اس کے مثل کوئی چیز نہیں، اور عیون کی مخالفت یوں کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے حوالہ سے یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں اِنَّهُ قَالَ لَا يُؤَمِّصُ اِشْيَ مِنْ اِلَاجْزَا اِلَّا بِالْجَوَادِ وَلَا عَصَا (آپ نے فرمایا کہ اس کی صفت نہ اجزا اسے بیان کی جاسکتی ہے نہ اعضا بدنی بلکہ پاؤں وغیرہ سے شمع الہامہ میں بھی اسی طرح ہے اور کلینی نے بھی ابہاہیم بن محمد بن الخزاز اور محمد بن الحسین سے اسی طرح روایت کی ہے وہ کہتے ہیں۔

وَعَلَّمَ عَلِيٌّ ابْنِ الْحُسَيْنِ الرَّفْعَ وَتَلَا رَاتِ هِشَامُ بْنُ سَالِمٍ وَمَا جَبَّ الطَّاقُ وَالْيَكْنِي يَقُولُونَ اِنَّهُ تَعَالَى الْخَبْرُ اِلَى السُّورَةِ وَالْبَاقِي مَسْدٌ فَهَذَا سَاجِدٌ اِنَّهُ قَالَ سُبْحَانَكَ كَيْفَ كَانَتْ قُدْرَتُهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَنْتَهَوْا وَ يَغْيِرَ لَكَ اَلَهُمْ لَا اَصْفَكَ اِلَّا بِمَا وَصَفْتَ بِهِ نَفْسَكَ وَ اَنْ اَشْبَهَكَ بِخَلْقِكَ اَمَّا اَهْلُ بَيْتِكَ خَلِيْلٌ فَلَا يَخْلُفُنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ

ہم جناب ابی الحسن رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے کہا کہ ہشام بن سالم، صاحب الطاق اور پیشی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ناف تک پولا اور کھوکھلا ہے اور باقی ٹھوس۔ یہ سن کر قہر تو بہ کرتے ہوئے، آپ سجدہ میں گر گئے۔ اور فرمایا اے اللہ تو پاک ہے یہ لوگ اپنے نفسوں کے کتے ملیں ہو گئے ہیں کہ تیرے غیر سے مجھے مشابہ کرنے لگے اے میرے اللہ میں حیرت صفت اسی کے ساتھ کرتا ہوں جس کے ساتھ کرنے اپنی صفت بیان کی ہے اور میری مخلوق کے ساتھ تجھ کو ہرگز تشبیہ نہیں دیتا تو ہر بعدا کی کامستحق ہے تو مجھ کو ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ فرما،

پھر اسی سلسلہ میں کلینی نے حسن بن عبد الرحمن الکلی سے بھی روایت کی ہے کہ اس نے کہا عَلْتُ لِابْنِ الْحُسَيْنِ اَلْكَاطِمِ اِنَّ هِشَامَ بْنَ الْحَكَمِ يُرِيهِمْ اَنَّ اَللَّهَ جَسَمٌ قَالَ قَاتَلَهُ اَللَّهَ مَا عَلِمْتُ اَنَّ الْجَسْمَ يَحْدُوْهُ مَعَ اَللَّهِ وَابْنُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هَذِهِ الْقَوْلِ۔ میں نے جناب ابی الحسن کاظم سے کہا کہ ہشام بن حکم کا گمان ہے کہ اللہ جسم ہے فرمایا اللہ اس کا ناس کرے کیا اسے اتنا بھی پتہ نہیں کہ جسم حدوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے، خدا کی پناہ۔ میں اللہ کے سامنے اس قول سے مکمل برأت ظاہر کرتا ہوں، کلینی نے اسی ذیل میں کافی کی کتاب التوحید میں بھی محمد بن فرح زنجی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا۔

كُتِبَتْ اِلَى ابْنِ الْحُسَيْنِ اَنَّكَ قَالَ هِشَامُ الْحَكَمُ فِي الْجِسْمِ وَ هِشَامُ ابْنِ سَالِمٍ فِي الْقَوْلِ تَرَوْنَهُ فَلَئِنْ دَخَلَ حَيْدَةَ الْخَيْلِ اَنْ وَاسْتَعِذَ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ لَيْسَ اَنْقَوْلُ مَا اُلْهِتَا مَات۔

میں نے جناب ابی الحسن کو ایک خط لکھا جس میں ہشام بن حکم کا مذہب اللہ کے جسم ہونے میں اور ہشام کا خیال اللہ کی صورت ہونے میں پیش کر کے اس بارے میں آپ سے استفسار کیا۔ تو آپ نے مجھ کو جواباً لکھا تو اس حیرانی میں

کیوں پڑ گیا شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ دو دونوں ہشاموں کا قول لغو ہے اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عقیدہ رسالہ ۱۱۱۔ اللہ تعالیٰ کے لئے مکاتبت نہیں ہے نہ اوپر نیچے کی طرح اس کے لئے کوئی طرف یا سمت ہے، یہ الہی سنت

کا اندر ہر عقیدہ ہے مگر امامیہ میں سے حکم یہ اور یونسیہ کہتے ہیں کہ عرض اس کا مکان ہے،
حکم یہ کہ کا خیال ہے کہ عرض سے چٹا ہوا ہے اس فرش کی طرح جو تخت پر بیٹھا یا جانا ہے کہ اس کے ادر عرض کے
درمیان کوئی واسطہ یا حامل نہیں ہے اور در جہت میں عرض کے برابر ہوا اور زیادہ نہ ہو زیادہ۔

یونسیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرض پر اس طرح بزرگ نہیں ہے جس طرح کوئی تخت پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے، بلکہ وہ تخت
برقراری کے وقت کھڑا بھی ہوتا ہے بیٹھتا بھی ہے اور حرکت بھی کرتا ہے اور اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اگرچہ
وہ ان سے قوی تر بھی ہے اور بگڑ بھی جیسا کہ کلنگد جانور کو اس کے پاؤں اگرچہ بڑاں اور قوت میں کم تر ہیں اٹھائے
ہوئے ہیں،

سالمیہ شیطانیہ اور میثیہ کہتے ہیں کہ اس کا مکان آسان میں ہے مگر ستر نہیں رہ ایک مکان سے دوسرے
مکان میں، ایک آسان سے دوسرے آسان میں منتقل ہوتا رہتا ہے، اترتا ہے، اچھٹا ہے، کھڑا ہوتا ہے، بیٹھتا
ہے، حرکت کرتا ہے، سکون میں آجاتا ہے، رہتا ہے کہ اس کی قیام گاہ آسان میں ہے لیکن موسم بہار میں گلزار اور
لاہ زار مقامات اور شکر فہ ہائے رنگارنگ کی سیر کے لئے زمین پر آتا ہے اور پھر آسان پر چڑھ جاتا ہے جیسے ہند کا
بادشاہ جہانگیر کہ اس کی قیام گاہ تو اگرہ میں تھی مگر موسم میں بہار کی سیر کے لئے کشمیر آیا کرتا تھا۔

اس کو اس کی مخالفت کتاب اللہ اور عزت رسول سے بین و ظاہر ہے، اس لئے کہ قرآن میں قرآنیہ رکبہ شعی
فرمایا گیا ہے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض خطبات میں یوں روایت ملتی ہے لا فی المکان کعبہ
انہ متقانی، وہ کسی مکان میں نہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال ممکن ہو۔

اور ایک خطبہ میں یوں ہے، لا یقیدہم الا فہام یا یحییٰ ویرا نحر کاوت (ہمارے وہم و گمان حدود و حرکات
اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے،

و پھر آپ ہی کے ایک اور خطبہ میں یوں آیا ہے کہ اس کو ایک حالت دوسری حالت سے غافل نہیں
رکھتی نہ اس کو کوئی مکان گھیرتا ہے۔

یہ سب کچھ بیجا و بے بنیاد ہے۔

امامیہ میں سے حکم یہ، سالمیہ، شیطانیہ اور میثیہ جہت و طرف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے لئے اور پر کی چھت
ثابت کرتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے اس کی قرار گاہ عرض اور آسان کو اور پر ہی کی طرف مانا ہے البتہ اتنا ہے کہ جب
وہ آسان دنیا پر ہوتا ہے تو اور پر کے آسمانوں پر رہنے والے فرشتے، حاملان عرض، خازنین کرسی، اور جنت میں بود و
باش رکھنے والے حرد و ملان، سالمیہ، شیطانیہ اور میثیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے اور پر ہوجانے ہیں اور وہ جہت و طرف
میں ان سے نیچے ہوجاتا ہے، لیکن زمین پر رہنے والوں سے تو ہمیشہ اونچا ہی رہتا ہے۔

اور در بیہ کے نزدیک وہ کوئی جہت نہیں رکھتا کبھی اور پر رہتا ہے اور کبھی نیچے، حالانکہ بیجا و بے بنیاد ہے سب شیعوں
کے نزدیک ثابت ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا یجئہ (اس کو کسی حد میں محدود نہیں کیا جاسکتا۔
اب اس قول سے نیز ان افعال سے جو اس کے مکان میں ہونے کی نفی کرتے ہیں جہت کی نفی لازم آتی ہے کیونکہ
جہات مکان کے اطراف و حدود ہی کا نوناں ہے۔

انشاء عشری شیعہ ان لغویات و خروانات کو سن کر چیں بچیں ہونے میں اور وہ ان طور پر یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ جب ہم ان تمام اقوال و مذاہب کو مردود و باطل قرار دینے ہیں، ان میں ان روایات کا الزام کیوں دیا جاتا ہے، حقیقت میں تو ایسا ہی ہے، لیکن ہمارے لئے نئے تمام شیعہوں کی طرف ہونے سے مراد سارے کے سارے امامیہ ہیں، گو ان میں انشاء عشری شیعہ نہ ہوں البتہ انشاء عشریوں سے ہماری گزارش یہ ہے کہ جب تم ان اہل مذاہب کو نہا بہ طعن کرنے اور مسامحت میں اپنا معتد اور پیشوا اور معتد علیہ اور سند بناتے ہو اور انہیں کی روایت اور نقل سے اپنا شیعہ و اعتقاد انہیں ر مقرر کرنے ہو تو مسئلہ توحید کے معاملہ میں ان بزرگوں کی روایات کی کیوں ذرا براہِ قدر نہیں کرنے اور ان کو ناظر میں لاتے ہو؟

اور پھر جب کہ یہ لوگ روایات حضرات ائمہ ہی سے نقل کرتے ہیں۔ اور اگر ان سے گریز نہ کرنا رہنمائی کا سبب یہ ہے کہ ان روایات کی ائمہ نے تکذیب فرمائی ہے تو ان سننات نے ان روایات کی بھی تو تکذیب و تردید کی ہے۔ جو طعن صحابہ اور مسلمانیت پر مشتمل ہیں۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان روایات کی تکذیب میں دوسرے شیعہوں نے بھی ائمہ سے روایت کی ہے اور ائمہ کی تکذیب نقل کی ہے، اور طعن صحابہ و مسلمانیت میں تکذیب کی روایات ائمہ سے صرف اہل سنت نے نقل کی ہے۔ اور یہ تو واضح عقلی بات ہے کہ جب ایک شخص کسی بزرگ سے کوئی روایت کر لیا تو خود وہ اس کی تکذیب کیوں روایت کر لگا۔ ایسا وہ ہرگز ہرگز نہیں کر لگا۔ اس سے تو اپنا تھوکا ہوا پانی ٹاپڑے لگا اور اپنے پاؤں پر خود کھپاڑی مارنی ہوگی۔

مثلاً حکیمہ، سلمیہ اور میثمہ جب اللہ تعالیٰ کے جسم و صورتہ کی روایت کرتے ہیں تو یہ ہی اس کی تکذیب و تردید کی روایت کیوں نقل کریں گے اگر یہ ایسا کریں گے تو ان کے مذہب کی امیر انہیں کے سردوں پر نہ آ پڑے گی اور یہ اپنی موت آپ نہ مرجائیں گے۔

چنانچہ تمام امامیہ جب اپنی اغراض فاسدہ یا کسی غلط فہمی کے سبب ان ہی حضرات سے طعن صحابہ یا مسئلہ امامت کی روایت لیتے اور قبول کرتے اور نقل کرنے ہیں تو اب ان سے توقع رکھنا کہ یہی اس کی تکذیب کی روایت بھی نقل کریں عقل سے بہت دور کی بات ہے، اگر کوئی عقل مند ان کی سپائی اور جھوٹ پر کھنڈ اور جانچنا چاہے تو لا محالہ اسے دوسرے فرقہ کی روایات کو دیکھنا چاہیے۔

چنانچہ اہل عقل کے لوگ یہی طریقہ اور اسلوب رائج و جاری ہے اور وہ اسی طور ان جیسے معاملات کو جانچتے اور پرکھتے ہیں۔ جب کسی خبر دینے والے کی خبر کا استمان مقصود ہوتا ہے۔ تو اسی خبر سے اس کی روایات کے خلاف روایت کا مسالہ نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ اپنی بات کی پیچ یا اغراض کے ماتحت سخن پروردی ہی کرے گا کبھی اپنی غلطی یا جعل کا جھانڈا پھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ بلکہ وہ دوسروں سے جو موقع و محل پر موجود تھے و اقامہ کی تحقیق کرتے ہیں،

وہیں کے معاملہ کو دنیا کے معاملہ سے ہلکا نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ اس میں سستی و غفلت کو روا رکھنا چاہئے، اور اس سے قطع نظر خود شیعہوں نے کہیں کہیں طعن امامت کے بارے میں روایت کرنے میں اپنے معتقدات

ومرویات کے بھی خلاف کیا ہے، باب ملامن و امامت میں انشاء اللہ ان کا سب ذکر آجے گا۔ اور مجموعہ لٹن کا تو طرہ اور قاعدہ یہی ہے کہ اگر حکم کھلا سامان طور سے ان کی روایت کے خلاف روایت کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اس سے انکار کرتے اور راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ لیکن جب کسی دوسرے سلسلے میں وہ خود اس روایت کو بیان کر بیٹھتے اور ایسی بات ظاہر کر دیتے ہیں جو خود ہی ان کی نگزیب و تردید کر دیتی ہے،

اور دوسری گزارش اشاعہ عشری حضرات سے یہ ہے کہ جب حضرات ائمہ نے اس جماعت کی تکذیب فرمائی اور اس قدر دوسرے اور اس مذہب کو برائی فرمائی کہ ان کے لئے، قاتلہ اللہ - اخذہ اللہ وکذا تعجلنی مع القوم الظالمین اور واستعذ باللہ من الشیطان جیسے سنت النفاق استعمال فرمائے، تو پھر ایسے رسوا ذلیل لوگوں ہی کی روایات دین دایمان کے بارے میں لانا اور ان روایات پر اعتماد کر لینا۔ آخر اس کو کیا سمجھا جائے! معمولی سے معمولی ذہن کا آدمی یہ بھی کہے گا کہ سب ایک ہی تفسیر کے چٹے بٹے ہیں، اور یہ حقیقت سے بعید بھی نہیں، بہت دھرم امامیہ یہ عذر بھی تراش سکتے ہیں کہ اہل سنت کی روایات حضرات ائمہ سے تفسیر پر محمول ہیں اور امامیہ کی روایات بیان واقع پر!۔

تو ہم کہیں گے کہ ابھی تو حضرات ائمہ کے تفتیہ کا معاملہ ہی زیرِ تفتیہ اور حل طلب ہے، اس لئے کہ ان کے تفتیہ کی روایات یہی شیعہ حضرات تو کرتے ہیں، تو پھر کلام کی توجہ یہ ان ہی کی روایات پر کرنا مناسب اور بے لطیف ہے اس کناہ کو عقلمند خوب سمجھتے ہیں۔

اور پھر دوسری بات بھی محتاج بیان و تشریح ہے کہ تفسیر مسند کن کا ہے؟ شیعوں کا یا اہل سنت کا اگر ان روایات میں کسی کو انہی اثنام کی روایت سے ترجیح دی جائے تو پھر وہی بات ہوگی کہ دعویٰ بھی شیعوں کا اور محبت بھی شیعی روایات سے اور اگر ترجیح دوسری روایات سے ہے تو ان کو بیان کیا جائے۔ یہاں یہ بحث چرکھ مضنا ہے اس لئے ہم اس کو طول وینا مناسب نہیں سمجھتے اس لئے بحث کا رخ پھر اصل مقصد کے آغاز کی طرف موڑتے ہیں۔

واضح رہے کہ ان دو مذکورہ بالا عقیدوں میں سے بہت سی شاخیں نکلتی ہیں، اور ان لوگوں نے ہر ایک میں نقلین کی مخالفت کی ہے ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ترکیب سے پاک ہے مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے لئے اجزا ہیں جو خارج ہیں، ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہیں، مثلاً سر، ہاتھ، پاؤں، لمبائی، چوڑائی اور گہرائی حالانکہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا -

کہ یُوصَفُ بِشَيْءٍ تَمَّ الْأَجْزَاءُ وَلَا بِالْجَوَامِدِ وَالْأَعْضَاءِ
وَلَوْ يَعْرِضُ مِنَ الْأَعْرَاضِ وَلَا بِالْأَجْزَادِ وَلَا بِالْأَنْبَاءِ
وَلَا يُقَالُ لَهُ حَدٌّ وَلَا نِقَاطٌ وَلَا الْقِطَاعُ وَلَا غَايَةٌ
كَذَا فِي نَهْمِ الْبِدْعَةِ وَهِيَ الْكَلِمَةُ مِنْ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ
الْحَكِيمِ قَالَ وَصِفَ لِإِبْرَاهِيمَ قَوْلَهُ هَيْسَامُ الْجَوَائِقِ

أَنَّهُ مَرَّةٌ وَفُكَيْتٌ قَوْلُ هِشَامِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ جَاءَهُمْ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ لَا يُشَبِّهُ بِشَيْءٍ آتَى بِحَقِّهِ وَخَضِرٌ أَظْلَمُ مِنْ كَوْلٍ

مَنْ يَعْرِفُ خَالِقَ الْأَشْيَاءِ بِحُسْنِ آدَمِصَّةٍ أَوْ بِجَلَّةٍ وَتَعْلِيْدٍ وَاعْتِلَاءِ -

اور کلینی نے محمد بن حکم سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ ابی ابراہیم کے سامنے ہشام جو اسی کا یہ کلام بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ شکل و صورت رکھتا ہے اور ہشام بن حکم کے اس قول کا بھی ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسم سے تو ابی ابراہیم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کسی کے مشابہ نہیں ہے۔ اس سے بڑا اور قابلِ نفرت قول کیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ جو پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے، اس کی صفت و صورت و شکل جسم اعضائے جسم ہر اور اس کی مخلوق کے حوالہ سے بیان کی جائے،

عقیدہ (۱۱۴)۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی چیز میں سرایت کرتا ہے نہ کسی بدنی قالب میں حلول کرتا ہے یا نمودار ہوتا ہے۔ مگر غالی شیعہ ائمہ کے جہاد و ابدان میں اللہ تعالیٰ کے حلول کے قائل ہیں، یہاں تک کہ ذوالمیرہ فرقہ نے ابو مسلم مروزی صاحب الدعوۃ کے بدن میں اللہ تعالیٰ کو پیرا ہوا مانا ہے۔ اور قجب و حیرت کی بات یہ ہے کہ شیخ ابن سلہر علی نے دعویٰ محمد ان کے علی الرضیٰ الحق و کتاب میں عقیدہ حلول کو مونیائے اہل سنت کی طرف منسوب کر دیا ہے، حالانکہ یہ حضرات اہل حق تو حلول کا عقیدہ رکھنے والے کو کافر قرار دیتے ہیں، دراصل یہ ساری خطابی اور جمل اور کلام نہ سمجھنے کے سبب سے ہے، اس نے مسئلہ وحدت الوجود سے دھوکہ کھایا اور اس کو نہ سمجھ سکے کی وجہ سے اسے حلول پر مولیٰ کر بیٹھا ہے جس سے ان کے علماء کے فہم و تدبر کا پول کھتا ہے، اور رسائی فہم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور جب ائمہ کرام کے کلام میں ایسے گہرے اور دقیق مطالب آئے تو انہوں نے اپنی کم فہمی بلکہ کچھ فہمی کے سبب ان کو سن کر ڈالا اور اپنی ناقص سمجھ کی وجہ سے ان مطالب میں نا محمود تبدیلی کر ڈالی۔

غالیوں کے بعض فرقے۔ بنائبر، نصیریہ اور اسماعیلیہ حلول کے بجائے اتحاد کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ اتحاد تو حلول سے بھی زیادہ باطل اور غلط ہے اور اس کا بطلان نہایت واضح بدیہات میں سے ہے اور شیخ علی اپنی اسی ناقص و باریک سمجھ کی وجہ سے اتحاد کی نسبت بھی سادگیوں اہل سنت کی طرف کر بیٹھا ہے، حالانکہ ان بندگان کے نزدیک اتحاد سے حقیقی معنی مراد ہی نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں معنی مراد ہی اول یہ کہ بروقت فہور و تجلی نور حق بننے کی خودی کا مٹ جانا اور مست و کمزور ہو جانا مراد ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کے وقت چراغ کی حالت ہوتی، چنانچہ نور کی تجلی کے وقت بندگی کی کیفیت پیدا ہو جانے کا شہرت قرآن سے بھی ہے، اور اقوال حضرت سے بھی بالکل غلط ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے، قُلْنَا تَجَلَّى رَبَّكَ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًا وَخَدَّ مَوْصِي صَدِيقًا میں جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اسے پاش پاش کر ڈالا اور موصی علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، یا فرمایا فَلَمَّا بَدَا لَهُمْ الْوُجُوهُ اَنْ يَكُوْرِيْكَ مَتٰى فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْرِكُمْ اَللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ۔ میں جب وہ آیا اس کے پاس تو ندائی گئی اس کو کہ برکت دیا گیا وہ جو آگ میں ہے اور وہ جو اس کے آس پاس ہے اور سارے جہاں کا رب اللہ پاک ہے،

اور اقوال حضرت سے اس کا شہرت یوں ہے کہ بروایت کلینی سابق جناب صادق ابو بصیر کے ساتھ گفتگو میں کہتے ہیں کہ وہاں مومن اللہ تعالیٰ کو قیامت سے پہلے اس دنیا میں دیکھیں گے کیا تو اس کو اس وقت نہیں دیکھ رہا؟ اسی معنی و مطلب کو شیخ ابن فارغ مصری رحمہ اللہ علیہ نے اپنے اشار میں بیان کیا ہے،

وَجَاؤْا بِكَ فِي اِثْنَا دَعِي ثَابِتٌ رَاَوْا بَيْتَهُ فِي السَّقْلِ عَمِيْدٌ مِّنْ عَمِيْقَةٍ

فَيَكُونُ الْكَلْبُ وَاحِدًا مِّنْ حَيْثُ أَتَىٰ ذَاكَ الْكَلْبُ الْكَلْبُ
يَكُونُ تَجَلُّدًا لِّدَيْمِيٍّ لَا ذَاتَهُ وَلَا زَائِيٍّ وَلَا مَرْتَبَ
مگر کمال کی ذات کو نہ دیکھنے والے کو اور نہ دیکھے گئے کو،

عقیدہ (۱۵)۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ نظر آنے والے اعراس کے ساتھ متعصّف نہیں اس لئے رنگ و بو بیان جیسی دوسری
کیفیات، جیسے حواس خمسہ وغیرہ نہیں رکھتا۔ مگر امامیہ کے فرقوں میں یہ حکم یہ اس کے لئے مزہ رنگ و بو وغیرہ
ثابت کرتے ہیں،

اور اس کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور غالی شیعہ تو ان سے بھی آگے بڑھ گئے اللہ کے ابدان میں اللہ تعالیٰ کے طول
کو مان کر نہ ان کیفیات بالا ہی کا عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ وہ تو اس کے لئے مہجور، پیاس بول و براز جیسی ضروریات
اس کی ذات کے لئے جائز رکھتے ہیں۔

اس کی تردید میں بھی اور پر جناب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ کسی
بھی عرض سے متعصّف نہیں۔

عقیدہ (۱۶)۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کسی بھی چیز میں چھپ نہیں سکتی اور نہ وہ سایہ رکھتی ہے،
مگر سارے ہی غالی شیعہ کہتے ہیں کہ وہ سایہ رکھتی ہے اور پانی و آئینہ میں چھپتی ہے۔ وغیرہ عملی جو فرقہ
مغیرہ کا سرگروہ ہے کتاب ہے،

لَا أَرَادُ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ فَكَيْفَ يَأْتِيهِمُ الْإِلَٰهُ عَظِيمٌ فَطَارَ قَوْمٌ
تَلَامَا عَلَىٰ تَابِئِهِ وَذَلِكَ سَمِعَ أَسْمَ تَرَكَ الْوَعْدَ عَلَىٰ الْوَعْدِ
خَلَقَ فَسَمِعَ ثُمَّ كَتَبَ عَلَىٰ قَوْمِ أَعْمَالِ الْيَدِ فَقَضَيْتُ
مِنَ الْمَاءِ مِائَةً فَسَمِعَ مِنْ حَزَقِهِ يَمْرَانِ أَحَدُهُمَا
يَلْمُ الْمُطْلَمَ وَالْآخَرُ مُطْلَمٌ ثُمَّ أَطْلَمَ فِي الْبَحْرِ
الْقَيْدَ نَا بَسْمَ قِيَامَ طَلَمَ نَا فَتَرَعُ بَعْضُ الدِّينِ كَيْفَ تَقْتَضِيهِ
الْمُشَقُّ وَالْقَسْرُ وَأَنْتَ بَاقِي الْفِيلِ نَفْسًا لِشَرِيكَ وَقَالَ
وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ إِلَّا نَحْنُ وَنَحْنُ خَلَقَ الْخَلْقَ مِنَ الْبَحْرِ
فَالْكَفَّارُ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالْمُؤْمِنُونَ مِنَ الْفُجَّارِ

باقی مفسر کو شارح داتا کہ شریک مرٹ جائے مفسر مٹا دے وقت یہ کہا کہ شریک نہیں ہونا چاہیے پھر ساری مخلوق کو
ان دو دریاؤں سے پیدا کیا کھاری و تاریک سے کافر بیٹھے اور روشن سے مومن۔

اس عقیدہ کا غلط ہونا بالکل ظاہر ہے کیونکہ کھینچا، اور مفسر کا پڑنا کثیف اجسام میں سے ہے اور یہ غلط
صرف اسی پر نہیں کرتے بلکہ وہ تو اس کی ذات پاک کو تمام نفسانی کیفیات متعصّف مانتے ہیں، مثلاً رنج کینہ
حسد، غمی و خوشی وغیرہ اس لئے کہ وہ اللہ میں اللہ تعالیٰ کے طول کو مانتے ہیں،

اللہ تو ہر حال و بلا شک ان صفات سے متعصّف ہیں لیکن یہ ظلم تو ان اوصاف سے بھی آگے بڑھ کر تمام جہانی

صفات کے ساتھ بھی اس کی ذات کو متصف کہتے ہیں، مثلاً، کھانا، پینا، نیند، اونگھ، بھال، چھینک، پیشاب پاخانہ کرنا، لہر موزنٹ، سہنا وغیرہ وغیرہ اور یوں یہ بدعت اللہ تعالیٰ کو اسی کی بنائی ہوئی مخلوق کے مماثل اور مشابہ مانتے اور اپنی عاقبت خراب کرتے رہے،

اس عقیدہ کی مخالفت ثقلین سے اظہر من الشمس ہے،

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اَلَا تَاْخُذُ كَاسْتَفْذَاكَ ذَا ذُرٍّ اَسَے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ، وَهُوَ يُبْصِرُ وَلَا يُغْتَابُ
وہ کھاتا ہے، خورد نہیں کھاتا، کَانَ يَا كَلْبًا السَّحَابُ لَوْهُ دُونِ وَحُضْرَتِ عِيسَى وَمَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، کھانا کھاتے
تھے، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَاجِبَةٌ اِس کی کوئی بوری نہیں، وَلَمْ يَكُنْ يَخْجَلْ وَلَمْ يَكُنْ يَكْتُمُ اِس نے کسی کو اپنا لڑکا نہیں بنایا،
سبح الباقی میں روایت ہے کہ جناب امیر نے فرمایا۔

لَمْ يَكُنْ يَكُونُ لِلْفَخْرِ شَارٌ كَا وَلَمْ يَكُنْ يَكُونُ مُدْبِرًا شَا هَا لِيَا كَا يَبْعِي يَبْعِي وَلَا يُحَدِّثُ بَا يَحِبُّ
وَلَا يُؤْمَسُّ بِاَنُ وَاِجْ وَلَا يَخْلُقُ بَعْدَ جَرْ كِسِي كَا اِس نے نہیں جانا کہ وہ اس کا شریک بنے نہ وہ خود جانا گی کہ
مورث چھوڑ کر خود مرنا چاہے نہ وہ آنکھ سے دیکھتا ہے نہ کسی جگہ سے گھبراتا ہے۔ نہ اس کے جیوی ہے اور نہ وہ
ماحق سے مخلوق تراشتا ہے،

نیز فرمایا، جَلَّ عَنْ اِتِّخَاذِ اَلْبَنَاءِ وَطَهَّرَ عَنْ مِلَّةِ مَسْوَ الْبَشَاءِ وہ بیٹے بنانے اور عورتوں کو چھوٹنے
سے بالائے تر ہے،

اشاعرہ میں سے خواجہ نصیر الدین طوسی اور صاحب یا قوت اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ لذت عقلیہ کے ساتھ
متصف ہے انہوں نے گویا قائب کو ظاہر پر قیاس کیا۔

ان کا یہ عقیدہ بھی کتاب اللہ و حضرت رسول اللہ کے خلاف ہے قرآن تو اس کی جڑ بکین گنبدہ شعیٰ فرما کر کاٹ
دیتا ہے، اور حضرت رسول حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا اس کو بھی الباقی نے یوں روایت کیا ہے اَنَّهُ قَالَ هُوَ
اَللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اَلَمْ يَكُنْ لَہٗ كُفُوًا شَيْءٌ يَدَّ اَلَمْ يَكُنْ لَہٗ اِلٰهًا وَاُخْرًا فَمَنْ يَكُونُ مَشْفِقًا
آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سہا اور صاف بادشاہ ہے عقلیں اس کی حد بندی تک رسائی پیدا نہ کر سکیں کہ اسے تشبیہ دی
جاتی نہ وہ اس تک پہنچ سکے کہ اس کی مثال دی جاتی،

اور سبح الباقی میں امیر المومنین سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں، اِنَّہٗ قَالَ مَا وَحَدَ مِنْ كَيْفِہٖ وَلَا اَيَاہٗ حَقِّ
مَنْ شَبَّہَہٗ رَاہٗ لَے فرمایا جس نے اس کی کیفیت بیان کی اس نے اس کی ترجمید نہ کی اور جس نے اس کی تشبیہ دی
اس نے مجھ میں دماغ میں، اور اس میں کوئی فرق نہیں کیا۔

اور کلینی میں جناب رماز سے مروی ہے تیری ذات پاک ہے، اپنے نفسوں کے کیسے غلام ہیں کہ تجھ
تیری مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں،

اور اسی نے ابی ابراہیم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شے کے مشابہ نہیں ہے،

عقیدہ (۱۱) اللہ تعالیٰ کے لئے ”بدا“ کی نسبت جائز نہیں، ”بدا“ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے
پھر اسے کسی دوسری چیز میں کوئی مصلحت نظر آئے جو پہلے سے معلوم نہ ہو سکی لہذا پہلے ارادہ سے دست بردار ہو کر دوسرے

اگر وہ کہتا ہے کہ یہ خیالی عقیدہ اسی بات کو چاہتا ہے کہ گویا نور باللہ اللہ تعالیٰ کا عاقبت (ذاتی اور امور کے نتائج سے ناواقف ہے، اللہ تعالیٰ کی شان اس گدھے خیال سے بہت بالاتر ہے،

زراریہ، سالمیہ، بدائیہ اور دوسرے ائمہ فرماتے، مثلاً مالک، جمعی، دار بن حکم، ربیع بن صامت اور ان کے علاوہ اہل اہل کو مانتے ہیں، اور ائمہ سے اس کے بارے میں روایات بیان کرتے ہیں، چنانچہ کلینی میں زرارہ بن ابیہ سے روایت ہے کہ ائمہ میں سے کسی ایک سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بداء سے ابھی کوئی چیز نہیں ہشام بن سالم نے ابی عبد اللہ سے روایت کی کہ عظیم اللہ بشل البداء اور بداء سے عظیم اللہ تعالیٰ کسی اور چیز کو نہیں جانتا، اور ربیع بن صامت کہتا ہے کہ میں نے جناب رضا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ

”اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو بھی نہیں بھیجا مگر یہ کہ شراب کو حرام کرنے کے لئے اور بداء کا اقرار کرنے کے لئے“۔

زرارہ اور ہشام بن سالم اسے حال سے قرآب آگاہ ہو چکے ہیں کہ یہ تو وہ ہیں کہ جنہوں نے ائمہ سے ہم اور صورت تک کی روایت بیان کر دی ہیں۔ مگر اشاعری بداء کے مسئلہ میں اس انداز سے گفتگو کرتے ہیں جس سے اس کے مندرجہ ہونے کا اشارہ ملتا ہے، تاکہ لعن و تشنیع کی گنجائش نہ رہے۔ لہذا ہم مجبوراً رسالہ اعلام الہدی فی تحقیق البداء سے مناسب مقام چند عبارات اور ترجمہ پیش کرتے ہیں،

یَقَالُ بَدَاءُ اللَّهِ إِذَا ظَهَرَ لَهُ سَائِيٌّ مُخَالِفٌ لِبَدَائِهِ
أَوْ تَوَلَّى وَهُوَ الَّذِي حَقَّقَهُ الشَّيْخُ فِي التَّحْقِيقِ وَالْبُرْهَانِ
أَنَّهُ لَا يَكُونُ فِي كُنْزِ الْفَرَائِدِ وَالَّذِي حَقَّقَهُ الْمُرْتَضَى
فِي النَّارِ بِعِلَّةٍ وَيُشِيرُ بِهَا كَلَامُ الشَّيْخِ رِوَيْ وَهُوَ
أَنَّ مَعْنَى قَوْلِهِ بَدَاءَ اللَّهِ تَعَالَى أَنَّهُ ظَهَرَ لَهُ مِنَ الْأَمْرِ
مَا لَمْ يَكُنْ ظَاهِرًا إِلَى خَيْرِ مَا تَقَنَّنَ -

ہمارے اس قول بداء اللہ تعالیٰ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کسی معاملہ میں وہ بات ظاہر ہو گئی جو پہلے ظاہر نہ تھی۔

اسی طرح کی اور تفصیل بھی اس کتاب میں درج کی ہیں اس کے بعد امام مہدی کا مصنف کہتا ہے،

أَلْحَاصِلُ أَنَّ مِنْهُ سَبْعًا فَهُوَ بِأَحْوَالِ حَدِيثِ
عَلَى مَا دَلَ عَلَيْهِ الْحَادِيثُ وَالْآيَةُ الْمَذْكُورَةُ
وَنَفْذِ مَا مَضَى مِنْ بِلَامِ الْمُرْتَضَى وَالْعَلَمِ وَالْبُرْهَانِ
قَدَرِ مِنَ اللَّهِ أَنَّهُ وَاجِبٌ

حاصل کلام یہ ہے کہ حوادث کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم قیوم نہیں ہے چنانچہ حدیث اور آیت مذکورہ اور ان جیسی بہت سی چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں اور مرتضیٰ طبری اور مقداد نے بھی اسی بات کی تصریح کی ہے ائمہ

ان کی روحوں کو پاک کرے“

پھر بداء کے اقسام کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد کہتا ہے

وَمِنْ جُسُومِهِمْ عَجُوزٌ مِنَ الْأَشْيَاءِ ذَكَرْنَا مَا ذَكَرْنَا فِي الْكَافِي

اور ان میں سے ایک عورت کو مرد کی شکل میں تبدیل

کردنا ہے، جیسا کہ من بن جیم سے کافی کی کتاب العقیقہ کے باب برداد غنن الانسان میں روایت کیا گیا ہے اور اس

عن الحسین بن جعفر عن الزمعاہ علیہ السلام فی
باب برداد غنن الانسان فی کتاب العقیقہ
نہیہ روایت جناب زما سے کی ہے،
آگے کہتا ہے کہ۔

والمافی البدأ فی الذخائر وصحیح الطبری
بسنوہ وما روی فی الکافی والما فی الصدوق عن
أبی السوین عن قولہ لولا آیت فی کتاب اللہ
تعالی لا خبرتکم بما یستکون فی لکما لقیامہ یزید
یا لایستہ قولہ تعالی یدعو اللہ ما یشاء ویصلیہ
ما رواہ عن ابن ابراہیم فی تفسیر قولہ تعالی انکم
علیت الزمر وما رواہ الصدوق فی عیون اخبار
الزمعاہ علیہ السلام ما نزل قال أخبرنی ابی عن ابیہم
علیہم السلام ما نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال ان اللہ عز وجل ادعی الی نبی من الذمیراء والہ
وما رواہ صاحب الکافی فی باب ان الصدوق قد
المبلا عن کتاب الزکوة فی تفسیرہ ہروری وما
رواہ فی المال فی المجلس الخامس والسبعین
من تفسیرہ مؤرخ جیس علیہ السلام بقدر مملکت
وما رواہ الراوندی فی قصص الانبیاء فی اخبار
بنی اسرائیل عن الصادق علیہ السلام ما نزل ورانا
کان یفرج فی فحرج وکان دجل یتاہوا اذا اذک
الفرخان فیما حد الثورین فکلی ذلک الثور شان
راک اللہ تعالی فقال سافیک قال ما خرج
الور شان وجاؤ السرجن ومعه رعیان فمعد
الکھرة ومعه لک سائل فاعطاکا احدثا فینین
لک موعدا فاحذوا الثورین فکسہ اللہ تعالی کسا
تصدق تذلک یا جسرہا علی ذمیر البدایہ
پر چڑھنے لگا تو ایک سائل آگیا، اس کے سوال پر اس شخص نے ایک سائل کو روٹی دیدی پھر درخت پر چڑھ کر بچوں کو
کے گیا فراں صدقہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کو سزا سے بچایا،

دوسرا برداد اخبار میں، اس کو طبری نے صراحت سے روکھے
درد اخبار کے سلسلہ کی ایک روایت ہے جو کافی اور
مال میں امیر المومنین سے بطریق صدوق مروی ہے کہ
آپ نے فرمایا کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم کو قیامت
تک ہرنے والی باتوں کی خبر دیتا آپ سے مراد اللہ تعالیٰ
کا یہ قول ہے یدعو اللہ ما یشاء ویصلیہ آخر آیت تک
اور ایک روایت ہے جو آیت الحمد غنبت الردہ
کی تفسیر کے ذیل میں علی بن ابراہیم سے منقول ہے پھر وہ
روایت ہے جو میون اخبار الزمعاہ میں بطریق صدوق منقول
ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھ سے والد نے اور ان سے ان
کے باپ دادا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیروں میں سے کسی نبی کے پاس وحی
بھیجی، اور روایت جو صاحب کافی نے کتاب الزکوة کے
باب ان الصدوق قد فم ابود میں ذکر کی ہے اور وہ
روایت جو مال کی مجلس ۵ء میں اس قصہ کے دوران کہ حضرت
علی علیہ السلام قمر مملکت پر گزر رہے ہیں، بیان کی ہے
اور وہ روایت جو راوندی نے قصص فی اخبار بنی اسرائیل
میں جناب صادق سے کی ہے کہ ایک پرندہ ایک درخت
پر اترے بچے دیا کرتا تھا وہاں ایک آدمی آتا اور بچے
اٹھا لے جاتا اس پر نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی
شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تیری شکایت جلد رد
کر دوں گا۔ چنانچہ پرندے پھر بچے دے اور وہ آدمی پھر
آیا اور اپنے ساتھ دو روٹیاں بھی لایا، جب وہ درخت
پر چڑھنے لگا تو ایک سائل آگیا، اس کے سوال پر اس شخص نے ایک سائل کو روٹی دیدی پھر درخت پر چڑھ کر بچوں کو

لہذا یہ ساری روایات مل کر یہ بات ثابت کرتی ہیں کہ اخبار میں بداعت ہے
 واضح رہے کہ امامیہ کے متاخرین نے برا کے قول کی برائی محسوس کر کے بداعت کو اللہ تعالیٰ کے مخفی علوم کے ساتھ محقق
 کیا ہے اور کہا ہے وہ علم جو اللہ تعالیٰ فرشتوں یا اہل بیت تک پہنچانے اس میں بداعت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے
 دوستوں کو چھوڑ کر انہیں چاہتا، مگر نظام الدین جیلانی صاحب رسالہ علم الہدی جو ان عشریوں کا بڑا محقق گزرا ہے اس
 شخص کو نہیں مانتا اور اس بارے میں ان کو ہبلا تا ہے اور کہتا ہے کہ ۔

لَقَدْ خَلَقْنَاكَ اَنْتَ مَا تَقْتَضِیْ وَهِيَ اَمِيرَةُ السُّوْمِیْنِ عَلَیْكَ السَّلَامُ
 مِنْ قَوْلِهِ لَوْ لَا اَمِیْةٌ اِلَّا وَمَا تَقْتَضِیْ اَمِنْ الْكَافِیْ فِی
 قِصَّةِ الْیَهُودِیِّ وَفِیْنَ الْاَمَیْیِیِّ فِیْ قِصَّةِ عِیْسَى وَمَا
 رَوَاهُ اَیُّضًا صَاحِبُ الْكَافِیِّ فِیْ كِتَابِ الْبَحْرِ فِیْ بَابِ
 الْاَلْوَابِ فِیْ تَحَاوُفِیْ حَبِیْبِ رَوَاهُ اَبُو سَنَادٍ عَنْ
 اَبِیْ جَعْفَرٍ وَهَذَا اَمْرٌ مِمَّا حَاجِبٌ مِنْهُ قَالَ لَمْ يَكُنْ لَوْ
 یَا رُسُلَ رَبِّیْ قَسَمًا اَمْرٌ كَرِهَیْ فِیْهِمْ قَالُوا اَمْرًا اَنْ
 تَاخُذَ هَذَا لَعَنَ قَالَ فَلَیْ اَسْبَغَ حَاجَةً قَالُوا وَمَا
 حَاجَتُكَ قَالَ تَاخُذُ وَهَذَا السَّاعَةِ نَاثِیْ اَخْبَاثُ اَنْ یَعْبُدَ
 فِیْهِمْ لِرَبِّیْ اِلَّا وَ اَیُّضًا مَا رَوَاهُ صَاحِبُ الْكَافِیِّ فِیْ بَابِ
 بَدْءِ خَلْقِ الْاِنْسَانِ مِنْ كِتَابِ الْعَقِیْقَةِ اَنَّ اَمْرًا سَلَّی
 یَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ الْفَلَاقِیْنَ اَكْتُسَا عَلَیْهِ قَضَائِیْ وَكَذَرِی
 وَكَافَرِیْ اَمْرٌ وَاَشْرَطَ اِلَى الْبَدْءِ فِیْمَا تَكْتَبَانِ وَمَا
 رَوَاهُ الْقَدُّوْقِیُّ بِالْاَسْنَادِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِی
 طَلْحَةَ قَالَ خَلَقَ لِرَبِّیْ مَا عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَا لَیْ الرُّسُلُ عَنْ
 اَللّٰهِ یُسْمِیْ شَرَّ ثَاثِیْ یَخْلُقُ فِیْهِ قَلْبٌ لَعَنَهُ اَنْ یَكُنْتَ حَاضِرًا
 وَ اِنْ شِئْتَ اَتِیْتُكَ بِه مِنْ كِتَابِ اَللّٰهِ اَوْ عَلَیْكَ اَنْ
 الْمُقَدَّسَةِ اَلَّتِیْ كَتَبَ اَللّٰهُ لَكُمُ الْاَمِیَّةَ تَمَادُّوْهُمَا وَ
 دَعَلَ اَبْنَاءُ اَمْرًا یَعْبُدُ قَالَ عِزْرَانُ اِنَّ اَللّٰهَ دَعَلَ فِیْ اَنْ
 تَهَبُ لِیْ فَلَ مَا فِیْ سَبْعِیْ هَذَا وَ تَهَبُ لِیْ هَذَا كِتَابٌ وَ
 وَلَدَ هُوَ اَمْرًا اَنْ مَوْتِهِمْ مُتَافِیْ لَیْ لِلْمَلَائِكَةِ اَللّٰهُ سَعَالِ
 قَدْ اَلْكَزْبُ فِیْمَا اَلَّتِیْ وَ عِیْسَى عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ شَرَّ طَعْنِ
 الْمَلَائِكَةِ الْبَدْءِ اَوْ

تجربہ واضح ہے جو کچھ ہم نے امیر المومنین سے نقل
 کیا ان کا قول آیت لولا آیتہ از فرمک اور جو کچھ نقل کیا
 کافی سے یہودی کے قصہ کے سلسلہ میں اور امامی سے حضرت
 علی علیہ السلام کے قصہ میں اور وہ روایت بھی جو صاحب
 کافی نے کتاب النکاح کے بات موافقت میں ایک حدیث
 کے سلسلہ میں اپنے روادے کی سند سے ابی جعفر سے بیان
 کی ہے۔ اس کا ضروری اختصار یہاں کرنا ضروری ہے
 لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ میرے رب نے
 ان لوگوں (قوم لوط) کے بارے میں کیا حکم فرمایا ہے؛ فرشتوں
 نے کہا کہ ہمیں یہ حکم ہے کہ جمود ان کو آگھیریں۔ لوط علیہ السلام
 نے کہا کہ تم سے میری ایک درخواست ہے کہ تم ان کو ابھی
 گھیر لو مجھے اندیشہ ہے کہ ان کے بارے میں میرے رب
 کو بداعت ہو جائے، علاوہ ازیں صاحب کافی نے کتاب
 العقیقہ کے باب بد خلق الانسان میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 ان فرشتوں سے جو تخلیق انسان پر حاضر ہیں کہتا ہے
 کہ اس پر میرا فیصلہ، میرا اندازہ اور مرا چلنے والا حکم لکھو
 اور اس حکم پر میرے لئے بداعت کا مزید اضافہ کرو۔

اور وہ روایت جو بطریق صدوق حسن بن محبوب ابی
 طلحہ سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے جناب رضاد
 سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکامات
 و روایات ملتی ہیں اس کے خلاف بھی آپ سے کوئی چیز
 ملتی ہے انہوں نے کہا ہاں۔ تم کہو تو اس کے ثبوت میں
 آپ بیان کروں اور کہو تو حدیث سے ثبوت کروں اور
 دیکھو آیت میں ہے کہ ہر مومن مقدس تھا رہے لئے مکہ کی گئی ہے اس میں داخل ہو جاؤ۔ مگر وہ تو اس میں داخل

نہیں ہوئے ان کے پوستے داخل ہوئے۔ اور دیکھو کہ قرآن نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اسی سال اور اسی ماہ لڑکا دینے کا وعدہ کیا ہے، پھر وہ تو غائب ہو گئے مگر ان کی عورت نے لڑکے کے بجائے لڑکی کو جنا۔

پس یہ ساری روایات و واقعات اس خیال کی وجہ امامیہ کے متاخرین کا ہے، تردید کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا پڑوا دیا اور یہ کہ فرشتوں پر شرط رکالی،

خلاصہ کلام یہ کہ اس سلسلہ میں شیعوں کی تمام روایات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ بد اس کے تین اقسام یا معنی ہیں، اول علم میں بد، کہ اپنے پچھلے اور سابقہ علم کے خلاف انکشاف ہو دوسرے ارادہ میں بد، کہ پہلے ارادہ کے خلاف نظر آئے، اور تیسرے حکم میں بد، کہ پہلے ایک بات کا حکم دیا جائے پھر اسی کے خلاف حکم دیا جائے شیعوں کے نزدیک تینوں قسم کا بد اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود و ثابت ہے،

تیسرے قسم کا بد اجور نسخ سے ملتا جلتا ہے اسے یہ اہل سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ یہ لوگ اسے مانتے ہیں۔ ان کی اصطلاح میں پہلا بد بدانی الاخبار کہلاتا ہے دوسرا بدانی الکتاب اور تیسرا بدانی التکلیف

یہاں قابل غور اور لائق توجہ بہت باریک نکتہ ہے۔ وہ یہ کہ آخری بدانہ تو نسخ ہے اور نہ ہی اہل سنت کی اکثریت اسے تسلیم کرتی ہے اس مسئلہ کی تحقیق صورت یہ ہے کہ اہل سنت اور شیعہ ہر دو فریق اس پر تو متفق ہیں کہ

جب نسخ کو روکنے والے شرائط ثابت و متحقق ہوں یا نہیں تو نسخ جائز نہیں وہ شرائط اہل سنت کے نزدیک چار ہیں، (۱) کام (۲) وجہ (۳) وقت اور (۴) اسکلف کا ایک ہونا۔ نسخ کے حواذ کے قائل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

قصہ کو بطور دلیل و ثبوت پیش کرتے ہیں کہ ان کا ذبح شعوخ کیا گیا، اور ان کی جگہ مینڈ صادق کر دیا گیا تو یہ دلیل و حجت غلط و باطل ہے، اس لئے کہ یہ صورت نسخ کی ہرگز نہیں ہے یہ تو اصل پر قدرت نہ رکھنے کی صورت میں

بدلی کو اسی کی جگہ قائم کرنے کی بات ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو حتی الوسع پھری تیز کر لی تھی، اور چلانے میں بھی کوئی کمی نہیں کی تھی، لیکن خرق عادت یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رگ ہائے گلو اور زخروہ نہ کٹنے کی وجہ

سے ارادہ پورا کرنے میں بے بس ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پس پیچھے ہڑے بندھا بھیجا۔ اور اصل کی جگہ بدل قائم کرنے کو کوئی بھی نسخ نہیں کہتا۔ مثلاً ومنو کی جگہ تیم و منو کے لئے نسخ نہیں۔ اسی طرح پچاس غازوں کا نسخ جس کے

مناطبات صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے امت کو تو اس کا پتہ بھی نہ تھا۔ اس لئے وہ مکلف بھی نہ ہوئے شیعوں کے اہل تحقیق مذکورہ چار شرائط پائے جانے کے باوجود بھی نسخ کو جائز بتاتے ہیں، اور ایک پانچویں شرط

کا مزید اضافہ کرتے ہیں اور وہ یہی بدانی التکلیف ہے، جیسا کہ صاحب علم الہدی کہتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بدانی التکلیف اس وقت منع ہے جبکہ مذکورہ

چاروں شرطوں کے ساتھ پانچویں شرط بھی پائی جائے وہ یہ کہ حکم اور تکلیف دینے کی بہتری اس شخص کی مصلحت سے وابستہ ہو جس کو حکم دیا گیا ہے لیکن جب کہ اس کے خلاف

خود حکم دینے والے کی مصلحت کی طرف وہ بہتری عامل ہوتی ہو تو اس وقت وہ بدانی التکلیف منع نہیں، لہذا ہمارے

وَحَقُّ مَنْ قَوْلُ الْبَدَا فِي التَّكْلِيفِ اَلْمَا يَسْتَعْرِضُ اَلْاِجْتِمَاعَ
مَعَ الشَّرْطِ اَلَّذِي يَلْبَغُ اَلْمَذْكُورَةَ شَرْطًا مَشْنُوًّا وَهُوَ
اَنْ يَكُونَ حُسْنُ التَّكْلِيفِ وَالْاَمْرُ مَسْبُوبًا عَنْ مَضْاَحَظَةٍ
عَائِدَةٍ اِلَى الْمَأْمُورِ بِهِ وَامَّا لَازِاَكَانِ حُسْنُ اَلْاَمْرِ
بِمَضْاَحَظَةٍ عَائِدَةٍ اِلَى اَلْاَمْرِ لِنَفْسِهِ فَلَا يَمْنَعُهُ اَلْبَدَا
فَالْمَرْءُ اَوْ بِاَلْبَدَا اَلْمُجَوِّزِينَ مِنْ فَا مَّا اَجْتَمَعَ فَمِنْ اَزْوَاجَةٍ

وَرَوَى الْفَاضِلُ وَكَوْنُهَا لِقَاءَ الْبَدَا عَلَيْهِمْ تَجَانُّهُنَّ الْوَقْفُ
 كَلْبُ الْبَعْدِ الْفُتُوْحِ الْكُنْزِ اتَوَاتَرَتْ مِنَ الْبَحْرِ الْمَطَاهِرِ
 عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَرِجْزُ بَعَثَتِ الشَّرَاطِطُ الْخُصَّةُ فَبَدَا
 تَلَايِبُ فِي امْتِنَانِ الْبَدَا آوْ كَمَا فَعَلْنَا عَنْ الْبَقِيَّةِ الْبَقِيَّةِ
 جب پانچویں شرط پائی گئی تو ہمارے منع ہونے میں کوئی شک نہیں جیسا کہ ہم نے شہید سے نقل کیا۔

یہاں اس بات کا پتہ چلا کہ بدائی التکلیف بدائی الارادہ کا مقتضی ہے کیونکہ اگر کوئی نئی مصلحت سامنے نہ آئے تو حکم کو بدائی التکلیف کیوں لاحق ہونے لگا اور اسی طرح بدائی الارادہ بدائی العلم کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ علم کے بغیر ارادہ ہوتا ہی نہیں جب تک علم میں تبدیلی نہ ہو ارادہ میں تبدیلی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا اگر امامیہ بدائی العلم کے منکر ہوں اور باقی دو کو مانیں تو ان کا یہ انکار بے معنی اور بے کار بات ہوگی، اسی کے ساتھ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ لوگ بدائیں حکم کے نسخ کو مانتے ہیں اس طرح کے کسی مصلحت کی بنا پر حکم اول حکم ثانی سے بدل جاتا ہے اس پر ہم پوچھتے ہیں کہ یہ مصلحت صرف اسی وقت ظاہر ہوئی یا پہلے بھی ظاہر تھی یہ پہلی صحت میں ہمارا مدعا ماضی ہو گیا کہ بدائی العلم ضروری ہوا جس کا وہ انکار کرتے ہیں دوسری صحت میں یہ فعل لا یعنی عبت ہوا کیونکہ نسخ مختلف اوقات کے اعتبار سے ممکن ہیں کی مصلحتوں کے بدل جانے سے ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی مصلحت غیر ظاہر تھی، اب ظاہر ہو گئی،

کیونکہ تغیر و تبدل کا حکم تو ہمارے لحاظ سے ہوتا ہے کہ ہم جہالت کے غاروں میں پھنسے ہوئے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ہر حکم کی ایک مدت اور اس کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ اسی مدت یا وقت تک باقی ہے اب اس آیت يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ فِي عَمَلِهِمْ اَعْمَالَهُمْ سَلَامًا اور اس میں قربة کا اثبات ہے یا ناسد کو مٹانا اور کائنات کا مٹانے کے صنف میں ثبت کرتا ہے نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ محو اثبات ہے۔ اس لئے کہ آیت کے آخری جز میں فرمایا گیا ہے وَجَعَلْنَا مَا يَكُونُ لَكُمْ مِنْهُ مَقَالًا لِّتَعْلَمُوْا کہ اصل کتاب اس کے پاس ہے۔

اس بارے میں انہوں نے جو حدیثیں بیان کی ہیں، وہ سب کی سب موضوع اور گھڑی ہوئی ہیں جن کے راوی جھوٹے اور حدیثیں گھڑنے والے ہیں اور جب عقلی اور شرعی دلائل قطعی موجود ہیں تو ان کے مقابلے میں ان تھوڑی باتوں پر کان دھرنے جائیں تو کیوں؟

ان سب سے قطع نظر گوشہ سوریاتی میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ائمہ سے ایسی صریح و متواتر روایات منقول ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ اللہ کا علم سب کو شامل ہے اور اس کے لئے اشباہ کے وجود سے پہلے اور بعد کا علم کیساں سے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ انہی کا شیخ صدوق (سچا) اپنی کتاب التوحید میں آیت وَبَدَا الْاَلَمُ مِنَ الْاَلَمِ مَا لَمْ يَكُنْ لَوْ لَا فَجَبُّوْنَ سے اسی خیال پر دلیل لایا ہے،

میں نے ان کے اہل علم کے مبادیہ و عقل کی قلعی بھی کھل جاتی ہے کہ جب اس قرآن مجید کے سمجھنے میں قسم قسم کی غلطیوں کے شکار ہوئے اور جگہ جگہ ٹھوکر دس کھائیں جس کی تفسیر و خدمت میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے تو ائمہ کے اس کلام کے سمجھنے میں تو معلوم نہیں کہاں کہاں منہ کے بل گرے ہوں گے جو انہوں نے اپنی تھیلیوں اور

مذہبوں میں چھپا کر رکھے ہوئے ہیں، اور جن کی ہر ایک کسی کو نہیں دیتے! اگر کسی کے دل میں یہ شبہ ہو کہ شیعوں کی اپنے ائمہ سے منقول کی ہوئی روایات کے مطابق خود صیح بخاری میں بھی تو اقرع، ابرس اور امعی سے بھی تو روایات موجود ہیں جن میں **بَقِيَ اللَّهُ أَنْ يَنْتَكِلَهُمُ** کے الفاظ آئے ہیں اس کو اہل سنت کسی معنی پر محمول کرتے ہیں، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اگر یہ جملہ ان روایات میں اپنی صیح جگہ استعمال ہوا ہے اور وہ روایات صیح الاسناد بھی ہیں تو ہمارے مجازی معنی مراد ہیں۔ کیونکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے افعال دو قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ ہر طرف سے اسباب ان کے وجود کے متقاضی ہوں دوسرے وہ کہ ان کے وجود کا مطالبہ کرنے والے کچھ اسباب بھی موجود نہ ہوں بلکہ وجود اسباب کے موانع موجود ہوں تو دوسری قسم میں لفظ ہر بطور استعارہ اور تشبیہ استعمال ہوتا ہے، اور صرف ہر ای نہیں جس میں مجاز نہ برتا گیا ہو احادیث و آثار میں سینکڑوں ایسے الفاظ ہیں جن میں مجاز نہ برتا گیا ہے، مثلاً **اَهْتَمَّ**، **اَبْتَلَا**، **اَشْك**، اور تردد کہ یقیناً ان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں یا صفات کی وہ تمام آیات جن میں اللہ تعالیٰ کے لئے **وَجِب**، **يَدِين**، **اَصْبَح** اور **يَمِين** وغیرہ کا ذکر ہے کہ یہ سب کے سب مجازی معنی پر محمول ہیں اور پھر ائمہ نے بعض آثار میں ہر ایک لفظ صرف لوگوں کو نہایت کر کے غرض سے استعمال کیا ہے۔ حقیقت میں وہ ہر ایک نہیں!

ان کی روایت میں قصہ عثمان کے سلسلہ میں ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے **وَعَدَ فِي تَرْتِي فَلَا مَأْسَ لَكُمْ** کہا کہ ان کی بیوی اپنے چہرے کی اولاد کی نذر مان لی تھیں، اور آیت **كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ** سے کسی خاص وقت و زمانہ کے خاص حاضرین مراد نہیں، بلکہ سارے بنی اسرائیل مراد ہیں۔

اور فرشتوں کے خطاب کے سلسلہ میں ہر ایک شرط فرشتوں کے علم کے لحاظ سے تھی اسی طرح ہر ایک کے قصہ میں صرف کفایت وہ مدد کا وعدہ ہے اس میں وقت کی تعیین نہیں ہے۔ چنانچہ دوسری مرتبہ بھی وہ شخص بیچے جا سکا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خراب میں بنا یا گیا کہ آپ اور اور آپ کے صحابہ مسجد میں داخل ہوں گے اور اس سے آپ نیز آپ کے اصحاب یہی سمجھے کہ داخلہ اسی سال ہو گا،

علاوہ فی الواقعہ اتنی غلبت مراد نہ تھی، لہذا ہر ایک کے معاملہ میں وعدہ کفایت سے غلبت سمجھ لی جائے تو تعجب کی کیا بات ہے۔ یہاں ہر ایک بھی تو علم میں ہوا واقع اور نفس الامر میں واقع نہیں ہوا۔ اس طرح دوسری روایات میں غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ کیا مراد ہے!

عقیدہ (۱۸) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کے کفر و گمراہی سے خوش و راضی نہیں ہوتا، جیسے فرمایا **وَلَا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ** وہ اپنے بندوں کے کفر پر خوش نہیں۔ مگر شیعہ کہتے ہیں وہ شیعوں کے علاوہ دوسروں کے کفر پر راضی ہے۔

چنانچہ صاحب ماسن نے جناب موسیٰ کاظم رحمہ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ **لَا تَعْلَمُوا هَذَا الْخَلْقَ اَمْوَالُ** و نیز **هَذَا الْخَلْقُ يَهْتَمُّ بِمَا تَقُولُ اللَّهُ لَهْمُ مِنَ الْفَلَاحِ** اس مخلوق کو اپنے دین کے اصول نہ سکھاؤ اور جن طرح اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی پر راضی ہوا تم بھی راضی رہو، اگر بالفرض یہ روایت صیح بھی ہو تو اہل سنت کے لئے

تو بڑی خوشخبری ہے، اس لئے کہ وہ بقول انہی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بسر کر رہے ہیں جب ہی تو ان سے راضی ہے، اور رضائے الہی جہاں دین کی دلی مراد ہے گویا انہیں اللہ کی گواہی سے حاصل ہے،

اب علمائے شیعہ کو چاہئے کہ وہ اس روایت کی بھی تکذیب کر دیں جس طرح صورت و شکل اور جسم والی روایات کو جھٹک دیا ہے۔ کیونکہ عقلی دلائل اور خود ان کے اصول شرعیہ کے یہ خلاف ہے دراصل یہ روایت ایک طرف تو امامت کی عزت کا قلع قمع کرتی ہے اور وجوب اصلح و النفع والطف کے بھی منافی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے طے شدہ اصول کہ اللہ تعالیٰ شر و برائی کفر و گناہ کو نہیں چاہتا کی بیخ کنی کرتی ہے!

عقیدہ (۱۹) ۱۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے، مگر سارے شیعہ اس پر متفق القول ہیں کہ تجاؤئے عقل اللہ تعالیٰ پر بہت سی چیزیں واجب و لازم ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ضرور دلا بدی انجام گویا عقل کا رخصانہ قدرت کی بڑی شریک کار ہوئی اور اللہ تعالیٰ محکم عقل ہو گیا حالانکہ اس کی ذات اس سے کہیں بلند و بالا تر ہے!

یہ عقل سے پیدا ہوا تھا بھی سمجھنے سے عاجز ہیں کہ بادشاہ اگر رعایا کا محکوم ہو جائے تو یہ عیب اس کی شہنشاہیت پر بیڑ لگاتا ہے!

اسی طرح کائنات کے مالک، خالق اور بادشاہ کو اسی کی مخلوق کا محکوم بنادینا اس کے مرتبہ کے کتنے بڑے

نقصان کا اقرار ہے، ایسا خیال ربوبیت اور الوہیت کے مرتبہ کے ہرگز شایان شان نہیں ایک بندہ عاجز اور ذرہ حقیر کی یہ تاب یہ جمال کہاں کہ وہ اپنے مالک حقیقی پر کوئی چیز واجب و لازمی ٹھیرائے جو کچھ وہ عطا فرماتا ہے وہ اس کی مہربانی ہے اور جبر نہیں دیتا وہ اس کا عین عدل و انصاف ہے وہ ہر فعل پر قابلِ تمجید ہے، چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ جو آپ نے صفین کے موقع پر دیا بیچ البلاغ میں درج ہے جس میں آپ فرماتے ہیں،

پس اللہ تعالیٰ نے تم پر میرا حق رکھا ہے اس لئے کہ مجھ کو تمہارے کاموں کی ولایت سپرد کی ہے اور اسی طرح مجھ پر تمہارا حق رکھا اور حق تمام چیزوں میں بیان کے اعتبار سے کثرت سے ہے، اور تعاضدوں کے لحاظ سے تنگ تر جب ایک پر دوسرے کا یا دوسرے پر ایک کا حق ہوتا ہے تو یہ حق پھر لوٹتا ہے اور اگر کہیں یہ حق نہیں لوٹتا تو وہ صرف اللہ سبحانہ کی ذات مقدس ہوتی ہے جو اپنے بندوں پر قادر ہے اور اپنے ہر فیصلہ میں انصاف پسند مخلوق کا معاملہ ایسا نہیں ہے، ہاں اس نے بندوں پر اپنا یہ حق قائم کیا ہے کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور اس اطاعت کا بطور مہربانی و فراخی چند در چند ثواب دینا اپنے ذمہ کیا ہے اور وہ اس سے زیادہ مہربانی و بخشش کا بھی اہل ہے،

أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ فِي عَيْتِكُمْ خِطَابًا يَدِينُهُ أَمْرُكُمْ
وَجَعَلَ لَكُمْ عَلَىٰ مِنَ الْحَقِّ مِثْلَ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَالْحَقُّ
أَوْسَعُ الْأَشْيَاءِ فِي التَّوَّاصِفِ وَأَمِيقًا فِي التَّمَاثُفِ
لَا يُخْبِرُنِي لِأَحَدٍ إِلَّا جَزِي عَيْنِي وَلَا يُخْبِرُنِي عَيْنِي
جَزِي لَهْ وَلَا تُؤْتَانِي لِأَحَدٍ أَنْ يُبَيِّرَ عَيْنِي لَهُ وَلَا يُخْبِرُنِي عَيْنِي
لَكَانَ ذَلِكَ خَابِئًا لِلَّهِ سُبْحَانَهُ مِمَّا دُونَ خَلْقِهِ لَقَدْ تَوَقَّعْتُ
عَلَىٰ عِيَادِهِ وَعَلَىٰ لَهْ فِي كُلِّ مَا جَرَّثَ عَلَيْكُمْ صُرُوفَ تَعَا
وَلَكِنَّهُ سُبْحَانَهُ جَعَلَ حَقَّهُ عَلَىٰ الْعِيَادِ أَنْ يُطِيعُوهُ وَ
جَعَلَ جَزَاءَهُمْ عَلَيْهِ مِمَّا قَفَّ التَّوَابُ تَعَفُّدًا مِثْلَهُ
وَتَوَسَّعًا بِمَا هُوَ لِيَدِيكَ أَهْلُ النَّهْمِ بِالْفِطْرِ الْمُقَدَّسِ۔

اب ذرا ان واجبات کی فہرست بھی دیکھ لیجئے جو یہ بزم خود و خیال خام اپنے پروردگار پر لازم و واجب قرار دیتے ہیں۔

کیسا نیک، زبردستوں کے آٹھوں فریقے اور امامیر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر یہ واجب ہے کہ وہ مکلفین کو امر و نہی فرمائے۔ اور رسولوں کے ذریعہ بندوں کے لئے واجبات و محرمات مقرر کرے۔
حالانکہ یہ عقل کا تقاضا نہیں، کہ کافر کو ایمان کی اور فاجر کو اطاعت کی تکلیف دی جائے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کو کیا فائدہ ہوگا۔ جب کہ دوسری طرف بندہ کے حق میں یہ سراسر خسارہ اور دائمی ہلاکت اور محض ضرر و نقصان ہے، اب چونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے کام کے نتیجہ کو جانتا ہے اسے یہ بھی معلوم ہے کہ کون مکمل قبول کرے گا کون نہیں تعمیل کرے گا کیا نہیں تو پھر جان بوجھ کر بندہ کو ہلاکت اور تلف کے خطرہ میں ڈالنا جسکے اس کی خود ذات کو اس سے کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچتا کوئی عقل اور سمجھ کا تقاضا ہے۔ ماقبل تو کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرتا کہ دوسرے کو تو اس سے نقصان پہنچے اور اس کو خود کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ خاص طور پر ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے ساری عمر تو ایمان و اطاعت میں بتادی اور مرنے تو کفر کی حالت میں، جیسے بلعم باغور اور امیر بن الصلت وغیرہ کہ دنیا میں عبادت و اطاعت کی کٹھنائیوں سے گزرے اور آخرت میں دوزخ کا کندہ بنے اور اللہ تعالیٰ کو ان کی تکلیف سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

اور پھر اللہ تعالیٰ پر تکلیف دینا واجب ہوتا تو چاہیے تھا کہ رسولوں کا سلسلہ نہ ٹوٹتا، بلکہ ہر شہر پر قرآن اور ہر گاؤں میں پھر پے رسول آتے رہتے اور زمین کا چپہ چپہ رسولوں کی آمد سے معمور ہوتا کوئی آبادی خالی نہ رہتی اس لئے کہ تکالیف معلوم کرنے اور جاننے کے لئے باہر جماع عقل کافی نہیں۔ رسول ہی ایک ذریعہ ہے جس سے یہ کچھ معلوم ہو سکتا ہے،

حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان، خراسان، ماوراء النہر، ترکستان، غلط و غلط، چین و جپن کے بسنے والے صدیوں تک رسول کے مفہوم سے نا آشنا رہے نہ ان کی تاریخ اس کا پتہ دیتی ہے کہ کوئی اللہ کا رسول ان کے پاس آیا ہو کوئی معجزہ ان کو دکھایا اور اللہ کا پیغام ان تک پہنچایا۔

اور پھر یہ بھی ہوتا کہ نبی کی وفات کے بعد ایک نذر جبری امام غالب کو بھیجتا اور واضح نشانہوں اور نذر دست خرق عادات و اوقات سے اس کی تائید کرتا کہ وہ بید صراط ہو کر احکام کی تبلیغ میں مصروف ہوتا اور مکلفین کو شرعی احکام سے غافل نہ ہونے دیتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک پر بسنے والے کو دعوت پہنچاتا اور فریضہ امامت کو علوم کا انبیا کے ہاتھوں میں نہ دیتا کہ وہ بے چارے احکام و اقدار شریعہ کے اظہار کو کیا جانیں،

ایسا کرنے کے بجائے ان مغربیوں نے تو دوسرے کافروں و ظالموں کی طرح خود بھی تفسیق میں اپنی ساری زندگی گزار دی اور یہی کیسا نیک، زبردست، اور امامیہ، سب کے سب اللہ تعالیٰ پر لطف و غایت کو بھی واجب قرار دیتے ہیں اور لطف کی تشویش یوں کرتے ہیں کہ وہ بندہ کو طاعت سے نزدیک اور معصیت سے دور کرنا ہے جو مجبور کرنے کی مدد تک پہنچے۔

عقل ان کا یہ خیال و عقیدہ بھی غلط لغو اور باطل ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر گنہگار کو تا فرمانی کے اسباب بذرائع

میسرہ ہوتے۔ اور فرمانبرداروں اور اطاعت کیشوں کو اسباب طاعت ہر وقت فراہم رہتے، حالانکہ مشاہدہ اس کی سراسر تکذیب کر رہا ہے کہ اکثر صاحب ثروت، کثرت مال، دبدبہ، لشکری اور قوت و طاقت کے گھنڈ میں ظلم و ستم دکھاتے، اور نادار مطلق، اللہ سے بے سرو سامانی کے باعث عبادت سے محروم رہتے ہیں۔ کتنے طالب ہیں کہ جن کو نہ معلم نصیب ہے، نہ فراغت و روزی میسر ہے، اور کتنے بندگان ہر ادھر ہوس اور شربند ہیں، جن کے چاروں طرف فسق و عصیان کے ڈھلے ڈھلے لوازمات و اسباب موجود ہیں،

اور پھر یہ عقیدہ تعلیق و کتاب اللہ و وحی کے بھی مخالف ہے۔ کتاب اللہ کے قریب کہ وہاں یہ ارشاد فرمایا گیا، وَتُؤْتِنَا كَثِيرًا كَثِيرًا وَقَدْ كُنَّا نَقُولُ وَيَقُولُ الْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت نصیب کرتے لیکن ہمارے قول کی کسی نشین ہے کہ میں جہنم کو جن و انس سب سے بھولوں گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے، وَتُؤْتِنَا اللَّهُ وَبِعَقَابِكُمْ أَهْلًا وَآلًا وَنَسَبًا وَتُؤْتِنَا اللَّهُ وَبِعَقَابِكُمْ أَهْلًا وَآلًا وَنَسَبًا اور اگر اللہ چاہتا تو ہر ایک دھرت پر ایک امت بنا دیتا، مگر وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے،

اور یہ بھی ارشاد ہے، تَحْسَبُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشًا وَتَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ اور یہ بھی ارشاد ہے، ان کے دلوں اور کانوں کو سہر بند کر دیا اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے۔

ان کے علاوہ ایسی آیات بھی ہیں۔ جو تہذیب و حیل اور ایمان و طاعت سے دور کر دینے پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَتَنَّا لَهُمْ وَتَقُولُ قَوْلًا مَّا يَصِلُ إِلَىٰ قُلُوبِهِمْ اور مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پسند نہیں کیا تو ان کو بوجھل کر دیا اور کہہ دیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہو، اور یہی اس نوع کی بہت سی آیات ہیں، اور عزت کی مخالفت اس طرح ہوئی کہ کلینی میں جناب صادق رحمہ اللہ علیہ سے ایک روایت منقول ہے جس کا حوالہ

پہلے دیا جا چکا ہے، قَالَ إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعِبْدٍ شَرًّا فَتَنَّا قَلْبَهُ مُنْكَرًا مِّنْهُ وَتَنَزَّلُ فِي قَلْبِهِ مِثْلُ مَا يَصِلُ إِلَىٰ قُلُوبِهِمْ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگاتا ہے اور دل کے کان بند کر دیتا ہے اور ایک شیطان کو اس پر مسلط کر دیتا ہے جو اس کو بہکاتا اور بھٹکاتا رہتا ہے

اور کیسا نیر اما میر اور زیریہ کے سب فرقے، اللہ تعالیٰ پر اصل کو اختیار کرنا بھی واجب قرار دیتے ہیں، یہ عقیدہ بھی مذکورہ بالا بیان سے بالکل ہوگی اس کے علاوہ قابل غور یہ بات بھی ہے کہ اگر اصلاح کی رعایت اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی تو شیطان کو انسان پر مسلط کیوں کرتا جو اس کا قوی دشمن ہے اور انسان کی جنس سے بھی نہیں ہے انسان اس کو دیکھ نہیں سکتا کہ اس سے بچ سکے اور اپنے سے اسے دور رکھے جب کہ وہ انسان کو خوب دیکھتا ہے انسان اس سے دوسرے ڈالنے پر بھی قادر ہے اور اعضائے انسانی تو رہے اپنی جگہ نہیں لگاتے، اعضا قلب پر بھی اس کو پورا پورا اختیار حاصل ہے اب شیطان کا پیدا کرنا، پھر اس میں اور انسان میں باہم عداوت ڈالنا، اس کو برقرار رکھ کر اور تحصیل دے کر بنی آدم کے گمراہ کرنے پر اس کو قدرت دے دینا اور ہر انسان کے دل کو اس کے تصرف میں دے دینا عقیدہ اصلاح کو رنج ورن سے اکھاڑ پھینکتا ہے،

اسی نوعیت سے نبی اسرائیل کے حق میں اصل یہ تھا کہ اولیٰ نور ساری حضرت جبرائیلؑ کو مدد دیکھتا داس کو آپ کے گھوڑے کی ٹاپ کی خاصیت معلوم ہوتی، اور معلوم بھی ہو گئی تھی تو مٹی کے اٹھانے پر قادر نہ ہوتا قادر بھی ہو گیا تھا تو اس کو ضائع کر دیا جاتا اور وہاں یہ سب چونکہ خلاف واقعہ تھا۔ اس میں اصل کہاں رہا۔

اور پھر ایک اور رخ یہ بھی ہے کہ بیچارے فقیر و مسکین، رنج و غم اور دکھ کے مارے ہوئے کافر کے حق میں اصل یہ تھا کہ وہ دوسرے سے پیدا ہی نہ ہوتا۔ اگر پیدا ہو جاتا تو بچپن میں ہی مر جاتا کہ آخرت کے ابدی عذاب سے بچ جاتا۔

اسی طرح اصحاب رسول اور امت محمدیہ علیہ السلام کے لئے اصل یہ تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حکم صریح نہ بھیجتا تاکہ سارے ہی اتفاق و اتحاد سے رہتے، اور کوئی بھی اس کی خلاف ورزی نہ کرتا،

پھر کتاب اللہ میں تو یوں آیا ہے، بَلِیَ اللّٰهُ یَمُنُّ حَتّٰی مَمْلُوءٌ اَنْ هَدٰی اللّٰهُ لِبٰیۤاتٍ وَّ بَکَرٍ اللّٰهُ تَعَالٰی تمہارا احسان جلتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی، اگر قبول نہ کیا تو تمہارے اللہ پر ہدایت واجب و لازم تھی تو وہ احسان کبیر کی جوارہ ہے، ادا نہ واجب پہ کوئی احسان نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص کسی کافر من ادا کر کے قمر غزا پر احسان رکھے تو سب لوگ اسے ملعون کریں گے۔

امامیہ کیسائیہ اور زیدیہ کے سب فرقوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بدلہ وصلہ بھی واجب ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کسی غم، دکھ میں مبتلا کرتا ہے تو اس کے بدلہ اپنی مصلحت کے لحاظ سے کوئی نفع ضرور پہنچاتا ہے مثلاً ذکوۃ و صدقہ فطر، یا کوئی ایسی عام چیز جس میں بندہ کے عمل کو کوئی دخل نہ ہو یا اگر کسی غیر عاقل مثلاً درندہ سانپ لکھو کو اس پر مسلط کرتا ہے تو اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے کہ اس کو کوئی ایسا فائدہ پہنچائے جو تعظیم سے خالی ہو،

ان کا یہ عقیدہ خدا اور انسان کے درمیان ایک ملکیت کے تعلق کو سمجھ لینے کے بعد سراسر باطل ہو جاتا ہے کہ یہ بڑی بڑی و بدلہ تو اس وقت واجب ہوتا ہے جب غیر کی ملکیت میں تصرف کیا جائے اور یہاں سوائے خدا کی ملکیت کے کسی غیر کی ملکیت سے ہی کہاں! ساری کائنات تو اسی کی ملکیت ہے۔ لہذا غرض و بدلہ کا سوال ہی نہیں،

درحقیقت جنت کی تمام نعمتیں، انوار و لؤلؤ و معطر اور صرف اس کی مہربانیاں ہی، اگر کوئی شخص پوری زندگی اس کی عبادت میں کچھا دے تو اس کی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ خدا تعالیٰ پر اس کا عزم واجب ہو اور یہ ایسی بات ہے جس کو گلستان کے ابتدائی دیباچہ پڑھنے والا مکتب کا طالب علم بھی سمجھتا ہے۔ علامہ و فضلاء تو رہے اپنی جگہ اور ان کے نزدیک تو ان کی احادیث سے یہ مطلب بتواتر ثابت ہے اور ابن بابویہ قمی نے امالی میں علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ سے بطریق صیح روایت کی ہے۔

آپ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ تم سے تیری عزت اور تیرے عظمت و جلال کی کہ تو نے مجھ کو پیدا کیا اگر میں اسی لمحہ سے بال بال تیری عبادت میں لگ پڑتا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرتا اور تیری ربوبیت کے دوام تک مخلوق کے ساتھ شکر و حمد میں لگا رہتا تب بھی تیری ایک انی نعمت

اِنَّكَ كَاَنْ يَّدْعُوْا بِهٰذَا اللّٰهُ عَاۤدِلٌ اِلٰی بَعْدَ تِلْكَ وَ عَظَمَتُكَ وَ جَلَالُكَ كَاَنْ اَتٰی مَدَّ اَمْدٌ عَنْكَ فِطْرَتِيْ مِنْ اَوَّلِ الدّٰخِرِ عِبَادَتُكَ وَ اَمَ حَلُوْدُ رُبُوْبِيَّتِكَ لِكُلِّ شَعْرَةٍ تَوْفِيْ كُلِّ طَوْفَلٍ عَلَيْنِ سَوْمَ الدّٰبِكِ بِعَيْنَيْنِ الْخَلْدَيْنِ وَ شُكْرُهُمْ اَجْمَعَيْنِ لَكُنْتُ مُقْتَصِرًا فِیْ بُلُوْغِ شُكْرِكَ اَحْفَ لِنِعْمَتِكَ وَ

کے شکر بجالانے سے قاصر رہتا اگر میں دنیا کی وجہ کی کاٹوں
کو اپنے دانتوں سے کھودوں اور اپنی ہلکوں سے زمین کو
پھاڑوں اور تیرے خوف میں خون دہیپ کے آنسو آسانی
وہ میٹوں کے سمندر برابر بہاؤں تب بھی یہ اس حق سے کم
تر ہو گا جو تیرا مجھ پر ہے اور اسے خدا تو اگر اس کے بعد بھی
مجر کو عذاب دے تمام مخلوق کے عذاب جتنا اور آگ کے
لغے میرے جہنم اور جہنم کو اتنا بڑھا دے کہ وہ تمام طبقات
جہنم کو گھیرے اور میرے سوا جہنم میں نہ کوئی عذاب دیا جا
وہ ہو اور نہ میرے جسم کے علاوہ جہنم کے لئے کوئی اور چیز

ہو تو اس سب کے باوجود یہ اس سزا کا تصور اساحصہ ہو گا جس میں تیری طرف سے مستحق ہوں۔

اور شیخ البلاء نے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمایا ہوا درج ہے کہ اس امت کا بہترین آدمی بھی اللہ کے

عذاب سے امن میں نہ ہو گا۔

عقیدہ ۱۷۰۔ بندہ سے جو اعمال مرزد ہوتے ہیں یعنی ایمان و کفر، عبادت و نافرمانی وہ سب کے سب
اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، ان کی پیدائش میں بندہ کو کوئی دخل نہیں ہاں کسب و عمل بندہ کی طرف سے ہے اور اسی
کسب و عمل پر بندہ کو بدلہ ملے گا یہی اہل سنت کا مسلک ہے،

مگر کیسا نیک، امانیہ، اور سارے زیدی فرقے اس سچے اور درست عقیدہ کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے
اعمال کو خود پیدا کرتا ہے اور بندہ ہی نہیں تمام پرندوں، چوپایوں، کیڑوں، مکوڑوں اور ان تمام حیوانات کے افعال
و اعمال میں اللہ تعالیٰ کو کوئی دخل نہیں جو ارادہ رکھتے ہیں،

ان کا یہ عقیدہ کتاب اللہ کے بھی خلاف ہے اور عزت رسول کے بھی،

کتاب اللہ کے اس طرح کہ ارشاد باری ہے۔ **وَاللّٰهُ خَاقِكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ** (اللہ ہی نے تم کو اور تمہارے
اعمال کو پیدا کیا، خالق علیٰ غیبی لا الہ الا هو) دوسرے چیز کا خالق ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، **اللّٰهُ يَوْمَ يُدْعَىٰ
الْبَاطِلُ وَيَسْجُدُ لَہٗ جَمِیْعًا** (اللہ کیسے کہنے والا اللہ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسانی فضا میں گھرے ہوئے ہیں فضا میں
انکو اللہ کے سوا کوئی نہیں پڑتا۔ **اللّٰهُ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كُفْرُہُمْ وَلَا نِعْمَتُہٗمْ وَلَا ظَنُّہُمْ** (اللہ تعالیٰ انہوں نے نہیں دیکھا جو آسانی فضا میں گھرے ہوئے ہیں فضا میں
اب عزت کی مخالفت اس طرح ہے کہ تمام امانیہ نے انہوں سے یہ روایات بیان کی ہیں، بندوں کے عمل اللہ کے پیدا
کئے ہوئے ہیں، چنانچہ شارح عدا اور دوسروں نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں یہ لوگ
خود اپنے خیال کے موافق انہوں کے خلاف اعتقاد رکھتے ہیں، اور ان ہی جیسے چند دوسروں کی گواہی کے علاوہ ان کے پاس
اغراض سے بچاؤ اور نجات کی کوئی جگہ نہیں،

یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو بندوں کے افعال کا خالق مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ثواب و عذاب اور جزا و سزا
باطل و بیکار ہو جائیں کیونکہ بندوں کو اپنے اعمال میں اختیار کیا رہا اور کسی ایسے شخص کو ایسے فعل و عمل پر سزا دینا

جس میں اسی کو کوئی دخل نہ ہو مگر اس پر ظلم ہے!

اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے افعال کا خالق مانتے ہوئے، ثواب و عقاب و جزاء کے معاملہ کو خود شیعیوں کے اصول اور ائمہ کی روایات کے مطابق ہم دو طرح ثبات کئے دیتے ہیں،

طریق اولیٰ: ہر شخص کے افعال و اعمال کی جزا اس علم و اندازہ الہی کے موافق ہے جو اس شخص کے حق میں ہے۔
 خدا انہی تعالیٰ یہ غیب جانتے ہیں کہ اگر بندہ کے افعال و اعمال خود انہیں پر چھوڑ دوں اور ان احوال کی پیدائش ان ہی
 کے سپرد کروں تو انہی شخص طاعت کرے گا اور انہی معصیت فلاں ایمان لائے گا اور فلاں کفر کرے گا۔ اور اس علم و اندازہ
 الہی کی علامت و نشانی بندوں کو بھی بتا دی اور وہ نفس انسانی کی خواہش اور رجحان ہے لہذا مومن ایمان کی طرف
 جھکے گا اور کافر کفر کی طرف۔

اہل طاعت کی طرف اور اہل فسق فسق کی طرف ہر شخص اپنے دل میں ہی جانتا ہے، جو اللہ تعالیٰ اس کے
ملاقات سے کرنا چاہتا ہے تو گویا نیک و بد کی جزا علم الہی پر ہے، اگر بندوں کی ایجابات انہیں کے سپرد ہوتیں تو وہ
اگرچہ حقیقتاً ان کے خالق نہ ہوتے تو تقدیراً تو ہوتے ہی۔ شکر اگر کار کو افعال کی پیدا نش کی قدرت ہوتی تو وہ کنوڑی پیلکنا
اور اگر مومن کو قدرت بخشی جاتی تو وہ ایمان کی بنیاد ڈالتا۔ یہی حال دوسرے اعمال و افعال میں ہوتا۔ اور اپنے علم کے موافق
بدلہ و صلہ دینا شیعوں کے نزدیک بھی ظلم نہیں ہے۔ اس لئے کہ کفار کے بچوں کی جزا امامیہ کے نزدیک بالاتفاق اسی طریقہ
کے موافق تو ہے جیسا کہ ابن بابویہ رحمہ اللہ بن سنان سے روایت کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ۔

قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ طُلُقِ الْمَشْرُوقِ
فَلَمْ أَنْ يَنْبَغْهُمَا الْحَنْبُ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كُنَّا

باپ ہونگے وہی لڑہ بھی بنتھیں گے،

اسی طرح وسب بن دہیب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ابی عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ کافروں کی

”اودھوی دوزخ میں ہیں“

تو جب معصوم بچوں کو عذاب صرف اس لئے ہو گا کہ وہ علم الہی میں کافرونا فرمان ہونے والا تھا، حالانکہ ابھی اس میں خواہش دلی یا رغبت نفس کی کوئی نشانی ظاہر بھی نہ ہوئی تھی پھر بھی یہ عذاب ظلم قرار نہیں دیا گیا تو بندے کے اس فعل پر جس کو وہ اپنی خواہش اور ارادہ سے پیدا کرتا ہے اس نے بندہ بھی بوقت قدرت اسی فعل کو سبب کیلئے لکھتے ظلم کیوں اور کس لئے ہو گا اگر ائمہ کی روایات میں یہ سبب کچھ وضاحت سے آگیا ہے،

اور کلینی ابن بابویہ اور ان میں سے دوسرے حضرات ائمہ سے یوں روایت کرتے ہیں، اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ بَعْضَ عِبَادٍ سَعِيدًا وَبَعْضٌ مِّنْهُمْ شَقِيًّا يَعْلَمُ لَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (اللہ نے بعض بندوں کو نیک بخت اور بعض کو بر بخت پیدا کیا اپنے اس علم کی وجہ سے جو ان کے آنے والے عملوں سے متعلق تھا، لفظ کَانُوا پر غور کرو کہ صاف فرمیں و تقدیر کو ظاہر کرتا ہے، پھر کلینی اور دوسرے امامیہ نے ابو بصیر سے روایت کی ہے وہ یہ ہے،

اَنَّهُ قَالَ كُنْتُ بَيْنَ يَدَيْ اَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ كَتَابُ كَرَمٍ فِي ابْنِ عَبْدِ الرَّثَكِ بِاسْمِ طَافَا كَرَمٍ اَبِي كَرَمٍ

والہ نے ان سے پوچھا کہ ابن رسول اللہ میں آپ پر قربان گنہگاروں کو یہ بد بختی کیسے نصیب ہوئی کہ ان کو اللہ کے علم میں ان کے عملوں پر عذاب کا حکم لگایا گیا ابو عبد اللہ نے جواباً کہا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ اس کے حق کی وجہ سے متعلق نہیں ہوتا پس جب اس نے حکم دیا تو اہل محبت کو ان کی طاعت کی قوت بخشی اور جس شخصیت کے وہ اہل ہیں اس کا جو بھروسہ ہلکا کیا۔ اسی طرح اہل معصیت کو ان کی نافرمانی کی قوت نصیب کی اس علم کے باعث جو ان کے بارے میں پہلے سے قائم ہو چکا تھا اور قبول طاعت سے ان کو روکا اس نے وہ اللہ تعالیٰ کے آئندہ کے علم سے انحراف نہ کر سکے اور ایسی حالت پیدا نہ کر سکے کہ اس کے عذاب سے ان کو بچ سکے اور اس کا علم تصدیق کی حقیقت کے بالکل مطابق ہے اور وہی معنی ہیں اشارہ اشارہ دیا ہوا ہے

جَالِسًا نَسَا لَكَ سَائِلٌ فَقَالَ جُعِلْتُ فِدَاكَ يَا ابْنِ رَسُولِ اللَّهِ مِنْ ابْنِ الْحَقِّ الشَّافِعِ بِأَهْلِ الْمُعْصِيَةِ حَقِّي حَكْمَهُ لَقَدْ يَأْتِيكَ ابْنٌ عَلَى عَقْلِهِمْ فِي عَلَيْهِمْ فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ لَكَ لَوْ جَعَلَ لَوْ يَفُوتُ لَكَ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِهِ بِحَقِّهِ فَلَمَّا حَكَمَ يَدُكَ وَهَبَ لَكَ هَلِ الْمُعْصِيَةِ الْقُوَّةَ عَلَى طَاعَتِهِمْ وَوَعْنَهُ عَنْهُمْ ثَلَاثُ الْغَضَبِ بِحَقِّهِ مَا هُوَ أَهْلُهُ وَوَهَبَ لِأَهْلِ الْمُعْصِيَةِ الْقُوَّةَ عَلَى مَعْصِيَتِهِمْ لَسَبَقَ عَلَيْهِمْ لِقَائِهِمْ وَمَنْعَهُمْ طَاعَةَ الْقَبُولِ وَمَنْعَهُمْ لَوْ أَفْقَرُوا مَا عَصَى قَلْبُهُ فِي عَلَيْهِ تَعَالَى وَلَمْ يَفْعَلُوا أَنْ تَأْتِيَا حَالًا يُعْصِيهِمْ مِنْ عَذَابِهِمْ يَدَّتْ عَلَيْهِمْ أَوَّلِي بِحَقِّهِ التَّصْدِيقِ وَهُوَ مُعْنَى سَاءَ مَا شَأْنُهُ وَهُوَ سَيِّئًا

سے ان کو بچھڑکا و مل کے کیونکہ اس کا علم تصدیق کی حقیقت کے بالکل مطابق ہے اور وہی معنی ہیں اشارہ اشارہ دیا ہوا ہے

اور کلینی نے منصور بن حازم سے اور اس نے ابی عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پیدا کرنے سے پہلے نیک بختی اور بد بختی کو پیدا کیا۔ پس جن کو اس نے نیک بخت کیا اس سے کبھی بغض نہ رکھا، اگر اس نے کوئی بُرا عمل کیا تو اس کے عمل کو بری نظر سے دیکھا، اس طرح جس کو بد بخت کیا تو اس سے کبھی محبت نہ کی اگر اس نے کوئی اچھا عمل کیا تو اس کے عمل کو اچھی نظر سے دیکھا

اور اگر ایسے عمل کے پیدا کرنے پر جو زندہ کی خواہش کے مطابق ہو جزا دینا ظلم ٹھیکرے تو چاہیے کہ نفس اور اس میں اس کے قوی کی پیدا نش اور پھر اس پر شیطان کا تسلط اور مہربانی اور قبول حق سے باز رکھا بھی اس کے حق میں ظلم ہو حالانکہ اس کا ثبوت گزشتہ روایات کے ان الفاظ سے دُرُوحُ الْمُعْصِيَةِ الخ سے صاف ظاہر ہے

اسی طرح جناب ابو عبد اللہ کی مذکورہ المصدر روایات سے جس میں یہ ہے کہ جب اللہ کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل کے کان بند کر دیتا ہے

چتہ چلتا ہے کہ بندے کے ساتھ ایسا معاملہ اس کو فعل معصیت پر مجبور و مضطر کرتا ہے اور اس سے طاعت و بندگی کی قوت سلب کر لیتا ہے،

دوسری بات یہ کہ جزا نفس کی خواہش اور میلان پر موقوف ہے جو عمل کے ساتھ ہوتا ہے وہ عمل خیر ہو یا شر نہ کہ عمل پر تا کہ اس میں بندہ کے عمل دخل کا سوال اٹھے اس نے بھول چوک خطا اور مجبوری کو معاف فرمایا اگرچہ ان حالات میں شر زندہ ہی سے سرزد ہوا ہے، لیکن چونکہ میلان نفس اور خواہش نہیں ہوتی اس لیے جزا کا دار و مدار خیر و

شرکی نیت پر عمل نہ کر دیا ہو!۔

اور کافی میں مسکونی سے ابو عبد اللہ سے یوں روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ كَيْدُ الْمُؤْمِنِ قَتْلُهُ وَنِيَّةُ الْكَافِرِ شَرُّهُ مَنْ حَمَلَهُ، اس کے عمل سے جلی ہے اور کافر کی نیت اس کے عمل سے بری ہے، اور اسی فیروہ و شریہ جزا کا دار و مدار ہے،

اور اسی کتاب کافی میں ابو بصیر سے اس مضمون کی روایت کی گئی ہے کہ

إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيرَ لَيْقُهُ مَا تَابَ الرَّزَقُ حَتَّى أَهْلُ كَذَا كَذَا مِنْ الْبُزْ وَتُجْوِزَ الْغَيْرِ كَمَا حَامَيْتَ اللَّهُ ذَاكَ مِنْهُ بِعِدَّتِي يَنْتَبِهُ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ مَا كُنْتُ وَكَوْنُ هَكَذَا

ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک مومن بندہ فقیر اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہے کہ تو مجھے مال و رزق فراخ عطا فرمائے تو میں یہ عہد لی کے کام کروں جب اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کی نیت کی سچائی کو جان لیتا ہے تو اس کے لئے وہ اجر

کھدیتا ہے، جو اس کے عمل پر لکھا جب وہ عمل کر گزرتا۔

اس لئے ریا اور دکھاوے کو۔ عمل کا ضائع اور برباد کرنے والا کہا گیا ہے چنانچہ کلینی نے باب الریاء میں بڑی تفصیل و وضاحت سے بیان کیا ہے منجملہ ان کے ایک وہ روایت بھی ہے جو عبید بن جلیف کے واسطے سے ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ كُنْ يَا شَرِيكَ اِنَّكَ مِنْ عَمَلِ النَّاسِ كَانَ ثَوَابُهُ عَلَى النَّاسِ وَمِنْ حَسَنِ اللَّهِ كَانَ ثَوَابُهُ عَلَى اللَّهِ رِیاء اور دکھاوا شرک ہے جس نے لوگوں کے لئے عمل کیا تو اس کا ثواب دنیا، لوگوں پر ہے اور جس نے اللہ کے لئے عمل کیا تو اس عمل کا اجر اللہ پر ہے۔

اسی طرح ایک متفق علیہ روایت میں نہایت کو تو یہ کہا گیا ہے، لہذا معلوم ہوا کہ عمل کی تاثیر کا دار و مدار قلبی خواہش پر ہے اور جب نہایت میں قلب کی خواہش باقی نہ رہی تو اس کا اثر بھی جاتا رہا اگرچہ طویل مدت اور بڑے نقصان کے بعد ایسا ہوا۔

اور کلینی میں خباب ابی جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا،

إِنَّ التَّوَكُّلَ يَنْتَزِعُ فَيُذِلُّ خَلْقَ اللَّهِ بِهِ الْجَنَّةَ قُلْتُ يُلْ خَلْقَ اللَّهِ بِالَّذِي تَابَ الْجَنَّةَ قَالَ فَعَدَّ اللَّهُ بَيْنَهُ قَدَ يَزَالُ مِنْهُ خَائِفًا مَا تَأْتِي نَفْسُهُ فَيُزَحِّمُ لَهُ اللَّهُ فَيُذِلُّ خَلْقَ الْجَنَّةِ

آدمی گناہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس گناہ کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے راوی نے تعجب سے پوچھا کیا گناہ کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کیا جاتا ہے کہا ہاں! وہ گناہ تو کر بیٹھتا ہے مگر پھر لرزتا کا پتھارتا

ہے اور اپنے آپ سے بیزار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آتا ہے اور اس کو جنت میں بھیج دیتا ہے تو چونکہ خدا کا دار و مدار نیت میلان نفس اور دل کی رضا مندی پر ہوا لہذا اگر اللہ تعالیٰ بندہ کے ارادہ سے اور خواہش کے مطابق بندے کے افعال پیدا کرے اور اس پر جزا و بدلہ دے تو یہ ظلم کیسے ہوا۔

ہاں اس وقت تو ظلم ہو سکتا تھا کہ بندوں کے افعال ان کے ارادے اور خواہش سے پہلے وجود میں آجاتے جیسے جلالت کے افعال، مثلاً آگ کا بھٹانا، زہر کا قاتل ہونا، اور تلوار کا کاٹ کرنا اور جب کسی کے افعال خود ان کے ارادے کے تابع ہوں اور ان کے بعد وجود میں آئیں، تو ان میں صاحب ارادہ کا دخل ہو گیا تو ان کو جزا کی شکل میں اس کا مزہ بھی

چکنا چڑا اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے، کہ کسب و اختیار سے بھی معنی مراد ہیں،
اب بحث طلب یہ بات ہے کہ یہ خواہش اور میلان کسی کی ایما سے ظاہر ہے بندہ تو قدرت الہیہ سے محروم ہے
اور اگر اللہ تعالیٰ اس خواہش کو بھی پیدا کرے تو وہ اس خواہش پر گرفت کیوں کرے اور اس پر جزا کیوں دے اس
کا جواب یہ ہے کہ شبہ تو اس وقت بھی پیدا ہوتا ہے جبکہ بندوں کے افعال کا علقہ بندوں کو انہیں، جیسا کہ شیعوں
کا خیال ہے اب اس کے جواب کی فکر شیعوں کو بھی کرنی چاہیے اس لئے کہ سب کے نزدیک یہ ظاہر ہے کہ تمام اسباب و احوال
بلکہ نسل کے سرزد ہونے کے جملہ اسباب، خواہ قدرت، خواہ قوت، خواہ حواس و اعضا، حتیٰ کہ خود بندوں کی ذات
بھی جبران افعال و اعمال کا سرچشمہ اور مرکز ہے اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کردہ ہیں بندہ کا ان میں کوئی دخل نہیں،
اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جب کسی نسل میں اختیار کا دخل ہوگا وہ نسل اختیاری ہوگا اور اضطرار و مجبوری
کی حد سے نکل گیا اور جب اختیاری ہو تو تعریف و برائی کا ہدف بنا اور ثواب و عقاب کا سبب قرار پایا اور اختیار
کا خود اپنے اختیار سے پیدا ہونا اور حقیقت محال و ناممکن ہے ورنہ تسلسل لازم آئے گا،
اب جب کہ کسی دوسرے میں اختیار پیدا کرنے کی قدرت پہلا نظر نہیں آتی تو عقل کے لئے محض قیاس کے ذریعہ
یہ سمجھ لینا دشوار ہوا البتہ وہم کی آلودگیوں اور طبعی بندشوں سے نجات پا کر وہ اتنا ضرور کرتی ہے کہ نسل کی اختیاریت
وجود اختیار پر معروف ہے مگر ایما و فعل یا ایما و اختیار پر شبہ کسی کا غلام قرار ہونا چاہتا ہے دوسرا آدمی خواہ غلام
کے حکم و دباؤ سے یا خود کسی ذریعہ سے اس کی ہشک پا کر اس غلام کو اس کی منزل مقصود پہ پہنچا دیتا ہے تو یہ فرار عقلا تو
اس غلام کی طرف منسوب ہو گا اگرچہ اس نسل کا وجود و تکمیل دوسرے کی مدد سے ہوئی مگر خواہش قلب تو بہر حال غلام ہی
کی تھی،

اب اہل سنت و اہل تشیع کے اعتقاد میں فرق اس قدر ہے کہ اہل سنت بندہ کے اختیار کو ادنیٰ سے محروم مانتے ہیں
نسل انہی سے گھرا ہوا مانتے ہیں، اور یہ یوں کہ اختیار، ارادہ، خواہش اور میلان نفس کی پیدائش بھی اسی کی
طرف سے مانتے ہیں، اور نیچے سے یعنی نسل کی پیدائش بھی اسی کی جانب سے، اور شیعہ اور پرک جانب میں تو اہل سنت
سے متفق ہیں مگر فعلی کے بارے میں مختلف اخیال ہو کر کہتے ہیں کہ فعل تو اسی کا کام ہے،
یہاں اگر کسی کام میں عقل ہو تو ذرا گہرائی میں اتر کر غور کرے کہ جب اختیار دوسرے کے ہاتھ میں آگیا تو یہ کھلا
جبر ہوا اور جزاء، ثواب و عقاب میں وہی اشکالی پھر ٹوٹ آیا تو پھر اس میں کیا مزیداری ہے کہ اوپر کے حکم سرچ کو
چھوڑا جو ممکن سے ایما و فعل کو محال بنا تا ہے اور اسی شیطانی دلدل میں پھر ٹوٹ کھائے گئے۔

اور اسی مابقی میں صاحب حاسن برقی اور کلینی کی یہ روایت جناب ابی حنظلہ سے بیان ہو چکی ہے کہ روایت
کہنی **لَا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَا سَاءَ**، دکنی چہرۃ اللہ کی مشیت و ارادہ کے بغیر نہیں ہوتی،
اور تعجب تو علما و امامیہ کی علم و دانش پر آتا ہے کہ قرآن کی واضح اور صاف آیات سے انھیں بند کر لیں، انہی کا صحیح
امادیٹ سے منہ موڑا اور اپنے اعتقاد کی بنیاد رکھی بھی تو ایک باہل شاعر کے قول پر اور یوں قرآن کی اس آیت کے صحیح
مصدق بنے **وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ** شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں،
شریف مرقی نے غرر و الدرر میں تحریر سے اور اس نے ابی حمزہ سے اس معنوں کی روایت کی ہے کہ،

قَالَ اِنْ حَقَّقْتُمْ رُذِيَّةَ ذُو الرِّمَّةِ تَعْلَمُوْنَ عِنْدَ هَلَالِ ابْنِ اَبِي
بَرْزَةَ فَقَالَ سُبْحَانَهُ وَاللّٰهُ مَا نَقَصَ مَا نَزَلَ عَنْهُ مَا كَانَ
تَقَرُّ مَعَهُ سَبْعَةُ ثَمَرَاتٍ مَّا لَا يَفْقَهُ اَرْبَعِينَ اَللّٰهُ وَكَذَلِكَ
فَقَالَ لَهُ ذُو الرِّمَّةِ مَا قَالَهُ اَللّٰهُ عَلَى الَّذِي سُب
اَنْ يَّا كُلَّ حَزَنَةٍ عِيَالٍ جَلِيَّةٍ اِنَّكَ قَالْتَ رُذِيَّةَ اَذْنَدَ رُذِيَّةَ
اَلَمْ يَأْخُذْ هَذَا اَكْبَدُ عَلَى الَّذِي سُب فَقَالَ ذُو الرِّمَّةِ اَلْكَذِبُ
عَلَى الَّذِي سُب خَيْرٌ مِّنْ اَلْكَذِبِ عَلَى سُبِ الَّذِي سُب كَانَ
اَلْمُرْتَضَىٰ هَذَا اَلْمُفْتَرِجُ فِي تَوَلِيهِ بِالْعَدَالَةِ وَاجْتِهَادِهِ
عَلَيْهِ وَنَصْرِهِ لَكَ اَلْمُهَيِّئُ كَلَامُ الْمُرْتَضَىٰ

روایت اور ذوالریمہ (دشمن) ہلال بن ابی بردہ کے پاس
بیٹھے ہوئے آپس میں جھگڑا پڑے اور یہ کہہ کر مذکور قسم
نہ کوئی زندہ بھٹے بناتا ہے نہ کوئی پرندہ گھونسا مگر
نہ اس کے حکم و اندازہ کے ساتھ اس پر ذوالریمہ بولا خدا کی
قسم اللہ نے یہ تقریر نہیں کی کہ بھیڑیا تیرے پڑوسی کے بال
بچوں کی دودھ دیتی بچریاں بھار کھائے۔ روایت نے کہا
تو کیا پھر بھیڑیا ان کو اپنے اختیار سے کھا گیا؟ یہ تو بھیڑیے
پر جھوٹ لگانا ہوا۔ اس پر ذوالریمہ نے جواب دیا
کہ بھیڑیے پر جھوٹ باندھنا بھیڑیے کے رب پر جھوٹ

باندھنے سے بہتر ہے مرتضیٰ نے کہا کہ یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس نے انصاف کرنا محبت کو تسلیم کیا اور اس مدد کو باور کیا،
اب یہاں غور کرنے کی بات ہے کہ شیعوں کے عاتقوں اور دانشمندوں نے ذوالریمہ کے نوا اور پوچ اور سرسرا
کہ اس پر کیے کان دھریا اور دل میں اس کو جگہ دے لی اور اس کو اس اور پر اس کی مدح سرائی کیے کی اور شاہان کیوں
وسی وہ اتنا نہیں سمجھے کہ ذوالریمہ ایک دیہاتی شاعر کو جسے بول و براز صحیح طریقہ پر کر نیکی بھی نہیں تھی۔ ایسے گہرے الہی مطالب
سے کیا واسطہ اور کیا مناسبت!

اور اتنے اہم اعتمادی مسائل میں اعتماد کر کے اس کو اپنا پیشوا بنانا کس حد تک منہ اور ہے۔ جب کہ اس کا کلام
در حقیقت نہایت بے بنیاد اور بے معنی ہے کیونکہ بکریوں کے گوشت کو بھیڑیے کی غذا بنانا بکریوں کو شکار کرنے
کی طاقت اس کو بخش کر ایسے قوی و خورخوار کو ایسے کمزور پر مسلط کرنا بکریوں کو مار ڈالنے اور نہ مچھ کر دینے کا جذبہ
اس کے دل میں پیدا کرنا اور پھر اس کو اس قدر دہونے کی قدرت دینا آخر یہ سب کس کا کام ہے اور شیعوں کے اصول پر
یہ سب کھانا ظلم ہے!

اور پھر شریف مرتضیٰ نے اصمعی سے اور اس نے اسحاق بن سیرید سے روایت کی ہے کہ ذوالریمہ نے محمد کو یہ
شعر سنایا۔

وَعَيْنَانِ قَالِ اللّٰهُ مُؤَنَّا فَاتَّأَبَا فَعَزَّ لَدُنَّ بَالَا لَهَا بِمَا يَفْعَلُ الْخَسْرُ فَقُلْتُ فَعُولَيْنِ خَيْرٌ اَلْكَوْبِ فَقَالَ اَوْ
لُحْتُ اَوْ بَحْتُ۔ اِنَّمَا كُنْتُ عَيْنَانِ فَعُولَانِ تَوَصَّلْتُمَا يَدَ اللّٰهِ۔ قَالَ الْمُرْتَضَىٰ اِنَّمَا تَحْتَرِ ذُو الرِّمَّةِ بَعْدَ اَلْكَلَامِ
مِنَ اَلْعَوْلِ عِنْدَ اَلْعَدَالَةِ۔ اِنْ تَهْتَلِ كَلَامُهُ۔

دو چشم شعر۔ اور دونوں آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جو باؤ تو وہ بزرگئیں، مقلوں میں شراب کا سا کام کرنے والیں،
(ملوے کہتا ہے) میں نے اس سے کہا فوعلین کہو کہ یہ کوئی کی خبر ہے (جو مضروب ہوئی چاہئے) تو اس نے جواب دیا۔
کہ تو اگر بوڑھا بڑا تجربہ کار، تو تجھے اس شک پر ملامت کی جاتی۔ پھر کہا میں نے فوعلان کو عینان کی صفت باندھا ہے
اس پر مرتضیٰ نے کہا کہ ذوالریمہ اس تاویل سے ناخوش بات سے بچ گیا۔

شریف مرتضیٰ پر حیرت ہے اور سخت حیرت کہ اس نے ذوالریمہ کے اس کلام سے یہ عقیدہ سمجھا لیا کہ ذوالریمہ

کا مقصد یہ ہے کہ اگر نفوس کو میں کان کی خبر بتاتا تو کلام کی غرض بظاہر یہ معلوم ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے محبوب کی دونوں آنکھوں کو فتنہ ساز جادوگر اور عقل ربانیا سے، حالانکہ یہ معنی یہاں پیش نظر نہیں اور جس صورت میں کان کو تمامہ لایا اور فحولان کو عینان کی صفت متعیرا تو کلام کی غرض بالاسالمت محبوب کی دونوں آنکھوں کی فتنہ پر دازی جادوگری اور عقل ربائی بنی،

اور یہ معنی مد نظر ہیں اور مطلب میں بھی بلند پایہ! اور اس تاویل عبارت سے اس کا ارشاد بھی تاکہ محبوب کی دونوں آنکھوں کے نہ تو بادے میں یہ صلاحیت تھی کہ یہ صورت از خود اختیار کرے اور نہ مسرور قدرت میں یہ طاقت کو اس صورت کی نقش نگاری کر سکے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت خاص سے اور اپنے حکمرانی امر سے بنفس نفیس ان کو پیدا کیا۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ شریف مرتضیٰ شاعر بھی میں) کس جنگل میں جنگل رہا ہے اور اسی سے اس بلند پایہ عالم کی شعر سنجی کا بھرم بھی کھلا، پھر فحولین لائے پر بھی خلاف عدل سے بچا جاسکتا تھا، کیونکہ اس صورت میں بھی فتنہ اور محرک نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں بلکہ محبوب کی آنکھوں کی طرف ہے اور جادوگر یا فتنہ پر داز کو جادوگر یا فتنہ پر داز بنانا کسی کے نزدیک خلاف عدل نہیں، اگر خلاف عدل ہے تو وہ جادوگری اور فتنہ پر دازی ہے، اور اگر نظر غائر دیکھیں تو رقع کی صورت میں بھی ان کے اعتقاد کے بموجب باعتبار معنی خلاف عدل لازم آتا ہے، کیونکہ کوئی نہیں کہتا کہ شراب نشہ کے لئے خالق ہے اور محبوب کی آنکھ عاشق کے دل میں عشق و جہن کی خالق۔ مگر بے شک شریف مرتضیٰ کی فہم بتاق ہے کہ شراب اور محبوب کی آنکھ جو اعراض کی موجودات ہیں ہیں خالق ہیں۔ اور یوں یہ دونوں چیزیں پر دوزگار کی شریک کار ہو گئیں، حالانکہ امامیہ بھی حیرانات میں اشراک کے قائل ہیں نہ جمادات میں۔ شاعر کا کلام صرف مبالغہ آرائی ہے، حقیقی معنوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ یہاں مراد ہیں،

یہاں شریف مرتضیٰ کا یہ کلام کاٹا اور اس پر رد و قدح کرنا گریبا و سا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے نقل کرنے سے ہمارا صرف یہ مقصد ہے کہ ان کے بزرگوری اور بزرگواریوں کی فہم و دانش سے پردہ اٹھایا جائے اور ان کی دقیقہ سنجی سے سب کو باخبر کر دیا جائے کہ یہ ایک دیباچہ کے ایک شعر کے سمجھنے میں کتنے بے دست و پا ہو کر کیسی دلدل میں پھنس گئے ہیں، اور پھر اس پر ایسی ہوداز کار گفتگو کی جسے نرم سے نرم الفاظ میں مضحکہ خیز ہی کہا جاسکتا ہے اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ اسی کو سارے شیعوں نے علم اکہدی کے خطاب سے نوازا اور اپنے دین و ایمان کی بنیاد اس کی عقل و رائے پر رکھی،

حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ عقیدہ جو سی زندیقوں سے لیا گیا ہے۔ جو شر و برائی کا خالق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مانتے اور اس کو الوہیت میں خدا کا شریک مانتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ جو جس نے صرف ایک ہی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور یہ ہر چیز نئی اور ناپاک کتے اور گھرے تک کو بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ خلق و ایجاد میں شریک قدرت مانتے ہیں، اللہ ایسی بد عقیدگی سے اپنی پناہیں رکھے،

اور شیعوں میں سے فقہ فخر استقامت قائل ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور علی رضی اللہ عنہ۔ دنیا کی پیدائش میں اس کے شریک کار ہیں جیسا کہ تفصیل باب اول میں گذر چکا ہے اور اسامیہ فکاسطہ کی طرح ایجاد عالم میں عقلی و نفوس

کا واسطہ بتاتے ہیں۔ مگر ان کا طرز بیان کچھ اور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو تمام ممکن پیدا کیا اور اسے کمالات سے بالفعل متصف کیا اور نفس کو ناقص کیا اور کمالات سے بالفعل غیر متصف کیا نفس کو کمال حاصل کرنے کا شوق دامگیہ ہوا اور چاہا کہ حرکت میں آکر عقل سے کمالات حاصل کرے اور حرکت جو نجات کے بغیر مقصود نہیں اس لئے اجسام عالم بالا کو پیدا کر کے دور ویر (چکر) حرکت میں لایا۔ پھر اسی حکمت سے طوائف بساط اور ان سے طوائف مرکبات وجود میں آئیں اور اصول مرکبات کی اصل تین قسموں پر منقسم ہے معدنیات، نباتات اور حیوانات پھر ان میں سے حیوانات افضل ہیں اور حیوانات میں سے انسان اشرف راسل۔

ان کا یہ عقیدہ کتاب و عزت کے واضح طور پر غلط ہے، کتاب کے اس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْمَعْرَاجِ اس نے زمین و آسمان اور جہان کے درمیان ہے، چھ دن میں پیدا کیا پھر قائم ہوا عرش پر، رَحْمَتُ اللَّهِ مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْمَعْرَاجِ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ اور کچھ زمین میں ہے سب ان کے لئے پیدا کیا پھر چڑھ گیا آسمان پر اور برابر کئے سات آسمان

فَلَمْ يَكُنْ مِنْ خَلْقِهِ اللَّهُ دیکھو اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے، اللہ خالقِ مطلق فیضی و اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، عزت کی مخالف یوں ہے کہ شیعوں میں سے امامیہ اور اہل سنت میں سے ابن ماجہ نے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ وَخَلَقْتُ الْخَلْقَ وَالْخَلْقُ خَلَقُوا الشَّرَّ فَطَوَّبَ لِي مَنْ تَزَيَّنَّ عَلَى يَدَيْهِ الْخَيْرَ وَوَيْلٌ لِمَنْ تَزَيَّنَّ عَلَى يَدَيْهِ الشَّرَّ وَاللَّهُ تَعَالَى فَرَمَاتے ہیں میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور خیر و شر کو بھی میں نے پیدا کیا اور اس شخص کے لئے یہ خوشی کی بات ہے جس کے لئے میں نے خیر مقدر کیا اور اس کے لئے غم و خرابی اور رنج کی بات ہے جس کے لئے میں نے شر مقدر کیا،

اور شیعوں کے لئے اہل سنت کی اس روایت میں شرکت عدم اعتبار کا باعث ہو تو فاضل شیعہ روایات ماحفظ کریں جو کہیں نے کالی میں اور دیگر امامیہ نے بحوالہ معاذ بن وہب جناب ابو عبد اللہ سے نقل کی ہے،

ان چیزوں میں سے ایک چیز وہ ہے جس کی دعویٰ اللہ تعالیٰ نے رسول علیہ السلام کی طرف بھیجی اور توراہ میں بھی موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے شک میں ہی خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور خیر کو بھی اور خیر کو اس شخص کے ہاتھ پر جاری کیا جس کو میں نے پسند کیا پس مبارک ہو اس کے لئے جس کے ہاتھ پر میں نے خیر کو جاری کیا۔ اور میں ہی خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور شر کو بھی اور اس کو اس کے ہاتھ پر جاری کیا جس کے بارے میں میں نے جاہل اور خرابی اس کے لئے جس کے ہاتھ پر میں نے شر کو جاری کیا،

اور صاحب التفسیر علی بن ابراہیم بن ہاشم ابو الحسن قمی نے عبد المؤمن بن قاسم انصاری سے اور اس نے جناب ابو عبد اللہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے یہود و کارکار ارشاد ہے أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا خَالِقُ الْخَيْرِ وَالْشَّرِّ میں ہی خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں خیر و شر کا پیدا کرنے والا بھی میں ہی ہوں، اسی طرح کہیں نے بھی محمد بن سلم

قُلْتُ رَدِّعَ عَبْدُ اللَّهِ جَعْفَرُ بْنُ عَبْدِ قَلِيلٍ السَّامِيُّ يَا أَبَتَ
رَسُولِ اللَّهِ هَلْ تَرَوْنِ اللَّهَ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْعِبَادِ فَقَالَ اللَّهُ
أَجَبٌ مِنْ أَنْ يُفَوِّتَكَ الرَّبُّ بَيْتَهُ إِلَى الْعِبَادِ فَقُلْتُ هَلْ
جَدَّ هَهُ عَلَى ذَلِكَ فَقَالَ اللَّهُ أَتَعْدِلُ مِنْ أَنْ يُجَدَّ هَهُ
عَلَى ذَالِكَ فَقُلْتُ فَنَكَيْتُ ذَلِكَ فَقَالَ بَلَيْنَ بَلَيْنَ لَا جَدَّ
وَلَا تَفْوِضَ بَلَيْنَ وَلَا كَرَّةَ وَلَا تَسْلِيْطَ -

میں نے جناب ابو عبد اللہ جعفر بن محمد ملاق رحمۃ اللہ علیہ سے
دریافت کیا کہ اے ابن رسول اللہ اے اللہ علیہ وسلم کیا اللہ
تعالیٰ نے کام کو بندوں کے سپرد کر دیا ہے؟ آپ نے جواباً
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بالاتر ہے کہ وہ اپنی ربوبیت
کا کام بندوں کے سپرد کرے اس پر میں نے پوچھا تو کیسی
نہ ان کو اس پر مجبور کیا ہے؟ تو فرمایا کہ یہ اس کے عدل
انصاف کے خلاف ہے کہ وہ ان کو مجبور کرے! میں نے کہا اس کے علاوہ کیا صورت ہے؟ فرمایا صورت یہی ہے

کہ نہ بالکل مجبور کیا ہے اور نہ بالکل انہی کے سپرد کر دیا ہے
چنانچہ اہل سنت کے مذہب کی بنیاد ہی روایت ہے وہ تخلیق امدد کی بندوں سے نفی اور کسب و عمل ان کے لئے
ثابت کرتے ہیں اور یہ اعتقاد جناب ملاق رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد بالا کے عین مطابق ہے
اب اس روایت کو ارشاد شری شیعوں کی کتابوں سے بھی جانچ لیجئے تاکہ اہل سنت کا جھڑپ کھل جائے محمد
بن یعقوب کلینی نے جناب ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، اِنَّهُ كَانَ لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِضَ
وَلَكِنْ اَمْرٌ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ انہوں نے فرمایا نہ جبر ہے نہ تفویض بلکہ معاملہ بین میں ہے نیز کلینی نے ابراہیم سے اور اس
نے ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت بیان کی ہے، اور کلینی ہی نے ابی الحسن محمد بن رضا رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت
کی ہے وہ بھی ایسی ہی ہے،

چونکہ یہ تمام روایات اہل سنت کی روایت سے واضح طور پر متفق ہیں اس لئے شیعوں کے ملاحوں نے ان پر
تاویلات کا کہاڑ اچلا کر اپنے مطلب کے مطابق بنا ناہا ہا ہے اس لئے کہتے ہیں امر بین الامرین سے مراد قوت و قدرت
کا پیدا کرنا ہے اور فعل پر مجادینا ہے، نہ یہ کہ وہ افعال کی ایجاد میں دخل انداز ہو مگر یہ بھولے بادشاہ اتنا نہیں دیکھتے
کہ سائل نے پوچھا کیا ہے، جو لغیر سوچے سمجھے جواب کی کھینچ تان کر کے کہیں کا کہیں لے جانے کی سعی ناکام کر رہے ہیں کیونکہ
قوت و قدرت کے خلق کو سپرد کرنے نہ کرنے کا سوال کوئی عقلمند کروی کیسے سکتا ہے یہ تو سامنے کی چیز اور ظاہر السلطان
ہے، جو کچھ جھگڑا یا بحث ہے وہ خلق فعل میں ہے اس ترجیح و تاویل سے تو وہ جناب ابی عبد اللہ کے جواب با صواب کو
لغو اور مہمل بنا رہے ہیں، اور اس ترجیح سے اس تفویض میں بحث و اعتراض کی غلط جوں کی توں موجود ہے اور آپ کے
وہی الفاظ اللہ عادل من ذلک بھی پیش نظر ہیں اور یہ بات بالکل صاف اور ظاہر ہے مثلاً ایک شخص اپنے دشمن کو جو
اسے قتل کر دینا چاہتا ہے یا بزدل خیر کر کے ایک مکان میں قید کر کے دیتا ہے، اب دوسرا شخص آتا ہے، اسے قید سے
نکالتا ہے اس کے ہاتھ پاؤں آزاد کرتا ہے اور اسے کہتا ہے تو اچھی مرضی کا خفاہ اور آزاد ہے کوئی پابندی تجھ پر نہیں
یہی نہیں اپنا ایک خادم بھی اس کے ساتھ کر دیتا ہے کہ شخص اول کے قتل میں پوری پوری مدد سے جذبات سرد و چڑچاہتی
نہایتے گرائے اور قتل پر جھڑپ کرنے ایسی صورت میں دوسرا شخص پہلے شخص کے حق میں کھلا ظالم ہے،

اور ان سے بھی قطع نظر اہل سنت و خود شیعوں کی کتابوں سے واضح اور صاف روایات فراہم کر کے وہ ہتھیار اپنے
ہاتھ میں رکھتے ہیں جو ان کے شجر تاویلات کو جھڑپ سے اکھاڑ ڈالتا ہے ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو امامیہ

ایک عالم صاحب الفضل نے فضول کتاب میں ابراہیم بن عیاش سے نقل کر کے اسے صحیح بھی قرار دیا ہے، اور وہ یہ ہے،
 اَللّٰهُ تَعَالٰی سَأَلَنِيَّ جُلَّ الشَّرِّ مَا عَلَيَّ السَّلَامُ
 اَيُّ كَيْفٍ لِلّٰهِ الْعِيَادُ مَا لَا يُطِيقُونَ فَقَالَ هُوَ اَعْدَلُ
 مِنْ ذَالِكَ قَالُ فَيَقْدِرُ دُونَ عَلَى الْفِعْلِ كَمَا يُبَيِّنُهُ
 قَالُ هَذَا أَحْمَرُ مِنْ ذَالِكَ
 ارادہ کے مطابق کسی فعل پر قدرت رکھتے ہیں؛ آپ نے فرمایا کہ وہ اس سے کہیں زیادہ عاجز و بے بس ہیں، یعنی مرضی کے مطابق فعل پر قادر نہیں،

اس روایت میں تو نفی قدرت نہایت واضح اور صاف طور پر موجود ہے اسی طرح نثر الدردر کتاب میں تحریر ہے،
 سَأَلَنِيَّ الْفَضْلُ بْنُ شَيْبَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى الشَّرِّ مَا
 عَلَيَّ السَّلَامُ فِي تَجَلُّسٍ الْمَأْمُورُ فَقَالَ يَا أَمَّا
 الْحَسَنُ الْخَلْقِيُّ يَجْعَلُونَ قَالُ اللَّهُ اَعْدَلُ اَنْ يَجْعَلَ
 يُعَدُّ بِهِ قَالُ فَيُطِيقُونَ قَالُ اللَّهُ اَحْكَمُ مِنْ اَنْ
 يَفْسُدَ عَبْدًا وَيَكِلَهُ اِلَى نَفْسِهِ
 اس نے کہا کہ تو بیکار چھوڑ کر اس کے نفس کے حوالہ کیسے کرے،

کاش ان کے دانشوروں عالموں کو عقل سلیم سے بھی کچھ حصہ مل سکتا کہ گہری نظر سے یہ دیکھ لیتے کہ بندہ کو شر پر قدرت
 دے کر اس کو عذاب دینا تو ظلم ہے نیز یہ بھی سمجھ لیتے کہ خلق فعل اور خلق قدرت پر فعل میں کوئی فرق ہے یا نہیں،
 اگر کوئی شخص یقین سے جانتا ہے کہ حامد محمود کا جانی دشمن ہے اس کو قتل پر تلا ہوا ہے ہتھیار کی جتھریں ہے
 کہ کہیں سے مل جائے تو محمود کو بے دھڑک قتل کر دے یہ سب کچھ جانتے بوجھتے وہ شخص حامد کو تلوار دے دیتا ہے اور
 حامد اس سے محمود کو قتل کر دیتا ہے تو یہ شخص ہا شک محمود کے حق میں صریح ظلم کا مرتکب ہو گا۔

جب ان کے اس عقیدہ کی مخالفت حضرات ائمہ کے عقیدہ سے انہیں کی معتبر کتابوں سے ہر ممکن پہلو سے واضح
 اور آشکارا ہو گئی تو ان کی ہی معتبر کتابوں سے ان کے کچھ القاب و خطابات بھی سن لیجئے جو اس مخالفت کے سبب حضرات
 ائمہ کے کلام ارشاد الہیام پر مشتمل دو ایک روایات گرش گزار کر لیتے تاکہ بات مزید وضاحت و انکشاف سے سامنے آجائے
 محمد بن بابویہ قمی کے کتاب التوحید میں صحیح اسناد کے ساتھ ابی عبد اللہ رحمہ اللہ علیہ سے یوں روایت کی ہے،

اَنَّهُ قَالَ اَلْقَدْ بَرَّيْتُ جُحُوشَ هَذِهِ اَلْاُمَّةِ اِنْ دُرِيَ
 اَنْ يَصِفُوا اللّٰهُ بِعَدْلٍ فَاَخْرَجُوهُ مِنْ سُلْطَانِهِمْ
 وَفِيهِمْ قَرَأْتُ هَذِهِ اَلْاَيَةَ - يَوْمَ يَسْجُدُونَ لِي الْاَرَضِ
 عَلَى وُجُوهِِهِمْ ذُرُوفًا مِّنْ سَعَسٍ اِنَّا كُلُّ شَيْءٍ
 خَلَقْنَاهُ لِقَدَرٍ -
 آپ نے فرمایا قدرت یہ ایک فرقہ جو قدر کا منکر ہے، اس
 امت کے جوہری ہیں، انہوں نے چاہا کہ اللہ کی صفت عدل
 سے بیان کریں (تو اس کو شمش) میں انہوں نے اس
 کے اقتیارات سلطنت ہی سلب کر لئے انہیں جیسے لوگوں
 کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جس دن یہ منہ کے بل
 دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے (تو کہا جائے گا) اب دوزخ کا عذاب پکھڑ ہم نے ہر چیز کو ایک انداز سے پیدا کیا تھا،

اور کہنے لے ابو بصیر سے روایت کی ہے تَنْالْتُ رُوحِي عَبْدُ اللَّهِ شَاوَدَ اسَ اَلْوَدَّ قَدْ رَوَى عَنْهُ قَالَ لَعَنَهُ مُؤَلِّفُ
وَأَحَبُّ قَالَ لَا - رُوہ کہنا ہے کہ میں نے ابی عبد اللہ سے کہا کہ یہ اللہ نے چاہا، ارادہ کیا انارہ لگایا اور حکم دیا، فرمایا
ہاں۔ پھر میں نے کہا کیا پسند بھی کیا۔ فرمایا نہیں،

عقیدہ (۱۲۱) اللہ تعالیٰ سے بندہ کا ترپ مکانی یا جسمانی حاصل ہونا مستور نہیں اس سے ترپ و نزدیکی حق درج
و رعنا مندی اور خوشنودی کی ہے یہی اہل سنت کا مذہب و مسلک ہے اور سابق میں حضرت رسول سے شیعوں کی
میں روایات فضل کی گئی ہیں جن میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے مکان اور اتہال مکانی کا انکار کیا ہے،

امامیہ کے اکثر فرقے مکانی نزدیکی اور قریب ظاہری کے قائل ہیں، اسی لئے مطرح کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات جسمانی
مستعار پر محمول کرنے میں چنانچہ ابن بابویہ نے کتاب المعراج میں حمران بن اعین سے اور اس نے جناب ابی جعفر محمد
علیہ سے جو روایت نقل کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے،

و آپ نے اللہ تعالیٰ کے کلام تَنْدَدْنَا تَنْدَدْنَا کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے سے اتنا قریب کیا کہ
درمیان میں سونے کے پنجرے کے سوا جس میں سونے کا چھکڑا فرش تھا کچھ نہ تھا، تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک صورت
دکھا کر پوچھا اسے محمد رسول اللہ علیہ وسلم جاتے ہو یہ کس کی صورت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ
عنہ کی صورت ہے،

عقیدہ (۱۲۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ رویت ہو سکتی ہے اور آخرت میں مومنین اس کے دیدار سے شرفیاب ہوں گے مگر
کافر و منافق اس نعمت سے محروم رہیں گے، اہل سنت کا یہی عقیدہ و مذہب ہے،
شیعوں میں مجسمیہ کے علاوہ سب ہی متفق الخیال ہیں کہ اللہ دکھ ہی نہیں سکتا۔ ان کا یہ عقیدہ کتاب و سنت
و دونوں کے خلاف ہے،

کتاب اللہ میں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجُودُهُ قِيَمَتُهُ قَائِمٌ قَائِمٌ لَا يَزُولُ رَأْسُهُ رَأْسُهُ لَا يَزُولُ رَأْسُهُ
بشاش چہرے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوئے ہوں گے،

اور کفار کے بارے میں ارشاد ہے، كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مَا يَمْكُرُ الْكَافِرُ لِيُخْلِفَ الْكَافِرُ رَأْسَهُ رَأْسُهُ لَا يَزُولُ رَأْسُهُ لَا يَزُولُ رَأْسُهُ
اس دن جناب میں ہوں گے،

إِنَّ الَّذِينَ يَشْكُرُونَ يَعْلَمُهُمُ اللَّهُ وَإِنَّمَا لَهُمْ ثَمَرًا
قَلِيلًا أَوْ كَثِيرًا لَا يَخْلُقُ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يَكْفِيهِمْ
اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
بے شک جو لوگ اللہ کے حمد اور اپنے ایمان کو معمولی ہی
قیمت پر بیچ دیتے ہیں ان کے لئے آخرت میں دھجائی کا
کوئی حصہ نہیں اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ ان سے
بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاکی کرے

گا ان کے لئے تو دردناک عذاب ہوگا،

لہذا معلوم ہوا کہ مومن اور صالح بندے اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے بھی اور اس سے کلام بھی کریں گے اس مضمون کی
اور بھی بہت سی آیات ہیں،

باب دوم میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ رویت کے بارے میں انکار کی کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ

وہ از روئے عقل اس کو بعید کہتے ہیں۔ یہ غائب کو نظر آنے والی چیز پر قیاس کرتے ہیں اور عادی و اکثر و بیشتر ہوتی رہتی ہیں، اور ظاہری الثبوت چیزوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں، اور یہ کتنی بڑی جسارت اور گستاخی ہے کہ آیات قرانہ کی اپنی عقلی نارسا و ناماہرہ کے ذریعہ تاویل کرتے اور ان کو ظاہری معنی سے پھیر دیتے ہیں، اور ان کے معانی و مطالب میں غور و فکر کی نوبت نہیں آنے دیتے۔

آیت **وَتَذَكَّرُ لَكُمْ** اللہ تعالیٰ میں اور اک کی نفی ہے اور اک کے معنی دریافت کے ہیں روایت کی نفی اس آیت میں نہیں اور ایک عامی بھی جانتا ہے کہ اور اک اور ہے روایت اور اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی ان ظاہری آنکھوں سے دریافت نہیں ہوتی بلکہ عقل، اور غور و تامل سے ہوتی ہے،

اور بغیر منی محال اور اک کے معنی روایت ہی کے ہیں تو یہ نفی روایت بطور عادت کے ہے کہ جو کوئی چاہے اور جب چاہے اس کو دیکھ لے اس کی نفی ہے بلکہ جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ دکھا۔ نہ کوئی نہیں دیکھ سکتا اور عادت کی مطاقا بغیر قید کے نفی کلام الہی میں موجود ہے،

جیسے **إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَدْ بَدَأَ خَلْقَ الْبَشَرِ مِنْ تَلَكُفٍ يَخْفُفُ**۔ بے شک وہ اس کا نذر و کنہ تم کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ تم اس کو نہیں دیکھتے، شیاطین اور جنوں کا دیکھنا عادت کے خلاف سب کے نزدیک ثابت ہے۔

لہذا جب کفار نے فرشتوں کو دیکھنے کی درخواست کی تو اس کو بڑے اچھے کی اور بڑی نازکھی بات ظاہر نہ لائی حالانکہ انبیاء و صلحاء اور مرسلین بھی ان کو دیکھتے ہیں،

اور عزت سے اس عقیدہ کی مخالفت اس طرح ہے کہ ابن بابویہ کی ایک روایت بسند ابو نعیم پہلے گزر چکی ہے جس میں ایک سائل نے جناب ابی ہدائشہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ تیامت کے دن مومن بندے اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو آپ نے جواباً فرمایا تھا ہاں اس کے علاوہ اس مضمون کی اور بھی روایات ان کے ہاں موجود ہیں۔

نعمت کی بات تو یہ ہے کہ کلام اللہ اور ائمہ کے اقوال میں جہاں روایت کا لفظ آتا ہے یہ اس نے علم یقینی پر محمول کرتے ہیں حالانکہ کلام اللہ میں نظر کا صبر الی آتا ہے، اور اس صورت میں روایت حقیقی کے سوا کوئی اور معنی ہو ہی نہیں سکتا اور ائمہ کے کلام میں روایت کا لفظ سوال پوچھنے والوں کے جواب میں آیا ہے جو قیامت کے روز کی روایت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں حصول علم یقینی کا کوئی سوال ہی کیوں کرنے لگا،

اور علم یقینی کو ایم قیامت سے خصوصیت ہی کیا ہے یہ کیا دنیا میں مومن کو ذات و صفات کے بارے میں علم یقینی نہیں بلکہ اہل سنت کے نزدیک تو ذات و صفات باری کا علم یقینی ضروریات ایمان میں سے ہے شیعوں کو شاید حاصل نہ ہوتا ہو تب ہی اہل یقین حلی نفسہ کے مطابق کرداروں کو اپنے اوپر تکیا کرتا ہے، شیعوں نے بھی اہل سنت کو علوم حصول علم یقینی میں اپنے جیسا سمجھ لیا ہو تو کیا تعجب

چھٹا باب

انبیاء علیہم السلام پر ایمان اور ان کی نبوت کی بحث

عقیدہ تالیف بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ پر یہ بات واجب و لازم ہے کہ جنہوں کو ادا و نواہی کی تکالیف کا مکلف کرے اور مکلف بنانا بغیر انبیاء کی بعثت کے کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں لہذا پیغمبروں کو بعینہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب اور ضروری ہے،

اس عقیدہ کی برائی اور خرابی کوئی ٹھکانی چھپی نہیں بالکل واضح اور ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بات کوئی چیز واجب نہیں، اور پھر یہ بات مرتبہ الوہیت اور ربوبیت کے شایان شان بھی نہیں ہاں پیغمبروں کی بعثت اور بندوں کو مکلف ٹھہرنے کا عمل اس کا معنی فضل و کرم ہے جو دفع میں آتا ہے۔ ایسا اگر وہ کرتا ہے تو عین عنایت ہے نہ کرے تو شکایت کا حق کوئی کمی نہیں، اہل سنت کا یہی عقیدہ و مذہب ہے،

اگر انبیاء کی بعثت اللہ تعالیٰ کے لئے لازم ہوتی، تو وہ آیات قرآنیہ میں بعثت پر اپنا انعام و احسان ظاہر نہ فرماتا کیونکہ ادا نے فرمن و واجب پر احسان و انعام کا موقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ لِيُخْرِجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

پھر دوسری بات یہ ہے کہ بعثت اگر واجب ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذریت میں رسول مبعوث کرنے کی درخواست نہ کرتے کیونکہ جب چیز کا واقعہ ہونا لازمی و ضروری ہو تو اس کے لئے طلب اور دعا کے کیا معنی؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل علیہ السلام کے الفاظ یوں نقل فرمائے وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ لِيُخْرِجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ۔ ان میں انہی میں سے رسول بھیج۔

امامیہ کے عقیدہ کے مطابق جب نبی یا اس کے قائم مقام وحی کی بعثت اللہ تعالیٰ کے ذمہ لازم و ضروری ہوتی تو اس کا اتفاق ہے کہ کوئی وقت کوئی زمانہ ان سے خالی نہ ہونا چاہیے حالانکہ اسامیہ میں سے فرقہ سبعیہ ایک زمانہ میں نبی یا وحی کی بعثت اللہ پر واجب کہتے ہیں، یہ بات ان کے مذہب کے بیان میں پہلے گزر چکی دوسرے فرقے مقلدین اور جلیہ ہر زمانہ میں نبی کی بعثت کو واجب کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک نبوت کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل بھی گزر چکی۔

دوسرے اہل سنت تو وہ دوسرے سے اللہ تعالیٰ پر کسی بھی بات کو واجب نہیں کہتے!

یہ شیعہ عقیدہ بھی کتاب و سنت کے خلاف ہے، کتاب اللہ کے تو اس طور پر کہ بہت سی قرآنی آیات ایسے زمانہ کا پتہ دیتی ہیں جب نہ کوئی نبی موجود تھا اور نہ آئنا نبوت ہی پائے جاتے تھے اس کے علاوہ قرآنی آیات ختم نبوت پر بھی صاف صاف دلالت کرتی موجود ہیں، مثلاً وَكَوْنُ تَرَسُولًا لِّلنَّاسِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ اس کے علاوہ یوحنا کی انجیل ص ۴۲ میں یہ ہے کہ

قَالَ يَسُوعُ لِلنَّاسِ اِسْمِي وَ اَنَا اَطْلُبُ كُمْ دَمِين

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عماروں سے کہا کہ میں اپنے

تَرْجِيْهِ يَخْطُئُكُمْ وَيُفْعِلُكُمْ فَاِنَّ قَلِيْلًا يَكُوْنُ مَعَكُمْ
 رَبِّ سَعَى تَهَارَسَ لَمْ يَسْأَلْ كَرُوْنَ لَكَ وَهَمْ كُوْفَارٌ قَلِيْلٌ بَعْثُ
 اور غایت کرے کہ وہ ابد تک ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔

عبرانی لغت میں فار قلیط سے روح حق و یقین مراد ہے، جو یقیناً ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسم گرامی ہے
 یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت جو اسلام لائی انہوں نے اس بات کی شہادت دی اور تصدیق کی ہے ان میں سے ایک ابو
 علی یحییٰ بن یحییٰ بن جریر الطیب ہے، جو فن طب میں کتاب النجوم اور منہاج کا مصنف ہے۔ دراصل تو یہ نظرانی
 تھا مگر بعد میں مسلمان ہو گیا۔ رد نصاریٰ میں بھی اس نے ایک کتاب تصنیف کی، اس توحید کی آیات اور انجیل
 کی وہ عبارات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اور آپ کے ظہور پر نور کے متعلق تھیں اور جن کو خود اس
 نے پڑھا تھا، سب جمع کر دی تھیں

اس کے علاوہ اس مسئلہ میں ائمہ کی بے شمار احادیث بھی موجود ہیں،

امامیہ کے پاس اس کی بس وہی ایک دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ لطف و مہربانی واجب ہے اور بعثت بھی لطف
 ہی کا ایک شعبہ ہے لہذا یہ بھی واجب ہے، اس خیال کی غرابی اور تردید کلام ماسبق میں گزر چکی۔ یہاں اعادہ کی ضرورت
 نہیں!۔

استیعاب لے اس مسئلہ میں اپنے خیال کی بنیاد ان چند نکات شعریہ پر رکھی ہے، جو انہوں نے فلاسفہ سے چرائے
 ہیں، اور اس سلسلہ میں اپنے عقلی گدے یوں پلاتے ہیں کہ ”جس طرح عالم ملوی میں ایک عقل کامل کلی اور نفس ناقص
 کلی ہے جن سے کائنات کا صدور ہوتا ہے، اسی طرح عالم سفلی میں بھی ایک عقل کامل کلی اور ایک نفس ناقص کلی چاہیے،
 اور شرع میں رسول کا وہی مرتبہ ہے جو ایاد میں عقل کامل کلی کا۔ اسی طرح وحی کی شرع میں وہی حیثیت ہے
 جو ایاد میں نفس ناقص کلی کی، اور جیسے افلاک کی حرکت عقل و نفس پر موقوف ہے، ایسے ہی نبات و تکمیل درجات
 کے لئے نفوس انسانیہ کی حرکت کا دار و مدار رسول وحی پر ہے اور ہر زمانے اور ہر دور میں عالم سفلی میں عقل و نفس کے
 یہ دونوں خلیفہ موجود رہتے ہیں،“

ہر ہوشمند اور ذی عقل و شعور کو یہ اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ یہ سب کچھ اوام باطل کی تزیینات اور فلسفہ ناقص
 کی غرائز ہیں، کیونکہ اول تو عالم ملوی میں عقل و نفس کا وجود ہی پایہ ثبوت کو کہاں پہنچا جو اس کی مثال پر عالم سفلی
 میں بھی یہ نقشہ بچایا جائے اور پھر جناب امیر المومنین سے کتب امامیہ میں بطریق تواتر درود شریف کے یہ الفاظ منقول
 وثابت ہیں اَللّٰهُمَّ دَاخِلِ الْمُنَّ حُرَّاتٍ وَ دَاخِلِ
 اَلْمُسْمُوْكَاتِ اَجْمَلِ شَرِائِفِ صَلَاتِكَ وَ تَوَاسِعِ
 بَرَكَاتِكَ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ
 اَلْحَقَّ اَيَّدِيْمَا سَلَمٌ۔
 اے میرے خدا ساری چیزوں کو بچھانے والے بلند یوں
 کو بے ستون قائم کرنے والے اپنی شریف ترین درود اور
 اور بلند ترین برکتیں اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ
 وسلم پر نازل فرما جو گزشتہ سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں،

نظر امامیہ کے نزدیک آپ کے بعض خطبوں میں جو متواتر الثبوت ہیں یہ الفاظ موجود ہیں۔ اَللّٰهُمَّ عَلَى فَلَاحِ
 مِنَ الرُّسُلِ وَ مَلَاحِ حَقِيْقَةِ بَيِّنِ الْاَقْبَادِ اَلَا قَالِ وَ آمِيْنُ وَ خِيْدَ وَ خَاتِيْمَ مَسِيْلِهِ وَ لِيْسِيْدِ مَسْمُوْمِيْهِ وَ
 وَ ذِيْ مِيْرَافِيْمِيْهِ اَدَانِ كُوْبِيْجَارِ رُسُوْلُوْكَ كَا سَلْسَلَةِ مُنْقَطِعِ حُوْبَانِ يَہِ اَمْتُوْكَ يَہِ رَاہِ رُوْیِ بَرْطُوْجَانِ كُوْبِجَارِ

یہاں تک کہ آپ نے فرمایا وہ اللہ کی وحی کے امین ہیں۔ خاتمِ رسل میں، اس کی رحمت کی بشارت دینے والے اور اس کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔

یہ خطبات جس طرح نبوت کے ختم ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اسی طرح سلسلہ رسالت کے منقطع ہونے پر بھی واضح اور صاف طور پر دال ہیں اور فطرت کے سننے لا محالہ یہی ہیں کہ وہ نہ ملاحس میں نہ نبی ہو نہ اس کا قائم مقام وحی اور اگر فطرت سے نبی کا نہ ہونا مراد لیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جناب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے لئے وہ زمانہ فطرت کا تھا۔

عقیدہ (۱۲)۔ مخلوقات میں انبیاء کرام علیہم السلام سب سے بہترین اور معزز ترین ہستی ہیں، دوسرا کوئی انسان عند اللہ ثواب یا قرب و درتیر میں ان کا سہم نہیں ہے جابیکہ ان سے افضل ہوا۔
امامیہ کو چھوڑ کر تمام اسلامی فرقوں کا یہی مذہب و عقیدہ ہے۔

امامیہ اس مسئلہ میں برصغیر پریشانی خیال ہیں ہاں اس پر اجماع ضرور کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پیغمبر اولوالعزم انبیاء کرام کو چھوڑ کر باقی تمام نبیوں سے جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور اولوالعزم انبیاء سے مرتبہ کی درجہ بندی پر ابن مظہر علی اور بعض دوسرے امامیہ خاموش ہیں جب کہ بعض دوسرے امامیہ کو ان کو برا بکلا دہم دیتے ہیں۔

اس مسئلہ میں زید نے ان کا بہت سخت رد کیا ہے، اس کے علاوہ خود انہیں کی متواتر روایتیں بھی ان کی تردید کرتی ہیں مثلاً مَنْ قَالَ لَنَا اِمَامًا مِنْ اَلْكَلْبَةِ اَوْ اَخْشَىٰ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فَهُوَ هَاكُلُ رَجُومٍ یٰ کَیْسَ کہ اگر کسی سے کوئی امام انبیاء سے افضل ہے وہ ہلاک و برباد ہونے والا ہے،

پھر خدا ان کی کتابوں میں حضرت علی، جناب حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے اس قسم کی روایات موجود ہیں کہ اہل سنت کو مزید اقوالِ عزت رسول سے نقل کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اس کتاب میں شروعا ہی سے ہر مسئلہ پر خود کتب امامیہ سے کچھ نہ کچھ حوالہ نقل کرنے کی پابندی جاتی رہی ہے اس لئے یہاں بھی شیعہ سنیہ از خود اسے ملاحظہ فرمائیے۔

مَا رَوَى الْفُكَيْكِيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَمْرٍو عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَوْفَعُ مِنَ الْاِمَّةِ وَاَنَّ مَنْ قَالَ لِي عَلِيٌّ مَنَّكَ دَكِلْنِي نَعِي هِشَامِ اَعْرَأَ كَسْ حَوْلَهُ سَ جَنَابِ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ سَ رَوَايَتِ بَيَانِ كِي كَرِ الْاَنْبِيَاءِ اَمْرَهُ سَ الْفَضْلِ هِي، اور جہاں کے خلاف کہے وہ گمراہ ہے، نیز ابن بابریہ نے جناب ساداتِ رحمۃ اللہ علیہ سے ان الفاظ میں روایت بیان کی اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ عَلِيٍّ اللّٰهُ تَعَالٰی كَرِ جَنَابِ عَلِيٍّ سَ الْاَنْبِيَاءَ دَيَارِ مَحْبُوبِ هِي، مزید انشاء اللہ آگے بیان ہو گا۔

اب رہا اس عقیدہ کا مخالف کتاب بہرے کا معاملہ تو وہ بد مذہبوں کی طرح بالکل عیاں اور واضح و صاف ہے کہ سارا قرآن مجید ہی اس پر دلالت کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تمام عالم میں سے چنا اور انتخاب کیا گیا ہے اور عقل کی بھی اس پر دلالت روشن تر اور صاف و واضح ہے، اس لئے کہ نبی کو واجب الطاعت قرار دینا اس کی طرف وحی کرنا اس کو اور امر و نہی کا فرمانہ اور حاکم کل بنانا، اور نلیفہ و امام کو اس کا نائب اور تابع ٹھیکرانا بغیر اس کے کہ نبی کو امام سے افضل مانا جائے منسور ہی نہیں ہو سکتا۔

یہ اسباب نفسیت ہر نبی میں موجود اور ہر نائب دامام میں مفقود ہیں۔ تو اس کا صرف ایک نتیجہ ہی نکلتا ہے کہ لامحالہ ہر نبی ہر نائب دامام سے افضل و برتر ہوا۔

حازنکہ تمام امامیہ تمام ائمہ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ تمام انبیاء سے افضل ہیں، اس کے علاوہ قرآن کریم میں جا بجا صدیقین، شہداء اور صالحین پر انبیاء کی نفسیت جو ثابت ہے وہ بھی صراحت کے ساتھ اس عقیدہ کی ترویج کرتی ہے۔

امامیہ کا ہمیشہ یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ فروعیات میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ اصول کا شیرازہ ہی بکھر کر رہ جاتا ہے، چنانچہ انبیاء میں بندوں کی طرفداری میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ خالق العباد پر وجوب الطف کو جائز قرار دے دیا اور بدی و برائی اور بندوں کے افعال کی تخلیق کو بندوں کی طرف منسوب کر کے مرتبہ الوہیت و ربوبیت کو درجہ برہم کر ڈالا اور اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی قدرت عامہ اور اس کی کامل بے نیازگی کو اس کے انصاف سے شاذ الاء۔ اسی طرح شرائط امامت کے تحت جو بالا جماع نبوت کی نائب اور اس کی فرع ہے، ائمہ کے مدارج اور مناتب کو اس قدر بڑھایا چڑھایا کہ منصب نبوت کو سب وقار اور حقیر کر دیا اور جناب امیر المؤمنین اور آپ کی ذریت رضی اللہ عنہم کی تعریف و توصیف میں جو اگرچہ ایمان و شریعت کا ایک شعبہ ہے اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ انبیاء کو اس علیہ السلام پر ایمان ہی ہاتھ سے جاتا رہا۔

اور اس کے عوین ان کی تحقیر و تذلیل کا الزام اپنے سر منڈھ لیا مالا نمہ خود ہی یہ کہتے بھی ہیں کہ امامت نبوت کی فرع و نائب ہے تو یہ نبوت کے درجہ کے برابر یا اس سے بالا و برتر کیسے ہو سکتی ہے، اس بابے میں ان کی تمام تر حجت وہ شبہات ہیں جو ان کے چند مقتداؤں و پیشواؤں کے کلام سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو وہ اپنی کتابوں میں لکھ کر چل بسے اور اپنے پیروں کو ان کا حکم دے گئے،

اس سلسلہ میں کہنے کی پہلی قوت بات یہ ہے کہ ان کی روایات اور راویوں کے حالات نیز اپنے علماء سے روایت کردہ روایات کو صحیح قرار دینے کا جو طریقہ رہا ہے وہ ناظرین کتاب ہذا پر گزشتہ ادراک میں بخوبی واضح ہو چکا ہے، لہذا پھر انہیں روایات کو ثبوت میں پیش کرنا اصول قواعد کے مناسب نہیں کیونکہ از درے اجماع قطعی وہ ظہور مخالف سے پہلے معارض ہیں، ان کے ظاہری الفاظ پر عمل ممکن نہیں۔ البتہ تاویل کی جاسکتی ہے،

دوسری بات یہ کہ یہ روایات بعض دوسری روایات سے ٹکراتی ہیں مثلاً کلینی کی روایات جناب زید بن علیؑ سے یا ابن بابویہ کی روایات جناب صادقؑ سے اور اسی طرح اور بھی بہت سی روایات ہیں اور بالخصوص یہ روایات باہم نہ بھی ٹکرائیں تو بھی چونکہ یہ ظنی ہیں، اس لئے معتقدات میں ان سے شک جائز نہیں علاوہ انہیں خود امامیہ کے اکثر متقیوں کے نزدیک بھی مثلاً ابن زہرہ ابن ادریس ابن براج اور شریف مرتضیٰ بلکہ ان کے اکثر قدامت کے نزدیک بھی وہ قابل حجت نہیں اور ان کے پھیلنے نے بھی اس مذہب کو اختیار کر کے نہ صرف یہی کہ اخبار امار کو دلائل میں شمار کیا بلکہ ان کی ترویج کو خاص کر افتخارات کے معاملات میں واجب و ضروری قرار دیا چنانچہ ابن مطہر علی نے اپنی کتاب ہمدانیہ الاموال میں یوں لکھا ہے: **رَأَى خَلِيفَةُ الْوَلَدِ إِذَا أَتَى حِلْمًا وَكُنْزًا فِي الْأَدْلَةِ الْفَاطِمَةُ مَا يَدُلُّ عَلَى عَيْنِهِ وَجِبَتْ تَرْكُهُ**، وجوب خبر واحد سے کسی اعتقاد کا ثبوت ملتا ہو اور اس ثبوت پر دلالت کرنے والی ظنی دلیل موجود نہ ہو تو خبر واحد کو رد کر دینا

واجب ہے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ان ظنی روایات کے مضمون کا دلائل قطعیہ سے کوئی سراغ و ثبوت نہیں ملتا بلکہ ان سے تو ایسی اس کی تردید ملتی ہے،

پھر ان تمام امور سے قطع نظر یہ روایات بھی ثبوت مدعا پر کوئی دلالت نہیں کرتیں اس سلسلہ میں ہم ان کی چند روایات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں اور ان شبہات کو بھی آشکارا کرتے ہیں جو ان کو روایات سے مطلب اخذ کرنے میں پیش آئے۔
پہلا شبہ اہل علم میں جب ائمہ انبیاء سے افضل ہیں تو مرتبہ میں بھی افضل ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ذکر کیا جانے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں دینی نہیں ہوتے،

اور راوندی نے جناب ابی عبد اللہ سے اس مضمون کی روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا،

قَالَ إِنَّ اللَّهَ فَضَّلَ أَهْلَ الْعِلْمِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ
 هَالِكٌ دَرَجَاتُكُمْ وَفَضَّلَنَا عَلَيْهِمْ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ اللَّهِ عَلَيْهِ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا يُبْسُوتُونَ وَخَلَّسْنَا عَلَيْهِمْ رَسُولَ اللَّهِ
 عَلَيْهِ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَلَّى قَوْلَهُ تَعَالَى لَوْلَا يَسْتَوِي الَّذِينَ
 قُلْ مَلِكٌ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ الرُّوحُ
 کہ اللہ نے اہل علم و رسولوں کو انبیاء پر فضیلت دی اور ہم کو ان کا وارث و جانشین بنایا اور ان پر فضیلت بخشی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علم نصیب فرمایا جس کو وہ پہلے رسول نہیں جانتے تھے، پھر آپ کا علم ہم کو بخشا اور انہوں نے آیت قل ملکیستوی الذین انزل علیہم الروح

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اگر صحیح الاسناد و مرئی کی جائے تو صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ائمہ علم و دین علم میں مرسلین سے بالا ہیں کیونکہ چھپے آنیوالا پہلے جانے والے کے علم سے پورا پورا واقف اور باخبر ہوتا ہے جب ایک شخص بعد کے زمانہ میں ہوگا تو وہ بلاشبہ سابقہ حضرات کے قیام و علوم پر حاکم و مستطاع ہوگا۔
 کہتے ہیں یہ ایک پہلو سے برتری علم پوری فضیلت ثابت نہیں کرتی چہ جائیکہ تمام معانی میں برتری ثابت کرے اس کی ایک مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ مثلاً ہمارے زمانہ کا ایک بخاری عالم جو حاکم، باب وافیہ اور نعمانیف، ابن مالک، ابن ہشام اور ازہری یا دیگر علماء نحو کے کلام پر عبور رکھتا ہو تو بلاشبہ ان مسائل میں اس کا علم سابقہ علماء نحو میں سے ہر ایک سے زیادہ اور برتر ہوگا کیونکہ یہ سابقین خود آپس میں ایک دوسرے کے نکالے ہوئے مسائل اور بارکیٹی طبع سے ناواقف تھے اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ عقل و افکار کے اجتماع سے علم کی تکمیل ہوتی ہے، اور اس موجود بخاری عالم نے ان تمام مسائل پر اطلاع پالی، لیکن اس کے باوجود وہ ان سابقہ علماء میں سے کسی ایک کے برابر بھی نہیں ہوگا۔ پھر فضیلت کہاں رہی اس لئے کہ کسی علم سے حافضیت حاصل کر کے اس میں غور و فکر کرنا عقل و شعور اور فکر و فہم سے مسائل کو جانچنا پھر مسائل کو دلائل سے سمجھنا اور ہر ایک کی اصل و بنیاد و دریافت کرنا اور نادر مسائل کو اپنی قوت تحقیق و تفتیش سے کلام عرب سے از خود ماخوذ کرنا اور ترتیب دنیا ہی وہ فضیلت ہے جس کے مقابلہ میں صرف ان مسائل کو رٹ لینے اور ازبر کر لینے کی کوئی حقیقت نہیں اس طرح اس زمانہ کے کسی منطقی کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اسلوب الفکر و عباراتی، اور بولی سینا سے برتر و بلند مرتبہ ہے، اگرچہ یہ ان سب کے بیان کردہ مسائل پر واقفیت رکھتا ہے، جب کہ ان میں سے ہر ایک کے یہ بات حاصل نہ تھی۔

اسی طرح کوئی بچہ اگر عربی سیفی پڑھ گیا، جو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خلیل بن احمد پر فوقیت لے گیا، اور پھر صفحہ دہائی دیکھ کر اسے برتری مان بھی لیں تو علم کی کثرت سے ثواب و صلہ کی کثرت لازم نہیں آتی اللہ تعالیٰ

کہ یہاں فضیلت کا معیار کثرت ثواب ہے کثرت علم نہیں، ورنہ تو ماننا پڑے گا کہ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فضیلت میں برتر تھے اور یہ بات بالا جماع صحیح نہیں،

اور پھر اگر یہ بھی مان لیں کہ کثرت علم ہی کثرت ثواب کو مستلزم ہے تو اس سے وہ علم مراد ہے جس پر اعتقاد و عمل کا دار و مدار ہے علوم زائدہ اس سے مراد نہیں اور آیت قرآنی هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ میں یہی علم عقیدہ و عمل مراد ہے،

اور ہر شے کو یہ علم بدرجہ کمال و تمام حاصل ہوتا تھا، اگر ائمہ کو یاد دوسرے علماء کو ان سے علم میں زیادتی یا برتری ہوگی تو وہ دوسرے علوم ہوں گے یہ نہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر نبی کو یہ اعتقادی و عملی علم بدرجہ کمال نصیب نہ ہوتا تو وہ تبدیلینی اور دینی احکام رسائی کی ذمہ داریوں سے کیسے عہدہ برآ ہو سکے گا، اور پھر بعثت کی عرض کیجئے اور کیوں کہ پوری ہوگی، وہوہر اشہبہ امام مسند ہلال کی دلیل میں یہ لوگ حسن بن کبیش کی ایک روایت بحوالہ ابی ذر یوں بیان کرتے ہیں،

قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنِي فِي أَبِي
طَالِبٍ وَقَالَ هَذَا خَيْرٌ مِنَ الْوَلَدِينَ وَأَنَا خَيْرٌ مِنْ أَهْلِ
الْمَنْفُوتِ وَأَنَا خَيْرٌ مِنْ مَنِيْنٍ۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی
طالب رضی اللہ عنہ کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا کہ یہ آسمانوں اور
زمینوں کے انگوں اور پچھلوں میں سب سے افضل ہیں،

پھر انہوں نے اسی حسن بن کبیش کی ایک اور روایت بحوالہ ابی ذر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لے لی
بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

”مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کا یہ کہنا بیان فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ تمام انسانوں
میں افضل ہیں، جس نے اس سے انکار کیا وہ کافر ہوا“

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ان روایات میں سے ہے جسکی روایت کرنے میں امامیہ منفرد اور تنہا ہیں کسی اور
نے یہ روایت نہیں کی اور ان کے راوی جیسے کچھ ہیں ان کا حال صفات ماضی میں بیان ہو چکا اور خود امامیہ کے نزدیک بھی
یہ دونوں روایات سند ٹھیک نہ ہونے کے سبب نظر اقبال سے کر چکی ہیں کہونکہ ان روایات کے رجال کی تحقیق پر حسن بن کبیش
اور اس کے بعد کے راوی مجهول الحال اور ضعیف ثابت ہوئے،

اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو بھی ان روایات سے ان کا مدعا اور مقصد ثابت نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم کے کلام میں اس قسم کی عام اور مطلق عبارات میں انبیاء کا مستثنیٰ ہونا ایک مشہور و معروف بات ہے اگر کسی کا ایک
مقام پر استثناء نہ ہو تو اسے دوسرے مقام پر قیاس کر سکتے، اور وہ عام جس کی تخصیص کر لی گئی ہو قابل محبت نہیں
اور پھر یہ محبت ظنی ہے معتقدات میں اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر عموم کو تسلیم بھی کر لیں تو عموم فی الاوقات یعنی ہر
زمانے میں، قابل تسلیم نہیں کیونکہ اس قسم کی فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بلا شک و نزاع
بالکل نہ تھی آپ اپنے زمانہ میں اولین و آخرین میں داخل ہوتے ہوئے، ہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل و برتر
تھے، لہذا آپ کے زمانہ کے علاوہ کوئی اور زمانہ مراد ہوگا یعنی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ تو اس زمانہ میں بلا شک
آپ سب سے افضل و برتر تھے اور اسے اہل سنت بھی مانتے ہیں۔ اس میں نہ کوئی خرابی ہے نہ عجیبی۔

تفسیر اشہبہ امام اس شہبہ کے محبت میں یہ لوگ ایک روایت تو سعد بن عبداللہ بن ابی خلف اشعری حمی کی پیش کرتے ہیں،

حمداً میں نے جناب ابی بکرؓ کے حوالہ سے کتاب قساوس میں نقل کی ہے، اور دوسری روایت محمد بن یعقوب کلینی کی ہے جو اس نے اپنی کتاب کانی میں بحوالہ جناب ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نقل کی ہے، دونوں روایات اللہ تعالیٰ کے فرمان قل انزل من اسرارہ کی تفسیر کے ذیل میں بایں الفاظ بیان کی گئی ہیں، **هُوَ خَلْقٌ عَظِيمٌ مِنْ جَبَدِیْلِ وَ مِیْکَائِیْلِ کَہ یُکَلِّمُ مَعَهُ أَحَدٌ مِمَّنْ مَعَهُ عَلَیْہُ خُفَّیْہُ وَ هُوَ مَعَهُ اَزْ وَجْہُہُ کَہ یَقْطَعُہُہُ وَ یُثَبِّتُہُہُ** رد خبر بیہ و میکائیل علیہما السلام سے بھی بڑا فوق ہے جو سوا حق تعالیٰ علیہ وسلم کے انبیاء سابقین کے ساتھ نہیں تھے، اور وہ ان کے ساتھ ہے وہ ان کو توفیق دیتی ہے اور مضبوط رکھتی ہے،

اسی تفسیر کا جواب یہ ہے کہ پہلی روایت کی سند میں ہشام بن سالم ہے جس کو سب جانتے ہیں کہ کڑو مجسمہ تھا اور حضورؐ اُنہ کی طرف سے پھٹکا اور لعنت کیا ہوا ہے اور دوسری روایت میں ابو بکرؓ ہے جو انہ پر جھوٹے بولنے کا خود معترف ہے، اور ان کے راز رسکے افشا کا اقرار ہی مجرم ہے،

اور بفرشِ عالی اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیں تو اس روایت کا معنوں جناب پیغمبر علیہ السلام اور ان کے کی عصمت کے صریح خلاف ہے اور منافی ہے اس لئے کہ انا ملق اور مؤذّب کا محتاج وہ ہو سکتا ہے جو خود مسموم نہ ہو۔ اسی لئے فرشتے انا ملق و مؤذّب کے اس لئے محتاج نہیں کہ وہ مسموم ہیں، لہذا اس صورت میں انبیاء سابقہ کے متناہیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ذات میں ایک واضح نقص ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام تو گویا خود بخود بنیاد کمال مسموم تھے کہ ان کو نہ کسی توفیقِ رسانی کی حاجت تھی نہ وہ کسی مضبوط کرنے والے کے ضرورت مند تھے۔ بخلاف اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے انا ملق کے ایسے محتاج تھے کہ جو ان کو ہر وقت راہِ راست پر رکھے اور بیدار! اس فاسد گمان و خیال سے اللہ اپنی نیاہ میں رکھے!

پھر ہم پرچھتے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی روح کا ہونا ان کی عصمت کے لئے شرط ہے یا نہیں ان دو ہی صورتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت نہیں اب اگر تمہارا جواب اثبات میں ہو تو یہ لازم آتا ہے کہ انبیاء سابقین علیہ السلام غیر معصوم تھے کیونکہ یہ روح ان کے ساتھ تم نہیں مانتے اور یہ بات بالاجماع غلط اور باطل ہے اور اگر جواب نفی میں ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کی عصمت کی نفی ہوتی ہے کہ وہ معصوم نہ تھے (غور فرمائیے) اس لئے ایک انامین کے محتاج ہوئے اور دوسرے پہلے سے تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کی افضلیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ پر ثابت ہوتی ہے کہ وہ تو اپنی عصمت کے لئے اس روح کے محتاج نہیں تھے اور آج جناب صلی اللہ علیہ وسلم روح کی وجہ سے معصوم تھے،

اب یہاں شیخ ابن بابریہ کی ایک تعلق قابلِ تماشہ ہے، اس نے اپنی کتاب الاعتقاد میں بڑی بلند آہنگی سے

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
 وَهُوَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
 مِنْ غَيْرِ حَيْدٍ إِنَّ اللَّهَ يُخَيِّمُ كَقَوْلِهِ مِنْ جَمِيعِ
 خَلْقِهِ وَبِشَيْءٍ

اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر سے
 افضل پیدا نہیں کی اور یہ اللہ کو سب دوسٹوں میں
 زیادہ محبوب اور عزیز سے زیادہ پیار سے ہیں اپنی تمام
 مخلوق سے برتر ان کو دوست رکھتا ہے۔

پھر یہی حضرت ابنی دوسری کتاب الامانی میں بھی روایت سے ایک لمبی حدیث میں جو جناب امیر ادریس بنی نصر اور بنی امیہ کے ہاں شادی کے قصہ پر مشتمل ہے۔ یہ روایت جناب صادقؑ سے نقل کرتا ہے،
 اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ لِنَسَاكِنِ الْجَنَّةِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالْاِنَامِ
 اَنْ تَرْسِلَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ لِيَرْكَبُوْهُ اَحَبَّ النَّسَاوِ
 اِلٰی مَنْ اَحَبَّ اِلَیْهِمْ اِلٰی بَعْدَ الْقَبِيْلَتَيْنِ۔
 ہے جو انبیاء کے بعد مجھ کو محبوب ترین انسان ہے،
 یہ روایت سناگندہ وصل کہہ رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کرام جناب امیر سے محبوب ترین اب جناب
 بابوہ کی اس اختلاف بیان اور تناقض کلامی کو کیا کہا جائے دروغ گور حافظہ نباشد شاید مزدوں سے اور یہ کوئی نئی بات
 نہیں ان کے ہاں تو مذہب و دلائل میں یہ تناقض اور اختلاف بیان شروع سے آخر تک ہے اور یہ بابوہ تو اس فن کے
 ماہر اور سب کے استاد مانے جاتے ہیں،

مزید بات آگے بڑھانے سے پہلے اسی مسئلہ زیر بحث کی ایک مثال پیش کر کے اس اختلاف بیان کو ظاہر کرنا
 چاہتے ہیں۔ مثلاً تمام امامیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام
 انبیاء سے زیادہ اللہ کو پہچانتے ہیں، اور اس بارے میں شیخ ابن بابوہ نے جناب ابی عبد اللہ سے یہ روایت بیان کی
 ہے کہ:-

اَنْتَ قَالَ لِعَلِّيْ يٰ اَعْلٰی مَا حُفِيَ اللّٰهُ اِذَا اَنَا دَاخِلْتُ
 وَلَا عَرَفْنِيْ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنْتَ وَلَا عَرَفْتَنِيْ اِلَّا اللّٰهُ
 وَاَنَا۔
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے
 علی اللہ کو مجھ سے اور تجھ سے بڑھ کر کسی نے نہیں پہچانا اور
 اور مجھ کو سوائے اللہ کے اور تیرے کسی نے نہیں پہچانا اور
 تجھ کو سوائے اللہ کے اور میرے کسی نے نہیں پہچانا۔

اور پھر خود شیخ بابوہ کتاب المعراج میں ایک طویل روایت میں بحوالہ ابوذرؓ لکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَنْتَ قَالَ لِمَا عَرَجَ بِيْ اِلَى السَّمٰوٰتِ جَادِثِيْ مَلٰئِكَةٌ
 كَلَّمُوْنِيْ وَكَلَّمُوْا عَلِيًّا وَقَالُوْا اِذَا مَا جِئْتَ اِلَى الْاَرْضِ
 قَا تَرُوْهُ عَلِيًّا وَمَا السَّلَامُ وَاَعْلَمُوْهُ اَنْ شَوْقًا لِّهٖ طَرِيْقٌ
 نَقَلْتُ لِهٖمْ يٰ مَلَكُوتُكَ تَرٰنِيْ هَلْ تَعْرِفُوْنَ سَاحِلَ الْكَلْبَةِ
 قَالُوْا لَعَنَكَمُ اللّٰهُ اِلَیْ الْاَرْضِ الْخَبِيْثَةِ
 جب مجھے آسمانوں کی طرف معراج ہوئی تو ہر آسمان کے
 فرشتے میرے پاس آئے اور مجھے سلام کیا پھر مجھ سے کہا
 کہ جب آپ زمین پر واپس ہوں تو علی کو ہمارا سلام پہنچائے
 اور فرمائے کہ آپ کے لئے ہمارا استیاق بہت بڑھ چکا ہے
 تو میں نے فرشتوں سے کہا کہ اسے میرے رب کے فرشتوں کی
 تم ہم کو خوب جانتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کو کیوں نہیں پہچانتے۔ الی آخرہ۔

اس روایت سے واضح اور صاف طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر آسمان کے فرشتے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا پہچانتے تھے جو پہچاننے کا حق ہے، تو پھر روایت بالا میں جو درجہ مرتبہ حضرت علیؓ
 وہ تو غلط ثابت ہو گیا، یہاں بھی شیخ بابوہ کو دروغ گور حافظہ نباشد کا ہی اعتراف دیا جاسکتا ہے،

اور پھر روایت اول میں صراحت سے اس بات کا بھی پتہ چلا کہ انبیاء و رسول کو بظاہر اصل معرفت اور وہ پردہ حق معرفت حاصل نہ تھی اور جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت جیسا کہ معرفت کا حق ہے حاصل نہ ہو وہ نبوت و رسالت کے قابل کب اور کیسے ہو گا۔ اور روایت مذکور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ائمہ اطہار مثلاً جناب حسین رضی اللہ عنہما اور آپ کے بعد کے لوگوں کو حق معرفت نصیب نہ تھی حالانکہ یہ بات طردان کے مذہب کے بھی خلاف ہے،

انبیاء کرام علیہم السلام اور ائمہ کی تفصیل کے سلسلہ میں ان کے شبہات بطور نمونہ بیان کرنے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کے متعلق جو غلو اور حد سے تجاوز ان کے ہاں پایا جاتا ہے اور انبیاء کی تحقیر و اہانت یہ کرتے ہیں رسالت کی مناسبت سے مختصراً اس کو بھی بیان کر دیا جائے تاکہ بندہ مومن کو ان سے میل جول اور نشست و برخاست کے سبب قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے شرمندگی نہ ہو اور ائمہ و اولیاء و صلحائے امت کے حق میں جو اختلاف ہو رہا ہے، اس میں جادۂ اعتقاد سے نہ بہٹ جائے،

پہلا غلو۔ ائمہ کے حق میں غلو اور انبیاء کرام کی نسبت تحقیر کی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کی پیدائش ائمہ کے منہ میں ہے اور عارضی ہے، اصل مقصد تو ائمہ کی پیدائش ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ اصل کو طفیلی کا نائب مقرر کریں اور کہیں کہ اصل کا تقرر معنی نائب کے تقرر کی وجہ سے ہے، حالانکہ یہ بات خلاف عقل ہے اس غلو کے حق میں دلیل وہ روایت ہے، جو شیخ مفید یعنی محمد بن نفعان استاد شریف مرتضیٰ اور شیخ ابو جعفر طوسی نے محمد بن الحنفیہ سے نقل کی ہے۔

انہوں نے کہا کہ۔

قَالَ قُلُوبُ الْمُؤْمِنِينَ سَيِّئَةٌ سَأُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَنَا سَيِّئَةُ الْإِنْبِيَاءِ وَأَنْتَ سَيِّئَةُ الْوَلَدِ مِمَّنْ لَوْ أَنَّكَ تَخْلُقُ اللَّهُ الْجَنَّةَ يَا عَلِيٌّ وَلَا الْمَلَكُوتَ وَلَا الْإِنْبِيَاءَ۔

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نبیوں کا سردار ہوں اور تم و صبیوں کے اگر میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نہ جنت پیدا کرتا نہ فرشتوں کو اور نہ انبیاء کو۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ روایت اس قوم کی من گھڑت روایتوں میں سے ایک ہے کیونکہ لفظ لولا کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کے متبع یعنی ناممکن الوقوع ہونے پر دوسری چیز بھی ناممکن الوقوع ہو اور یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایک چیز موقوف و محتاج ہو دوسری چیز کی ورنہ پھر ایک کا اقتضاء دوسری پر کس طرح متصور ہو گا، اور یہاں ایسا نہیں ہے یعنی تمام انبیاء کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف نہیں ہے اگر کسی قسم کا توقف ہو سکتا ہے تو انہیں حضرات کے باپ و دادا یا ان پیغمبروں کی نسبت ہو سکتا ہے جو اسی سلسلہ میں ہیں، اور یہ توقف بھی نسبی سلسلہ میں ہو سکتا ہے نہ نبوت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی پیدائش سے صرف نسل جاری ہو جائے اور وہ پیغمبر نہ ہوں اور فرشتوں کے حق میں تو اتنے کا بھی امکان نہیں زیادہ سے زیادہ وہ فرشتے جو آپ کی حفاظت و نصرت و امداد پر مامور ہیں، یا اعمان مہ لکن پر متعین ہیں یا جنت میں اس جگہ کے فرشتے جو آپ کے یا آپ کے متعلقین کے لئے نازل ہیں پیدائش کے جاتے لہذا اول تو یہ حدیث صحیح نہیں پھر اگر صحیح بھی ہوتی تو اس کے متقی معنی مراد نہ ہوتے بلکہ غرضی معنی اللہ تعالیٰ کی عنایت بیان کرنا ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب امیر رضی اللہ

عہد پر تھی ۱۔

اب چونکہ حقوق کی ہدایت و رشد کے دور ملتے ہیں ظاہر و باطن، ظاہر کا سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارتقا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہیں اور باطن کے اکثر طرف اور سلسلوں کا سرچشمہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ہر دو طریق کا منبع و منجم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،

اور سب کچھ انبیاء و اوصیاء سے پہلے ہی مقدور ہو چکا تھا تو یہ چیز صرف جناب امیرِ مومنین اللہ عنہ کی انبیاء پر فضیلت ثابت نہیں کرتی، کیونکہ مجموعہ کی مجموعہ پر تفصیل آپس میں آماد کی تفصیل کو مستلزم نہیں، تو آماد کی تفصیل مجموعہ پر کیسے مستلزم ہو سکتی ہے

دوسرا غلو ۲۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ائمہ کی ولایت کی تعلیق اور ان کی اطاعت پر فرشتوں اور انبیاء سے عہد لیا تھا ان کی بات بھی عقل کے سراسر خلاف ہے، کیونکہ ایسی صورت میں جب کہ ائمہ کے زمانہ میں انبیاء کا موجود نہ ہونا قطعی طور پر معلوم ہے، ایسا عہد لینا بیکار محض ہے، جب وہ موجود ہی نہیں تو ایسا عہد سے کس طرح عہدہ بردار ہو سکتے ہیں کیونکہ کسی عہد کی اکثر و بیشتر فرض نصرت و حمایت اور امانت و امداد ہوتی ہے یا محاسن اور خوبیوں کا بیان یا اشاعت اور جب زمانہ ہی دونوں کا ایک نہ ہو تو عہد بیکار اور لغو رہا سب اگر کسی کو اس پر شبہ ہو کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق و مدد پر بھی تو انبیاء سابقین سے عہد لیا گیا تھا تو اس کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصریح اور آپ کے محاسن و مناقب آسانی کتابوں میں بڑی تصریح کے ساتھ نازل ہو چکی تھیں اور ضرورت کے وقت ان کو ظاہر کرنے کے لئے اہل کتاب کا موجود ہونا بھی قطعی الثبوت تھا۔ لہذا ان انبیاء سے عہد لیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق آسانی کتب میں جو نازل کیا گیا ہے ان ائمہ کے متعلق اپنی امت کو بتاؤ اور ان کی ان میں تبلیغ کرو اور ان کو تاکید کرو عہدے کران کو پابند کرو کہ نسل در نسل اور پشت در پشت ملازم و کاست ان نفوس کی حفاظت کریں ان کو تازہ رکھیں۔ اور جب ان کے ظاہر کرنے کا وقت آئے تو پوری سیالی سے ان کو ظاہر کریں لیکن امامت ائمہ کا معاملہ ایسا نہیں ہے نہ وہ انبیاء سابقین کی کتابوں میں نازل ہوئی نہ ہی ام ماسبق میں وہ رائج ہوئی اور نہ ہی اس کے اظہار کی کبھی ضرورت پیش آئی اس لئے کہ امامت و خلافت کو نبوت کی نیابت اور نائب ہے یہ تو نبی کے حکم سے ثابت ہوتی ہے اہل کتاب کی طرف اس کے ثبوت و اثبات کے لئے رجوع کرنے کی تک ہی کیا ہے اور ضرورت کو نبی سے اور اگر اہل کتاب اندر خود اس معاملہ میں لب کشائی کریں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں،

اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ امامت کے لئے عہد ضروری ہے تو پھر ایسا ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے عہد و میثاق لیتے ان سے دست برداری تحریر کر کر اپنی مہر سے اسے منگوتربین فرما کر جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالہ فرماتے،

یہ کیا بات ہوئی کہ موجود متعلق حضرات کو نظر انداز کر کے غیر متعلق وغیرہ موجود غیر متعلق حضرات سے عہد لیا گیا جسکو خود اور نہ ان کے پیروکاروں کو معاملات امامت و خلافت کے غصب و تسلیم سے کوئی تعلق اور کچھ سروکار نہیں،

اور اس لغو و بیہودہ غلو کی دلیل وہ روایت ہے جو محمد بن حنفیہ نے محمد بن مسلم سے اور انہوں نے جناب ابی جعفر سے بیان کی ہے وہ کہتے ہیں۔ **إِنَّ اللَّهَ أَخَذَ مِنَّا الْقَبْضَيْنِ بِلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي تَالِبٍ** اللہ تعالیٰ نے ہمیں سے

ولایت علی بن ابی طالب کا عہد لیا ہے، اس کے علاوہ محمد بن بابویہ کی اس روایت سے بھی یہ سند لاتے ہیں جو اس نے دائود
 رقی کے حوالہ سے ابی عبد اللہ سے اپنی کتاب کتاب التوحید میں ایک طویل روایت کے ذیل میں بیان کی ہے جو یہ ہے،
 کُنَّا نَمَازُ اللَّهَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ فَخَرَّ هُذَيْلٌ بِلَيْتٍ يَدِيهِ
 وَقَالَ مَنْ أَنَا لَكَ أَنْ تَقُلَ مَنْ لَقِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَأَوْصِيَتُهُ فَقَالَ أَنَا
 رَبُّنَا فَخَرَّ هُذَيْلٌ لِيُحْمِلَهُ وَأَذْنُ ثَمَّةَ قَالَ يَنْدِيكَ هُوَذَا
 حَمَلَةٌ عَلَيْهِمْ وَوَيْعٌ وَأَمَّا نَتِي مِنْ خَلْقٍ ثَمَّةَ قَالَ لَيْتَنِي
 أَدْرَأْتُ رَأْيِي بِاللَّهِ بِاللَّهِ بِتَيْبَةٍ وَهَلْ لَوْلَا الشَّعْرُ بِالْقَامَةِ
 لَقَالُوا لَنَعْمَ رَبَّنَا أَكْرَمُ نَا۔

جب اللہ تعالیٰ نے خلق مخلوق کا ارادہ کیا تو ان کو اپنے
 سامنے پھیلا یا اور ان سے پوچھا میں کون ہوں جواب
 میں سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امیر المؤمنین
 اور ان کے بولے آپ ہمارے رب ہیں! پھر اللہ تعالیٰ نے ان
 کو علم و دین کا حامل بنایا۔ اور فرشتوں سے مخاطب ہو کر
 فرمایا کہ میری مخلوق میں یہی وہ ہیں جن کو میں نے علم دین
 اور امانت کا حامل بنایا پھر بنی آدم سے کہا اللہ کی ربوبیت

تسلیم کرو اور ان لوگوں کی اطاعت مانو تو سب نے عرض کیا اے ہمارے رب ہم اس کا اقرار کرتے ہیں۔

ان دونوں روایتوں میں فرشتوں سے عہد کا ذکر نہیں۔ دوسری روایت میں فرشتوں کے سامنے ان حضرات کے
 صرف فضل و شرف کا اظہار کیا ہے، ویسے بھی ملائکہ سے عہد لینا قرین قیاس بھی نہیں اسی لئے فرشتے کسی یشاق میں
 داخل نہیں اس لئے کہ یشاق تو دراصل مکلفین سے ہوتا ہے، جن سے طاعت و نافرمانی ہر دو کا احتمال ہوتا ہے فرشتوں
 میں تو صرف طاعت و نافرمانی ہی کا یہ ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے کہ ان کی صفت نورانیہ
 اللہ مَّا أَمَرَ هُذَيْلٌ تَسَاءَلْنَا نَعْرِضُ بِيَانِ فَرَادَى هِيَ اس لئے ان سے عہد لینے کی ضرورت نہ تھی۔

اس مذکورہ بالا دوسری روایت میں انبیاء علیہم السلام سے بھی یشاق کا ذکر نہیں بلکہ بنی آدم سے جو سب کو شامل
 ہے عہد لیا ہے اور یہ بات بطور قاعدہ مشہور ہے کہ کوئی ایسا کام عام نہیں جس سے بعض کی تخصیص نہ کی گئی ہو اس
 کے علاوہ اس عہد میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب امیر اور ائمہ کی اطاعت پر اعضاء معلوم ہوتا ہے اور دیگر اولوالعزم
 پیغمبروں کی جو اطاعت بلاشبہ واجب ہے اس کو غالباً بطور بدائمی دوسرے وقت پر مصلحتاً اشارہ کیا ہوا،

اب ان کے مفید مطلب وہ خاص روایت ملاحظہ فرمائے جو شیخ بابویہ ہی کی زنجیل سے نکلی ہے یہ روایت بحوالہ
 ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی گئی ہے روایت طویل ہے اس کا یہ ٹکڑا ملاحظہ کیجئے،
 أَقْبَلْنَا أَسْرَى بَابًا وَكَلَّمَكَ تَمِيمٌ قَالَ كَلَّا هُوَ
 رَأَيْتُكَ سَأَلْتَنِي إِلَى عِلِّيٍّ وَإِنِّي عَلِيٌّ وَأَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ
 أَخَذْتُ مِنْ يَمِينِي وَتَمِيمٌ وَكَلَّمَكَ لَيْثٌ وَتَمِيمٌ
 خَلْقٌ يُولَدُ بَيْتَهُ۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج حاصل ہوا آپ
 کا رب آپ سے بولام ہوا تو گنگو کے بعد فرمایا اب شک
 آپ میری مخنون کے لئے رسول ہیں اور علی و امیر المؤمنین
 یعنی پیروں، اپنے فرشتوں اور اپنی ساری مخلوق سے

اس کی ولایت پر عہد لیا ہے۔

اب صفار ابن بابویہ اور ان کے راوی خصوصاً محمد بن مسلم کا جو حال ہے اور جو خطاب و القاب ان کو علماء
 رجال کی طرف سے ملے ہیں وہ ردین و ظاہر ہیں اس کے علاوہ کچھ روایات کے انشاء کی کمزوری خود ان کے کذب
 و انحراف پر عادی گواہ ہے۔

اور پھر خدا کے فضل و کرم سے اہل سنت کو کسی کد و کاوش کی بھی ضرورت نہیں کہ وہ ان روایات کی توہین یا تنقیف کریں یا ان من گھڑت روایات کی تاویل و ترجمہ میں اپنا وقت، اپنی توانائی ضائع کریں۔ کیونکہ شریف مرتضیٰ نے جو شیعوں کی طرف سے علم اٹھادی اسکے خطاب سے متعسف ہے اپنے لقب کی شرم رکھتے ہوئے اپنی کتاب الدرد والغور میں ان روایات عیاشی کی بڑے شد و مد اور مستحقی سے تکذیب و تردید کی ہے اور آخر میں ان کے اقرار کو کذب کا قطعی فیصلہ دیا ہے، و کفی اللہ المؤمنین القتلا (لڑائی میں مومنوں کے لئے اللہ ہی کافی ہے)۔

تفسیر غلو ۱- یہ کہتے ہیں کہ انبیاء نے ائمہ کے انوار سے اقتباس کیا ہے اور ان ہی بزرگوں کے نقش قدم چلے ہیں بھلا یہ بات عقل میں آنے والی ہے کہ پہلے والا پچھلے کی اقتدا کرے اور اس سے انوار حاصل کرے اگر یہ کہا جائے کہ ان کو وحی و الہام سے ائمہ کے حالات معلوم ہوتے تھے تو پھر سوال یہ ہے کہ اتنے گھماؤ پھلاؤ کی کیا ضرورت تھی اصلانہ ان کو طریقت کی تعلیم کیوں نہ ہوئی اس طول عمل میں مصطحت کیا تھی کہ فلاں فلاں آئندہ ایسا کرے گئے تم بھی ان کی اتباع کرو۔ سیدھے سیدھے یہ کہا جاسکتا تھا کہ فلاں فلاں طاعت انجام دو۔

ہر عقلمند پر یہ بات روشن ہے کہ کسی کی اتباع کر دیا اس سے اقتباس انوار کا مطالبہ اس وقت کیا جاسکتا ہے کہ بے واسطہ راہ نجات کی معرفت اور درجات تک وصولی اس کو نصیب نہ ہو اور جب کہ ان انبیاء سے وحی کا رابطہ تھا ان سے پیغام و گفتگو جاری تھی ان پر کئی ہیں حکم احکام سب براہ راست نازل اور پہنچ رہے تھے تو پھر کیا ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کو غیر کی اتباع کا حکم دیا اور پھر کسی تاریخ سے یا کسی شرعی و معنی خبر سے یہ ثابت نہیں کہ کسی نبی نے روزہ بنا کر رکھا، حج اور دوسری عبادات و معاملات کو بحکم الدین ابو القاسم کی یا جامع عباسی عالمی کی شریعت کے مطابق جو ان کے نزدیک ائمہ کے آئین و طریقہ کے مطابق ہیں انجام دی ہوں۔ اور نہ ان انبیاء کی امتوں میں یہ طریقہ رائج تھا ان حالات میں انبیاء کرام کا ائمہ کی اتباع کیا معنی رکھتے ہیں،

اس غلو کے لئے بھی حجت ابن بابویہ ہی کی زنجیلی روایت سامنے آتی ہے یہ جناب ابی محمد حسن عسکری کا ایک خط

ہے لہذا بن بابویہ کے علاوہ دوسرے امامیہ نے بھی اس کی روایت کی ہے، وہ یہ ہے،

میں اللہ سے اس قوم سے پناہ مانگتا ہوں جس نے قرآن کی ظاہر الثبوت آیات کو حرکت کیا، اپنے رب، نبی، اساقی کو کر موم حساب، آتش و دوزخ جو بڑی آفت ہے اور پرہیزگاروں کی نعمت کے گھر کو جھلادیا پس ہم بڑی شان و مرتبہ کے لوگ ہیں نہرت ہم میں ہے ولایت و کرم ہم میں ہے اہم ہدایت کے مینار اور مضبوط سہارا ہیں انبیاء ہمارے انوار سے اقتباس کرتے تھے اور ہمارے نقش قدم پر چلتے تھے مقرب

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ قَوْلِهِمْ خَلَقُوا الْمَكَمَاتِ الْكَلْبِ وَنَسُوا حَتَّى الْأَرْبَابِ وَالنَّبِيِّ وَسَاقَى الْكُفْرِ يَوْمَ الْحِسَابِ وَنَسُوا السَّامَةَ الْكُبْرَى وَنَعِيمَ دَارِ الْمُتَّقِينَ فَفَعَلُوا أَيْتَانَهُ الْأَعْظَمَ وَفَعَلُوا النُّبُوَّةَ وَالْوَلَايَةَ وَالْكَوْمَ نَحْنُ مَنْدَرُ الْفَنَاءِ وَالْعُرْوَةُ الْوُثْقَى وَالْأَنْبِيَاءُ كَالْأَيْقِيَانِ مِنَ الْوَأَمَانِ وَنَقِصُوا أَمَارَنَا وَسَيَطَرُوا حُجَّةَ اللَّهِ عَلَى الْخَلْقِ وَالْأَيْقِيَانِ الْمُسْكُونِ لِأَفْظَاهَا رَاغِبِينَ

انظہار حق کے لئے اللہ کی حجت اور ننگی تموار مخلوق پر ظاہر ہوگی،

خط کی یہ عبارت من گھڑت ہے، اپنی طرف سے جناب عسکری کی طرف منسوب کر دی، اس سلسلہ میں اس فقرہ کی زبردستی کا یہ حال ہے کہ بھوٹوں بھی سینے میں کہ یہ فلاں امام کا خط ہے تو بے کھٹکے فوراً اعتماد کر بیٹھتے

ہیں، اور اس سے دینی مسائل نکالنے شروع کر دیتے ہیں، اتنا نہیں سوچتے کہ خط ہی ایسی دستاویز ہے جن میں جعل سازی اور دھوکہ بازی عام بات بھی ہے، اور آسان بھی ہے خصوصاً ایسے بزرگوں کے خطوط میں جو خود موجود نہ ہوں کہ ان کو جھٹلا سکیں نہ ہی ان کے خطوط کی کیا ہی کے سبب ان کی پہچان اور شناسائی کی کوئی مہارت اور شیخ ابن بابویہ پر جبریت ہوتی ہے کہ اپنی کتاب الہ اعتقاد میں بڑی بڑی قسمیں اٹھا کر اہل سنت پر جھوٹ کا طواریاں باندھتے ہیں، کہ وہ ہمارے لئے یہ کہتے ہیں کہ ہم (شیعہ) کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں اور اس کی آیات و سورتوں کو ساقط کرتے ہیں اور پھر خود ہی ایسی موضوع روایت کو جس کا مضمون اور یہ مذکور ہو اپنی کتابوں میں نقل بھی کرتا ہے اس کے لئے یہاں بھی وہی دودھ گورہا حفظہ نباشد والا عذر ہی مناسب ہے ناظرین کو ہمیشہ اسے یاد رکھنا چاہیے،

چوتھا عنوان یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن جناب امیر رومی اللہ عنہ آگے آگے ہوں گے اور انبیاء کرام علیہم السلام ان کے پیچھے! اس کی دلیل میں وہ روایت پیش کرتے ہیں، جو محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں ابی الصامت علوانی کے واسطے سے جناب ابی جعفر سے منقول ہے کہ یہ

”امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے آگے سوائے احمد علیہ السلام کے اور کوئی نہ ہوگا۔“

اور دوسری روایت وہ ہے جو فضل بن شاذان نے کتاب القام میں بسند صالح بن حمزہ عن حسن بن عبد اللہ عن ابی

عبداللہ بیان کی ہے،

فَرَايَا امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَوَجَّهَ وَجْهَهُ
إِلَى أَحْمَدَ صُلَاحِ الْإِسْلَامِ وَوَجَّهَ وَجْهَهُ إِلَى جَبِيْمِ الْمَلِكِيَّةِ
وَالرُّسُلِ وَالرُّوْحِ خَلْفَنَا،

اس مضمون کی ان دو روایتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی گھڑ رکھی ہیں، جو سادہ کی سادہی ان کی خود ساختہ و پرداختہ ہیں، اگر کوئی بھی انبیاء سے بلند درجہ ہونا تو قرآن مجید میں اس کی تعظیم و توقیر کی اور اس کے مرتبہ پر ایمان لانے کی دعوت کھلے اور واضح الفاظ میں دی جاتی۔

چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں یہ عمل بہت ناگیا ہے ورنہ تو ترک لطف لازم آتا ہے، کہ مکلفین کو ایسے شخص کے مرتبہ اور درجہ سے ناواقف اور تاریکی میں رکھا گیا ہے اور یہ بے چارے بے خبری میں نہ اس پر ایمان لاسکتے ہیں اور نہ ان کی کماحقہ ترقی و تعلیم بجا لاتے ہیں،

اب ایسی آحاد روایات کہ جن کو سوائے ان چند بھڑوٹوں کے کوئی نہیں جانتا ایسے اعلیٰ و اشرف مقاصد اصول عقائد میں کیسے کافی ہو سکتی ہیں اور ان گہ باز یوں یا کاغذی گھروندوں سے مسکلفین پر محبت کیسے قائم ہو سکتی ہے۔
پانچواں غلو :- اس کے بارے میں یہ کہنے میں قیامت کے دن جناب امیر و ائمہ کا درجہ انبیاء سے بلند و بالاتر ہو گا شیخ ابن بابویہ نے اسی باب میں بھی معانی الاخبار میں چند روایات بیان کی ہیں ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو خالد بن یزید نے امیر المؤمنین سے بیان کی ہے قَالَ اَنَا يَزِيدُ هَذَا الْقِيَامُ عَلَى الدَّهْرِ حَتَّى تَفِيْعَةَ دُونَ دَهْرٍ حَتَّى تَنْهَى وَ اَمَّا اَلْاَنْبِيَاءُ وَ الرُّسُلُ فَدُمْنَا عَلَى الْمَدَائِنِ رَأَيْتُ نَبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ سَبَّ

سے بلند درجہ پر ہوں گا اور باقی انبیاء و رسل ہم سے نیچے زینوں پر ہوں گے،
اور امالی میں جناب ابی عبد اللہ اپنے دادا امیر المومنین سے یوں روایت کرتے ہیں کہ:-

قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ
أَنْتَ آخِرُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَنْتَ أَكْرَبُ الْخَلْقِ
لِي بِمَا لَقِيَا مَعَنَا فِي الْمَوْثِقِ بَيْنَ بَنِي الْجَبَّارِ -
مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ اے
علی تو دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے، اور قیامت کے
دن جبار کے ساتھ کھڑے ہونے میں تو مجھ سے تمام مخلوق
سے زیادہ قریب ہو گا۔

اور روایت کی سعادت نے اربعین میں ابی صالح سے اور اس نے سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) سے اور انہوں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے کہا،

”جب قیامت کا دن ہو گا تو آپ کے لئے منبر عرش کے دائیں جانب کیا جائے گا اور باقی انبیاء کے لئے بائیں
جانب اور اس کے سامنے آپ کے پہلو میں بطور اعزاز و اکرام جناب علی کی کرسی لگائی جائے گی،“

اسی طرح کی اور بھی بہت سی روایات جو من گھڑٹ ہی ان کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں بالقرن ان روایات کی صحت
تسلیم بھی کر لی جائے تب بھی یہ روایات انبیاء پر ائمہ کی فضیلت ثابت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں دیتیں اس لئے کہ ان
روایات کا زیادہ سے زیادہ مقدمہ اور فائدہ یہی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدمہ اور طفیل میں آپ کی ذریت
کے بعض افراد کو بعض مقامات پر تمام مخلوق پر تقدم حاصل ہو گا اور اس قسم کے ضمنی تقدم اور تفوق سے کسی برتری کا
کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ مثلاً بالا جماع یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں سے پہلے جنت میں
داخل ہو گی اور ہر نبی اپنی امت کے ساتھ ہو گا تاکہ ہر امت کی تک گھاٹی سے بھلائی ان کو گزار لی جائے۔

لہذا اس پہلو سے ساری امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیغمبر علیہ السلام کے طفیل دیگر انبیاء اور ان کی امتوں سے
داخل جنت میں تقدم حاصل ہو گا تو اب چاہیے کہ اس امت کے ہر فرد کو انبیاء پر برتری و فضیلت ہو جائے تاکہ سب ہی کے
نزدیک ساری امت انبیاء سے افضل نہیں ہے اور یہ فضیلت نہ عقل کی رو سے درست ہے نہ بلحاظ شرع و عرف مثلاً
شاہی قلعہ میں اگر ایک امیر اپنے خدام کے ساتھ دوسرے امراء سے پہلے داخل ہو جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس
امیر کے خدام کو پہلے داخل ہو جانے کے سبب دوسرے شاہی امراء پر تفوق و برتری حاصل ہو گئی،

عقیدہ دوم انبیاء علیہ السلام گن ہوں سے پاک ہیں۔ اور یہی اہل سنت کا عقیدہ و مذہب ہے البتہ بطور تشریع
تقریری سے تفصیل یہ ہے کہ کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا فقہاء کسی نبی سے
سرزد نہیں ہوتا البتہ بھول چوک سے ایسے معمولی امور پیش آ جاتے ہیں جن کو ترک کہتے ہیں، یعنی قدم پھسلان کی طرف
گناہ کی نسبت صحیح نہیں اس وقت ان کی کیفیت اس راہ مد کے مشابہ ہوتی ہے جو راہ درست پر ہونے کے باوجود راستہ کے
دو طرفے یا پھسلنے پر نظر نہ کر سکنے کے سبب ٹھوکر کھائے یا پاؤں رپٹ جاتے،

اس قسم کے مسائل میں ایک بات تو ہر دم یہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کے ساتھ جو بھی معاملہ کرے
یا کسی انداز و الفاظ میں ان کو یاد کرے اس نے مخلوق کو اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ ان الفاظ کو نبی کے لئے استعمال
کر دیں، اللہ تعالیٰ کو یہ سولہ آئے حق سہم کہ وہ جس کا چاہے جو نام رکھے جس لفظ سے چاہے خطاب کرے ہمیں اس کی

رہیں کی اجازت نہیں۔ وہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کے لئے "غصا آدم" کہہ سکتا ہے مگر کسی بندہ کو ایسا کہنے کی نہ اس نے اجازت دی نہ حق، یوسف علیہ السلام نے بھائی کی خوجی میں خود ہی بیکار رکھ دیا اور پھر خود ہی قافلہ والوں پر چوہی کا الزام لگا یا نظاہر تو یہ نازیبا بات تھی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کن تک کدنا یوسف یہ تدبیر ہم ہی نے یوسف کو بتائی تھی تو اب اسے کون نازیبا بات کہہ سکتا ہے سورہ منافقون کی شروع آیت پر طے یہ منافق آپ کے پاس آکر بتا کہ شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ بھی مانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں، تو یہاں سچی بات کی گواہی دینے والے کو کوئی جھوٹا نہیں کہہ سکتا مگر اللہ تعالیٰ کو اس کا حق ہے،

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو جس طرح بھی مخاطب کرے بندوں کو اس کی نقل جائز نہیں بندوں کو بھی اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ہر وہ بات جس پر شرعاً گناہ کا اطلاق ہو سکے خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، قصد او عدا ہو، بھول چوک سے انبیاء علیہم السلام ان سے پاک اور معصوم ہیں نعمانی،

پھر اہل سنت نے یہ بھی کہا ہے کہ ایسی معمولی باتیں جو خست یا دنائت طبع کے سبب ہوں وہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھول چوک سے بھی سرزد نہیں ہوتیں کہ ان کی وجہ سے بدشت کی غرض و غایت پر حرف آسکتا ہے اور لوگوں کو ایسی صورت میں اتباع میں تفر ہو سکتا ہے،

مرتبہ نبوت اور مقصد بعثت کا فطری تقاضا یہ ہے کہ جو اس اعزاز سے مشرف کئے جائیں، وہ معصوم عن الغلط ہوں گناہوں کے صدور سے ان کو پاک رکھا اور مانا جائے کیونکہ اگر ان سے گناہوں کا صدور ممکن بنانا جائے تو،
(۱) یہ ان کی دعوت و تبلیغ میں قوی فعلی تناقض ثابت کرتا ہے۔ کہ امت کو گناہوں سے بچنے اور اپنے اتباع کی دعوت کے ساتھ خود ایسا نہیں کرتے۔

(۲) گناہ پر بندے مستحق عذاب ہوتے ہیں، بلکہ مقربین کو تو دو چند عذاب کی وعید ہے ایسی صورت میں ان کا مستحق عذاب ہونے والا کام کرنا منصب نبوت کے خلاف اور منافی ہے کیونکہ نبی تو اپنی امت کی نیکی و بدی کا گواہ اور ان کا شفیع ہونا ہے، اور جب وہ خود ہی اپنے کام میں قاصر ہوا تو کیسے شفاعت کرے گا اور کیسی گواہی دے گا۔

(۳) اگر نبی سے بھی صدور گناہ مان لیا جائے تو پھر وہ جابر حاکموں کے مانند ہو جائیں گے کہ لوگوں کو تو بد اطواروں پر ڈانٹ ڈپٹ کرتے اور سزائیں دیتے ہیں، مگر خود انہیں بد اعمالیوں کے مرتکب ہوتے ہیں حالانکہ جابر حاکم اور نبی کی روش میں فرق ہونا چاہیے،

(۴) اگر وہ بھی گناہ کریں۔ تو اللہ کی طرف سے گناہ کی جو عقوبت اور سزا ہے، اس کا مستحق بننے سے کیسے بچیں گے۔

(۵) اگر یہ گناہ کریں تو جب وہ امت پر ظاہر ہوں گے تو وہ ان کی اطاعت کہاں کریں گی اس کی دل میں جو عزت و وقار ہے، وہ ختم ہو جائے گا۔ وہ پھر ان کی کسی بات کی بھی تصدیق نہ کر لگی۔

یہ چند ظاہری وجوہ ایسی ہیں، کہ ان کا تقاضا ہے کہ نبی، ہر قسم کے گناہوں اور لغزشوں سے پاک اور معصوم ہو۔ اور اہل سنت ہمہ جہت نبی کو معصوم اور گناہوں سے پاک مانتے ہیں،

مگر امامیہ کا ایک فرقہ یعقوبیہ اس کا قائل ہے کہ انبیاء سے گناہ کا صدور جائز ہے، یہ فرقہ جس عقیدہ کا اظہار کھلے الفاظ میں کرتا ہے بقیہ تمام امامیہ درپردہ سمجھوائی کرتے اور اپنی کتابوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے

ان لوگوں کی مذکورہ بالا روایت کی اصلیت و حقیقت یہ نہیں ہے جو انہوں نے بیان کی ہے، بلکہ سوال و جواب کا یہ واقعہ ایک اعرابی کا ہے۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ پوچھا یا مُحَمَّدُ اَلْبَعِیْثُ سَمِیْعًا فَنُذِرُکَ اَمْرًا قَرِیْبًا فَنُفِیْکَ جَنَّةً۔ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارا رب و در ہے کہ ہم اسے آواز سے پکاریں یا قریب ہے کہ سرگوشی کریں، اعرابی نے تو اپنی فہم و سمجھ کے مطابق ایک عام سا سوال کر دیا تھا، مگر اس سوال کے جواب کے بہت سے نازک اور دقیق گوشے بھی تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح تھے اور آپ کے جواب کا تعلق صرف اسی اعرابی تک محدود نہیں تھا بلکہ ما جان فہم و شعور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم جو حاضر تھے یا جن تک یہ جواب پہنچا ان سے بھی اس کا تعلق تھا اس لئے آپ نے فوری جواب دینے میں کچھ تامل فرمایا،۔

قرآنہ تعالیٰ نے اس کا جواب اپنے ذمہ لے کر فرمایا، اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاَقْبِلْ قَرِیْبًا جِبْ مِیْلًا رَّحِمًا۔ آپ سے میرے متعلق سوال کرتا ہے تو میں ان سے قریب ہوتا ہوں، اس آیت سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دور نہیں نزدیک ہی ہیں، گو یہ نزدیک مکان نہ ہو اس لئے نزدیکی مکانی کے جو فوائد و آثار مرتب ہوتے ہیں وہ یہاں بھی حاصل ہیں، اسی لئے اس سے کہے غمزدہ فرماتا ہے، اُحِبِّبْ مَطْلِقَ الدَّاعِ اِذَا دَعَاكَ مِنْ اَسْفَلِیْہِمْ پکارنے والے کی پکار کو جب وہ مجھے پکارتا ہے سنا ہوں۔

اگرچہ یہاں ان الفاظ کے حقیقی معنی مراد نہیں لیکن خدا تعالیٰ کی ہدایت کا طریقہ یہی ہے کہ ہم کے قیدیوں کو انہیں کی معلومات اور اوہام کے مطابق جواب دیتا اور تسلی خاطر کرتا ہے یہ اعرابی چونکہ وہم کا قیدی اور حواس کی بندشوں میں جکڑا ہوا تھا، اور وہ اللہ تعالیٰ کے قرب و بعد کو بھی اسی پیمانے سے ناپتا تھا، جیسے دوسری اشیاء کو جو اس کے سامنے تھیں اس لئے کہ جب ایک موجود شئی کا مقابلہ دوسری موجود شے سے کیا جائے تو وہ یا اس کے قریب ہوگی یا بعید اس کی محدود سمجھ میں یہ بات کسی طرح آ ہی نہیں سکتی تھی کہ شے موجود بھی ہو اور اس قسم کے مکان و جہت اور قرب و بعد سے پاک بھی ہو۔ تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی کے اوہام و معلومات کے مطابق جواب دیا، کہ اس کی تسلی ہو جائے اس کو معقولہ کی طرف ترقی کرنے پر مجبور کرنے والا جواب مرحمت نہیں فرمایا جیسے کسی کم سن بچے سے سوال کیا گیا۔ اَیْنَ اَللّٰہُ اَللّٰہُ کہاں ہے، اس نے جواب دیا فی السماء و آسمان میں، تو اس پر سکوت فرمایا۔

قریہ ہی قصہ تھا جس کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بھی بیان فرمایا اب ان کے راویوں کی قوت حافظہ کا کلام کہنے یا اندرونی بحث و شرارت کہ ایک اعرابی کی جگہ ایک اور لغزم پیغمبر کا نام ٹانگ دیا اور یوں قعر ذلت و ضلالت میں جا پڑے اور اہل فہم و دانش و بصیرتیں کہ اہل سنت کی روایات میں اور ان کی روایات میں جو فرق ہے وہ یہی ہے اور اسی غلطی سے ہی بآسانی یہ نتیجہ نکل آتا ہے، دوائے صفتی قریش اور صحابہ کرام کی دوسری برائیوں والی روایات میں بھی انہوں نے ناموں اور القاب میں اس قسم کا رد و بدل اور شائلی و صفات میں اسی نوعیت کی تحریفات کر کے بات کہاں سے کہا لے جانے کی سعی ناشکور کی ہے، یہ سادہ کی ٹوپی محمد کے سر والی کہاوت کے عملی و عملی ماہر ہیں،

اور یہ سب کچھ دین و دیانت سے غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ ہے اس فرقہ نے اسی غفلت اور لاپرواہی سے ہر کہ و ناکی کو دین سے استفادہ کا اہل گردانا۔ اور اس کی باتوں اور روایتوں کو امتحان کسوٹی پر نہیں دیکھا کہ کھرا کھرا خالص اور خالص ایک دوسرے سے جدا و ممتاز ہو جائے!

اسی طرح کی ایک روایت ان کے ہاں حضرت یونس کے متعلق بھی ہے جو کہی گئی ہے ابی عبد اللہ سے روایت کی ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ -

رَأَى يُونُسَ كَانَ يَقُولُ فِي مُجُودٍ أَمْرًا مَعْدًا وَقَدْ
عَقَرْتُ لَكَ فِي الثَّوَابِ وَجْهِي أَمْرًا مَعْدًا وَقَدْ
أَطَاعْتُ لَكَ فَرَجًا أَجْرِي أَمْرًا مَعْدًا وَقَدْ أَشْفَقْتُ
لَكَ كَيْلًا - أَمْرًا مَعْدًا وَقَدْ اجْتَنَبْتُ لَكَ الْمَحَا
يَا كَيْلًا فَادْعِ اللَّهَ لِيَدْعُ آتِي أَمْرًا مَعْدًا فَادْعِ اللَّهَ
مَعْدًا يَدْعُ لَكَ بِنْتُ لَكَ لَكَ لَكَ لَكَ لَكَ لَكَ لَكَ
مَاذَا أَلَسْتُ بَعْدَكَ وَأَنْتَ بَرِيٌّ فَادْعِ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ
إِسْمًا مَعْدًا فَادْعِ اللَّهَ مَعْدًا يَدْعُ لَكَ لَكَ لَكَ لَكَ
أَوْ تَنْتَبِهْ بِهِ -

حضرت یونس سجدہ میں پڑے کہہ رہے تھے کہ کیا تو مجھے عذاب دے گا جب کہ میں نے تیرے لئے اپنا چہرہ گمراہ کر دیا کیا تو مجھے عذاب دینا پسند کرے گا جب کہ میں نے اجرو ثواب کی خاطر غم کو پیسا مارا کیا تو مجھے عذاب دینا گوارا کرے گا جب کہ میں نے تیری خوشنودی کی خاطر اپنے اوپر راستہ کی نیند حرام کر لی کیا تو مجھے عذاب دینا جائز سمجھے گا جبکہ میں نے تیرے خوف کے سبب گناہوں سے پرہیز کیا درود کی کتاب ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی کہ اپنا سراٹھا میں تجھے عذاب نہیں دوں گا تب حضرت یونس نے کہا کہ تو کہتا ہے کہ عذاب

نہیں دوں گا مگر اس کے باوجود عذاب دے دیا تو پھر کیا ہو گا کیا میں تیرا بندہ اور تو میرا رب نہیں ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے پھر وحی فرمائی کہ تو سراٹھا میں تجھے عذاب نہیں دوں گا جب میں وعدہ کرتا ہوں تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

اس روایت معیم سے دو باتوں کا ثبوت ملتا ہے کہ اول حضرت یونس علیہ السلام کو یہ معلوم نہیں تھا کہ خلاف وعدگی بری بات ہے، اور علامات نفاق سے ہے، اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے،

دوسرے یہ کہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پر مدلل واجب ہے ایک معصوم کو عذاب دینا اس لئے ناممکن ہے ورنہ اپنے متعلق عذاب سے غرور نہ کیوں ہوتے،

لیکن اگر یہی بات ہوتی کہ حضرت یونس علیہ السلام اصول کے اعتقادی مسئلہ سے ناواقف ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں یہ فرماتے کہ ہم مطیع و فرمانبردار کو عذاب نہیں دیتے، اس کے بجائے وعدہ والی بات نہ فرماتے یہ بات تو اسی لئے فرمائی کہ یونس علیہ السلام اس کو جانتے اور مانتے تھے کہ خلاف وعدہ برا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، خلاف کلام یہ کہ یہ روایت بھی ان کی ہی گھڑت اور جلساری کا ایک نمونہ ہے اور انہیں کے خیال و گمان کے موافق بھی وہ قطعی دلائل سے باطل اور ناقابل سارے ہے،

ان کی ساری ہی حد ایتروں کا یہی حال ہے کہ وہ خود ہی بزبان حالی و الفاظ آپ ہی اپنی تردید ہوتی ہیں، عقیدہ (۶) انبیاء کرام علیہم السلام ایسے گناہوں سے پاک ہیں جن کی پاداش میں موت یا ہلاکت ہو، مگر امامیہ اس عقیدہ میں بھی اختلاف کرتے ہیں۔ اور بعض انبیاء علیہم السلام کے متعلق درج ذیل قسم کی روایات بیان کرتے ہیں، چنانچہ کہی گئی ہے ابن ابی یعفور کے حوالہ سے جناب ابی عبد اللہ سے یہ روایت بیان کی ہے،

وہ کہتا ہے کہ میں نے ابی عبد اللہ کو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے یہ کہتے سنے کہ اے میرے رب مجھے پلک بھپکنے یا اس سے بھی کم مدت کے لئے میرے نفس کے حوالہ نہ کر یہ الفاظ پوری

قَالَ سَبَّحْتَ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ يَكُونُ وَهُوَ سَائِمٌ
يَدْعِي إِلَى الشَّيْءِ سَائِمٌ لَا تَكْفِي لِي طَرَفَ عَيْنٍ
أَهْلًا وَلَا أَهْلًا مِنْ ذَالِكَ خَشَاكَ مَا مَرَّ مِنْ أَنْ

تَحْدِثُ الدِّمَ مِنْ جَوَانِبِ لِحْيَتِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى فَقَالَ
يَا أَيُّهَا الْغُفَّارُ إِنَّ يُونُسَ ابْنِي دَاوُدَ وَكَذَلِكَ اللَّهُ إِلَى نَفْسِهِ
أَقْبَلَ مِنْ هُوَ فَتَوَقَّعِينَ فَأَحْدَثَ ذَالِكَ قُلْتُ كَلِمَةً بِهِ
كُفْرًا فَصَلَّاهُ اللَّهُ فَقَالَ لَا وَلَكِنَّ الْمَوْتَ هَلَكِي تِلْكَ طَعَالِ
كَانَ هَلَكًا كَاه

طرح ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور
واوہی کے اطراف کرنے لگے پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا
کہ اے ابن ابی یعفور اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام
کو پک بھیسنے سے کم مدت کے لئے ان کے نفس کے حوالہ کر دیا
تھا کہ یہ آفت و امتحان درپیش ہو گیا میں نے کہا اللہ آپ کو

نیک نجات کرے کیا وہ کفر تک پہنچ گئے تھے آپ نے فرمایا نہیں لیکن اس حالت پر موت آ جانا ہلاکی و بربادی ہوتی ہے
حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق واضح رہنا چاہیے کہ ان کا ذکر قرآن مجید میں جو آیا ہے، وہ اسی قدر ہے
کہ آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ہی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اسی پر یہ ابتلا پیش آیا دوسری بات یہ تھی کہ قوم کو بددعا
دینے میں انتظار کم کیا اور ان کو ایذا رسانی اور تکذیب پر صبر و تحمل کی باگ باغ سے ملے ہی چھوٹ گئی اور نہ ہر سے کہ یہ دونوں
باتیں سرے سے گناہ ہی نہیں تو کبیرہ ہونے کا کیا سوال،

بات یہ تھی کہ آپ اپنی تبلیغ تبلیغ کے باوجود اپنی قوم کی نا بہنباری کے سبب سے بعض قری قرآن سے یہ سمجھ چکے تھے
کہ اب ان کے ایمان لانے کی ساری امیدیں ختم ہو گئیں اس لئے ان کے حق میں بددعا کی اور جب یہ دیکھا کہ اس قوم پر آیا
ہوا عذاب ٹل گیا تو اندیشہ ہوا کہ اب تو یہ میری تکذیب میں اور بھی نڈر اور بے دھڑک ہو جائیں گے ہو سکتا ہے ایذا
رسانی میں اور بڑھ جائیں گے اور تمغہ بھی اڑائیں گے کہ بددعا بھی رائج لگائی گئی۔ یہی سوچ کر قوم کو چھوڑ کر نکل کھڑے
ہوئے، وحی الہی اور اجازت ربانی کا انتظار نہیں کیا، اور جن کے رتبے ہیں سو ان کو سوا مشکل ہے، کے تحت ذرا
سی بات پر خاصے سخت عتاب اور تادیب کے مورد بنے،

حضرت یونس علیہ السلام کے سارے قصہ میں کہیں ان کے کسی فعل و عمل سے نا فرمانی کا ثبوت نہیں ملتا بس اندیشوں
میں گھر کر گھبراہٹ کا شکار ہو گئے اور اجازت ربانی کی ضرورت سے توجہ ہٹ گئی اگر چھوڑا صبر کر لیتے تو سارے اندیشے
بھی دور ہو جاتے اور اس کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی کہ قوم پر آیا ہوا عذاب کیوں ٹل گیا تھا۔ ہوا یہ کہ آپ کی بددعا کے بعد
عذاب کے آثار دیکھ کر قوم کو تنبیہ ہوا وہ نادوم ہو کر قبرا استغفار میں لگ گئی اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں اور گناہوں کی
معافی مانگی اور آئندہ حضرت یونس علیہ السلام کی فرمانبرداری و اطاعت کا سچے دل سے اقرار کیا،
مگر ان ساری باتوں کا علم ہونے سے پیشتر ہی حضرت یونس علیہ السلام شہر چھوڑ گئے تھے اگر وہ انہیں میں کچھ اور
رہ جاتے تو ان کی قوم آپ ہی کے وسیلے اور توسط سے توبہ استغفار پیش کرتی،

اب قرآن مجید میں جو ان کے متعلق قُلْ أَكُنْ تُقَدِّرُ عَلَيَّ آيَةً تو اس میں قدر قدرت سے مشتق نہیں ہے،
جس کی وجہ سے آپ کو فساد عقیدہ کا الزام دیا جائے بلکہ اس کے معنی یہاں صبیق اور تنگی کے ہیں، جیسے اللہ يُبْطِلُ التَّوَقُّعَ
لِيُنْشِئَ كَوْنًا وَيُلْغِيَهُ، اللہ جس کا چاہتا ہے، رزق فراغ کر دیتا ہے جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے، اور ان معنوں کے
مراد لینے کا قرینہ یہ ہے کہ اسی کے متصل فرمایا فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ اس ندا اور فریاد کو بعد میں لانا قدرت کے معنی
کے مناسب نہیں، یہاں اول معنی ہی بخوبی چسپاں اور موزوں ہیں اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اس نے گمان کیا
کہ ہم اس کی عتاب سے گرفت نہ کریں گے پس بامید قبولیت توبہ کی اور استغفار بجالایا اور حضرت یونس علیہ السلام کا

اقرار ظلم میں اپنی کثرت میں الظالمین۔ کہنا اللہ تعالیٰ کی جناب میں صرف کسر نفسی اور انتہائی تضرع و زاری کا اظہار ہے فرمانبردار بندوں کی عادت اور طریقہ یہی ہوتا ہے، کہ اعترافِ قصور کے وقت اپنی معمولی بات کو بھی بڑا قصور ظاہر کرتے ہیں یا ایسا اس بنا پر کہ انبیاء کے لئے ترک اولیٰ ایسا ہی ظلم ہے جیسے عوام کے حق میں گناہ ظلم ہے، عقیدہ (۷) امام ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام حسد بغض اور نافرمانی پر اصرار اور جے رہنے سے پاک تھے۔ اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے، چنانچہ ارشادات ربانی ہیں، ثُمَّ اخْتَلَبَهُ رَبُّهُ قَتَابَ عَلَيْهِ وَهْدَانِي رَجَحَ اس کے رب نے اس کو برگزیدہ کیا، اس کی توبہ قبول کی اور ہدایت دی۔

فَنَتَقَىٰ آدَمُ مِنْ تَهَيُّمِهِ كَلِمَاتٍ قَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ ابِ التَّوَّابِينَ۔ پس آدم نے اپنے رب سے توبہ کے چند کلمے سیکھ کر ان کو ادا کیا پس اس کی توبہ قبول ہو گئی، بلا شک وہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے،

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اسْمُكَ آدَمُ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِصْحَانَ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ اللہ تعالیٰ نے آدم و نوح اور آل ابراہیم کو عالم و اولیٰ پر برگزیدہ کیا۔

مخلوقاتِ اماسیہ کے وہ اپنے باپوں کے باپ کے حق میں شرمناک ناخلفی کا ثبوت دیتے ہیں، اور انتہائی گستاخی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ان کو حسد بغض اور دوسری نازیبا خصالتوں سے متصف کرتے اور یہ گمان بد کرتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور عدول مکملی پر بلند تھے اور ابلیس کا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جو رویہ رہا کہ اس نے حسد کر کے سجدہ کے حکم کو ٹھکرایا خدا کے عہد کو ترک کیا اور ابدی لعنت کا مستحق ہوا۔

وہ کہتے ہیں یہی رویہ حضرت آدم علیہ السلام کا ائمہ کے ساتھ تھا کہ ان سے حسد کیا، ان کی ولایت کا عہد کر کے مگر یا اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی پاداش میں ان پر غصہ کیا اور ہمیشہ غضبناک ہی رہا۔ کوئی حوسہ اس دریدہ و ہنسی کی پناہ بخدا۔

محمد بن بابر نے عیون اخبار الرضا میں علی بن موسیٰ الرضا سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ عزت بخشی کہ فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا اور جنت میں رکھا تو انہوں نے دل میں سوچا کہ میں مخلوقات میں سب سے زیادہ باعزت ہوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم اذرا اپنا سر تواٹھاؤ اور میرے عرش کے پایہ کو دیکھو، حضرت آدم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اس پر یہ لکھا دیکھا کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں، علی اللہ کے دوست اور امیر المؤمنین ہیں اور ان کی زوجہ فاطمہ سارے عالم کی عورتوں کی سردار اور حسن حسین اہل جنت کے جوانوں کے سردار اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا اے میرے رب یہ کون لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیری اولاد میں سے ہیں جو تجھ سے

إِنَّهُ قَالَ إِنَّ آدَمَ لَمَّا أَلَمَّ مَعَهُ اللَّهُ تَعَالَىٰ بِذُنُوبِهِ
الْمَلَكُ لَمْ يَكُنْ لَهُ قَوْلٌ خَالٍ لِيُفْضِلَ نَاكَ
الْحَقُّ فَنَادَىٰ اللَّهُ هَؤُلَاءِ لَمْ تَعْبُدُوا اللَّهَ
فَالْتَفَتُوا إِلَىٰ سَائِرِ شَيْءٍ فَرَفَعَ اللَّهُ مَرْثَاهُ
فِيهِ مَكْرَهُ بَابًا إِلَى اللَّهِ إِذَ اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ
وَلِيٌّ اللَّهُ آمِينَ الْمَوْمِنِينَ وَنُوحًا فَاطِمَةَ سَيِّدَةَ
نِسَاءِ الْعَالَمِينَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا أَشْبَابِ أَهْلِ
الْجَنَّةِ فَقَالَ آدَمُ يَا رَبِّ مَنْ هَؤُلَاءِ فَقَالَ

عَنْدَ وَجَلْ طَرَادِيرٍ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ وَهُمْ
خَيْرٌ مِنْكَ وَمِنْ جَبِينِكَ وَلَوْ لَا هُمْ مَا خَلَقْتُكَ
وَمَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَا السَّمَاءَ وَلَا الْأَرْضَ

فَاتَّيَاكَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَيْهِمْ بِعَيْنِ الْحَسَدِ نَاخِرِيكَ هُنَّ
جَوَادِي تَنْظُرُ إِلَيْهِمْ بِعَيْنِ الْحَسَدِ فَسَلَّ عَلَيْكَ الشَّيْطَانُ
خَشَّةً أَكَلَ مِنَ الشَّجْوَةِ الَّتِي فِيهِ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهَا -
سے دور کروں گا تو حضرت آدم نے ان پر حسد کی نظر ڈال اور اللہ نے ان پر شیطان کو مسلط کر دیا یہاں تک کہ انہوں
نے اس درخت کو کھایا جس سے روکا تھا،

اور ابن ماجہ نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی زوجہ کو جنت میں بھیجا تو ان سے کہا کہ جنت میں جہاں سے اور جو
جی چاہے خوب سیر ہو کر کھاؤ مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ جب انہوں
نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) علی فاطمہ حسن حسین (رضی اللہ عنہم)
ان کے بعد ائمہ کے درجے کو دیکھا تو اس کو اہل جنت کے
تمام درجوں سے اشرف و اعلیٰ پایا۔ بولے اے میرے رب
یہ درجہ کس کا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے عرش
کے پایہ کو تو ذرا سرائٹا کے دیکھو انہوں نے جب سرائٹا یا
تو وہاں جبار کے نور سے پایہ عرش پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
علی فاطمہ حسن حسین اور ائمہ (رضی اللہ عنہم) کے اسمائے گرامی
لکھے ہوئے دیکھے اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے ہمارے
رب آپ کے نزدیک باعزت محبوب اور اشرف اس مرتبہ کو کس
نے بنایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو یہ لہجہ
کہتا۔ یہ میرے علم کے خزانے ہیں اور میرے بھید کے انندار
تم حسد کی نظر سے ان کو دیکھنے سے بچو۔ اسی مرتبہ کی تباہی و جو
ان کو میرے حضور میں حاصل ہے، نہ اس عزت کی جگہ کی آرزو
رکھو جو ان کو میرے دربار میں میرے لیے ایسا کرنے سے ہمیری
نا فرمائی اور مدد ملے گی کہ مرتکب ہو گئے اور تمہارا شمار ظالموں میں ہو گا، پس شیطان نے ان کے دل میں دوسو سڑال اور فریب
سے اپنے قابو میں کر کے ان کو درجوں کی تنہا پر اکسایا تو انہوں نے ان کو حسد سے دیکھا اور اس کی وجہ سے غموار ہوئے،

اب اگر کوئی عقلمند ان دونوں روایتوں پر غور کر کے دیکھے تو وہ دیکھے گا کہ ان میں حضرت آدم علیہ السلام کے شان
میں حقیر و اہمیت میں یہ سب سے بھی گزر گئے۔ سب جانتے ہیں کہ اول تو حسد ویسے ہی تمام ادیان و مذاہب شریک اور نازیبا
صفت شمار ہوتی ہے، اور پھر بزرگوں اور برگزیدہ بندوں کے نزدیک تو وہ ہرے سے بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے اس کے

باوجود بھی وہ اس کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کس ڈھٹائی سے کر رہے ہیں اور وہ بھی جناب باری کی طرف سے انتہائی تاکید و ممانعت کے بعد گویا ان کے مذہب میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس میں کوئی فرق نہ رہا ابلیس نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا تھا، وہی انہوں نے اپنی اولاد کی برگزیدہ ہستیوں کے ساتھ کیا۔

بلکہ آپ کا فعل ابلیس سے بھی بدتر ہوا کہ ابلیس کا تو حضرت آدم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہ تھا بخلاف حضرت آدم علیہ السلام کے کہ ان کا قرآن بزرگوں سے باپ بیٹوں کا رشتہ تھا، اور یوں قطع رحمی کا الزام بھی آیا اور پھر اولاد سے حسد کرنا جو فطرتاً حالات میں سے ہے، سب سے پہلے پیغمبر مسعود طائف اور جنت میں لینے والے کی طرف منسوب ہوا کوئی حد ہے، بدعتی کی العیاذ باللہ!

امامیہ کے مذہب میں حضرت آدم علیہ السلام کا بندوں کے ساتھ معاملہ میں تو یہ عقیدہ ہے۔ اب فرمایہ دیکھئے کہ آدم علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں ان کی خباثت کیا گل کھلاتی ہے اور وہ کس طرح اپنی بددینی اور بے ایمانی پر مہر تصدیقِ بدستِ خداوندی کرتے ہیں اس کے لئے یہ روایت ملاحظہ فرمائیے،

محمد بن صفار نے ابی جعفر سے یوں روایت کی ہے،

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِأَدَمَ وَنُوحٍ وَهَارُونَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْحَرَجَ مِنْكُمْ اَنْتُمْ يَرْكَبُكُمْ وَهَذَا مُحَمَّدٌ تَرْكَبُكُمُ اللَّهُ وَحَلِيقُ آمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَآوِيْئَانُهُ مِنْ بَنِيْهِ وَوَلَاؤُهُ اَمْرِيْ وَآلُ الْمُنَادِيْنَ اَتَقْتَدِيْهِ مِنْ اَهْلِ اِيْ وَاهْبِدْ بِهِمْ كَلِمَةً وَكَرْهًا قَالُوا اَآفَرِيْ نَا وَشَرِّهَذَا نَا وَآدَمُ لَسُوْ يَفْقَرُوْكُمْ يَكُنْ لَّهٗ هَذُوْمٌ هَلٰى اَلْاَفْوَارِ بِهِ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت سے جس کو اس نے انہیں کی پشت سے لگا لیا تھا سوال کیا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں اور یہ محمد اللہ کا رسول علی امیر المؤمنین اور ان کے بعد ان کے وہی میرے حکم کو نافذ کرنے والے اور البتہ مہدی نے میرے دشمنوں سے بدلہ لیا۔ اور اس کی وجہ سے میری عبادت کی جگہ کے غشی سے بانا غشی سے سب نے جواب دیا۔ کہ ہم اقرار کرتے اور گواہ ہوتے ہیں، اور حضرت آدم علیہ السلام نے نہ اقرار کیا اور نہ اقرار کا ارادہ رکھتے تھے،

اس روایت میں ان کا خبیث کھل کر سامنے آ گیا، اور حضرت آدم علیہ السلام پر کفر صریح کا الزام عائد کر دیا کیونکہ جو وہ انکار کفر صریح ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس پیغمبر کو کافر ٹھہرایا جس کو اس نے دونوں ہاتھوں سے بنایا اپنی روح خاص اس میں بھونچا اور جس کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَدَمُ۔ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو برگزیدہ کیا، اور فرشتوں کو اسے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا ہر دین و ایمان سے کس قدر دور ہے۔)

ان امور کے بارے میں شریف مرتضیٰ نے خاص جمیعت اسلامی کا مظاہرہ کیا اور اپنی کتاب الغرر واللہ میں حدیث پیشانی کی صحت سے صاف انکار کیا، اور کہا کہ یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے، اور اسی وجہ سے ابن صفار اور شیوخ نے اس کو دائرہ ایمان سے خارج قرار دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تعصب میں اتنے اندھے کیوں ہو گئے ہیں کہ قرآن مجید کو کھول کر دیکھنا بھی گوارا نہیں، یا پھر اتنے ماہل ہو گئے اور بد عقل ہیں کہ قرآن مجید سے اتنی بات کا ان کو پتہ نہیں چلی سکا کہ حضرت آدم علیہ السلام

پرمعتاب محض درخت سے کچھ کھالینے کے سبب تھا، جربالا جملہ گناہ کبیرہ نہیں ہے اور اگر عتاب کا سبب وہ امور ہوتے جن کا یہ ذکر کرتے ہیں، ان کو ان ہی کو قرآن میں سبب عتاب ٹھہرایا جاتا۔ آخر کیا بات تھی کہ ان کا تذکرہ قرآن میں نہیں کیا جاتا۔ ان امور کے ذکر کرنا یہ بھی فائدہ ہوتا کہ جناب حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروقی اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو بھی عتاب ہو جاتی اور وہ بھی بسلسلہ امامت برائیوں سے بچ جاتے اور براہ راست بلا فیصل بہت جلد حقداروں کو ان کا حق مل جاتا اور دین و شرع کا ترقی معاملہ ہے ہی عقل سلیم بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے، مثلاً ایک شخص نے خواہ مہمان بن کر یا جبراً گھر میں گھس کر ایک شخص کے درکے کو مار ڈالا، اسی کے حکم کی بھی نافرمانی کی اور اس کے گھر کے درخت کا پھل بھی توڑ کھایا۔ اب مواخذہ کرنے والا وہ شخص سارے قسروں کو ایک طرف کر کے درخت کے چند پھلوں کے کھانے پر تروادہ یا مچارہا ہے، مگر نہ درکے کے قتل کا ذکر کرتا ہے نہ اس کی عدول حکمی کا اور نہ کسی اور بات کا۔ تو عقل سلیم اس کو کب گوارا کر سکتی ہے۔

اور ترک عہد کے سلسلہ کی ایک اور روایت بھی ان کے ہاں ملتی ہے چنانچہ مسافر مذکور آیت **وَلَقَدْ عَهِدْنَا**
إِلَىٰ آدَمَ کے ذیل میں لکھتا ہے کہ۔

دو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل کے بعد ائمہ کے بارے میں عہد لیا مگر انہوں نے عہد کو ترک کیا اور زبان کے خیال میں وہ ایسے تھے،۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ سفار، مجوسی تھا۔ اس کے دادا کا نام فرخ تھا۔ اور یہ خود کو موسیٰ بن صبیٰ اشعری کاغلام کہتا تھا، مجوسیت کی ناپاکی اس کی اہل نسل میں ابھی تک رچی بسی تھی، شیعوں کے مہیا کردہ ہتھیار تقیہ سے کام لیتے ہوئے، مذہب شیعہ پر بھی پردہ ڈاڑھے رکھتا تھا، اندر در پردہ یہ اسلام دشمنی کے ساتھ ساتھ ائمہ کرام کا بھی چھپا دشمن تھا، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کی روایات سب ایسی ہی ہیں، جو یہ ائمہ سے بیان کرتا ہے، مگر ان سے خود ائمہ کا وقار محروم اور ان کی شان میں بے گنتا ہے، اور ان کی عزت پر حرف آتا ہے، مثلاً یہی مذکورہ بالا روایات کہ اہل مذہب کے تمام طبقات خواہ یہودی ہوں، نصرانی ہوں یا مسلمان حضرت ابراہیم آدم علیہ السلام کی بزرگی اور کرامت پر حوان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حاصل یعنی متفق الحیال، اور تمام عالم والوں میں ان کی برگزیدگی پر متفق الراءے ہیں، ایسی صورت میں جب اس قسم کی روایات ائمہ سے منسوب ہو کر تمام عالم میں پھیلیں گی تو سارے انسان استحقاقِ امامت تو رہا ایک طرف ان کی ذاتی خوبی و نیابتی دیانتداری اور بزرگی سے ہی منکر و بدعتیہ ہو جائیں گے۔

اور اسلامی فضا میں بھیل بیچ جائے گی اور یوں ان مجوسیدوں کی دلی آرزو پوری ہو جائے گی،

الحمد للہ اہل سنت پر ان کی بددیانتی بے ایمانی اور خیانت فاش ہو گئی انہوں نے ان کی روایات کو گنڈے، نجس اور ناپاک چھتھروں کی طرح ٹھوڑی پر پھینک دیا، ہاں شیعہ شیطان کے پھندے میں آگئے، اس نے برطانیسی اور فرانسیسی کرکے ان کا اور ان کے شیوخ مخالفت کتاب کا رخ ان کی طرف پھیر دیا کہ انہوں نے اپنے دین و ایمان کا مدار ان بے دین و بد مذہب مجوسیوں یہودیوں کی روایات پر رکھا۔ اور اپنا ایمان ابلیس نما مفتریوں اور جعل سازوں اور کذابوں کی پھینٹ چڑھا دیا۔ مَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ حَافٍ جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

عقیدہ (۸) کہ کسی نبی نے فرائض رسالت کی ادائیگی سے معافی نہیں چاہی اور نہ احکام الہی کا بجا آوری سے کبھی معذرت کی، اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔

مگر امامیہ کہتے ہیں کہ بعض اولوالعزم رسولوں نے رسالت کی ذمہ داریوں سے نہ صرف سبکدوشی حاصل کر لی چاہی بلکہ طالی مثولی اور جیلے حوالے سے کام لیا اور غرض پیش کئے ان میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جب ان کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست حکم دیا۔ اِنَّ الْمَثَلِ الْقَدَمَ السَّالِفِ قَدْ فَرَضَ حَقّاً عَظَامَ قَوْمِ قَوْمِ فَرْعَوْنَ كَيْ يَسْخِرَ۔ تو آپ نے جواب دیا کہ مجھ کو اس کام سے معافی دیجئے اسے میرے رب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب نہ کریں اور میں ان کی چہ میگوئیوں سے تنگ دل نہ ہو جاؤں۔ اور نکنت کی وجہ سے ادائیگی مطلب سے قاصر نہ ہو جاؤں اور پھر میں اس قوم کا جرم سہوں کہ ان کا ایک آدمی میرے ہاتھوں مارا جا چکا ہے کہیں اس کی پاداش میں مجھے قتل نہ کر دیں بہتر ہے میرے بھائی ہارون کو وہاں بھیج دینے اور مجھے معافی دیجئے۔

یہ لوگ یہ معنوں قرآنی آیات سے اخذ کر کے اسے کلام الہی سمجھتے ہیں، حالانکہ رسالت سے معافی دراصل وحی کو ٹھکرانا اور اللہ کے حکم کو نہ ماننا ہے اور انبیاء اس سے معصوم ہیں۔

امامیہ کے لئے آیات قرآنی سے تنک کا کوئی راستہ نہیں، بلکہ اگر آیات میں غور و فکر سے کام لیا جائے تو ان آیات میں انہیں پر الزام مائد ہوتا ہے۔ کیونکہ آیات میں یہ بات کہ مجھ کو اس کام سے معافی دیجئے اور میرے بھائی کو میری بجائے رسالت سے نواز دیجئے، بالکل مذکور نہیں۔

یہ سب کچھ اس فرقہ کی نانجھن کا کرشمہ ہے۔ ہاں اولائے رسالت سے قبل قوم فرعون کی تکذیب کا اندیشہ اور یہ ڈر کہ وہ ان کو مار ڈالیں اور ان کی کبیدہ خاطر ہو اور نکنت زبانی یہ سب کچھ جو آپ نے فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ آپ طالی مثولی کر رہے یا معافی سے خواستگار تھے، بلکہ احکام الہی بجا آوری میں مددگاری کی درخواست کر رہے تھے اور اعذار و اندیشے تو اس درخواست مددگاری کی تہید کے طور پر پیش کئے تھے تو یہ تو قبول رسالت کی دلیل ہے، انکار کی نہیں۔

مثلاً ایک بادشاہ کسی کو ایک مہم سپرد کرتا ہے وہ شخص اپنے ساتھیوں کی کمی، دشمنوں کی کثرت اور شان و شوکت بیان کر کے ان کے مقابلہ میں اپنی کمزوری قائل و مالا بیان کرتا ہے تو اس سے اس کی غرض یہ ہے بادشاہ اس کو مزید مدد سے سرفراز کرے اور آزمودہ کار افراد سے اس کو مزید طاقتور بنائے تو اس شخص کا یہ کلام قبول حکم پر دلالت کرتا ہے انکار پر نہیں اور آیت وَاجْعَلْ لِّي ذُرِّيَّاتٍ اٰهْلِيْ طَهْرًا اَخِيْ اَشْكُوْ ذٰلِكَ اَمْرِيْ وَاجْعَلْ لِّيْ اَمْوَالًا مِّمَّيْرَةِ اٰهْلِ مِيْرَةِ اٰهْلِ مِيْرَةِ بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا۔ اس سے میری پشت مضبوط کر اور میرے کام میں اس کو شریک کر، اس کی تفسیر مبہم ہے۔ آپ کی عرض یہ ہے کہ اس عزت و مرتبہ والے کام میں میرے بھائی کو بھی شریک فرما۔ یہ نہیں کہ رسالت کو خود سے ٹالی کر۔ ہارون کو اپنا قائم مقام بنائیں اسی طرح اَخَاثُ اَنْ يُّكْتَبُوْا فَوْتً۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ میری تکذیب نہ کرتی۔

یہ سب درخواست تھی کہ ان اندیشوں کو دور فرما مجھے اپنی پناہ میں لے لے نہ کہ مرتبہ رسالت کو اپنے سے ٹالنا چاہا ہو۔ انبیاء و خصوصاً اولوالعزم نبی سے اس قسم کی سوء ظنی اور بدظنی سے خدا کی پناہ۔

عقیدہ (۹) فخر و پرویز کے عہد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام بنی نوح انسان کی طرف حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مبعوث ہوئے تھے۔ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نہیں اور یہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی کے معاملہ میں اللہ کے امین تھے اپنی طرف سے وحی نہیں لائے تھے انہوں نے پیغام رسانی میں کوئی خیانت نہیں کی اور وہ ہر معاملہ خصوصاً ان اہم ترین مسائل میں ہر قسم کی جھوٹی چوک سے پاک ہیں اس وحی کے لانے میں نہ ان سے کوئی غلطی و کوتاہی ہوئی اور نہ کسی قسم کا اشتباہ پیش آیا،

مگر فرقہ غرابیہ جن کا حال باب اول میں گزر چکا ہے اس عقیدہ میں اختلاف کرتا ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام پر لعنت بھیجتا ہے!

ایسے کم فہوں اور ناہنباروں کے سامنے قرآنی آیات اور ائمہ کی ہدایات لانا بے کار و بے فائدہ سی بات ہے اور نہ مد مقابل کو خاموش کر کے میں اس سے مدد مل سکتی ہے اس لئے کہ جب جبرائیل علیہ السلام ہی متہم کر دیئے گئے تو پوری شریعت اور قرآن ان کے لئے تو بے اعتبار ہو گیا اور پھر اہل بیت اپنے جدا جمود کے مرتبہ کے خلاف کیوں لب کشائی کریں کہ ان کا تو شرف ہی ان کی وجہ سے ہے، اس لئے جھوٹے کو گھرنک پہنچانے کے لئے جمود راہیروں سے مدد لی جا رہی ہے اور ان کے باطل عقیدہ کے رد کے لئے توریت و انجیل سے حوالے پیش کئے جاتے ہیں، کیونکہ غالباً غرابیہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں اس پیش بندی کے معتقد تو نہیں ہوں گے کہ ان کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عیدہ اس دوران پیشی سے رکھ دیئے ہوں کہ آگے چل کر بھی ان سے میرا واسطہ پڑیگا اور اگر ان کی موتی عقل میں یہ شک پیدا بھی ہو تو ان پر واضح رہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر وحی اکثر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطے کے بغیر ہی آتی رہی ہے، خصوصاً توریت کو بیک وقت بلا واسطہ دیکر اور پھر زبور کی تھیں پر لکھی ہوئی حمایت ہوئی اس میں حضرت جبرائیل کا دخل چنانچہ توریت کے سفر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہو کر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے،

إِنَّا جَاعِدُكَ لِلدُّنْيَا نَافِلًا وَأَنَّكَ لَفِي هَؤُلَاءِ أَعْيُنِنَا ۚ ذِكْرُ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۚ وَبِالْحَقِّ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ ۚ وَاللَّهُ

باجرہ کے ہاں اولاد ہوگی اور اس کی اولاد میں وہ شخص ہوگا جس کا ہاتھ سب کے ہاتھوں سے بالاتر ہوگا اور سب کے ہاتھ اس کی طرف عاجزی سے دراز ہوں گے۔

یہ جو الہ جس نسخہ توریت سے منقول ہے وہ یہود کے قبضہ میں ہے مسلمانوں کی اس تنگ دسترس نہیں اور نہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اس میں دخل ہے۔ یہ تو حضرت جبرائیل سے مددوت رکھتے تھے، اور یہ بات بلا کسی شک و شبہ کے ظاہر ہے کہ حضرت ماجرہ کی اولاد میں اس صفت کا شخص جس کے ہاتھ سب سے بالاتر ہوں اور جبرائیل و اس کے سامنے عاجزی سے جھکیں، سوائے محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کے کسی بھی وقت کوئی بھی نہیں ہوا اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو خلفاء شوافعہ رضوان اللہ علیہم کے عہد میں مغلوب، خائف، مغلوب اور مظلوم زندگی بسر کرتے رہے۔ اور جب خود ان کا زمانہ آیا تو جناب معاویہ رضی اللہ عنہ باغیوں اور خاریجیوں کی طرف سے خشوع کی جو فضا پیدا ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اور اسی توریت کے سفر میں یوں ہے یٰمُوسٰی اِنِّیْ مَقِیْمٌ لِّبَنِّیْ اِسْمٰعِیْلَ یٰمُوسٰی اِنِّیْ اَجْرُہُ وَآخِرٰی قَوْلِیْ فِیْ ذٰلِکَ وَیَقُولُ لَہُمْ مَا مَرْتُ بِہُمْ ۚ اے موسیٰ میں اولاد اسمعیل میں اپنے گھر سے ایک نبی بھیجوں گا جو ان کو

رواں کرے گا۔ اور میں اپنے کلام کو اس کے منہ کے ذریعہ رواں کروں گا، اور وہ ان سے وہی کہے گا جو میں اس کو مکمل دوں گا۔ اب اس امر الہی کے مطابق اس قسم کا بنی اولاد اسمعیل میں ہونا ضرور ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو جو نیک امر الہی بلا استقلال رواں نہیں کیا اور نہ خدا کا کلام اصلہ ان کے منہ سے جاری ہوا بلکہ انہوں نے تو خود کو ہمیشہ پیغمبر اللہ علیہ وسلم کا تابع اور شاگرد جانا، تو لا محالہ وہ تو وہ بنی ہوئے نہیں لہذا وہ معذور بنی سوائے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کون ہو سکتا ہے،

اور یوحنا کی انجیل کی چودھویں صراح میں اس طرح آیا ہے،
 اَمَّا هَا فَلَیْطَ سَوْمُ الْقُدُسِ الَّذِیْ یُرْسِلُهُ اِلَیَّ یَا مَسِیْ عَزِیْزِیْ لَکُمُ وَ یُعَلِّمُکُمْ جَمِیعَ الْاَشْیَاءِ وَ هُوَ یَدُلُّکُمْ
 مَا تَلْتُمُ لَکُمُ۔

فارقلیط روح القدس کو بھیجا میری طرف، میرے نام سے جو تم کو تعلیم دے گا اور سب چیزیں تم کو عطا کرے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اس کی وہ یاد دہانی کرے گا،

اور انجیل یوحنا کی چھٹی صراح میں بھی اسی طرح ہے، اَلْکَلِمَیْ اَقُوْلُ لَکُمُ الْاَن حَقًّا وَ یَقِیْنًا اَنَّ الْاَطْلَاقَ عَنْکُمُ خَیْرٌ لَّکُمُ کَانَ لَکُمُ اَنْ اَبِیْ لَکُمُ یَا لَکُمُ فَاَمَ فَلَیْطَ وَ اِنَّ الْاَطْلَاقَ اَمَّا سَلَمْتُ بِہِمْ لَا تَیْکُمُ فَاِذَا اَمَّا جَاءَ هُوَ یُعَبِّدُ اَهْلَ الْعَالَمِ وَ یُدْرِیْہُمْ وَ یُوْتِیْہُمْ وَ یُوْعِظُہُمْ عَلٰی الْخَطِیْئَةِ وَ الْبُخْر۔ (لیکن میں سچائی اور یقین کے ساتھ تم سے کہتا ہوں کہ میرا تمہارے پاس

کچھ نہ ہاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے اور اگر چاہاؤں تو تمہارے پاس اس کو بھیج دوں جب وہ آجائے گا تو سب اہل عالم کو عبادت گزار و بندار بنا دیگا۔ جھڑکے گا ان کو اور واقف کرے گا ان کو خطا اور بھلائی سے،

اور اسی انجیل میں یہ بھی درج ہے اِنِّیْ کَلَمًا مَّا کَلِمًا اَمَّا یَدُ اَنْ اَقُوْلُ لَکُمُ وَ لَکِنِّیْ اَنْ یَقِیْنُ مَؤَدَّتِ عَلٰی قَوْلِہِ مَا لَا خَیْفَ لَہِمْ وَ لَکِنِّیْ جَاءَ سَوْمُ الْاَلْحِیْ یُرْسِلُ لَکُمُ وَ یُعَلِّمُکُمُ وَ یُرِیْدُ لَکُمُ جَمِیعَ الْخَیْرِ لَا تَدَکِیْسُ بَیْنَکُمُ مِنْ تِلْکَ اَمَّا نَفْسِہِ۔ (میرے پاس کہنے کی باتیں بہت ہیں، جو میں بہت تم سے کہنا چاہتا ہوں، لیکن نہ تم کو ان کے یاد رکھنے کی قدرت ہے نہ ان کو قبول کرنے کی ہمت لیکن روح القدس تمہارے پاس آئے گا جو تم کو ہدایت کریگا اور تعلیم دے گا اور تمام بھلائیوں تم تک پہنچائے گا اس لئے کہ وہ اپنے دل سے کچھ نہ کہے گا،

اور زبور میں تو صراحت سے آپ کا اسم مبارک بھی آچکا ہے جو سارے احتمالات اور اشتباہات کی بیخ کر دیتا ہے چنانچہ اس زبور میں جو یہود کے پاس محفوظ ہے، یوں تحریر ہے،

اے احمداہل پڑھی تیرے منہ سے رحمت اس لئے میں تجھ کو برکت دیتا ہوں پس تو توار باندھ، کیونکہ تیری روشنی اور تعریف غالب ہے اور کلام حق کو برکت نصیب ہوئی بیشک نیز افان و شریعت تیرے ہاتھ کے دہرے سے ملتی ہے میرا تیرے تیرے زیر فرمان ہوگی، اچھی کتاب ہے جو اللہ نے مین و تقدیس کے ساتھ جبل فاراں سے بھیجی اور

لَا اَحْمَدُ فَاَمَّتِ التَّوْحِیْدُ عَلٰی شَفْعَتِکَ مِنْ اَجْلِ ذَلِکَ اُبَادِرُ عَلَیْکَ فَنَعْلَدُ السَّیْفَ فَاَنْ یَحْمَدَہُ وَ حَمْدُکَ الْغَالِبُ وَ بُرْہَانُ کَلِمَۃِ الْاَلْحِیْ فَاَنْ تَاْمُرَ سَکَّ وَ شَرِیْعَہُ مَقْرُوْنُہُ وَ حَبِیْبُہُ یَمِیْنُکَ سَہَامُکَ مَسْنُوْنُہُ وَ اَلَا نَمُ یَخْجُرُوْنَ عَنْکَ کِتَابُ حَقِّ جَاءَ اللہ بِہِ مِنَ الْیُسُومِ وَ اَلْتَقْدِیْسِ مِنْ جِبِلِّ فَاَمَّا اَنْ وَ اَمَّا تَلَا حِیَا لَہُ مِنْ

تَحْسِينِ اَحْمَدَ وَ تَقْدِيْسِهِ وَ تِلْكَ اَرْضُ وَ تِلْكَ اَرْضُ
 زمین احمد کی تقدیس و تعریف سے بھر گئی اور وہ زمین کا
 فرمانروا اور امتزل کا مالک بنا۔

اور زبور میں ہی ایک جگہ یہ درج ہے، لَقَدْ اَنْكَسَفَتِ السَّمَاوَاتُ بِمَا اَرَادَ اَحْمَدُ وَ اَنْفَلَتِ الْاَرْضُ مِنْ حَيْثُ ۱۶
 اور احمد کی روشنی سے آسمان گھٹ گیا۔ اور زمین اس کی تعریف سے پر ہو گئی؟

اور اہل کتاب آپ کی جائے پیدائش، مقام بعثت، آپ کا نسب، آپ کی ملامت و خیریاں، کفار کا آپ کو وطن
 سے نکالنا اور مقامِ محبت، ان سب باتوں کی خبریں اپنی کتابوں کے حوالہ سے دیتے ہیں جن میں امتیازات و قیودات
 کی وجہ سے شرکت یا پوشیدگی کا کوئی احتمال یا شک نہیں بلکہ سب کا اشارہ ذات واحد نبی آخر الزمان حضرت محمد بن
 عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا۔

یہی وجہ تھی کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور مسعود کے وقت ان تمام اوصاف کو آپ پر منطبق بلکہ منحصر پا کر
 کچھ اہل کتاب تو آپ پر فرزا ایمان لا کر آپ کے اطاعت گزار اور فرمانروا بن گئے اور کچھ نے وقت آنے پر نصرت و امداد
 کا ہنچہ وعدہ کیا۔ پھر یہ اور بات ہے کہ وقت آنے سے پیشتر ہی حکمِ قضا قدر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اور پیدائش مبارک کے وقت ان ملائحتوں کو اور نشانوں کا ظہور کہ پھر وحدتِ بول پر سے بیخبر میوں نے خبریں
 دینا شروع کیں جنہوں نے غالباً نہ آوازیں دیں، بت اور شیطان چلا پڑے اور اسی طرح بعثت کے وقت جو کچھ رونما ہوا
 یہ ساری باتیں دوسرے تمام احتمالات کا خاتمہ کر دیتی ہیں

اس کے بعد معجزات کا ظہور، دعاؤں کی قبولیت، باری تعالیٰ عز اسمہ کی طرف سے مسلسل اور پہلے پہلے آپ کو
 نیز آپ کے پیروکاروں کو امداد و نصرت کا حصول اور آپ کی وہ برکتیں اور انوار جو اقصائے عالم میں پھیل گئے اور
 اب تک باقی ہیں یہ سب کی سب اس بات کی نشانی ہیں کہ وہ ذاتِ ستودہ صفات آپ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم
 اور پھر ان ساری باتوں کے علی الرغم حضرت جبرائیل علیہ السلام کی غلطی اور اشتباہ کا دہم و خیال اس وقت ہو
 سکتا تھا کہ جب وحی کا دار و مدار محض صورت بتا دینے پر ہوتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام، نشان آپ کی تعریف
 آپ کے اوصاف اور خیریاں بیان کی جاتیں اور اللہ تعالیٰ بھی اس اشتباہ و غلط فہمی کے ازالہ کرنے پر قادر نہ ہوتا۔

لہذا معلوم ہو گیا کہ یہ سارے احتمالات اور شکوک بالکل ظاہر البطلان ہیں، اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت
 علی رضی اللہ عنہ کی ہم شکل اور علیہ کی یکسانیت کی جو خبریں شیعہ و غیرہ و شیعہ بتواتر نقل کرتے ہیں، وہ بالکل بے اصل اور سراسر
 بے معنی و غلط ہیں ان پر اگر غرابیہ اور ذبابیہ کوئی شوشہ لگائیں یا ماشیہ آرائی کریں تو وہ ایک کجواس ہے ناقابلِ التفات
 عقیدہ (۱۰) ۱۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ نبوت کے آخری نبی ہیں، نبوت آپ پر ختم اور مکمل ہو گئی، آپ کے بعد یہ
 سلسلہ بند ہو گیا، اب کوئی نبی نہیں، سارے ہی اسلامی فرقے یہی عقیدہ رکھتے ہیں، مگر شیعوں کے فرقوں میں سے خطابیہ
 معمریہ، منصوریہ، اسماعیلیہ، مفضلہ اور سبجیہ، ایسے ہیں جو اس عقیدہ کی کھلم کھلا مخالفت کرتے ہیں۔ جیسا کہ باب اول میں
 مذکور ہوا۔

اور امامیہ اگرچہ نقل بر تو آ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو مانتے ہیں، مگر درپردہ ائمہ کی نبوت کے بھی قائل
 ہیں، بلکہ وہ ائمہ کو انبیاء سے برتر اور بزرگتر مانتے ہیں، جیسا کہ اوپر اسی میں بیان ہوا اور کسی چیز کو حلال و حرام قرار

دینے کے اختیارات جو خاصہ نبوت بلکہ اس سے بھی بالاتر ہیں وہ ائمہ کے سپرد حوالہ کرتے ہیں یعنی جو چیز اللہ و رسول نے حرام و حلال نہیں کی اس کو حلال و حرام قرار دینے کا ائمہ کو اختیار ہے اس عقیدہ کی موجودگی میں وہ بھی ختم نبوت کے منکر ہوئے، اس سلسلہ کی یہ روایت ملاحظہ کیجئے، جس کو حسین بن محمد ابن جعفر قمی نے کتاب فرائد میں بحوالہ محمد بن سنان، ابی جعفر سے بیان کی ہے۔

ابن سنان کہتا ہے کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے اختلاف شیعہ کا ذکر چھیڑا تو آپ نے فرمایا اے محمد اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے وصایت کے ساتھ نہا ہے پھر اس نے محمد علی، فاطمہ و حسن و حسین کو پیدا کیا۔ اور یہ ہزار ہا سال تک ٹھہرے رہے پھر تمام اشیاء کو پیدا کیا اور ان کو ان اشیاء کی پیدائش دکھائی اور ان کی اطاعت ان سب پر واجب قرار دی، اور ان کے کام انہیں کے سپرد کئے کہ ان پر جو چاہیں حلال کریں اور جو چاہیں حرام کریں۔

اس کے علاوہ دوسری روایت دہ ہے، جو کلینی نے محمد بن حسن مثنوی سے اور اس نے ابی عبد اللہ سے روایت کی ہے۔

اس نے کہا میں نے ان کو ابی عبد اللہ کو کہنے سنا کہ اللہ نے ادب سکھایا رسول کو یہاں تک کہ ان کو اپنی منشا تک ملے آیا پھر اس کو اپنا دین سپرد کیا اور کہا کہ جو کچھ تم کو رسول دے دو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو سونپا وہی کچھ تم کو بھی سونپا،

یہ دونوں روایات موضوع اور گٹھی ہوتی ہیں اس لئے کہ حسین بن عمر مغنیف راویوں سے روایت بیان کرتا ہے اور اپنی کتاب میں زیادہ تر اس پر نقل کرتا ہے چنانچہ نجاشی نے اپنے اصحاب کے حوالہ سے اس کی تصدیق کی ہے اور محمد بن حسن مثنوی تو فرقہ حبیہ سے ہے۔ وہ مومن ہی کہاں رہے تو اس کی روایت کیسے قابل اعتبار مانی جاسکتی ہے، اگر یہاں اس کی روایت تسلیم ہو تو پھر چاہیے کہ مسئلہ تجسیم کو بھی مانیں کہ اس کی روایت بھی اس نے ائمہ ہی سے کی ہے،

اڈل تو یہی بات محل کلام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلت و حرمت کا اختیار سپرد ہوا ہے، یا نہ۔ اس کے متنازع میں کسی دوسرے کا کیا ذکر چنانچہ مذہب صحیح یہ ہے کہ شریعت کا مقرر کرنا پیغمبر کے سپرد نہیں ہے، کہ ان کا کام خدا تعالیٰ کے احکام بندوں تک پہنچانا ہے خدا کی نیابت اور اس کے کارنامہ میں وہ طریق نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کے احکام بندوں تک پہنچانا ہے اللہ تعالیٰ جس کو حرام و حلال قرار دیتا ہے رسول اس کی تبلیغ کرتے اور بندوں کو اس کی خبر دیتے ہیں اپنی طرف سے اس میں ترمیم و تبدیلی کا ان کو حق نہیں اس لئے کہ اگر رسول کے دین کا معاملہ سپرد ہوتا کہ ان سے کسی حاملہ میں باز پرس یا نہداشت نہ ہوتی، مثلاً بدر کے قیدیوں کے فریہ میں، مخزوم اریہ قبلیہ میں، یا غزوہ تبوک سے منافقین

کے بچھڑ جانے کی اجازت دینے میں۔ اور ان کے علاوہ دیگر بعض اور ائمہ کہ ان میں ہاتھ پر من فدا سخت اندازہ کی ہوئی،

اور وہ مسالمت جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حکم کے بیان کے دوران کسی سوال پر، یا کسی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے پر بغیر انتظار روحی آپ نے کوئی استثنایا تکلیفیں فرمائی مثلاً الا الا ذلک (سوائے ان کے) یا تجزیٰ هنک ولا تجزیٰ حق احدک بعدک (تیرے لئے کان ہے تیرے بعد کسی اور کے لئے نہیں) یا آپ کا یہ ارشاد و قدلت لعمدہ وجبت (میں نے ان کو دیکھا تو ترجیح واجب ہو جاتا۔ ان الفاظ سے تفویض کے قائل جو استدلال کرتے ہیں) کہ آپ کو حلال و حرام کے اختیارات تفویض ہیں، وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ حقیقت میں یہ تفویض کی صورتیں نہیں ہیں بلکہ یہ اجتہاد کی تشکیل ہیں کہ عام میں داخل و شامل ہونے کے سبب باقی اس غلطی کی بنا پر آپ اس کا استنباط فرمائے اور اس طرح مسائل کی تشفی فرماتے تھے اور نبی کا اجتہاد امت پر نہیں کو واجب کر دیتا ہے، لہذا تفویض کی اس صورت میں کہ قواعد کلیہ سے احکام کا استنباط کر کے فتویٰ دیا جائے کوئی تباہی نہیں، تمام مجتہدین میں تو کرتے ہیں، اور امور دنیا میں اگر یہ تفویض مان لیں تو یہ مذہب کفر و دہشتہ تب بھی اس معاملہ میں ائمہ کو پیغمبر کے برابر اور ہمسر قرار دینا اجماع کے خلاف ہے۔

ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ائمہ اور پیغمبر علیہ السلام ہر دو سے منقولہ روایات پر عمل یکساں ہو جس پر چاہیں عمل پیرا ہو جائیں کیونکہ اس صورت میں دونوں صاحب شرع ہوں گے،

پھر شعارض اور باہمی ٹکراؤ والی روایات کو ایک کو دوسری میں تطبیق دینے کی کون تکلیف گوارا کرے گا یا یہ صورت ہوگی کہ ائمہ سے سرری روایات اور پیغمبر علیہ السلام سے منقول روایات کسی پر عمل جائز نہ رہے کیونکہ ہر ایک اپنی قری، شخصی یا زانی مصلحت کے پیش نظر ہی احکام شرع کی بنیاد رکھیں گے، اور وہ مسائل جو کچھ امت سے پوشیدہ ہوں گے اس لئے دوسرے مقامات پر مختلف احکام کا استنباط غیر ممکن ہو جائے گا اور یوں احکام شرع بغیر عمل کے رہ جائیں گے اور یہ مذکورہ لوازم امامیہ کے نزدیک بھی باطل ہیں، لہذا لوازم کے ساتھ ملزم بھی باطل ہوا۔

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اوامردین ائمہ یا پیغمبر علیہ السلام کے سپرد ہوتے تو یہ ضروری تھا کہ وہ حکم کے مختلف پہلوؤں پر اجتہاد کر کے اولیٰ و اربعہ کو معین کرتے مگر امامی فقیہوں کے نزدیک نبی یا امام کے لئے اجتہاد بھی جائز نہیں اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ائمہ حلال و حرام کی روایات اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہیں، اور تفویض کی شکل میں ذکر و خرد ہی صاحب شرع پیغمبر سے کسی روایت کی ضرورت نہ کیا پڑتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تفویض ایسا لغو اور بے معنی اصول ہے کہ از سر تا پایا روایات امور اور برائیوں کا سرچشمہ ہے، اسی کو مان لینا ایسا ہی ہے کہ جیسے ختم نبوت کا انکار کر دینا جس کے امامیہ بھی تائید نہیں،

عشرہ (۱۱) - معراج حق ہے اور حضور ختم مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص اہل عصر میں سے سیر ملکوت و اسادات والہ فیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی شریک نہیں، یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور کتاب اللہ اور حضرت رسول اللہ پروردگار کی نصوص سے ثابت ہے قرآن میں ارشاد ہے، تَجَاءلِ الَّذِیْ سَلٰی بِعَبْدِہٖ کَیْلًا مِّنَ الْمُجْدِ الْحَرَامِ اِلٰی الْمُحِلِّیْنَ اَلَا خَلٰی دِیَاکَ سَہْوَہُ اللّٰہُ جَوَافِہُ بَندَہُ کَوَاقِلَ رَاٰتِ مَسْجِدِ حَرَامِ سَہْوَہُ اَفْئِہُ تَمَکَ سَہْوَہُ

وَلَقَدْ تَمَّ الْأَمْرُ فَتَوَلَّىٰ رُجُوعًا مِّنْ أَمْرِ الْيَوْمِ مِنَ الْبَيْتِ تَهْلِكُ
 الْبَيْتِ اس نے اپنے رب کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں،
 اور معراج کے بارے میں عزت و رسالت کے اقوال تو راہِ مہر کی کتب میں مد تو از تک پہنچے ہوئے موجود ہیں طولِ کلام سے
 بچنے کے لئے یہاں ان کے نقل کرنے سے احتراز کیا گیا،

لیکن اس کے باوجود شیعوں کے اکثر فرقے اس عقیدہ کے مخالف ہیں، اسمعیلیہ، معمریہ اور امامیہ قوسوں سے معراج
 کو مانتے ہی نہیں اور فلسفیانہ شبہات اور فیزیکی حرکت اور عاداتِ آسمانوں کے پچھنے کو محال سمجھتے ہوئے اپنے انکار کی دلیل
 بتاتے ہیں۔ حالانکہ قرآن ان سب امور کی تردید کرتی ہے چنانچہ صورتِ فعل میں سرعتِ حرکت پر بلقیس کے تخت کاہن سے
 شام تک آنا، خاندانِ امانا صراحتہً اس پر دال ہے اور آسمان کے پچھنے پر بھی بہت سی آیات صاف صاف دلالت کرتی ہیں،
 إِذَا الشَّمَاذُ انْفَطَرَّتْ وَجَبْ كَمَا آسَمَانُ پاش پاش ہو جائے گا، پھر آسمان
 کے پھٹنے کا سوال تو اس وقت اٹھے گا جب آسمان میں دروازوں کا وجود تسلیم نہ کیا جائے جبکہ آسمان میں دروازوں
 کی موجودگی مذہبِ ثلاثہً مذکورہ بالا میں متفق و طے شدہ امر ہے کہ انہیں دروازوں سے فرشتے اور ارواح استِ آتی
 جاتی رہتی ہیں، تو اصولِ اسلامیہ کا کیا کہنا۔

اور منصور علیہ معراج کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ماننے سے انکار کرتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں منصور علی
 خود اس ہادیِ جسم کے ساتھ جتنا جاگتا آسمان پر گیا اور اللہ تعالیٰ سے دو بدو باتیں کر کے آیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر
 مہر بھی پھیرا۔ باب اول میں بھی اس کا بیان گزر چکا۔

اور یہ منصور علی وہی گمراہ سالہ ہے جس کو جناب صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجلس سے نکال دیا تھا اور اس کے
 کذب پر مہر تصدیق ثبت کی تھی۔ پھر یہ خود ہی امام بن مینھا اور طرح طرح کے بہتان تراشے۔
 پھر امامیہ بعض اور ضعیفی باتوں میں بھی باہم مختلف النیال ہیں،

بعض کہتے کہ جناب امیر المؤمنین بھی معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو بعض دوسرے کہتے ہیں
 کہ آپ ساتھ تو نہیں تھے تو زمین ہی پر مگر زمین ہی پر آپ وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں
 پر ملاحظہ فرما رہے تھے! جوابات کی خدا کی قسم لا جواب کی جس مقام پر ساتھ دینے سے جبرائیل امین جیسے فرشتے عاجز
 رہ گئے ہوں وہاں کسی بشر کی کیا تاب کہ حضور کے ہمراہ ہو۔ اور اگر یہ سب کچھ زمین پر بیٹھے دیکھنا ممکن ہوتا۔
 تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے دور دراز سفر کی تکلیف کی ضرورت ہی نہ کی نہ خدا انہماستہ دنیاں مبارک میں
 کوئی عارضہ لاحق تھا، کہ دور سے ملاحظہ نہ فرما سکتے۔

ان کے مغالطہ کی دلیل ابن مابویر کی وہ روایت ہے، جو اس نے اپنی کتاب المعراج میں ایک طویل حدیث کے
 سلسلے میں بیان کی ہے اس میں وہ کہتا ہے اِنَّ عَلَيْنَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْمَعْرَاجِ فِي الْوُجُوهِ وَكَثَرَتْ اَيُّ مِنْ مَلَكُوتِ اَسْمَاءِ
 مَامَاهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُجُوعًا مِّنْ أَمْرِ الْيَوْمِ مِنَ الْبَيْتِ تَهْلِكُ الْبَيْتِ اس نے اپنے رب کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں،
 اور معراج کے بارے میں عزت و رسالت کے اقوال تو راہِ مہر کی کتب میں مد تو از تک پہنچے ہوئے موجود ہیں طولِ کلام سے
 بچنے کے لئے یہاں ان کے نقل کرنے سے احتراز کیا گیا،

میں سے ایک اونٹنی پر سوار تھے ان کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا تھا۔ ان کے ارد گرد ان کے شیعہ تھے) یہ روایت پہلے گزرجی ہے۔ وہاں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ دونوں روایات باہم ٹکراؤ کی وجہ سے ساقط ہو گئیں۔ اور یوں ناقابل عمل قرار پائیں، اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو اس کے مطابق سارے شیعوں کو بھی معاف ہیں ان کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسی روایت کو ترجیح دیں۔

امامیہ کے فرقہ اسمیریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے اور ان کی نسبت آپ سے ایسی ہی ہے جیسی ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔ حالانکہ تمام امامیہ کے نزدیک قائم النبیین کا لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بطریق قرار منقول ہے۔

تقریباً عقیدہ کی بنا پر ختم نبوت کہاں ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تیس سال بقید حیات رہے، اور یہ تمام محال ہے کہ نبی بھی معزول بھی ہو سکتا ہے۔

عقیدہ (۱۲) قرآن کریم کی تمام نفوس اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احوال وراثت ظاہری معنی پر محمول ہیں۔

مگر شیعوں کے تمام فرقے مثلاً خطابیہ، مستوریہ، معریہ، قرآنیہ، باطنیہ، زائریہ، اور اسمعیلیہ میں سے سبھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں، کہ کتاب و سنت میں جو کچھ آیا ہے مثلاً دستور، تیمم، صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج، جنت، اور زخ، قیامت، اور حشر وغیرہ سب اسم و ظاہری معنی پر محمول نہیں ہیں، بلکہ ایسے دوسرے معنوں پر محمول ہیں جن کو امام معصوم کے سر اکرئی نہیں جانتا اس عقیدہ کی بنا پر اس فرقہ کے نزدیک سب سے بڑی تقلید یعنی کتاب اللہ قابل شک نہ رہی، چنانچہ سبھی کہتے ہیں کہ وضو، امام کے ساتھ دوستی کا نام ہے تیمم امام کے غائب ہونے کے بعد ازون سے استعاذہ کرنا۔ نماز سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مطلقاً ہی ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ **إِنَّ الصَّلَاةَ تَقُومُ فِيَّ مِنَ الْخَشَاءِ وَالْتَّكْوَرِ**، البتہ غازیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارکھتی ہے برائی اور نازیبا بات سے)

اور زکوٰۃ نفس کو سارے حق کے ذریعہ پاک کرنے کا نام ہے۔ کعبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور وارثہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، صفاد مردہ، حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہ) میقات سے لوگ مراد ہیں، تبلیہ اجابت دعوت، کعبہ کے سات طواف سے ساتوں انہ کی محبت و دوستی کی طرف اشارہ ہے جو شریعت کے حامل ہیں، اور اگلی شریعت کو آنے والی شریعت تک باقی رکھنے کے ذمہ دار! اختتام سے مراد ناسیوں کے سامنے آنے کے اسرار کو بغیر قصد کے افشا کر دینا ہے اور غسل سے ائمہ سے پھر تازہ، عبد استوار کر لینے کی طرف اشارہ ہے۔ جنت تکالیف شرعیہ سے راحت پالینے کا نام ہے، اور روزخ تکالیف برداشت کرنے اور ظاہر پر عمل کرنے کا نام۔

قرامطہ اور باطنیہ بھی اسی قسم کی خرافات اور کبر اس لگاتے ہیں، اور ظاہر پر عمل کرنے کے سنت مخالف ہیں، اسی لئے انہوں نے ماجیوں کو عین حرم شریف میں قتل کیا ان کا مال لوٹا اور حجر اسود اکھاڑ کر لے گئے اور کوفہ میں لے جا کر کسی کڑی پر ڈال دیا۔ یہ سب حرام چیزوں کے جائز ہونے کے قائل ہیں،

برقعہ اکثر انبیاء علیہم السلام کے کانکار ہی نہیں ان پر معنی بھی کرتے ہیں، باطنیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سب غفلتے غلطیوں اور صوفیوں اور جمہور اجماع کی ساختہ پڑاؤں باجی ہیں، رمضان کے روزے حضرت عمر کی نکالی ہوئی بدعت ہے، خطابیہ، مستوریہ، معریہ اور جابریہ کہتے ہیں،

کہ مذکورہ فرائن ان لوگوں کے نام ہیں جن کی دوستی کا ہم کو حکم ہے۔

اور محرمات ان لوگوں کے نام ہیں، جن کے ساتھ دشمنی رکھنے پر ہم مامور ہیں،

منصور یہ اور ذرا امید جنت سے مراد امان لیتے ہیں اور دوزخ سے مراد ان کے دشمن مثلاً ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما
معمر یہ کہتے ہیں کہ جنت دنیا کی نعمتوں کا نام ہے اور دوزخ دنیا کی تکلیفوں کا۔ اور یہ کہ دنیا کو فنا نہیں مطیع باللہ
کے قدر میں اس فرقہ نے اس سجدہ بوجہ یہ بھی پورا تسلط اور غلبہ پایا اور ایک دنیا کو گمراہ کر ڈالا کہ عقلمندوں کے لئے عزت
کا باعث ہوا۔

آخر چنگیز یوں کے ہاتھوں پروردگار کے غضب کا شکار ہو کر کیفر کردار کو پہنچے اور اس علفشار میں سب خشک و قریل گیا، اور کردہ و نا کردہ سب اس کی پیٹ میں آ گئے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے: **وَأَنفُخُ نَفْثَةً تَأْخُذُ بِالنَّاسِ** **فَالْمُؤْمِنُونَ كَالْعِصْفِ مَا أَضْحَكُوهُ** اس فقرہ سے ڈرو جو صرف انہیں کو پیٹ میں نہیں لے گا جنہوں نے تم میں سے علم کیا ہو گا۔

عقیدہ رد ۱۲۳: **بِإِذْنِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی کے پاس بھی کوئی فرشتہ پر پیغام رسائی بنا کر نہیں بھیجا۔ نہ کوئی وحی نازل ہوئی نہ ہی کسی نے فرشتہ کی صورت آدمی جی سنی، بغیر اس کی صورت دیکھی۔

لیکن امامیہ کہتے ہیں، جناب امیر کو یہ مرتبہ حاصل تھا اور آپ کے پاس وحی آتی تھی آپ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں اتنا فرق تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ دکھائی دیتا اللہ جناب امیر صرف اس کی آواز سنتے تھے، دیکھتے نہیں تھے، چنانچہ کلینی نے کافی میں جناب سجاد سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں

وَأَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي كَالِبٍ كَانَ مُحَدِّثًا وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ اللَّهُ إِلَيْهِ لِيُكَلِّمَهُ وَيَسْمَعُ الصَّوْتِ وَلَا يَرَى الصَّوْتِيَّ

کہ حضرت علی بن ابی طالب محدث تھے۔ اور جناب محدث وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس سے کلام کرتا ہے، وہ آواز سنتا ہے صورت نہیں دیکھتا۔

یہ سب کچھ اس قوم کی من گھڑت باتیں اور مجبوری روایات ہیں اور پھر یہ ائمہ کی ان روایات سے بھی مخلوق ہیں جو خود انہیں کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّهَا الدَّاسُ كَسْبُ يَنْبَغِي مِنَ النَّبِيِّ اِنَّ الْمُبَشِّرَاتِ (اسے تو گونہ دہت تو میرے بعد باقی نہیں رہے گی) مگر مبشرات باقی رہیں گی اور انہیں کے ہاں یہ روایت بھی موجود ہے کہ

ۛ حضور تھے اللہ علیہ وسلم پر سونے کی مہروں سے مہر شدہ ایک کتاب نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کتاب جناب امیر کرمی آپ نے حضرت شیخ کو دی اور اسی طرح وہ دست بدست ہوتی ہوئی جناب مہدی ملک ہنسی ہر گاہ بھیجے آنے والے کو یہ وصیت کرتا گیا کہ وہ ایک مہر توڑے اور اس کے معنوں پر عمل پیرا ہو چنانچہ ائمہ کا علم اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔

لہذا جب صورت حال یہ ہے تو اب فرشتہ بھیج کر اس کی آواز سنوانے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی اور یہ کیا کام کا جو جو کارخانہ قدرت میں محال ہے،

اما میر کا ایک اور کردہ مصنف قاضی کے وجود کا مفروضہ یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال

کے بعد نبیؐ نے فائزہؓ سے ارشاد کیا کہ تم ہمارے پاس وحی آتی تھی، اور ان کو بکبا کر کے جناب امیر مومنینؑ نے مصحفِ فائزہ کو مرتب کیا تھا، بعد میں پیش آنے والے اکثر واقعات اور اس امت کے نشتے اس میں درج ہیں، اور اسی مصحف کی روشنی میں ائمہ لوگوں کو عینب کی خبروں سے مطلع کیا کرتے تھے۔

شیعوں میں سے ممتاز یہ فرقہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مختار تقیؑ کے پاس وحی آتی تھی، باب اول میں اس کے متعلق

بیان آچکا ہے۔

اور استیعیدہ میں سے سبیبہ، مصقلیہ، مغیرہ، اور عجلہ، اپنے پیشواؤں کی نبوت اور ان پر نزولِ وحی کا دعویٰ علی الاعلان صاف الفاظ میں کرتے ہیں یہ بیان بھی باب اول میں سپرد قلم ہو چکا۔
عقیدہ (۱۴۷) ۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد نہ تو کتابتِ شرعیہ و عبادات وغیرہ ختم کی گئیں نہ ختم کی جائیں گی؟

مگر اسامیہوں میں سے مصریہ، منصورہ، اور حمیرہ فرقوں کا عقیدہ ہے کہ امام وقت کے حکم سے یہ تمام تکالیف شرعیہ اٹھائی اور منسوخ کی جاسکتی ہیں، چنانچہ ابوالخطاب نے جس کا نام معمر تھا، دمعریہ اس نسبت سے اس فرستے کا نام ہے، اپنے ماننے والوں کے ذمہ سے تمام تکالیف کو اٹھا دیا اور تمام حرام چیزوں اور باتوں کو حلال کر دیا اور ان کے ترک کر دینے کا حکم جاری کیا۔

منصورہ کہتے ہیں کہ جس شخص کی امام سے ملاقات ہوگئی تمام تکالیف خود بخود اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئیں، اب وہ مادر پدر آزاد ہے، جو چاہے کرسے کیونکہ ان کے نزدیک جنتِ امام ہی کا نام ہے اور جنت میں پہنچ جانے پر کوئی تکلیف باقی نہیں رہتی!

حمیرہ کہتے ہیں کہ امور شرعیہ دینِ حجت وقت کے سپرد ہیں، تکالیف شرعیہ کا معاف کرنا یا ان میں کمی بیشی کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ حسن بن ہادی بن نزار بن مستطرف نے جو پانچویں صدی ہجری میں گزرا اور جس کو یہ لوگ حجتِ وقت کہتے اور ماننے میں، تکالیف شرعیہ کو کسی مصلحت کے تحت ساقط کر دیا تھا، اور تمام حرام چیزوں کے حلال ہونے اور زانیوں کو چھوڑ دینے کا حکم نافذ کر دیا تھا۔

عقیدہ (۱۵۵) ۱- کسی امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ شرعی احکام میں سے کوئی ایک ساقط کرے یا تبدیل کرے۔

مگر اثنا عشریہ، بلکہ سارے ہی امامیہ اور حمیرہ اس کے قائل ہیں کہ امام کو ایسا کرنے کا حق ہے،

ان لوگوں کا یہ عقیدہ عقلاً بھی غلط ہے، کیونکہ امام کا بحیثیتِ نائبِ نبی یہ کام ہے کہ وہ نبی کی غیبت کو بھیلنے اس کی تعلیم کو رائج کرے اس پر عمل درآمد کی نگرانی کرے اگر اس کو ان احکام میں رد و بدل کا کوئی حق ہوگا تو وہ نائبِ پیغمبر تو نہ ہوگا مخالفِ پیغمبر ہو گیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ شارعِ شریعت بنائے والا نہ نبی ہے نہ امام بلکہ وہ تراندہ تعالیٰ خود ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے، شَرَعَ لَكُمُ الدِّينَ وَمَا وَضَّاهُ لَكُمُ الْاَوْحَاءُ تَهَارَسَ لَكُمْ وَهُ تَرَانِدُ تَعَالَى کی گئی جس کو فوج کو حکم کیا گیا تھا، یا ارشادِ ہوا بَلَّيْ جَعَلْنَا مِنْكُمْ دِيْنًَا وَمِنْهَا جَا۔ تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے گھاٹ اور راہیں مقرر کیں، اور پھر جا بجا ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے اپنی سمجھ اور عقل سے بھری اور جنگی و حلال جانوروں اور دوسری کھائی جانے والی حلال چیزوں کو حرام ٹھیکر یا یا مرفوع اور اس جیسی حرام چیزوں کو حلال

قرار دیا قرآن مجید میں عام الفاظ میں ان پر عتاب فرمایا جس میں بلا تخصیص دوسرے بھی شامل ہیں، پس جب نبی ہی کو کوئی حکم منسوخ کرنے کا حق نہیں تو امام کو یہ حق کہاں سے اور کیسے ملے گا ورنہ ترجمہ امت نبی کی نیابت نہ ہوئی بلکہ اور بیت میں شرکت ہو گئی،

اپنے اس عقیدہ بالا کے ثبوت میں بھی اثنا عشریوں نے ائمہ سے چند بناوٹی اور من گھڑت روایات نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو محمد بن بابویہ قمی نے ابی عبد اللہ سے کہی ہے، اَلَّذِي قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَخَذَ بَيْنَهُ اَلْأَنْبِيَاءَ اَلْأَوَّلِينَ اَلَّذِينَ اَنْ يَخْلُقُوا اَلْأَنْبِيَاءَ فَخَرَقَهُ كَمَا مَرَّكَ اَلْجِدَّ اَخْلِلَ اَلْبَيْتِ فَكَرِهَتْ اَلْأَخْمِ مِنْ اَلَّذِينَ اَخْلَا بَيْنَهُمَا فِي اَلْأَزْلِ وَكَسَدَتْ تَوَاتُ اَلْأَوْجُهِ مِثْلَ اَلْوَلَدِ حَرَجِي۔

”آپ نے کہا کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اجسام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل رحول میں بھائی چارہ کر لیا تھا، اگر اہل بیت میں سے کوئی حاکم ہو تو وہ اپنا وارث اس بھائی کو ٹھیرائے جس سے ازل میں بھائی چارگی پیدا ہو چکی ہے، ماں کے پیٹ کے بھائی کو وارث نہ بنائے۔“

اس روایت کے غلط اور جھوٹ ہونے پر صاف دلیل یہ ہے کہ تکالیف شرعیہ کا تعلق چوتھے عام لوگوں سے ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان کا مدار ان ظاہری علامات اور واضح امور پر ہو جیسا کہ انسانی علوم کی رسائی ہو سکے مثلاً پیدائش و نکاح کے سلسلہ کی قرابت؛ اس کے خلاف ازلی بھائی چارگی تو ایسی بات ہے کہ کسی پہلو سے بھی اس تک عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی مثلاً یہ کیسے معلوم ہو کہ اس قسم کی اخوت کس کے ساتھ ہے؛ اس کی جگہ کہاں ہے؛ اور اس ازل بھائیوں کی تعداد کیا ہے، اور یہ کہ اخوت میں قرب و بعد کے لحاظ سے ان کے مراتب کیا ہیں، تاکہ بعض کو بعض پر ترجیح دی جا سکے اور ضعیف کو قوی کے مقابلہ میں فروم کیا جائے، اگر اس بارے میں ہر فرد سے متعلق امام کا حکم صریح تھا تو کیا جائے تو یہ بھی ناقابل عمل بات ہے لہذا میراث کا معاملہ تو اس صورت میں نفاذ پذیر یہی نہ ہو سکے گا۔ پھر تو لوگوں کے تمام احوال بحق بیت المال ضبط کئے جانے کے لائق ہو گئے۔

ساتواں باب

امامت کا بیان

معلوم رہنا چاہئے کہ اس سلسلہ کے وہ مسائل جو مختلف فیہ ہیں ان میں پہلا مسئلہ یہ ہے۔

مسئلہ (۱)۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ مکلفین کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اپنے میں سے ایک رئیس و خلیفہ امیر کا انتخاب کریں اور پھر شریعت کی روشنی میں اس کی انتہا اپنے اوپر لازم جانیں، اور شرعی امور میں اپنے رئیس کی ہر طرح مدد اور اعانت کریں یوں تو ہر فرقہ اپنے فطری جذبہ کے تحت اپنے لئے ایک رئیس منتخب کرتا ہے مگر شارع نے ایسے رئیس کے لئے اوصاف اور شرائط و لوازمات متعین اور بیان کر دیئے ہیں تاکہ ان شرائط و لوازمات کی وجہ سے ریاست فساد و بدانتظامی کا شکار نہ ہو۔ اور یہی شریعت کا قافرن ہے اس کا انسان کے فطری امور کی تعیین و تخصیص

میں کوئی دخل نہیں بلکہ ان امور کے عمومی اوصاف اور شرائط و لوازم کی وضاحت کرتا ہے، جو صلاح و فلاحِ عالم کا باعث ہوں اور جن سے انتظام کی حفاظت میسر ہو۔

اور تعین و تقصیر کو عقل کے حوالہ کیا گیا ہے خواہ وہ عقل انفرادی یعنی شخص متعلق کی ہو یا عقل اجتماعی کہ بہرہ برداری یا پنجابیت کی۔

مثلاً نکاح کے بارے میں یہ توجہ بیان کیا گیا ہے کہ جس سے نکاح کیا جائے اس میں کیا اوصاف ہوں اور شرائط نکاح مثلاً گفت و ہم نسبی، ولایت نہارت اور سہرا نیز اس کے لوازمات مثلاً نان و نفقہ جائے رہائش وغیرہ منکوحات کی تعین سے مثلاً فلاں سے فلاں کا نکاح ہو اور فلاں سے فلاں کا کوئی تفریق نہیں کیا گیا اس کو عقل انفرادی یا اجتماعی کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔

اور یہی حال تمام معاملات کا ہے، بلکہ دینی امور میں بھی یہ توجہ پایا گیا ہے کہ۔ قَا سَلُّوْا اَصْحٰبَ الْاٰیٰتِ كِرَامِیْنَ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ راگرتم نہ جانتے ہو تو کسی جاننے والے سے پوچھ لو مگر اہل علم و مجتہدین کی کوئی تحفیس نہیں فرمائی کہ فلاں عالم یا مجتہد سے پوچھو۔

ہاں اگر پیغمبر علیہ السلام کی زندگی و موجودگی میں کسی شخص میں ریاست کبریٰ کی قابلیت حاصل ہوئی یا اس کو فتویٰ و اجتہاد کا درجہ نصیب ہوا اور پیغمبر علیہ السلام کو بذریعہ وحی یا رسالت طبع یا قرآن سے اس کا علم ہوا پھر آپ نے اس شخص کے استحقاق و قابلیت کو یہاں فرمایا تو پھر اس کے کیا کہنے یہ تو فخر علیٰ نذر کا معاملہ ہو گیا، جیسا کہ خلفائے اربعہ اور بعض دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ہوا۔

اس مسئلہ میں امامیہ اختلاف کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ رئیس عام کا مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہے حالانکہ الہیات کے باب میں گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کے واجب ہونے کے کوئی معنی نہیں یعنی اس پر کوئی چیز واجب و لازم نہیں بلکہ اس پر کسی چیز کا واجب ہونا اس کی الوہیت اور ربوبیت کے منافی ہے،

بلکہ تمام تکلیفات سیادت، مثلاً نظام سیاست کا اجراء و دشمنوں سے جہاد و عسکری تیاری مالی ضمیمہ، خمس فنی کی تقسیم احکام کا نفاذ وغیرہ وغیرہ رئیس عام کے وجود سے وابستہ ہیں۔ تو پھر اس کا تقرر انہیں کے ذمہ ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ پر اسے کیوں واجب و لازم کیا جائے۔ اس لئے کہ واجب کا مقدمہ و پیش خیمہ، اسی پر واجب و لازم ہوتا ہے جس کی طرف اس واجب کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے نہ کہ کسی دوسرے پر! مثلاً و ملوکنا ستر کو چھپانا قبلہ کی سمت رکھ کرنا، کپڑے، جائے نماز کا پاک رکھنا، جو تکلیفات و مینیہ و شرعیہ ہیں، یہ سب نمازی کے ذمہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہیں،

لہذا امام و خلیفہ اور رئیس کا مقرر کرنا ہر بہت سے واجبات کا پیش خیمہ ہے جو تکلیف پر واجب ہیں تو یہ بھی ان تکلیفین ہی پر واجب ہو گا نہ اللہ تعالیٰ پر!۔

اور اگر اس معاملہ میں ذرا غور سے کام لیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رئیس کا تقرر بہت سے فرائض کا سبب ہے، اس لئے کہ اہل عالم کی آراء و نفوس انسان کی طواغیبت ایک دوسرے سے مختلف ہیں، تو کسی ایک شخص یا چند اشخاص کا پورے عالم کے لئے دائی و باقائے دنیا امام و مالک کی حیثیت سے تقرر و تزیین کہ ہوا رہے گا باعث ہو گا۔

اور بے اختیار غصے پیدا ہو سکتے ہیں ایسا کرنا امر امانت کو نفوذ بیکار کر دینے کا سبب ہو گا۔ اور سرکشوں کے غلبہ کا باعث ہو گا۔ اور خود عاجان امر کے مایوس ہو جانے اور نفیقہ کرنے کا سبب ہو گا۔ بلکہ ان کو معزز خطر و ہلاکت میں ڈالنے کا باعث کیونکہ ان حالات میں یہ حضرات رؤساء، امر و مہم و خوف نرہ، و بے دبیہ اور چھپے رہیں گے، چنانچہ جن حضرات کے بارے میں یہ امانت کا افتقاد رکھتے ہیں، وہ حالات مذکورہ بالا سے دوچار ہوئے نہ کھل کر حکومت کر سکے نہ نفاذ احکام کی جرأت ہوئی نہ لوگوں میں نظم و ضبط قائم کر کے فتنوں کا سد باب کر سکے۔

بلکہ وہ قرائتیں مبرور اور دبیہ رہے کہ ان لوگوں کا بھی کچھ نہ بگاڑ سکے جو علی الاطلاق ان پر افتراء اور بہتان کے طور پر باندھتے اور اس بھڑک و جھلساڑی کو دراصل سے دنیا میں پھیلاتے رہے، ورنہ نفیقہ نرا کر گوشت نشین رہے! اور کاربادت وہ لوگ چلاتے رہے، جو اہل نہ تھے۔

تقرر امانت و خلافت کو لطف خداوندی کہہ کر اس کو خدا کے ذمہ کرنے کی بات گواہی دیتی ہے کہ سرسری عقل اس کو باور کریتی ہے، مگر غور و فکر اس کو کبھی گوارا نہیں کرتے،

ہاں رئیس کا تقرر اس شکل اور اس شرط کے ساتھ ضرور لطف الہی قرار پا سکتا ہے کہ امام و حاکم کی تائید کی جائے نصرت و اعانت کے ساتھ اس کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں اور اس کو غلبہ و برتری حاصل ہے اس کے دشمن اور مخالف غائب و خاموش و دلیل و رسوا رہیں ورنہ تو وہی نفقہ و فساد، فتنہ و بغاوت لگے کا مار پڑتے ہیں اور جب تائید کے بجائے سازش ہو اور غلبہ کے بجائے مقہوری مقسوم ہو تو پھر اس منصب کو لطف کہنا خلاف عقل ہی نہیں عقل کا ماتم ہے،

اس سلسلہ میں امامیہ بطور جواب یہ کہتے ہیں کہ امام کا وجود ایک مہربانی (لطف) ہے، اور اس کی مدد کرنا یا تلف و اختیار سے نوازا دوسری مہربانی اور غلبہ و تصرف اگر حاصل نہ ہو تو یہ بندوں کا تصور اور ان کی کوتاہی ہے کہ انہوں نے اماموں کو اتنا ڈرایا دھمکایا کہ ان کو اپنی جان کے لئے پڑ گئے اور اظہار امانت سے پہلو تہی کرنے لگے رفتہ رفتہ قربت غیبی بکبری کی آگئی، اور پھر سوائے نام و نشان کچھ نہ رہا، لہذا جب ہندوں نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے ان کی مدد چھوڑ دی تو اس میں خدا کے ذمہ کی کیا قیامت لازم آئی۔ اور دشمنوں سے چھپنا یا ان سے خوفزدہ ہونا تو انبیاء اور اوصیاء کی خاص سنت ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کفار کے خوف سے غار میں پوشیدہ رہے، امامیہ کے اس جواب میں ان مقدمات سے سراسر غفلت اور چشم پوشی برتنی گئی ہے جو اعتراض میں ذکر کئے گئے تھے، اس لئے کہ کہا گیا تھا کہ امام کا وجود بشرط تصرف و نصرت نہ ہو گا تو نتیجہ وہی فساد ہو گا لہذا جواب میں مجیب کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ان فسادات کے لزوم کی دلیل کے ساتھ تردید کرے، اس کے بغیر وہ جواب محض بکباب ہو گا اور یہاں مجیب کے اس جواب میں فسادات کے لزوم و عدم پر غور ہی نہیں دی گئی،

اور بندوں کی مدد ترک کرنے کی جرأت کبھی ہے، وہ بھی ناقابل تسلیم ہے، اس لئے کہ اہل سنت اور شیعوں خصوصاً زید یوں، واقفیوں، اور نازیبیوں اور افطیریوں کے مؤرخین میں سے کسی نے یہ لکھا نہ اس کا ذکر کیا، بلکہ وسلاطین میں سے کسی نے بھی اپنے امام وقت کو ڈرایا ہوتا اور پھر ایسا ڈرایا جو چھپنے کا سبب ہو وہ ڈرا دنا تو قتل ہی کا ہو سکتا ہے، اور انہی کے لئے قتل کی دھمکی نہ چھپنے کا سبب ہے نہ خوف کا بلکہ وہ دھمکی تو ان کے لئے بے معنی اور

فصل سی بات ہے، اس لئے کہ ائمہ تو اپنے اختیار سے مرتے ہیں، جب موت ان کی اپنی مرضی پر موقوف ہوئی تو پھر قتل سے ڈرنے کا سوال ہی نہیں، جب تک ان کی مرضی نہ ہو کوئی ان کو ہاتھ نہیں لگا سکتا چنانچہ کلیئہ نے اس قاعدہ کو بہت سی روایات سے ثابت کیا ہے اور اس کے لئے ایک مستقل باب علیحدہ سے بانٹا ہے۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ ائمہ، حکم الہی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تو ان کی یہ روپوشی بھی حکم خداوندی کے مطابق ہوگی اور یہ روپوشی بھی حکم الہی سے ہوئی اور اس نے اتنا طویل کھینچا کہ ہزار سال سے بھی زیادہ مدت گزر گئی، اور ان کی روپوشی کے دوران اتنا بڑا فساد اور انقلاب رونما ہو گیا کہ دین و ایمان کی نہ صرف شکل ہی بگڑ گئی بلکہ اس کا شیرازہ اتنا پریشان اور ایسا بکرا کہ اس میں اصلاح کی بھی گنجائش نہ رہی تو یہ منصب لطف کہاں رہا۔ دوسری بات یہ کہ جب ان کی روپوشی امر الہی سے ثابت ہو گئی تو ان انبیاء و اوصیاء کو آپ کیا کہیں گے جو روپوش نہ ہوئے، بلکہ ثبات قدمی کے ساتھ دین و ایمان کے بقا و سلامتی کی خاطر اپنی جان دیدی۔

مثلاً حضرت یحییٰ علیہما السلام اور حضرت سبط نبی حسین رضی اللہ عنہما، یہ تو پھر آپ کے خیال و عقیدہ کے مطابق نفوذ باللہ واجب کے تارک ہوئے،

اچھا آپ اگر اسے یعنی روپوشی کو واجب نہیں مندوب و مستحب ہی کہیں تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ روپوشی ہونے والے حضرات نے ایسے امور کا ترک کیا جو یقیناً ان کے لئے واجب تھے مثلاً اقامت دین اور تبلیغ احکام تو ایک مندوب و مستحب کام کی خاطر ترک فرما دیا جب کیا ان ذی شان حضرات کے شایان شان تھا؟ یہ بات تو ان حضرات کے لئے پچھلی بات سے بھی زیادہ سخت ہوگی،

اور اگر ہم بچھا چڑھانے کے لئے کوئی یہ کہے کہ امر الہی مختلف نوع پر آئے تارکین کے حق میں تو وہ مندوب و مستحب تھے اور روپوشیوں کے حق میں وجوب و فرضیت کی شکل میں تو پھر یہاں بھی یہ اشکال رہا کہ ہر دو میں سے کسی ایک فریق کے لئے اللہ تعالیٰ نے ترک اصل کیا اور یہ صورت بھی شیعوں کے نزدیک غلط اور باطل ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ ائمہ کی روپوشی قتل کے ڈر سے تو نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جیسا کہ ابھی ہم سطور مابقی میں بتا چکے ہیں کہ ائمہ بمرجعی خود قوت ہوتے ہیں ان کی مرضی کے خلاف کوئی انہیں موت سے ہم کنار نہیں کر سکتا اور اپنی مرضی و پسند کی موت خوف و ڈر کا باعث نہیں ہوا کرتی۔ تو پھر ڈر اور خوف کا سبب کوئی جسمانی ایذا ہوگی لیکن اس میں یہ خرابی ہے کہ گریا ائمہ عبادات و عبادت اور مہر و مشقت کے اجر جزئی سے بھی آباد لغو کر دیتے ہوں گے کیونکہ خدا کی راہ میں اذیت و مشقت کی برداشت تو اپنے اندر بہت بڑے اجر و ثواب رکھتی ہے اور جہاد تو نام ہی سزا پاشقت کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجاہدین کے بلندی درجات مسلم الثبوت ہیں،

اور پھر ائمہ تو بڑے بلند مراتب کے لوگ ہیں، ان کی عبادات تو عام بندوں سے اعلیٰ و ارفع ہوتی ہے اور ان میں خاص طور پر صاحب ازاں کا چھپا اترتا ہے، ناقابل فہم اور بے معنی بات ہے اس لئے کہ ان کو تو یقین سے یہ بات معلوم ہے کہ میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزدیک نہ ہوں گا نہ مجھے نہ آسکتی ہے نہ کوئی مجھے مار سکتا ہے اور میں تو سربراہ آئے سلطنت مشرق و مغرب، ہوں گا نہ وہ کیسے اور کہیں مخالفین اور دشمنوں کی طعن و تشنیع اور تحریف و تکذیب کی وھونٹ میں آگئے وہ ان سے کیوں درتے ہیں، اور کلام خدا علی الاملاں دین کی عظمت اور اس کی اقامت کا

فریب نہ کر۔ اور انہیں کہتے۔ اور اے ارادہ کی صورتیں رشتہ کیوں برداشت نہیں کرتے ارادہ! یاد رکھ کے اگر سانسہ خفگیسا حضرت حسینؑ نے اٹھا اور غم کے طرہ کے کیوں باغضت کرنے سے آگے نہ بڑھا اور وہ ابست فرما رہا کہ ظالموں اور انجانوں نے اتنا ڈرایا اور خوف دلا کہ اب اگر غم نہ کرے اور اس پر اس خوف و غمی میں المنکر کا فریب نہ لے، اس نے اس پر ان کو تو اپنی طرف سے غم کی جھینٹ نہ تھی۔ نہ ان کو یہ معلوم تھا کہ ان کا اتنا برا اور قسطنطین ہو گا بھی کہ نہ یہ۔ اچھو! نہ تو صرف ارادے ترمن ارادہ! الہی کی خاطر ہر قسم ازایت واد و تکلیف خواہ اور بدنامی یا مالی و جملہ پیشانی برداشت کی۔ اور اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا۔

انہیں اور اس جیہی ترمیم عقلی باتوں اور ہم و دانش کی گفتگو سے آگاہ ہر کرمی طریقہ ترمیم کی کتاب ترمیم الانبیاء والائمہ میں لکھا ہے کہ صاحب الزمان "اور ان کے آبائے کرام کے ایسے فرقہ ہے اور وہ یہ کہ ان کے ترمیم بات کا پتہ ہے کہ وہ مہدیین قائم ہیں۔ اور نیزہ و سنان، تیغ و تنگہ کے وہ ہیں، دشمنوں کو نیزہ نہ کر نیزہ اس میں اور خلائق سے انتقام لینے کے واسطے ان کے ملک و ملت کو صفحہ ہستی سے مٹانے والے لہذا ان کو وہ ہے جو دوسروں کو نہیں مٹا،

[illegible]

تو پھر ان اسباب امن و امانیت کو کیوں خاطر میں نہیں لاتے، اسباب خوف کو ہی بڑھتی دیکھ رہے ہیں، کیوں ہر دم پلٹ کر نظر رکھ کر کیوں اپنے آپ دہلا رہے ہیں! حالانکہ حقیقت میں یہ اسباب خوف بھی بالکل خلاف واقعہ ہیں۔ کیونکہ صاحب الزمان تمام ہیں ان کو تو جو کچھ ہو یا ہو نہ والا ہے سب کا علم ہو گا۔ اور کم از کم زمانہ نبیت میں کسی شیعہ سے جسکی ان تک رسائی ہو گئی ہو گا کہ مخالفین ان کے دعویٰ مہروریت کو ہزار سال سے زائد مدت تک طویل کھینچنے کو قبول و تسلیم نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ مخالفین کے نزدیک یہ طے شدہ بات ہے کہ آثار قیامت تیسری ہجری سے بارہ سو برس گزر جائیں گے بعد منور ہوں گے، ان کے مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ مہدی صدی کے اواخر میں ظہور کریں گے وسط صحت میں نہیں اور یہ ظہور بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متصل ہو گا۔

کچھ زمانہ فاصلہ دے کر نہیں، اور ان کے سر پر وقت ظہور ابر کا سایہ ہوگا سو ابر سرمن رائے۔ کانہیں۔ ان کے
ظہور کی جگہ مکہ مکرمہ کا عزم شریف ہوگا، سرمن رائے نہیں،

اور امامت کا دعویٰ عمر کے چالیس سال گزرنے کے بعد کریں گے بچپن یا بڑھاپے میں نہیں۔
 لہذا مذکورہ ملامت و نشانیوں کے برعکس ظاہر ہو جائیں اور کسی وقت علماء و مشائخ کے مجلس میں دین کی دعوت
 اور احکام شرع کی تبلیغ کریں اور کرامت و کساہیں تو یقین ہے کہ ان سے کوئی تعزیر نہ کریں گا خصوصاً شیعہ کہ وہ فردی
 وہابی سے اس کے منہن اور شہدائی ہیں اور خود اسے ہی کہہ رہے ہیں ایں مانگنے ہیں۔

نیز ان کو یہ خبر بھی ملی ہوگی کہ باقریہ یہ موطا کرتے ہیں کہ مہدی موعود قوجا ب باقریہ ہیں اور ناز سیدہ ہانکتے ہیں کہ اس منصب پر جناب جعفر صادقؑ ہائے ہیں، اور قسطنطین اس مسند پر موعود بن جعفر کو بٹھاتے ہیں، اور ان لوگوں کے یہ دوسرے امت میں شائے اور سرور ہیں، پھر بھی ان بزرگوں کے پیچھے کوئی نہیں پڑا۔

اور نہ مہدویت کی وجہ سے کسی نے ان کو ڈرا یا دھمکا یا تو صاحب الزماں کو کیوں ڈرائیں گے، اور ان کے پیچھے کیوں پڑیں گے۔ اسی طرح جو پیر کے سید محمد نے بیان کیا وہی مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور انسان، وکن، اور بچوں کے ایکسٹیم فیئر نے اپنا لقب مہدی رکھ کر انہیں خدایا عقیدت پیش کیا اور ان کا اتباع کیا۔ اور کسی نے بھی ان کو قتل نہیں کیا۔ نہ کوئی سزا دی۔

خصوصاً مسئلہ عربوں کے عراق و خراسان پر فائز ان صفوی کا تسلط ہوا اور وکن میں سلطانین بھنیہ اور عادل شاہیہ جو مذہب شیعیت میں مدورہ شدت اور فلو رکھتے تھے برسرِ اقتدار آئے اور ہندو سندھ اور بنگالہ جو اس عہد میں بظاہر توجہ انگریز بادشاہ کے زیرِ نگیں لیکن دراصل فورجہاں کے زیرِ نقاب تھے، اس لئے کہ حکمرانی و حقیقت اس کے عراقی و خراسانی اقارب کر رہے تھے، اور امراد و ملاد اور موبہ مار کٹر شیعہ تھے۔ تو ایسے زریں موقعہ کو کیوں ہاتھ سے جانے دیا اور اسی وقت ظہور کیوں نہ فرمایا، اور اپنے دشمنوں کو محض بے بنیاد وہم کی وجہ سے مادرِ اللہ کے غانوں اور روم کے قیصروں کے سلف و کرم اور فرائد سے کیوں محروم رکھا یہ ان کے کون کون عطا کرم آپ اپنے ان ملاقوں کو چھوڑ کر جو ان کے شیعہ یاروں اور جاں نثاروں سے بھرے پڑے ہیں، بخار اور سمرقند یا اسلامبول میں ظاہر ہوں اور خواہ عوامہ لوگوں کے ڈر سے اور خوف کا سنا کر ہوں کیا ان کو یہ وسیع ممالک اور کشادہ زمین نہ مناسب نظر آئی؟

اور خریف ارتشی نے جو یہ کہا جسکے صاحب الزماں، شروع شروع میں دوستوں سے تو مل لیتے اور ان پر ظاہر ہو جاتے، صرف دشمنوں ہی سے چھپے رہتے تھے مگر بعد میں دوست دشمن سب ہی سے غائب ہو گئے خطرہ یہ تھا کہ ناواں دوست، وانا دشمنوں پر ان کے راز فاش نہ کر دیں، اور اپنی دشمنوں کو جھوٹا کانٹے کا ذریعہ نہ بن جائیں،

یہ ایسی فساد طرازی ہے جس سے شاید تاریخ سے نادانف لوگوں کو تو قریب دیا جاسکے، لیکن تاریخ دان تو قراس انکشاف کو خندہ استہزاء سے زیادہ کچھ سمجھنے کو تیار نہیں کسی بھی مورخ نے آج تک کبھی یہ نہیں لکھا کہ کوئی گروہ باجماعت محمد بن حسن عسکری کی تلاش میں سرافران بنی گھروں میں ناممکن جہانمختی پھری ہو یا اس وقت ان کی جستجو بغداد یا سرمن رائے بن لوگوں میں موشوع گفتگو بنی ہو یا اس زمانہ کے خلفاء و ملوک کے دل میں اس کا خیال بھی آیا ہو سوائے اثنا عشریہ کے انہوں نے البتہ ان کی غیبت کی توجہ کرتے دن دن یہ مہم اور فرضی احتمالات ذکر کرتے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نہ ان سے دان نہ آشنا۔ بلکہ اب تک تاریخ اس بات کا ثبوت دینے سے قاصر ہے کہ اس میں کہیں یہ ذکر بھی آیا ہو کہ جناب حسن عسکریؑ کے گھر اس شکل و ثنا بہت اولو و صاف کا کوئی بچہ پیدا ہوا جس کو مہدی موعود جان کر لوگ اس کے درپے آزار اور درپے قتل ہوئے ہوں،

اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ان بزرگوار کی غیبت صفوی کا عرصہ ستر سالوں سے زیادہ رہا اس دوران اس عہد کے کئی خلفاء و ملوک سب ختم ہو گئے ان کی سلطنتیں شراب و خیال ہو گئیں تو اس بات کو کون عقلمند درست دیکھ سکتا ہے کہ ان خلفاء و ملوک کے عہد میں چار پانچ سال کا ایک بچہ امامت کا دعویٰ کرتا ہے، اور پھر اپنے دعوے

کے مطابق معجزہ بھی پیش کرتا ہے اور اسی وقت سے اس مسر کے لوگ و خلفاء و امرا اس کی تکذیب کر کے اس کے ڈرانے اور ابزار دان کے درپے بر گئے ہوں، جگہ جگہ ہاسوس منور کر دینے ہوں اور پھر ایک دوسرے کو دیت کر سوسے ہر نام صدیان گزرنے کے بعد جو بھی ان خدا، و ملک کے جانشین اس کی کاشائے نہ تھکے ہوں نہ غلے بیٹے ہوں بلکہ پیشانہ پیش تضحی سے تلاش و تجسس میں ہیں گئے رہے ہوں، ایسی صورت یہاں پر پیش اور غیبت کبریا کا اندر کیے قابل پذیرائی ہو سکتا ہے۔

اور چھو بہ دم بھی ایسے زمانہ میں جب کہ کوئی ان حال مقام کی ایذا رسانی کا خواہاں نہ ہو مثلاً جو مصنف یہ کہ اس دور میں تو لوگ ان کے لئے آنکھیں فرشی راہ کئے ہوئے تھے، ان کے دیدار کے مشاق تھے، جان و مال اس جہر بہ سبار ساسی آمد پر تار کر نے کے لئے کمر بستہ تھے اور سب کے سب ایک زبان ہو کر نالہ و زاری فرما رہے انسان میں مشغول رہ کر یہ اعلیٰ رہے تھے کہ امام زمان ہمارے فریاد سنو اور اپنی نجات دہانہ سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی کیجئے اور یہ کوئی کچھ دتا ہوا بھی نہ ہو بلکہ موردِ مبالغہ کی ایک جماعت اور جم غفیر جو اس پر بھی یہ حضرت معین چند قدانی اور رومی اور شون کے در سے اس قدر بزدل سے کام لیتے ہوئے خود کو ظاہر نہ کرتی بلکہ روز بروز پیچھے سے جلی زائد چھپنے اور پوشیدہ رہنے کی کوشش کرتے ہوں تو ان امام عالی مقام کا یہ عمل درجہ امامت کے حدود بر ممانی ہو گا، کیونکہ امامت کی بنیاد تو دہری و بہادری پر استوار ہے۔

باوجود اس کے کہ جان کا خوف بالکل نہیں ہے کہ خود کی درازی عمر کا علم ہے اس لئے کہ اثنا عشریہ کے نزدیک گزشتہ آئندہ کا علم ان کے لئے لازمی ہے تو ان کشیدوں کا اشتیاق ملک عراق و خراسان، ہند و سندھ خصوصاً یورپ اور برطانیہ، رکن، لکھنؤ و نین آباد میں ان کو با تفصیل معلوم ہو گا۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گا کہ ان کے منسلکوں مقتدوں کے پاس کتنی فرجیاں اور آلات حرب و غریب ہیں۔ اور انگریزوں سے کتنی زبردست ساز باز ہے یہ سب ہی ان پر منکشف ہو گا ان سب حالات کے ہوتے ہوئے بھی خود کو رد پرش رکھنا اور ڈرنا کہ کہیں مجھ کو بھی مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کوئی دیکھ کر سے قتل نہ کرے حالانکہ مارا جانا مقدمہ نہیں تو آخر کس مقولہ پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

اور پھر ہر امت و دین میں تکلیف انبیاء و اسیاء گزرے، ان کے دشمن بھی ہوئے اور وہ درپے آزار بھی رہے بلکہ تنگ عزت کے ساتھ ساتھ جسمانی آزار و نقصان پہنچانا بھی اور ان کو ہلاکت تک پر قدرت پا گئے، اسی پر بھی ان حضرات نے اپنے جسم کو مصائب پر قربان کر دیا اور صبر کو اپنی محبت کا پیش خیمہ بنایا اور پھینچنے یا رد پرش ہونے یا میدان عمل سے جھگن گوارہ نہ کیا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے، وَكَانَ جَمِيعٌ قَاثِلٌ مِّمَّا يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ فَآمَا وَصَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا نَعَفُوا وَمَا سْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ اور بہت سے نبی ایسے ہیں کہ اللہ والوں نے ان کی محبت میں جہاد کیا اور اللہ کے راستہ میں ان کو جو کچھ درپیش ہوا اس پر نہ دوست پڑے نہ کمزوری دکھائی نہ فریاد و انتہا کی اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، حالانکہ ان حضرات کو نہ اپنی موت پر اختیار تھا نہ اپنی در اہلی طرغیہ و تسلط کا یقین تھا۔

سارے ہی شیعوں کا یہ دینی طرز عمل حیرت میں ڈالنے والا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ غم اور فکر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و مشرکین کے ہاتھوں کوئی گزند نہ پہنچ جائے جب کہ آیت واللہ اعلمک من ان س و اللہ تعالیٰ

کہ آج، یا مآز میں، لہذا اس کی افہامیت، اندیاز کرام پرستہ ثابت نہ ہوئی۔

اب رہے یہ قسم کہ سید الامام علیہ السلام بھی کفار کے ڈر سے غار میں مقیم ہوئے، تو یہ بات میں سب سے بالکل جلع جوڑ ہے، اس لئے کہ حضور علیہ السلام کا غار میں قیام و عوائے نبوت کو چھپانے کی غرض سے نہیں تھا بلکہ آپ اپنے ہجرت کے پرگزرم کو کفار سے چھپا اچا ہتے تھے کہ وہ اس سے آگاہ ہو کر اس پر دگرگام میں مزام نہ ہوں اور کرنی و کارڈ نہ کھڑن کر دیں، اور یہ ماجرا تین راتوں میں ختم ہو گیا کفار آپ کی تماش سے ہار تھک کر اور کوئی اندہ پنہ رپا کر نہ دیا واپس لوٹ گئے، اور آپ علیہ السلام مقام ہجرت مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہو گئے تو آپ کے غار میں تین شبانہ قیام کو اگر کی نسبت معری و کبری پر قیاس کرنا سفاقت ہی کہلا سکتا ہے، ہاں آپ کے اس قیام کے وقت یا سترش دولت دین، تبلیغ احکام اور اظہار نبوت میں سے کسی میں چیز مشاطن پڑتا یا وہ درہم برہم ہو جاتی تو اس پر تیاں درست مان لیں لیا جاتا بلکہ یہاں تو تاریخ رستہ کی کتابیں موجود ہیں، انہیں اٹھا کر دیکھ لیا جائے کہ وہ کرنسی جمانی درود حانی ایذا و شست ہے جو ان بخت کفار کے ماخرن خاصہ کا تواتر اور وجہ موجودات علیہ السلام کو نہ پہنچا ہو مگر آپ ایک لمحہ کے لئے بھی ادائے فرض اور اعلائے کلمہ الحق سے باز نہیں رہے،

اور اگر اس لطیف بحث کو کسی کی عقل نارسا اور فہم کچ میں بار نہ مل سکے تو اس سے قطع نظر ایک اور ظاہر دین نزق ان دونوں صورتوں میں ایسا ہے کہ معمولی عقل و شعور رکھنے والا بھی اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا کہ اس پوشیدگی میں جو ظہور و غیبت و چھپنے، کا پیش خیمہ ہوا اور اس اقتدار پر شیعہ میں جس کا لازماً نتیجہ گناہ کا بھرجانا اور ترک دعویٰ ہو زمین و آسمان کا فرق ہے، چنانچہ سید الابراہیم علیہ السلام نے قرین رافضی بداندیشوں کی بیخ و بن اکھاڑ ڈالی اور خیر اندیشوں کی تعداد کہیں سے کہیں پہنچا دی لہذا یہ قیام تو مقصد کے لئے ایک تدبیر تھی،

کہ اگر باب طرم ابتداءئے عمل میں ان سے کام لینے ہیں اور حصول منفرد کا بہترین موجب شمار کرتے ہیں، یہ وہ پوشیدگی نہیں تھی جس کا نواز شیعہ سزات بنام صاحب الزمان کو نیا کرنا رہے ہیں، مگر ظاہر و طور پر اس سے بڑی ہمد اسے اور دوسرے دست برداری اور محنت امت سے خود کو دور کرنا صاف آشکارا ہے، انہوں نے اس غیبت کے دوران اس فرقہ و طبقہ کو متاثر تا بلکہ اور غر کیا، کس ملک و سلطنت کی بناء تمام کی!۔

اگر صاحب الزمان کو نہیں ملا تو ان کے بجائے تین سو سال ملتے اور فارغ کر کے بجائے سوا سو برس اس کے اور مدینہ نذرہ کے بجائے دارالمؤمنین قم یا دارالایمان کاشان، اور بجائے انصاری کے فاس و عراق کے شیعہ جو انصار سے کثرت سامانی میں ہزار گز زائد ہیں، اس وقت یہ خمدار کرتے کہ میں ہر طرح سے جو کس ہو کر امت کی اصلاح احوال کے لئے ظہور کر دوں گا تو اہی سنت اور دیگر مسلمان ان شرائط کی فراہمی پر ان کو معذور سمجھتے کہ آخر امام کا رہنما پیغمبر سے تو کم ہی ہوتا ہے مگر ستم ظریف تو دیکھئے کہ ہزار سال سے زندہ گزر گئے، اتنی لمبی مدت ملی اور اکثر بلاد اسلامی میں مذہب کا چرچا ہوا اور وسیع و پرفنسا دیار و امصار و ستوں کے قبضے میں آئے، کہ ان میں سے ہر ایک دھشک جا رہا اور جا بلقادر حیرت میں نوارم ہے۔ اور انصار و احوال نے وہ قوت پکڑ لی جو کسی اور مذہب کو نہ ملی۔ اس سب کے باوجود آپ نے ظاہر ہونے کا میلان یا اس کا خیال نہ کیا، اور روز بروز اختلاف اور پوشیدگی میں قدم آگے ہی بڑھتا گیا۔ تو ایسے شوار پند اور مشکل طلب امام کے ماقول نہ جانے اور کیا کیا جھگڑا ہے کہ ابتدا ہی میں امت میں طاقت برداشت سے زیادہ تکلیفیں ڈال دیں

یہ تو راستہ نہ ہوئی قیامت ہو گئی۔ ان ہی باتوں کو دیکھ کر اور ان پر غور کر کے مہربان شیعہ کے شیخ کسرا لعزیزان کے مصنف متعارف نے ترفیہ مرتضیٰ اور متقدمین کے راستہ سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار کیا اور کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْاُخْتِصَافُ لِحُکْمِہٖ اَسَاوَرُکَ اَللّٰہُ تَعَالٰی فِی عَلَیْمِہِ الْغِیْبِ ہونکہ اگر شیعہ کی ایک حکمت پر مبنی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب میں اپنے لئے پسند کیا، اسی پر ہے کہ یہ نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس طرح تو ہر چیز کے بارے میں جب اس کو خلاف لطف و مہربانیں کہہ سکتے ہیں تو پھر کسی بھی چیز میں لطف ثابت نہ ہوگا مثلاً تقریر امام زینہ اور اس استعمال کا وہ سب سے شیعوں کا سرور شستہ کلام عقل ہو جائے گا کیونکہ ان کی دلیلوں کی بنیاد اسی قول پر ہے کہ فلاں امر لطف ہے اور لطف اللہ پر واجب ہے، لہذا اس بحث کو ٹوڑ دینے سے سمجھنا چاہیے اور پھر اس موافقہ نامہ میں ان کا ہاتھ پاؤں مارنا دیکھنا چاہیے، کہ یہیں سے ان کی عقل و دانش کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مسئلہ (۳) امام کا مہر سزا پایا ہے یہ پوشیدہ اور مد پرش نہ ہرنا چاہیے ہی اہل سنت کا مذہب ہے نہ وہ مہر کو امامت کی شہود دیتے ہیں نہ کہ یہ اس شرط کو نہیں مانتے اور ہوں فطیق و نفس ہرود کی نواف و دین کے مذہب ہر تے ہی عقل کی خدمت و رزق و سطرہ ہوتی ہے نہ امام و خلیفہ کے فقر کی تو غرض یہی ہوں ہے کہ وہ صدر و فخر و نون اور سزاؤں کا ہوا کہ وہ فوجوں اور سفاروں کو تیار کرے اس کا خوف کا حفاظت اور نظم و ضبط بقرار رکھے اس کا مشیہ کا بل بلا کرے اور اس و سزاؤں کا انفاق کرے برائیں اور گناہوں پر و گور کو سزاؤں سے نفعین اور انہوں کی فقر و ناس کی دلتے اور یہ اس و سزاؤں کے کہ امام عالم مہر میں آئے فدا و پیشہ لوگوں پر اس کا مذہب و دہر بہ چھا یا ہے وہ اس کے بنا پر کہ اس کا مذہب یا ہے اور اس کی مائیت و مسافت کا اقبال قائم ہو بلکہ شمس نہیں آسکتے اگر یہ اسد حاصل نہ ہوں تو امام کا بونا نہ ہونا برا ہے بلکہ بیکار ہے اور کار خاندان و قدرت میں بیکار شے کا دہرہ محال ہے امام و خلیفہ کا مہر ہونا عقل کے نزدیک آسان ظاہر ہر ہے کہ اہل مذہب امتیں ہی نہیں ہے نہ مذہب مجوسی ہی اسے ماننے ہیں چنانچہ فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں انہیں کا یہ قول نقل کیا ہے

[illegible]

قائدہ عقلیہ ہے کہ جب کسی چیز سے وہ کام نہ لیا جائے جس کے لئے وہ پیدا کی گئی ہو اس سے کوئی مقصد حاصل نہ ہو قوردا بیکار ہو جاتی ہے نیراں عقل کے نزدیک یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ جب کوئی چیز موجود ہو قور وہ اپنے تمام لوازمات کیساتھ موجود رہتی ہے ورنہ وجود درم ہوا ہر ہوتے ہی، شیعہ عقیدہ عقل و نقل کی خلاف ورزی کے ساتھ عزت کے بھی مخالف ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ سے بدعت صحیح بطریق قور ترویج البلاغہ میں یہ روایت مذکور ہے اِنَّهُ قَالَ لَا دُجَّةَ بَيْنَنَا مِنْ اَمِيرٍ مِمَّنْ اَوْفَا جَعَلْنِي فِيْ اَمْرٍ مِّنْهُ لَمْ يَنْتَهِمْ فِيْهَا الْكَافِرُ وَيَنْتَهِمْ فِيْهَا الدَّجَلُ وَيَا مَن فِيْهَا السُّبُلُ وَلَيْزَ خَذُ لِلْمُضَوِّبِ فِيْ الْقَوِي حَتَّى يَنْتَهِجَ بِرَّ وَنِيْزًا مِّنْ كَا جِر۔

آپ نے فرمایا لوگوں کیلئے ایک امیر ضرور ہے وہ ایک ہر باد کہ جسکے زیرِ ذلیل و من کام کرے اور کافرانہ اٹھائے اور اسکی حکومت میں اپنی مدت پور کرے اسکی مدت میں رہتے ہوئے مظلوم و مظلوم ہوں مظلوم سے کفر کا حق دلائے

نیکان سے رہیں اور بدوں سے ان کی حفاظت ہو۔
اور جناب امیر کے اس کلام کو تفسیر پر بھی ماحول نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ صحیح البلاغہ میں اس کی تصریح ہے کہ آپ نے خوارج کی یہ بات نہ آئمۃ کوئی حکومت نہیں ہے، سکر یہ کلام فرمایا تھا، اور خوارج کے مقابلہ میں تقیہ کا کیا سوال اور کیا حوازا۔

مسئلہ (۱۲۳)۔ امام و مفید کا علم و اجتہاد میں خطا سے پاک ہونا ضروری نہیں اور نگاہ سے معصوم ہونا امامت کی شرط ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ تقریر کے وقت کبیرہ گناہوں میں مبتلا نہ ہو اور صغیرہ پر مصر نہ ہو کیونکہ یہ عدالت کے خلاف ہے، اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے،

مگر شیعہ خصوصاً امامیہ اور اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ علم میں غلطی سے پاک ہونا اور عمل میں گناہ سے کہ ان کا صدور اس سے معصی ہو ان کے نزدیک انبیاء کی طرح امام بھی ہوتا ہے، ان کا یہ عقیدہ بھی کتاب و سنت کے خلاف ہے۔
کتاب اللہ کے تو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَاوُتَ مِدْكَ اَبے شک اللہ تعالیٰ نے طاووت کو تہارا بادشاہ بنا کر بھیجا۔) لہذا طاووت واجب الاطاعت امام ہوئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تھے حالانکہ یہ بالاجماع معصوم نہیں تھے،

بلکہ ان کا جو معاملہ حضرت داؤد علیہ السلام سے ہوا اس سے تو ان کی عدالت پر بھی حریف آتا ہے، عصمت تو بعد کی بات ہے، پھر دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے، اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الدُّنْیَا خَلِیْفَہٗ دین زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کر رہا ہوں تو حضرت آدم علیہ السلام نبوت سے پیشتر ہی خلیفۃ اللہ فی الارض ہو گئے اور بالاجماع ان سے لغزش ہوئی، دَعٰی اٰدَمُ سَابِقَہٗ فَعَزَّی رَیْسَ اَدَمَ فِی نَافِرَتِیْ اِنِّیْ رَیْبُکِیْ وَہ بک گئے، اور یہ قصہ خلافت و امامت کے زمانہ کا ہے نبوت کے وقت کا نہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے، کَسَبَ الْجَنَّةَ سَابِقَہٗ فَنَتَابَ عَلَیْہِ وَہَدٰی فِیْہِ اِسْمَ رَبِّہٖ فَاَسٰی کُفْرًا، اس کی توجہ قبول کی اور ان کو ہدایت دی،

اور عزت کی مخالفت اس طرح کہ ایک تو جناب امیر رضی اللہ عنہ کا وہ قول جو بحوالہ صحیح البلاغہ ابھی مذکور ہوا۔ دوسرے کلینی کی کافی میں بروایت صحیح یہ مذکور ہے کہ جناب امیر اپنے دوستوں سے فرما رہے تھے، اِنَّکُمْ تَكُونُوْنَ مَقَالِبَ یَحْتَقِیْ اَوْ تَكُونُوْنَ مَقَالِبَ یَحْتَقِیْ اَمِنْ اَنْ اَخْطِیْ اِنِّی۔ (تم حق بات کہنے سے اور متصفانہ مشورہ دینے سے باز نہ رہو، کیونکہ میں مظلوم نہیں ہوں کہ غلطی مجھ سے سرزد نہیں ہو سکتی، یہ پوری روایت باب ملاحضات میں انشاء اللہ بیان کی جائے گی،

نہی پر ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے بعد کوئی معصوم نہیں، اور اگر بالفرض اس کا اجراء تسلیم کریں تب بھی ان کا یہ شبہ ہی مجتہد جامع شریعت سے ٹوٹ جاتا ہے، جو امامیہ کے نزدیک امام رد و پیش کے وقت ان کا نائب مقرر ہوتا ہے اس لئے کہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ یہ نائب غلطی کر سکتا ہے، اب یہاں ان کا جو جواب ہو گا امام کے بارے میں وہی ہلکا جواب ہے۔

شعبہ ۱۱۲۔ امام شریعت کا نگہبان ہوتا ہے، اگر اس سے غلطی کا صدور جائز مان لیں تو وہ شریعت کی حفاظت کس طرح کرے گا،

ہم کہتے ہیں کہ ان کا یہ مندرجہ بھی قابل تسلیم نہیں کہ امام نگہبان شریعت ہے وہ صرف احکام شرع کی تردید دینے اور اوامر و نواہی کا نفاذ کرنے والا ہے۔ شریعت کی نگہبانی علماء اسلام کا کام ہے اور انہیں سے متعلق ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے **وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ وَكَوْضًا جَمَاعًا اسْتَحْفِلُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَادُوا عَلَيْكَ شَهَادَةً اَوْ رِايَةً** اور اہل علم کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت کی توقع کی گئی تھی، اور وہی اس پر گواہ تھے نیز دوسری جگہ ارشاد ہے **كُوْنُوا اُمَّةً يَتَّبِعُكُمُ الْكِرَامُ وَبِئْسَ كُنْتُمْ ثَمَرًا** اور وہی بن جاؤ بسبب اس کے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیا کرتے اور اس کے پڑھنے پڑھانے میں گئے رہتے تھے، اور جب فترت کے زمانہ میں رکہ اماموں کا سلسلہ رک جانے سے عبارت ہے، امامیہ کے نزدیک بھی شریعت کی حفاظت علماء کے ذمہ ہے تو اسی طرح حضور و روپوشی امام کے وقت بھی شریعت کی حفاظت علماء کے ذریعہ ہوگی،

چنانچہ ابن مسعود علی نے کشف الکرامہ میں لکھا ہے، **اِنْ حَقَّقَ بَيْنَ اَوْلِيَاءِ اِمَامِ الْمُتَّعِلِّ بِالْاَلِيَّتِ الْمُتَّعِلِّ بِاللَّهِ** فترتِ ائمہ کے بعد اہل علم کے ہونے سے **اِنَّ كَرَمَ اَخِي خَفِظَ اللَّهُ تِلْكَ اَوَّلِيَّةَ بَرَجَائِ مِنَ الْمَوْنِيْنَ**۔ اگر ان سے متصل امام اور ائمہ سے واصل نبی کے درمیان اور دوسرے وہی کے درمیان زمانہ فترت اور خلا برقرار نہ تالی اس کی وصیت کی حفاظت مومنین کے ذریعہ کرتا ہے،

اور اگر ان کا شبہ حضور ہی دیکر وہاں بھی نہیں تو امام شریعت کی حفاظت و نگہبانی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت کے ذریعہ سے کرتا ہے ہذا خود نہیں، ان تینوں ذرائع حفاظت شریعت میں غلط و غلطی جائز و درست نہیں ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زمرہ اجتہاد میں شامل ہے، زمرہ شریعت میں نہیں اس لئے اس کی نگہبانی کی بھی امام کے لئے چنداں ضرورت نہیں،

ان شبہات کی صحت کی صورت میں یا علمین پیش کیا جاسکتا ہے کہ اگر امام کے لئے معصوم ہونا اس لئے ضروری ہوتا کہ وہ غلطی اور خطا سے بچتا رہے تو کچھ چاہیے تھا کہ ہر ملک بلکہ ہر شہر میں ایسا ایک شخص موجود رہتا جو صرف ایک آدمی کیلئے معصوم، پوری دنیا کو غلطی و خطا سے نہیں بچا سکتا اس لئے کہ مکلفین تو مشرق سے غرب تک پھیلے ہوئے ہیں، اور پھر ہر ایک اپنی حاجتوں اور ضروریات میں گھرا ہوا ہے، ہر ایک کو اپنی فرصت کہاں کہ اپنی غلطیاں امام سے درست کرانے کی خدمت میں حاضر ہو اور نہ بابتدار حقیقت ایسا ہونا ممکن ہے بلکہ مادہ محال ہے، اور اگر امام سے دوری کے سبب امام ہر شہر ہر قریہ میں اپنا نائب مقرر کرے تو اس میں عصمت نہ ہونے کی وجہ سے غلطی جائز ہوگی اور امام سے دوری کے سبب امام اس کی غلطی پر مطلع بھی نہ ہو سکے گا خصوصاً روزانہ کے

نت سہ واقعات اور گونا گوں مسائل اور نہ رکھنے والے حواث پیش آنے کے سبب تو ایسا ممکن نہیں کہ غلطی سے بچنا
 کر پتا رہے، خاص طور پر غیبت کبریٰ کے زمانہ میں تو اصلاح احوال کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں، پھر امام اگر نائب
 کی غلطی پر مطلع ہو جائے تو بالمشافہ اس کو ٹوکنے اور اصلاح کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں،
 بجز اس کے کہ یا تا مدد کے ذریعہ مطلع کرے یا بذریعہ مراسلات۔ اور تا مدد جو کچھ معصوم نہیں ہوگا تو وہ غلط و غلطی
 سے معذور نہ رہا۔ لہذا غیر معتبر ٹھہرا اور مراسلات و تحریرات میں جو دھوکے بازی اور جعل سازی چل رہی ہے اس کے
 پیش نظر اس میں بھی غلطی کا احتمال موجود ہوگا۔

پھر اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اگر نائب کو تحریر کا مطلب سمجھنے یا قاصد کی گفتگو کے ذریعہ امام کا مقصد سمجھنے میں
 کوئی دشواری اگر پیش آگئی تو وہ اپنی رائے اور قیاس کے اصول کو کام میں لائے بغیر اس کو حل نہ کر سکے گا اور ان سب صورتوں
 میں شبہات غلطی کا گنجائش ہے، لہذا خطا سے حفاظت کی اس کے بغیر کوئی صورت ہی نہیں کہ ہر ہر ملک اور ہر شہر
 میں ایک معصوم، مقرر ہو،

مسئلہ ۱۴۲۔ یہ ضروری نہیں کہ امام کے تقرر کے وقت خدا کا صریح حکم بھی آئے، کیونکہ اس تقریر کی ذمہ داری تو
 مکلفین پر ہے، وہ ضرورت کے وقت، حالات کے تحت، اپنی مصلحت اور تقاضائے زمانہ کے موافق اپنے میں سے
 ایک رئیس چن لیں۔ اور چونکہ یہ ان کا اپنا انتخاب ہوگا اس لئے اس کی لاج رکھیں گے اور پاسداری کرتے ہوئے اس
 رئیس کی اطاعت میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے اور اگر اس کا تقرر خدا کی طرف سے کسی نفس کے ذریعہ ہو تو دیگر تمام احکام
 شرعیہ کی طرح اس کے متعین و مقرر کرنے میں غفلت اور سستی پیش آئے گی اور غلبہ د امام کے تقرر کرنے سے جو غرض
 تھی وہ ہاتھ نہ آئے گی، اگر مکلفین ایسے ہی بھٹمانس ہوتے کہ ان کے لئے صرف فرمان الہی کافی ہوتا تو قرآن کی احکامات
 کرنے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرامین کی کونسی کمی باقی رکھی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی
 کسر اٹھا رکھی اور ان مکلفین نے ان کے ساتھ کیا کیا؟

امام و خلیفہ کا تقرر و نصب اسی لئے تو ہوتا ہے کہ مکلفین کی فہم و فہمی جائے احکام شریعت میں ان کی سستی و کاہلی
 کا فوری جانے اور جن کا عبوت باتوں سے نہ اترتا جو ان کو لائق کی مادی جانے اور لوگوں کو چارہ و ناچار، طریقت شریعت سے
 ادھر ادھر کی جانے ان کو باز نہ کر رکھا جائے وہ اپنے کو اور دیر آزاد نہ سمجھیں۔

اور اگر خود امام و خلیفہ بھی دیگر شرعی احکام کی طرح کی ایک کڑی ہوتا تو وہ بھی دیگر احکام شرعی کی طرح غفلت و سستی
 کا شکار ہوتا۔ لہذا مکلفین کے حق میں یہی اصل ہے کہ انتخاب امیر کی ذمہ داری انہیں کی عقلوں پر ڈالی جائے،

مگر امامیہ کہتے ہیں کہ امام کا تقرر خدا پر واجب ہے لہذا امام کی طرف سے تقرر نامہ آنا یا نہ ہونا، مالا محال کا یہ عقیدہ
 بھی عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے، عقل کے خلاف ہونا تو سطور بالا سے معلوم ہو گیا۔ نقل کے خلاف اس طرح ہے
 کہ اللہ تعالیٰ نے جا بجا انسانوں کے بعض فرقوں مثلاً بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا وَجَعَلْنَاہُمْ اَیْمَنَہُ دِہِم نے ان کو
 امام بنایا، وَتَرِیدُہُمْ اَنْ یَّجْعَلُہُمْ اَیْمَنَہُ وَتَجْعَلُہُمْ اَیْمَنَہُ (ہم چاہتے ہیں کہ ان کو امام بنالیں اور وارث کریں، اور
 اور یہ بھی فرمایا وَجَعَلُکُمْ مِّلَّوْکًا وَاَتَمَّکُمْ مَا لَکُمْ یُؤْتِ اَحَدٌ اَحَدٌ اَللّٰہُ لَیْسَ رَاہِیْنِہُمْ رَاہِیْنِہُمْ بِنَاہِیْنِہُمْ بِنَاہِیْنِہُمْ
 جو عاملین میں سے کسی کو نہیں دیا تھا، اور یہ بھی ارشاد ہے وَتَرِیدُہُمْ اَنْ یَّجْعَلُہُمْ اَیْمَنَہُ وَتَجْعَلُہُمْ اَیْمَنَہُ وَتَجْعَلُہُمْ اَیْمَنَہُ وَتَجْعَلُہُمْ اَیْمَنَہُ

ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔

اور ان مختلف فرقوں کے ملوک اماموں اور خلفاء میں سے کسی ایک نام کی بھی تصریح نہیں فرمائی۔ بلکہ ہر تائب را کہ ان فرقوں کے ارباب اختیار خود ہی اپنے عقل و تدبیر اور سمجھ بوجھ سے کسی ایک فرد کو تمام ریاست پر دہرتے یا وہ خود اپنی شوکت و غلبہ سے سب پر مسلط ہو جاتا اور سب اس کے حلقہ اطاعت میں آ جاتے۔

لہذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے امام و خلیفہ بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے ان لوگوں کے دلوں میں جھلکی کبھی برائی بات و وقت اور اعتبار رکھتی تھی، یہ بات جاگزین کر دیتا تھا کہ فلاں شخص کو میں بناؤں گا کہ وہ تعالیٰ کا تائید آسان اور شوکت غیبی سے اس کو مخلوق پر تسلط عطا فرمائے۔

اب اگر وہ ریاست و سیاوت کا اہل ہے تو امام عادل ہے، ورنہ امام جابر۔

مسئلہ (۵) امام کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک تمام اہل زمانہ سے افضل ہوں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت طاہرہؑ کو اپنے حکم سے خلیفہ بنایا جب کہ پیغمبروں میں حضرت داؤد اور حضرت شعیب علیہما السلام موجود تھے۔ جو باریب و تنگ ان سے افضل تھے اور عند اللہ برتر تھے۔ ہاں اگر امیر و خلیفہ کا چناؤ اہل صل و خند کی ہیئت سے ہو تو اس کا اہتمام ہونا چاہیے کہ حکمرانی کے اوصاف سرداری کے شرائط میں جو بلند و افضل ہو، اس کو منتخب کرے دوسرے سردار میں افضل و برتر ہونے کا لحاظ نہ کرے۔ اس لئے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔

کہ ذاتی طور پر ایک شخص دل کا مل، عالم متغیر اور نجیب الطریق ہو مگر وہ اپنے اکیلے گھر کا بھی انتظام نہ پیدا سکتا ہو، تو وہ اپنے ملک کی سرداری کے فرائض کیسے پورے کر سکے گا، لہذا یہاں دوسری ہی قسم کی صلاحیت و فضیلت ہونی چاہیے۔

اور پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ امامیہ نرے بدھو بھی نہیں ہیں کہ وہ نہی الی شیعہ عقیدہ گھر چلتے ہوں یہ بڑے کاٹیاں اور منصوبہ باز لوگ ہیں، یہ کوشش تو یہی کرتے ہیں کہ زخم زخم سے ہی کے لگے، مگر بیچارے مکانات عمل کے قانون کی زد میں ہاتھ پاؤں اپنے ہی تڑوا بیٹھتے ہیں، اس عقیدہ میں بھی یہ یمنوں شرائط (معصوم ہونا، معصوس ہونا، اور افضل ہونا، بڑی چالاکی اور بدعتی سے بڑھائے ہیں کہ عقیدہ کے پروں ہی میں غلامانے ٹھکانا ضروری ہے) کی خلاف ورزی کا انکار کریں اور اہل سنت کو علیحدہ جواب نہ دینا چاہئے اس لئے کہ اہل سنت کے نزدیک خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم نہ معصوم ہیں نہ معصوس علیہ اور افضلیت میں بھی بحث کا میدان خاما و سیل ہے لہذا ہم بھی یہاں ان شرائط کو نظر انداز کرتے ہیں اپنی برائی کے بیان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کے اثبات کے موقع پر ان کے یہ ہتھیار بھی پرکھیں گے اور ان شرائط کے انشاء اللہ پرچے اڑائیں گے۔ لیکن امامیہ نے اپنی کتابوں میں سارے مسائل کی اصل و بنیاد انہیں شرائط کو ٹھیرایا ہے اور اس میں بڑی لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں، اس لئے محض انتقام کی مناسبت سے ان شرائط کی جدا جدا لغوی بیان کر دی گئی لیکن نسل بخش کلام کے لئے اصل محل و مقام تک پہنچنے تک کا انتظار کر لیا جائے۔

مسئلہ (۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے نائب یا فضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

مگر شیعاں اس عقیدہ کے سب سے بڑا انداز میں مخالف ہیں، شیعوں کے تمام فرقوں میں قدر مشترک (اور نکتہ)

خیال جس میں سب متفق ہوں یہ ہے کہ امام بلا فصل بعد رسول اللہ علیہ السلام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاکم بدین، غاصب خلافت تھے کہ حیلہ خوالہ اور اپنے اثرات سے کام لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منصب امامت سے محروم کر کے خود اس پر فائز ہوئے اس خیال پر دنیا جہاں کے سارے ہی شیعہ متفق ہیں، ان میں اختلاف تو جناب امیر رضی اللہ عنہ کے بعد ہے کہ ان کے بعد امام برحق کون ہے،

نیز، بھی راجع رہے کہ اہل سنت کے نزدیک امام پیشوائے دین کو بھی کہتے ہیں، اور اس سے سننے کے لحاظ سے امام اعظم ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ جوفتنہ میں پیشوا تھے، امام عزالی، امام رازی رحمہما اللہ کو جو عقائد و کلام میں پیشوا تھے اور تاج و عاصم رحمہما اللہ کو جو بن قرأت میں پیشوا تھے امام کہتے ہیں، اور اگر اہل بیت اطہار ان تمام علوم و فنون میں پیشوا تھے خسرو ہدایت باطن اور ارشاد طریقت میں کہ اس میں ان کو درجہ انبیا از حاصل تھا لہذا اسی نقطہ نظر سے اہل سنت بھی امام طور سے ان کے لئے امام کا لقب استعمال کرتے ہیں، امام بمعنی خلیفہ کے نہیں، کیونکہ خلافت کے لئے ان کے نزدیک زمین پر اقتدار استحقاق امامت، غلبہ و شوکت اور حکام کا نفاذ ضروری ہے اسی وجہ سے انہوں نے خلافت کو صرف پانچ حضرات پر منحصر و محدود رکھا ہے،

اور کبھی بادشاہت و ریاست پر بھی نفاذ امامت انتقال کرتے ہیں، اگر بادشاہ خورشید سیرت نہ ہو لیکن بہت سے دینی امور میں وہ پیشوا ہوتا ہے مثلاً جہاد میں غفیتوں کی تقسیم میں جمعہ وعیدین کے تمام کرنے میں لہذا ان تینوں مقامی کو جدا جدا ذہن و تحقیق کر لینا چاہیئے، اگرچہ ان سب مقامی میں نقطہ شریک ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ امور دینی میں جس کی پیروی اور اقتدا کی جائے، وہ امام ہے، یہاں تک کہ امیر المومنین کو وہ بھی ایک لحاظ سے مقتدا اور امام ہے، اور اسی لئے تو پیشوائے مزارِ امام کہتے ہیں،

اور جب دین کے تمام ظاہری و باطنی امور میں کسی کو پیشوائی نصیب ہو تو وہ غفلت حقہ کا مستحق ہے یہ نہایت صرف پانچ حضرات میں منحصر ہے اور اہل سنت کا یہ خیال محض ہوائی نہیں ارشادات قرآنی پر مبنی ہے کہ اس میں ان پیشواؤں کو جو بظاہر امتدار نہیں رکھتے تھے، ائمہ کہا ہے مثلاً - وَجَعَلْنَا لَهُمْ آيَةً يُفَكِّرُونَ بِهَا - ہم نے ان کو امام بنایا کہ وہ بتا دے کہ ان کے تعلقہ کون تھے اور ہر شخص کو یہ دعا سکھائی وَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا دیا اور غفلت میں ہر جگہ زمین کی قید رکھائی مثلاً فَمَا يَسْتَفِيضُ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ - یا - فَجَعَلْنَاهُ خَلْفًا لِّآلِ أَبِي يَافِعْرَ الَّذِي جَعَلْنَاهُ خَلْفًا لِّكَ الَّذِي فِي أَسَى طَرَفِ كِي اور آیاتہ !

اور اس کی وجہ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کیوں کی جب کہ اہل وقت

فرما دیا کہ مجھے اپنی ناک کٹ لینا اس صلح سے زیادہ پسند تھا۔

آپ کے اس فرمان اور طرز عمل سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر صلح نہیں کی تھی۔ کیونکہ مجبوری کی صورت میں مصلحت کی جاتی ہے نہ شکایت۔

یہ ایک مشہور قاعدہ ہے کہ ضرورت میں منوعات کو جائز کر دیتی ہیں، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کلام سادات فرما ہر کتب شیعہ میں مذکور ہے، اس بات کی بھی دلیل ہے کہ امام وقت کے کسی فعل پر اپنی سمجھ میں آنے والی کسی مصلحت کے خلاف باک نہ کرنا یا ناخوشی ظاہر کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مصلحت وقت اور رعایت حال کی بنا پر اکابرین امت میں بھی اختلاف رونما ہوا ہے، اور وہ ناخوشی و ناراضگی کا سبب بھی بنا ہے، مگر ایک دوسرے کے خلاف بدگوئی اور برا بھلا کہنے کا باعث نہیں ہوا ان دوسرے فائدوں کو بڑی احتیاط سے ملاحظہ میں تانا دیکھنا چاہیے کہ یہ بہت سی جگہ کام آئیں گے۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بعض جاہل امامیہ انتہائی عناد و تعصب کی بنا پر کہتے ہیں کہ اہل سنت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امام مانتے ہیں، یہ قول انتہائی بے شرمی اور فحش چشمی پر مبنی ہے، اور اس کو منہ پر جھوٹ بونا کہتے ہیں، درمختصم پڑھا لکھا فارسی خواں جس نے اہل سنت کے مولانا عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا مترجمہ فتا نامہ فارسی پڑھا یا دیکھا ہے یقین سے جانتا ہے کہ اہل سنت سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ابتدائی امامت سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے معاملہ امامت حوالہ کرنے تک وہ حق پر نہیں تھے بلکہ باغی جیسا کہ وارادہ کر رہے تھے اس لئے کہ امام وقت کی اطاعت چھوڑ بیٹھتے تھے امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب امامت سیرد کی تو اس وقت وہ بادشاہ ہوئے یا ان کی حیثیت کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں، کہ وہ ایک عام بادشاہ تھے تمام اسلامی ممالک کے فرمانروا اور جناب امیر رضی اللہ عنہ نے کسی ناگزیر مصلحت کے سبب ان کی سلطنت کی وصیت کو گوارہ کر لیا تھا، اور وہ امام کی اتباع جیسا کہ چاہیے نہ کرتے تھے،

جس طرح بعض صوبیداروں کا رویہ اپنے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے، یا جیسے ہمارے زمانہ کے بادشاہ شاہ عالم کے مقرر کار کہ بادشاہ کے علم میں لائے بغیر امور سلطنت انجام دیتے ہیں اور سوائے مقررہ روزینہ کے پہنچاتے، اس کی طرف عرفیاں کھنکھاتی ہیں یا اس سے التاب و خطابات حاصل کرنے کے اپنے بادشاہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ لہذا ان ملامت کے ماتحت وہ بادشاہ تھے جو بظاہر امام کی رائے اور رضا مندی کے تحت سلطنت حاصل کر چکے تھے، اس لئے اہل سنت ان کو پہلا بادشاہ اسلام کہتے ہیں،

اب رہا یہ شک کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار باغیانہ تھا اور وہ باغی غلبہ حاصل کرنے والے تھے تو ان پر لعن کیوں نہیں کرنے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب پر لعن جائز نہیں اور چونکہ بغاوت بھی گناہ کبیرہ ہے اس لئے اس پر بھی لعن منع اور ناجائز ہے۔

اہل سنت اپنے اس دعویٰ کی دلیل بھی قرآن و حدیث سے لاتے ہیں ﴿لَا تَجِدُ أُمَّةَ نَذَرَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَأَسْتَغْفِرُ لَذُنُوبِ﴾ وَاللَّسُو حِينَ ذَاكَ لَمِنَ الْغُفْرَانِ اپنی لغزش سے اگر کبھی ہو جائے اور مومن مرد و عورت کے گناہوں سے اللہ کی

بخشش طلب کرو کتاب اللہ کی یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ شارع اللہ تعالیٰ کی عرض اہل ایمان کے حق میں استغفار ہے لہذا اس لئے کہ قاعدہ اصولیہ کے مطابق جس کو امامیہ بھی مانتے ہیں، ایک چیز کے لئے حکم دینا اس کے خلاف سے انکار کا مراد ہے، لہذا استغفار کا حکم اس کے مخالف دامن اس کے انکار کا مستحق ہے!

اور پھر گناہ کبیرہ کا مرتکب شیعہ وہی ہر وہ کے نزدیک ایمان سے ملحق نہیں دھو بیٹھتا وہ مومن رہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَلَا تَقْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَتَقْنُوا أَمْ لَا**۔ اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں میں صلح کرادو، لہذا دامن سے صاف ثابت ہو گئی، ہاں اہل کبار متصف بالوصف پر عفو و کتب اللہ میں لعنت آئی ہے، **أَذْكَى لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ**۔ خبردار درہم کہ ظالم پر اللہ کی لعنت ہے (کَنْفُورُ لَعْنَتِهِ اللَّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ) پس ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔ مگر یہ لعنت دراصل صفت پر ہے مومن پر نہیں اور بالآخر اگر مان لیں کہ لعنت موصوف پر ہی ہے تو یہاں ایمان تو ماننے لعنت ہو رہا ہے اور صفت کذب و ظلم کا وجود لعنت کو جائز قرار دے رہا ہے تو اس سلسلہ میں امامیہ شیعوں کے اصول میں یہ طے شدہ امر ہے کہ جب ایک صفت کسی حکم کو چاہے اور وہ ماننے حکم کے ساتھ جمع ہو تو حکم رک جاتا۔ یہ لہذا یہاں بھی صرف صفت کے پائے جانے پر لعنت کا حکم ثابت نہ ہو گا تاہم قیاس کا ماننے ایمان نہ لے جائے جس طرح کافر کے حق میں جب اس کی موت یقینی کفر پر ہوئی ہو اس میں اچھے صنات پائے جائیں گے! زبور متفقہ اور اس کے لئے جائز نہیں ہو گا!

اور ایک دلیل اور ان کا لکھنا یہ ہے: **وَالَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَى الْفِتْنَةِ إِنَّا جَاءْنَا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ**۔ اے اللہ تعالیٰ! جو لوگ فتنہ پکڑنے کے لئے کھڑے ہیں، ہم ان کے لئے ایسا ہی آجائے گا جو وہ کفر کرتے تھے۔ اور ہمارے دلیلی اہل ایمان کی عداوت نہ پیدا کرے، اسے ہمارے رب بے شک تو مہربان اور رحم والا ہے، اس آیت مبارکہ میں مغفرت کی طلب اور بعض عداوت پیدا نہ کرنے کی بنا پر محض ایمان پر رکت گئی ہے اس میں عمل کی کوئی قید نہ کر نہیں لہذا یہ دونوں معاملات برتنا، یعنی ترک بعض عداوت اور لعنت سے احتراز جو طلب مغفرت کا لازمی حصہ ہے، ہر مومن کے ساتھ ضروری ہوتے۔

جستجو اور تلاش کی جائے تو اس مسنون کی اور بھی بہت سی آیات قرآن مجید میں ملیں گی۔

اور بحوالہ عزت اس سے استدلال یوں ہے کہ کتب امامیہ سے بطریق قرآن کریم ثابت ہے، کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اہل شام پر لعنت کرنے سے روکا اور منع فرمایا ہے!

اہل سنت تو بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منع کی اثرنا بائیں کے از کتاب کی حرارت نہیں کر سکتے یہ تو شیعہ ہی ہیں جو ادھر ادھر بات کو گھما پھرا کر یا جھوٹی سچی تاویلات کا سہارا لے کر خلاف درجہ کی صورت پیدا کرنے میں ماہر ہیں، چنانچہ یہاں بھی جناب امیر اس مخالفت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اہل شام پر آپ نے لعنت سے اس لئے منع نہیں فرمایا تھا کہ وہ لعنت کے مستحق نہ تھے، بلکہ مخالفت اپنے درستی کو تہذیب اخلاق اور حسن کلام کا سبق سکھانے کے لئے آپ نے ایسا فرمایا تھا، چنانچہ روایت کے الفاظ اس کی گواہی دے رہے ہیں: **إِنِّي أَكْرَهُ** لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا سَبَّائِينَ (میں تمہارے لئے پسند نہیں کرتا کہ تم گالی دینے والے بنو)۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ امام نے جو چیز ہمارے لئے ناپسنی کیا ہم اس کو پسند کر سکتے ہیں، اور پسند ہی نہ کریں بلکہ اس کو وہ قرب و عبادت بھی سمجھیں ہمارا کام تو امام کے احکام کی بجا آوری ہے جس بات کو آپ نے مکروہ و برا سمجھا ہم بھی اسے مکروہ ہی سمجھیں اور سبب و علت کا سلسلہ امام پر چھوڑ دیں، خواہ مخواہ کے قیاسی گھوڑے بوڑا کر خسرانِ آخرت کا خطرہ کیوں مول لیں اس کے علاوہ اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ شیعہ حضرت نوح البلاءؑ کی اس دوسری روایت سے آنکھیں کیوں چراتے ہیں، جس میں لعنت کی مخالفت اسلامی و ایمانی اخوت و شرکت کی بنا پر گئی ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ **أَنَا كَلَّمْتُ سَبْعَ كُفْرٍ أَهْلَ الشَّامِ مِنْ أَصْحَابِهِمْ خَطْبٌ وَكَانَ أَصْحَابُنَا لَنَا نِزْلٌ مُخَوِّدًا** **فِي الْإِسْلَامِ عَلَى مَا دَخَلَ فِيهِ مِنَ التَّرْلِيلِ وَالْغِيَرِ جَارٍ وَ الشَّيْخَةُ وَالْأَوِيلِ** جب آپ نے اپنے ساتھیوں کو اہل شام پر لعنت کرتے سنا تو آپ نے ان سے خطاب فرمایا کہ ہماری اپنے سلطان بھائیوں سے لڑائی اس لئے ہے کہ بعض اسلامی امور میں بے راہ روی، کچی شبہات اور تاویلات داخل ہو گئی ہیں،

امیر کے کتابوں میں دونوں روایات موجود ہیں، یہ بھی اور اس سے پہلے والی بھی پہلی روایت اگر لعنت سے معفیت کا یہ سبب بتاتی ہے کہ زبانِ درازی اور خلافِ ادب گفتگو کے عادی نہ بنیں تو ہم اس روایت کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ یہ روایت ان لوگوں کے حق میں ہے جو لعن یا لعن کرتے ہیں اور جو شرعاً جائز ہے،

اب یہ بات ایسے اشخاص کے لئے تو ناگزیر ہوتی ہے جو شریعت کو پہنچانے والے ہیں، جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کہ ان اور منافق کی برائی لوگوں کے سامنے لائے اور ان کے ذہن نشین کرنے کی خاطر متصفین صفات مذمومہ پر لعن فرمائیں مگر انبیاء کرام کے علاوہ جو دوسرے ہیں، اور اس منصب پر ناگزیر نہیں ہیں وہ بڑے بے لگام ہوتے ہیں ان کے لئے اب ایسا کرنا جائز نہیں، ورنہ لعن و لعن کی عادی زبانیں اور بہانہ جوئی ان لوگوں پر بھی لعن کرنے لگیں گے جو ان کے مستحق نہ ہوں گے اور لعن اللہ السارق لعن اللہ النشار لعن اللہ الخمر وغیرہ وغیرہ ان کا اور دین جاسٹے گا اور بات بے بات کلی کو چوں میں یہ لعنتی قسم گونجاتے رہیں گے،

اور دوسری روایت میں ان لوگوں کو منع کیا گیا ہے جو اسلام و ایمان کا لحاظ کئے بغیر اہل شام کی تعین و تخصیص

کر کے خصوصیت سے لعنت کرنے لگے۔

اسی طرح جناب امیر رضی اللہ عنہ کی دونوں روایات پر عمل کی صورت نکل آئی اور کلامِ عزت بھی کلامِ اللہ کے موافق ہو گیا بجز لفظ کتاب اللہ و حضرت رسول اللہ کے فہم اور تطابق میں اہل سنت کا یہی طریقہ و طریقہ اور وہ یہ ہے، اب یہاں بعض دانشمندان شیعہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بھی لعنت اسی کافر پر جائز ہے جس کے متعلق یقین ہو کہ وہ کفر کر رہا ہے اور ہمارے اصول کا بھی یہ تقاضا نہیں کہ باغیوں پر جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہیں، لعنت کریں لیکن یہ ایسے ہی لوگوں سے متعلق ہے جو جناب امیر کے ساتھ نہ لڑیں کیونکہ ان سے لڑنے والے کافر ہیں اور ایسا اسی حدیث کی روشنی میں کہتے ہیں جو شیعہ اور سنی دونوں میں متفق علیہ ہے اور دونوں کے نزدیک صحیح بھی کہ جناب رسول اللہ نے جناب امیر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا **خَرَبْتُكَ خَلْفِي** (حیرے ساتھ لڑنا میرے ساتھ لڑنا ہے)

اسی لئے خرابہ نصیر طوسی نے تجزیہ میں جناب امیر کے معنی مخالفوں اور ان سے لڑنے والوں میں فرق کرتے

یہ بھی اس بات پر دلائل کرتا ہے کہ وہ بھی خدا اور رسول و دونوں ہی کے ساتھ رہنے والے تھے، لہذا اس سے یہ معلوم ہو گیا سخت کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی صورت میں اللہ دراصل سے لڑائی تو لازم آتی ہے مگر ایمان باقی رہتا ہے یہ بحث یہاں چونکہ مختصراً آئی، اس لئے اس پر اکتفا کر کے اصل مسئلہ کی طرف لڑتے ہیں،

اس فرقہ کو یہ اشتباہ پیش آنے کا ازیہ ہے کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد آنے والے مروانی و عباس اپنے آپ کو خلیفہ مہدواتے تھے اور خود بھی کہتے تھے اور یہ صرف ان کاموں میں ظاہری مشابہت کی وجہ سے تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھتے تھے،

مثنیٰ جہاد کا سرانجام کرنا، شہروں کی فتح، فوجوں اور لشکروں کی تیاری، غنائم اور صدقات کی تقسیم اور کفار کی ہلاکت و مردے و لڑا لہام کی حفاظت اور علماء اہل سنت بھی کاموں کی اسی ظاہری مشابہت کی وجہ سے ان کے لئے خلیفہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں،

اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ ہر فرقہ و طائفہ کے القاب یا نام خود ان کی اپنی معنی و اصطلاح کے مطابق ہوتے ہیں دوسروں کو ان میں الجھنے کی کیا ضرورت! چنانچہ آج کل جو شخص کہہ جا کر ملائیم اور اخوان باقر سے کتاب شرائع پڑھ کر آتا ہے تو اس فرقہ کے نزدیک وہ مجتہد کہلاتا ہے اسی طرح ان کے زمانے میں خلیفہ کا لفظ کافی معروف اور کثیر الاستعمال تھا اس لئے اس کو امام کا مرادف سمجھ کر اختیار کر لیا، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اہل سنت ان حضرات کو خلفائے اربعہ کی طرح برحق مانتے ہیں، ایسا سمجھنے والوں کی غلط فہمی ہے محققین اہل سنت تو اس معاملہ میں زیادہ محتاط تھے وہ ان حضرات کے لئے خلیفہ کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے، چنانچہ سریت صمیم الخلیفۃ یثربین سنیۃ خلافت کا زمانہ میرے بعد تیس سال ہے، اسکے ایک راوی سعید بن جہان سے امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ جب اس سے کہا گیا کہ مروانیوں کو بھی تو خلیفہ کہتے ہیں تو اس نے کہا جو الزور، یعنی جو امیہ کا خیال غلط ہے وہ تو بادشاہ ہیں بادشاہ بھی شریعہ!

اور ابو بکر زرار رحمۃ اللہ علیہ نے جب کا شمار اہل سنت کے چوٹی کے محدثین میں ہوتا ہے۔ حضرت عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے بطریق حسن روایت کی ہے،

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنَّ أَوَّلَ دِينِكُمْ دِينٌ نَبِيٌّ وَرَحْمَةٌ لَكُمْ يَكُونُ
خِلَافَةٌ وَرَحْمَةٌ لَكُمْ يَكُونُ مِلْكًا وَجِبْرِتًا

بادشاہت و جبریت دیکھو گا،

ملاحظہ کلام یہ کہ اہل سنت کے نزدیک یہ طے شدہ بات ہے کہ خلافت حقہ بلاشبہ تیس برس تک جاری رہی اور ہجراتی الاولیٰ سلمہ کو امام حسن رضی اللہ عنہ کی جناب معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح پر ختم ہو گئی،

اور ان کے نزدیک خلفاء کی وہی ترتیب حق صمیم و درست ہے جو عملاً پیش آئی اس میں کسی تقدم و تاخر کا کوئی سوال نہیں، مگر باحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں، اہل سنت کے پاس اپنے اس قول کی کتاب و عزمت کے بہت سے دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ کتاب از الہ الخلفاء عن خلافت الخلفاء میں کتاب سنت

اجماع امت، اور ان اہل معرفت سے ہزاروں دلائل اس پر ایہ اور اس انکار و طرز سے بیان کئے گئے ہیں جو دانشمندان روزگار کے لئے سرمایہ مسرت و ذریعہ طمانینہ ہیں اور اس کتاب کے مصنف کو جو پران دہلی میں سکونت پذیر تھے آیت الہی اور معجزہ نبوی ہی کہا جاسکتا ہے۔ کاتبِ حروف بھی بارہا ان کی زیارت سے شرفیاب ہوا اور ان کی بڑی بیانی سے دامن میں گلِ پیچی کی اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزا عطا فرمائے! آمین۔

[illegible]

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ ۖ فَاسْلُكْ فِي الْأَرْضِ ذُرِّيَّتَكَ ۖ إِنَّكَ مُخْرَجٌ مُبِينٌ
انبیاء بنی اسرائیل کے بارے میں بھی خلافت کے وعدہ کے علاوہ یہ وعدہ بھی فرمایا کہ ان کے اس دین کو جو اللہ تعالیٰ
کو پسندیدہ و مرغوب ہے زمین میں تم کو اور ہمارا عطا فرمائے گا یعنی اسے روانہ شہرت بخشنے کا نیز وعدہ فرمایا کہ انہیں
جو غوث ہے اس وقت ناحق و درپیش ہے ان کو کہیں امن و سکون نہ ملے گا۔

یہ وہ مراہد ہیں جو آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے فرمائے اور اس کی شان کو یخفیاً المینہ ہے اس لئے ان کا وقوع پذیر ہونا ضروری ہے، ورنہ وعدہ خلائی لازم آئیگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سارے وعدے پورے فرمائے اور ان امور کا وقوع پذیر ہونا ضروری ہے، ورنہ وعدہ خلائی لازم آئے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سارے وعدے پورے فرمائے اور ان امور کے وقوع پذیر ہونے کا زمانہ نفلانے تھلاثر رمضان اللہ علیہم کے عہد مبارک کے ادا کر دیا نہیں جو سکتا کیونکہ امام مہدی سورہ نور کے نزول کے وقت موجود ہی نہ تھے اور جناب امیر مومنین اللہ عنہ کو موجود تھے، لیکن شیعوں کے گمان کے مطابق اللہ کا پسندیدہ و مرغوب دین اس وقت رائج نہ ہو سکا جس کی بارے میں شریف سرافندی نے تنزیہ الانبیاء والائمة میں تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ جناب امیر اور ان کے شیعوں نے اپنے دین کو ہمیشہ پردہ اخفا ہی میں رکھا، اور مخالفین کے دین کے زیر سایہ اپنی زندگی گزاری ان کو مکمل امن اور پوری بخشن بھی نصیب نہ ہو سکی کیونکہ اکثر شہروں اور درواز ملکوں مثلاً شام مصر و مغرب میں آپ کی اہست تسلیم نہ ہو سکی چہ جائے کہ آپ کے احکام قبول کئے جاتے آپ کے مانگن اور احکام ہمیشہ شامی افواج سے مخالف و ہل ساں رہے پھر جناب امیر اسی جماعت کے جس سے وعدہ خلافت ہوا ایک فرد ہی اور ایک شخص پر جماعت کا لفظ بڑا اصل شیعہ کے خلاف ہے کہ از کم تین افراد تو ہوں کہ ان پر جمع کا اطلاق صحیح ہے،

اب رہے وہ ائمہ جرنیاب امیرین کے بعد پیدا ہوئے وہ اس سلسلہ میں قابل ذکر ہی نہیں کہ بوقت وعدہ
مذہب خود موجود تھے۔ نہ ان کا زمین پر تسلط ہوا۔ اور نہ ان کا پسندیدہ دین بقول شیعوں کے رائج ہی ہوا اور نہ ان
کو زندگی بھر امن و سکون ہی نصیب ہوا بلکہ وہ ہمیشہ خوف زدہ اور روپوش ہی رہے،
ان سب امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خلافت فی الارض کا وعدہ خلفائے ثلاثہ
رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی سے تھا، اور وہ دین جو ان حضرات کے زمانہ میں رائج اور شائع ہوا وہی خدا کا پسندیدہ
اور مرغوب دین تھا، یہی خلافت حق ہے جو امامت کے مراد ہے،

اور علامہ عبداللہ شہیدی نے بہت باوقار پاؤں مار کر اور بڑی چھان بین کے بعد اظہار الحق نامی کتاب میں کہا
ہے کہ احتمال ہے کہ خلیفہ سے بمعنی لغوی مراد ہو، یعنی استخفاف سے مطلب صرف ایک شخص کو دوسرے کے بعد لانا
ہو جیسا کہ بنی اسرائیل کے حق میں آیا ہے، عَلَیْهِ تَرْکُکُمْ اَنْ یُّهْدِیَکُمْ عَدُوَّکُمْ، وَ لَیْسَ یُخْلِفُکُمْ فِی الْاَرْضِ رَاقِبٌ
ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنا دے،

اور یہ خاص معنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کی پیدا کردہ اصطلاح ہو، اور اس اصطلاح نے اہل
سیر، محدثین، اور مورخین کے اقوال میں سید عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے بعد اور مسلمانوں میں اسم امامت
کے وجود میں آنے کے بعد مذکورہ مکتوب معنوں میں مشہور ہوا،

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ کب کہا ہے کہ استخفاف بمعنی لغوی کلام میں مستعمل نہیں لیکن یہ تو خود شیعوں کا اپنا
اصولی قاعدہ ہے کہ الفاظ قرآنی کو حتی الامکان شرعی اصطلاحی معانی پر محمول کیا جائے لغوی معنوں پر محمول کیا جائے ورنہ
تمام شریعت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور دینی احکام میں سے کسی کا ثبوت نہ مل سکے گا۔ مثلاً قرآن مجید میں جہاں کہیں ایمان
کا لفظ آئے وہاں اس کے لغوی معنی تصدیقی مراد لیں یا مسلوٰۃ سے و مار ج سے تعدا اسی طرح دوسرے احکام تو کوئی بھی
شرعی حکم ثابت نہ ہو گا اس لئے نازع اور ایمان سے شرعی اصطلاحی معنی ہی مراد لئے جائیں گے،

اب رہی یہ بحث کہ خلیفہ کے یہ معنی شرعی اصطلاح ہیں یا بعد کے نکالے ہوئے، تو اس بارے میں ہم خود شیعوں
ہی کو پوچھ جانتے اور کہتے ہیں کہ وہ چاہیں تو اس حدیث سے تمک کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صحت ثابت
کوئی وہ حدیث یہ ہے، اَنْتَ عِزِّیْ بِسْمَلَةِ هَآؤُنْ مِنْ مَوْسٰی تَرْسِیْرَ لَیْسَ اِیْسَہُ جِیْہِ مَوْسٰی کے لئے ہارون اور
اس حدیث کے ساتھ قرآن کی یہ آیت لگانا نہ بھولیں کہ اَخْلَفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ مِیْرَیْ قَوْمِیْ تَرْسِیْرَ لَیْسَ اِیْسَہُ جِیْہِ مَوْسٰی

یا چاہیں تو اس حدیث سے ایسا کر دکھائیں یا عَنِ اَنْتَ خَلِیْفَتِیْ مِنْ کُلِّیْدِیْ۔ اسے علی تو میرے بعد میرا خلیفہ ہے
اس کو شمش ناکام کے بعد وہ خود ہی کہ اٹھیکے کہ حقیقت و صداقت کیا ہے اور یہی نہیں پھر ان کو لفظ امام سے امامت
کے اصطلاحی معنی ثابت کرنا بھی بہت دشوار ہو جائے گا، کیونکہ قرآن مجید میں بمعنی مستعمل نہیں،

اور خدا اپنی پناہ میں رکھے کہ اگر اس صواب قرآن کی دو چار آیات بطور شہادت تلاوت کر کے لفظ امام کے خلاف
معنی مراد لیں تو ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑے گا مثلاً وہ آیت پڑھ دیں، اَفَقَالُوا لَوْ اَنَّآ اَنْکَرْنَا سِرَّ رَآءِ اَنْ کَفَرْنَا
لَوْ اَبَا وَجَعَلْنَا هٰذَا اٰیٰتًا یُّدْعٰی عَلٰی النَّارِ (ہم نے ان کو امام بنایا کہ وہ بلا تے ہیں دوزخ کی طرف)،
اور جو شخص بھی قرآن مجید میں غزوہ نہ کرے کام لے کر اس کا مطالعہ کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ قرآن

جمید میں غزوہ نکر سے کام لے کر اس کا مطالعہ کر لیا، تو اسے معلوم ہو جانے لگا، کہ قرآن مجید میں لفظ امام بمعنی رئیس عام میں مستعمل نہیں ہے بلکہ بمعنی نبی، ارشد یا ہادی کے استعمال ہوا ہے، بخلاف لفظ خلیفہ کے کہ وہ ہر جگہ لفظی الارض کے ساتھ متصل ہے، جو تصرف عام پر دلالت کرتا ہے،

اور خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کی صحت خلافت پر ہم صرف لفظ استخفاف سے دلیل نہیں لائے کہ اس میں بحث کی گنجائش ہو بلکہ ہمارا نکتہ استدلال تو استخفاف کی وہ نسبت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، لہذا جب استخفاف لغوی معنی کے ساتھ حق جل جودہ کی طرف منسوب ہوگا تو وہ لامحالہ استخفاف شرعی ہی ہوگا،

اور ہم اس سلسلہ میں علمائے شیعہ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں، کہ وہ یہ بتائیں کہ نبی اسرائیل کو آل فرعون کے ہمارے صاحب تخت و تاج بنانا اور آل فرعون و عائلہ کے ہمارے زمین معوشام میں تصرف عام ان کے ہاتھ میں دیدنی حق تھا، یا باطل و ناصواب، اب ان کی مرضی ہے کہ جواب میں وہ کونسی شق اختیار کرتے ہیں، ہمارا مقصد ہر حال میں حاصل ہوتا،

اور اگر ملا جی کا دل خوش کرنے کو ہم ان سب سے قطع نظر کر لیں تب بھی ان کا مدعا و مقصد حاصل نہیں ہوگا بلکہ شکاف اور گہرا اور نہ یادہ وسیع ہو جائے گا۔ کیونکہ استخفاف لغوی تو تمام امت کو شامل ہے جو بھی ایمان و عمل صالح رکھتا ہو گا وہ اس میں داخل اور اس کا مصداق ہوگا۔ اور خلفائے ثلاثہ ملاحی کے نزدیک بھی ایمان و عمل صالح کے حامل تھے تو وہ بھی اس استخفاف لغوی میں داخل ہوئے،

پھر دوسرے ذرا زیادہ بابک بین اور دقیقہ بین شیعہ نے بھی اس آیت کے مفید مطلب منہ متعین کرنے میں بہت زور لگایا ہے، اور ان کی اس سعی و جد کا حاصل چند توجہات کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ اول یہ کہ آیت میں بیان کے لئے ہے بتعین کے لئے نہیں ہے، اور استخفاف کے معنی کسی زمین کو وطن بنا سنے کے ہیں۔

اسپر ہم کہتے ہیں کہ جب من منیر یہ داخل ہو تو اس کو بیانیہ کہنا اہل عرب کے استعمال کے خلاف ہے اور یہ مان بھی لیں تو پھر حیل و استالجات کی قید لغو اور بیکار ثابت ہوتی ہے کیونکہ زمین میں وطنیت جس طرح نیک عمل والے کو حاصل ہے اسی طرح برے اعمال والے کو بھی ہے، بلکہ اس کو تو بڑا سچھے اور خوب تر نوعیت کی وطنیت حاصل ہے اور یہی نہیں اس صورت میں تو ایمان کی قید بھی بیکار ہوگی کیونکہ وطنیت تو کفار کو بھی حاصل ہے اور لغو و بیکار کلام کی قرآن مجید میں موجودگی محال و باطل ہے،

دوسرے یہ کہ اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، اور جمع کا صیغہ بطور تعظیم ہے یا آپ اور آپ کی اولاد یعنی ائمہ مراد ہیں۔

اس پر ہم کہیں گے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی دین کی برقراری و ثبات اور خوف سے امن نصیب نہ ہوا تو وعدہ خلافی لازم آئی اور اللہ لا یخلف الیعدا!

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں خلیفہ بنانا، دین پسندیدہ الہی کو رواج دینا خوف کا زائل ہونا اور ریا و شرک سے پاک عبادات کا رواج پانا، ان سب باتوں کا موئین صالحین کی جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ

ہے، اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ اس امت کی پروری زندگی میں یہ امور معروض وجود میں نہیں آئے، لہذا مجبوراً ایسے نکلنے اور ایسے چند انشاس کی تعین لازم ہے کہ جہی میں یہ سب باتیں بیک زمانہ و وقت موجود ہوئی اور یہ مذکورہ بالا اجتماعات اس جگہ بیکار و لغو بات ثابت ہوتے ہیں، پس اہل سنت نے اس آیت کے صحیح مصداق کی تعین میں جو اللہ تعالیٰ کے سپچے اور یکے وعدہ پر مشتمل ہے، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام کی طرف رجوع کیا جو بیچ الہامہ میں مذکور ہے بجا الہامہ ان کے نزدیک بلا شک و شبہ اصح الکتب اور متواتر شمار ہوتی ہے تو اس میں مذکور آپ کے مبارکت کلام نے اس اختلاف و نزاع کی جڑ ہی کاٹ دی آپ کا فیصلہ ہے کہ یہ جماعت خلفائے ثلاثہ اور ان کے معاونین و مددگاروں کی ہے اور آپ نے خود کو بھی انہیں مددگاروں میں شمار فرمایا ہے،

چیت پاران طریقہ بندی تدبیر

ایسا حضرت کو چاہئے کہ آپ کے اس کلام صدق نظام کو دل کے کانوں سے سنیں، اور اپنی عقل خام کو پس پشت پیچیدگیوں سے کہ اب اس معاملہ میں بہت دلیل کی آپ نے کوئی گنجائش ہی نہ چھوڑی،

شیخ البلاغہ میں یوں ذکر ہے کہ جب اہل فارس کی جمع شدہ افواج کے مقابلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بنفس نفیس شریک ہونے کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو آپ نے اس کے جواب میں یوں فرمایا:

إِنَّ هَذَا أَمْرٌ لَمْ يَكُنْ قَضَاءً وَلَا حُكْمًا وَلَا نُهُيًا وَلَا يَكُونُ وَلَا
يُغْنِيهِ وَهُوَ مِنْ اللَّهِ الَّذِي أَظْهَرَ وَخُذْهُ الَّذِي
أَمَرَ بِأَيْدٍ حَتَّى يَلْمَ مَا بَلَغَ وَطَلَعَ حَيْثُ طَلَعَ وَخَفَى
عَلَى مَنْعُودٍ مِنَ اللَّهِ حَيْثُ قَالَ قَدْ سَأَلْتُهُ وَعَدَ اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ الْحَافَةَ وَاللَّهُ مُتَجَرِّدٌ وَهَذَا
وَنَاصِرٌ جُنْدٌ وَمَكَانُ الْقَبْرِ مِنَ الْإِسْلَامِ
مَكَانُ الْقَطَامِ مِنَ الْخُرُوجِ فَإِنْ انْقَطَعَ النِّظَامُ
تَفَرَّقَ وَتَرَبَّثَ مُتَفَرِّقٌ لَمْ يَجْتَمِعْ وَالْعَرَبُ الْيَوْمَ
وَأَنْ كَانُوا قَلِيلًا فَهُمْ كَثِيرُونَ يَلُودُ سَلَامٌ عَزِيزُونَ
يَا لِحُبِّمَا كُنْ قَلْبًا وَاسْتَبْرَأَ الرَّحْمَى بِالْعَرَبِ
وَاصْلُهُمْ وَوَلَدُكَ كَأَنَّ الْخُرُوبَ يَا نَفْسُ إِنَّ نَفْسَكَ
مِنْ هَذِهِ الْأَرْضِ تَقْصُصُ عَلَيْكَ الْعَرَبُ مِنْ
أَطْرَافِهَا وَأَطْرَافِهَا حَتَّى يَكُونُوا مَا كَانُوا وَمَا كَانَتْ
مِنْ الْعُرُودَاتِ أَهْلُ إِلَيْكَ لِيَا أَيْنَ يَدُكَ وَكَأَنَّ
قَدْ رَأَى مَا يَحْمِلُ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَيْكَ فَعَدَا يَقُولُوا
هَذَا أَصْلُ الْعَرَبِ فَإِذَا قَدْ خَشَعُوا لِسْتَرْخَمُ

بے شک یہ وہ دین ہے جس کی نصرت وہ نصرتی کثرت
و قلت پر مبنی نہیں اور یہ دین اللہ کا وہ دین ہے جس کو
اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا اور وہ فوج ہے جس کو اللہ نے
عزت دی اور اس کی مدد فرمائی یہاں تک کہ وہ اس اوج
تک پہنچا جہاں اسے پہنچنا تھا اور اتنا بلند و ظاہر ہوا
جتنا اس کو بلند و ظاہر ہونا تھا، اور ہم اللہ تعالیٰ کے
اس وعدہ پر ہیں جو اس نے فرمایا تھا پھر آپ نے یہ آیت
پڑھی، وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ أَنْ يَخْرُجَهُمْ مِنْكُمْ
اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرتے والا ہے اور اپنی فوج
کا مددگار اور اسلامی رئیس کا مرکز قیامگاہ، موت کی لڑی
کی طرح ہے کہ اگر ٹوٹ جائے تو سارے موتی بکھر جائیں
اور بہت سی بکھری ہوئی چیزیں اکٹھی نہیں ہوا کرتیں،
اور آج غرب گویا فردی اعدائے کم ہیں مگر اسلام کی
قوت سے بہت ہیں اور اتفاق و اتحاد کے سبب قوت
غالب! پس تم تو قطب بنے مرکز پر جے رہو اور ارد گرد
عرب کی جگہ چیلنے دو اور انہی کو لڑائی کی آگ سے نپٹنے دو

يَكُونُ ذَالِكُ أَشَدَّ بِكُمْ هَلْ عَلِمْتُمْ وَطَعْتُمْ فِيهِ
فَا مَا مَادَّ كَرْتُمْ مِنْ مُسْئِرِ الْقَوْمِ إِلَى قِيَانِ السُّلَيْمِيْنَ
فَوَيْلٌ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ هُوَ أَكْبَرُ مَا لَيْسَ مِنْكُمْ وَهُوَ
أَفْزَلُ مَا عَلَى تَعْيُودِ مَا يَكْرَهُهُ وَأَمَّا مَا ذَكَرْتُمْ مِنْ
عَدُوِّكُمْ فَاقَالَهُ نَكُنْ لَكُمْ فِي مَا تَمَنَّى بِالْكَتُوبِ
فِيَا أَمَّا كُنَّا لَكُمْ بِالْمَصْرِ وَالْعُرْفَةِ أَنْتُمْ بِلَفْظِهِ
یہی ہے اس پر قابو پا کر مشاڈ الہی کے قور آرام سے بیٹھو گے اس لئے تمہارا مرکز سے ہٹنا ان کی دسیری اور سبوتا

خود کو اس میں نہ ڈالو اگر تم مرکز چھوڑ کر اس زمین سے نکل
کھڑے ہوئے تو اس کے اطراف و جوانب سے عرب مرکز
دم پر، ٹوٹ پڑیں گے، یہاں تک سرحدی خطرات جو تم
اپنے پیچھے چھوڑ جاؤ گے اتنے زیادہ اہم ہوں گے جو تنہا ہی
سامنے کی سہم کے خطرہ سے بھی زیادہ ہوں گے اور کل جب
عرب ہم کو مرکز سے ہٹا دیں گے تو کہیں گے کہ "خلاصہ عرب"
یہی ہے اس پر قابو پا کر مشاڈ الہی کے قور آرام سے بیٹھو گے اس لئے تمہارا مرکز سے ہٹنا ان کی دسیری اور سبوتا

کا تمہارے متعلق لائق سوچ کا سب ہوگا،
اور یہ جو تم نے کہا ہے کہ قوم محم مسلمانوں سے لڑنے نکل پڑی ہے تو ان کا نکلنا تم سے زیادہ اللہ کو ناگوار ہوا
ہے ناپسندیدہ چیز بدل دینے پر زیادہ قادر ہے اور تم نے جو کثرت تعداد کا ذکر کیا ہے تو ماضی میں ہم کثرت کی بنا
پر کبھی نہیں لڑے تم تو اللہ کی مدد و نصرت کے صروسے اور اعتماد پر رونا کرتے تھے
یہ عبارت سراسر ہدایت ہے اس سے تمام شبہات کا حل اور پوری تسکین و دلچسپی حاصل ہوتی ہے اور اللہ کے
وعدہ کی سچائی ظہور پذیر ہوتی،

اسی سلسلہ بالکل ایک دوسری آیت یہ ہے، جو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہ کی صحت خلافت پر دال ہے مگر شیعہ
جس کی مخالفت کرتے ہیں،

قُلْ لِلْعَلَمَاءِ فِيمَنْ أَذْهَبَ سُبْحَتُهُمْ قَوْلُ إِلَى قَوْمِ أُولَى
بِأَسْ شَيْءٍ قَدْ تَعَالَوْا فَنَنْهَاهُ أَوْ لِيَأْمُرُوا فَإِنَّ لَطِيفُوا
يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَكَّلُوا كَمَا تَوْكَلْتُمْ مِنْ
قَبْلُ يَفْضَلْ بِكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

ان اعراب سے جو جرحہ جرحہ کے موقع پر مباحثہ نہ تھے و پیچھے
رہ گئے، تھے کہ عنقریب تنکو ایک بڑی جنگ جو قوم سے
لڑنے کے لئے، دعوت دی جاوے گی تم ان سے لڑو گے
یا وہ دبیر لڑے مسلمان ہو جائیں گے، لیکن اگر اس وقت

تم نے اطاعت کی قرآنہ تعالیٰ تم کو بہت اچھا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم نے اس دعوت سے، پہلوں کی طرح روگردانی
کی تو پھر تم کو بڑا دردناک عذاب دیا جائے گا

یہ آیت بعض عرب قبائل مثلاً اسلم، جہنیہ، مزینہ، غفار، اور اشجیح کے بارے میں ہے، جو سفر حدیبیہ میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے،

اور دونوں فرقوں کے مورخین اس پر متفق ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد
مبارک میں سوائے غزوہ تبوک کے کوئی ایسی جنگ پیش نہیں آئی جس میں تمام عرب کو دعوت قتال دی جانی اور غزوہ
تبوک تو ہر حال میں ہوا ہے ہی نہیں اس لئے کہ اس لڑائی کے لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ یا تو اپنے دشمنوں سے لڑو گے
یا وہ اسلام لے آئیں گے اور غزوہ تبوک میں ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی وقوع پذیر نہیں ہوئی نہ قتال
ہوا نہ مخالفین اسلام لائے، لہذا وہ کوئی اور ہی لڑائی ہے اس لئے اس کو کسی اور زمانہ میں تلاش کرنا چاہئے
اور وہ زمانہ لا محالہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی خلیفہ کا ہی ہو گا چنانچہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف ہے جنہوں نے مرتدین سے قتال کیا، ایسے بلند اوصاف سے کی جے بن سے بالاتر اوصاف اصطلاح قرآن میں نہیں۔

پہلا وصف، ان کے درجہ قرب اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ، کہ وہی اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے بھی وہ محبوب ہوں گے، گویا وہ محبوب الہی بھی ہوں گے اور محب الہی بھی،
دوسرا وصف۔ مومنین کے ساتھ ان کا معاملہ۔

تیسرا وصف۔ کفار کے ساتھ ان کا رویہ اور طرز عمل،

چوتھا وصف۔ منافقین اور ضعیف الایمان سے ان کا برتاؤ،

اور ظاہر ہے کہ امام کا معاملہ یا خدا کے ساتھ ہونا ہے یا خلق کے ساتھ۔ اور خلق، مومن ہوگی یا کافر یا منافق

اور ضعیف الایمان اور جب امام چاروں معاملوں میں خدا کا پسند فرمودہ ہو اور اس کا عمل بھی راست و درست ہو تو وہی امام برحق ہے اسی لئے اخیر آیت میں اپنے فضل و رحمت کی نوید ذکر فرمائی،

اور یہ بات بالاجماع ثابت ہے کہ مرتدین کی جنگ خلیفہ اول امداد آپ کے پیروکاروں سے ہوئی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے آخر میں تین گروہ مرتد ہوئے،

(۱) اسود قیس ذوالنمار کی قوم بنی سہل جنہیں میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور فیروز دلیلی کے ہاتھوں

مارا گیا،

(۲) مسیلہ کذاب کے ساتھی بنو حنیفہ۔ مسیلہ خلیفہ اول کے عہد میں وحشی کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔

(۳) طلحہ بن خویلد متبنی کی قوم بنو اسد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کی سرکوبی کو بھیجا وہ ان کے ڈر سے شام بھاگ گیا۔ آخر میں ایان لے آیا۔

اور خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں سات گروہ مرتد ہوئے،

(۱) عیینہ بن حصن کی قوم بنو فزارہ،

(۲) فروہ ابن سلمہ کی قوم مطلقان،

(۳) ابن عید یا لیل کی قوم بنو سلیم،

(۴) مالک بن نویرہ کی قوم بنو بکرہ،

(۵) شجاع بنت المنذر کی قوم بنو نمیم (یہ مسیلہ کذاب کی زویہ تھی اور متنبی)

(۶) اشعث بن قیس کنذی کی قوم بنو کنذہ

(۷) بنو بکرہ بحرین میں رہتے تھے!

مرتدین کے ان تمام فرقوں کو خلیفہ اول نے بیخ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکا اور سب کو اسلام میں واپس لائے

مؤرخین کا ان واقعات پر اجماع ہے:

خلیفہ دوم کے عہد میں ایک گروہ مرتد ہو کر نصاریٰ سے جا ملا،

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرتدین کے ساتھ لڑنیکا کا اتفاق ہی نہیں ہوا اس سلسلہ میں خود آپ فرماتے

ہیں، اُسَلِّیْتُ بِقَالَ آھِلِ الْفِتْنَةِ میں تو اہل قبلہ کے ساتھ لڑائی میں مبتلا ہو گیا، آپ کا یہ فرمان امامیہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے،

اور اگر امامیہ منکرین امامت کو جنہیں جناب امیر اہل قبلہ فرما رہے ہیں مرتدین میں شمار کریں تو ہم کہیں گے کہ عرف قدیم و جدید میں اصل دین سے انکار کرنے والے کو مرتد کہتے ہیں، اگر غلط تاویل سے کسی اسلامی عقیدہ کا منکر ہو جائے تو ایسے شخص کو مرتد کہنا عرف عام میں رائج نہیں اور قرآن کے معانی کو بالاجماع لغوی عرف پر محمول کرنا چاہیے ہر قوم کے الگ الگ اصطلاحی معنوں پر نہیں۔

اور پھر من دینکم کے لفظ کی واضح دلالت یہی بتاتی ہے کہ اصل دین اور پورے دین سے جو منکر ہو وہ مرتد ہے کسی ایک مسئلہ سے انکار پر نہیں،

اور غلیفہ اول کے جہد میں مانعین زکوٰۃ کو جو مرتد کہا گیا تو اس لئے کہ وہ زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر تھے اور جو ضروریات دین میں سے کسی ضرورت کا انکار کرے وہ گویا اصل بنیاد دین کا منکر ہے اور امامت کو خود شیعہ بھی ضروریات دین میں سے نہیں مانتے جس کے انکار کی وجہ سے کوئی مرتد کہلا سکے یا کافر ہو جائے اس سلسلہ میں فاضل کاشی کا کلام بحوالہ روایات کافی وغیرہ باب دوم میں مذکور ہو چکا۔

اور علامہ عبد اللہ مصنف اظہار الحق کی ایک تحریر جو سوالیہ جواب کی شکل میں اسی موقعہ کے بہت مناسب ہے ملاحظہ فرمائیے وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے بارے میں امامیہ کے پاس کوئی صریح نص نہیں ہے تو امامیہ جھوٹے پڑتے ہیں اور اگر نص صریح ہے تو پھر جن صحابہ نے مسئلہ خلافت میں مخالفت کی وہ مرتد ہو گئے،

اس کے جواب میں وہ رقمطراز ہے کہ نص صریح کے انکار سے کفر اس وقت لازم آتا ہے جب منصوص شدہ امر کے متعلق باطل ہونے کا اعتقاد رکھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نص کے بارے میں (معاذ اللہ) تکذیب کرے،

لیکن اگر نص کو، حق اور درست تسلیم کرے، مگر دنیوی اغراض، یا حب مال و جاہ کے سبب اس کو ترک کرے اس پر عمل نہ کرے تو یہ فسق و عصیان تو ہو گا مگر کفر نہ ہو گا،

مثلاً زکوٰۃ کی ادائیگی پر قرآن و حدیث میں حکم صریح موجود ہے اور یہ بالاجماع امت فرض ہے اب اگر کوئی اس کی فرضیت کا انکار کر دے تو کافر ہو گا، لیکن اگر فرضیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے مال کی محبت، طبعی بخل، یا کسی ایسی ہی وجہ سے ادائیگی نہ کرے اور اپنے ذمہ اسے باقی رکھے تو یہ گنہگار ہو گا۔ اور وہ لوگ جو غلیفہ اول کی مخالفت پر متفق ہوئے یہ نہیں کہتے کہ اس پر یہ غیبر نے نص فرمائی ہے لیکن یہ جھوٹ ہے۔ بلکہ بعض اوقات بعض اثناس نے نص کے تحقیق سے انکار کیا ہے مگر دراز کار تا دیات سے کام لے کر لا کا کام ختم ہوا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں جس کا حوالہ آ بھی چکا ہے، جو امامیہ کے نزدیک بطریق صحیح مروی ہے فرمایا ہے، اَمَّعَبْنَا لِقَائِكُمْ اِنْخَوَاتِنَا نِي الدِّسْلَامِ عَلٰی مَا دَخَلَ فِيْهِ مِنْ التَّوْبِ وَالْاِثْمِ وَالْاِثْمِ وَالْاِثْمِ وَالْاِثْمِ، ہم اپنے اسلامی بھائیوں سے اس لئے لڑ بیٹھے کہ اسلام میں کبھی بے راہ روی اور شبہات

وتا دیات کا عمل دخل ہونے لگا تھا)

پھر یہ بات بھی ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اپنے سے بڑے والوں کو سب و شتم کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ رضی نے نبی البلاغہ میں بیان کیا ہے۔ حالانکہ مرتدین پر دشنام منع نہیں ہے۔

اور اگر ان سب باتوں کے علی الرغم یہ مان بھی لیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مرتدین سے اپنے عہد میں جہاد کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر اور خلیفہ اول کے اول عہد میں جو افراد یا قبیلہ مرتد ہو گئے تھے ان سے بھی تو کسی نے قتال کیا ہوگا، تو وہ جنگ کرنے والا بھی اس تعریف و توصیف میں شریک ہو اور مدعا ثابت ہو گیا۔

اور یہ اصول قاعدہ طے شدہ ہے کہ جب حرف من شرط و جزا میں واقع ہوتا ہے، تو اس سے عام معنی مراد ہوتے ہیں، مَن دَخَلَ حِصْنًا كُنَّا اَعْدَاؤُكُمْ كُنَّا اَوْ جَرَّكُمْ اِلَى اس قلعہ میں داخل ہو اس کے لئے یہ ہے) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

لہذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو کوئی مرتد ہوگا اس کے لئے مذکورہ اوصاف سے متصف ایک قوم پیدا ہوگی،

خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب سلسلہ ارتداد بہت تیزی سے بڑھا، اس وقت ان اوصاف کی کسی قوم کا وجود تسلیم نہ کریں تو اس سے دو غریبیاں لازم آئیں ایک تو یہ کہ مرتدین کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا رہتا۔ اور دوسرے یہ کہ اس صورت حال سے وعدہ الہی کے خلاف بات ثابت ہوجاتی (مگر چونکہ اوصاف قرآنی کی حاصل قوم موجود تھی انہوں نے مرتدوں کا قلع قمع کر ڈالا اور مابقی کو اسلام میں لوٹا لائے) اس قوم کی تعیین میں سوال اٹھے کہ وہ کون تھی۔ جس نے صدر اول میں مرتدین سے قتال کیا؛ تو یہ بات تو بلا شک و شبہ کہی جاسکتی ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے قرآن کا مقابلہ نہیں کیا وہ اس وقت اس پوزیشن ہی میں نہیں تھے، اس لئے لافالہ یہ کارنامہ خلیفہ اول اور آپ کے پیروکاروں کے چاروں چار سب کرنا نا ہی پڑے گا،

اس وقت ایک تو جناب امیر رضی اللہ عنہ مدافعت کی پوزیشن میں نہیں تھے، دوسرے ان کے دوست ساتھی اور لشکر بھی ان صفات سے متصف نہ تھے، کیونکہ ان کے متعلق جو شکایت جناب امیر رضی اللہ عنہ کو تھی اس کی ایک جھلک آپ گزشتہ اورانی میں بحوالہ نبی البلاغہ ملاحظہ فرمائیے ہیں اور کوئی حرج نہیں کہ اس موقع پر بھی بات کو مختصر کر کے مختصر کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دیگر ذمہ دات جو نبی البلاغہ میں دوسرے مقامات پر مذکور ہیں پیش کر دیئے جائیں، یہ تو ایسی باتیں ہیں کہ ان کی تکرار سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ شک کو جتنی مرتبہ بھی سنو گھوڑے خوشبو ہی دے گی،

نبی البلاغہ میں ہے کہ جناب امیر نے اپنے ساتھیوں، دوستوں کی شکایت کرتے ہوئے کہ وہ ان کی دعوت قبول نہیں کرتے اور ان کے وعظ و نصیحت پر کان نہیں دھرتے وہ عبارات ذیل سے تفصیلاً بیان کی ہے،

أَمَّا الَّذِينَ نَفْسِي بَيِّدَ وَيَتْلُو مَعَهُ هُوَذَا الْقَوْمُ هَكَذَا
خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان سے سن لو کہ یہ قوم و مخالف، نمبر ضرور غالب آکر رہے گی اس لئے

بَاطِلٌ سَاجِدٌ دَانِيًا لِّكَ مِنْ حَقِّكَ وَلَقَدْ أَصْبَحْتَ
 الزُّمَّةَ نِيْمَاتٍ لِّكَ وَمَا قِيَمًا وَأَصْبَحْتَ لَخَافَ ظُلْمَكَ وَنِيْمَةً
 اسْتَشْفَرُ لِّكَ بِهَا وَفَكَرْتُ مَقْرُورًا وَاسْتَعْتَمَدْتُ لَكَ
 تَسْتَعُوذُ وَدَعْوَتُكَ رِشًا أَوْ جَهْرًا اَلَمْ تَسْتَجِيبُوا لِنَعْتٍ
 لِّكَ فَلَئِمَّا تَقْبَلُوا شَهْرًا كَعِيَابٍ وَعَيْدٍ كَانُوا مَبِائِلًا
 عَلَيْكُمْ مَا لَكُمْ فَتَنُورُونَ وَأَحْشَكُمْ عَلَى جِهَادٍ أَهْلُ
 الْبَيْتِ فَمَا آتَى عَلَى آخِرِ قَوْلِي حَتَّى اِهْلَكْتُ مُتَعَتِرِينَ
 آيَادِي سَبَاقًا وَرَدْتُ إِلَى تَجَارِبِكُمْ وَتَتَخَادَعُونَ مِنْ
 مَرَاغِبِكُمْ أَتَوْكُمْ كُنُوزًا وَرَجِعْتُمْ إِلَى عَشِيرَةٍ
 كُنْتُمْ لَهَا لَعْنَةً تَجَزَّ الْمُقِيمُ وَأَعْطَى آيَتُهَا الشَّاهِدَةُ
 أَبَدًا لَكُمْ الْغَايِبَةُ عَنْهُمْ وَهَقُّوهُمْ الْمُحْتَلِفَةُ
 أَهْلًا لَكُمْ الْمُتَبَلِّغُ بِهِمْ أَمِيرُهُمْ سَارِجُكُمْ لَطِيفُ
 اللَّهِ دَانِيًا لَكُمْ لَعْنُكُمْ وَمَا جَابِ أَهْلُ الشَّاهِدِ لَيْفِي
 اللَّهُ وَهُوَ لَطِيفُورُهُ كُودُوتٌ وَاللَّهُ لَيْقٌ مَعَاوِيَةَ
 صَا تَنْبِي بِكُمْ صَرْفٌ الَّذِي نَا بِالدَّيْمِ أَحْمَدُ لَخَذَ
 مِثِّي مُشْرَةً مِنْكُمْ وَأَعْطَانِي رَحْمَةً مِنْهُ

نہیں کہ وہ تم سے زیادہ حق پر ہے بلکہ اس لئے کہ وہ
 اپنے سردار کے غلط حکم کو بحالانے پر ہر دم باقی و جو بند
 اور تند و تیز ہیں۔ تمہاری طرح میرے احکام حق کی بیا آوری
 میں کم بہت و سست اور ڈھیلے نہیں دوسری ساری
 قومیں تو اپنے امراء اور سرداروں کے ظلم سے ڈرتی ہیں،
 اور میرا یہ حال ہے کہ میں اپنی ہی رعایا کے ظلم سے فحش
 ہوں میں نے تم کو جہاد کے لئے نکالنا یا مگر تم نے نکلے
 تم کو کچھ سنا یا جا، مگر تم نے سن کے خوبیاں میں نے تم
 کو ڈھکے کھلے سر پر بلا یا مگر تم نے سنا ہی نہیں میں نے
 تم کو کوئی نسبت کی تو تم نے قبول نہ کی۔ تم حاضر تو ہو مگر
 غائب در داغ والے ہو تو ظلام مگر مار کا انداز کے
 میں تمہیں حکمت کی باتیں سناتا ہوں مگر تم فرار ہو جاتے
 ہو میں تم کو جہاد کی ترغیب دلا رہا ہوتا ہوں اور بات تم
 بھی نہیں کر پاتا کہ تم رفو چکر ہو جاتے ہو۔ تم
 بھی قوم سبکی طرح ہو کہ مجلسوں میں تو گھسے رہتے ہو
 مگر نیسحتوں کے ساتھ فریب بازی کرتے ہو صبح میں تم کو

سیدھا کرتا ہوں مگر شام کو تم پھر سانپ کی پیٹھ کی طرح پیٹھے ہو جاتے ہو، تم کو سیدھا کرنے والا بھی عاجز و لاچار
 ہو جاتا ہے۔ اسے لوگو! جن کے جسم تو موجود ہیں، مگر عقل و شعور غائب! اور ان کی خواہشات اختلاف کا شکار ان کی
 دیر سے ان کا امیر آزمائش میں پڑ گیا ہے، تمہارا امیر تو اوشہ کا مطیع ہے مگر تم امیر کے نافرمان! اور اہل شام کا امیر
 تو اوشہ کا نافرمان ہے مگر اس کی قوم اس کی مطیع!۔ خدا کی قسم میرا دل چاہتا ہے کہ دینار و درہم میں کمی بیشی کے سوسے
 کی طرح میں معاویہ سے تمہارا سودا کر لوں کہ وہ تم کیسے دس نعرے کر اپنا ایک پروکار مجھے دیدے گا۔

اور جب آپ کے وہ نول عامل و حاکم جناب عبداللہ بن عباس و جناب سعید بن عمر ان، واپس لوٹ آئے
 اور آپ کو یہ خبر سنانی کہ اس علاقہ میں جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے امیر یسیر بن ارقم نے اس لئے تسلط قبضہ
 جمایا کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کمک نہیں پہنچی، حالانکہ جناب امیر نے حکام امین کو پہلے ہی سے بڑی تاکید
 اور شت سے لوگوں کو مدد کے احکام دیدیے تھے، مگر لشکریوں نے سنی ان سنی کر دی، حتیٰ کہ معاملہ ہاتھ سے نکل
 گیا اور حکام اپنا اپنا مستقر چھوڑ کر چلے آئے، اس وقت آپ نے فرمایا:

”مجھے خبر ملی ہے کہ یسیر بن ارقم تسلط ہو گیا ہے خدا
 کی قسم میں جانتا ہوں کہ یہ قوم تم پر فتیاب ہوگی کیونکہ
 وہ باطل پر ہوتے ہوئے بھی متحد ہیں، اور تم حق پر بھی

أَعْلَنَتْ أَنْ يَسْرُقُوا طَلْعَ الْيَمِينِ دَلِيلِي وَاللَّهُ كَذَّابٌ
 تَهْوِي الْأَقْوَمُ سَيِّدُ الْوَيْلِ وَمَكْرَهُ جَائِزٌ عِزُّهُ عَلَى سَائِلِهِ
 وَتَفَرُّوْكُمْ مِنْ حُكْمِكُمْ وَبِعَوْنِكُمْ أَمَّا مَكْرُهُ فِي الْحَقِّ

کیا کام آؤ گے!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قسم کے بیانات و خطابات بہت ہیں، جو سب کے سب نبی البلاغہ کے حاشیہ پر درج ہیں یہ کن بنی شیعوں کے ہاں بڑی معتبر اور اصح الکتاب اور متواتر شمار ہوتی ہے اس کے مندرجات سے کسی شیعہ کو انکار کی مجال نہیں،

اس بیان صادق سے صاف صاف عیاں ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مرتبین سے لڑنے والوں کے جوا و صاف بیان کئے ہیں، حضرت امیر کے لشکریوں میں ان کا موجود ہونا تو درگاہات ہے ان کو تو اس کی ہوا بھی معلوم ہوتا ہے نہیں لگی تھی، وہ خائف تھے، اور چہرہ بھی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْحَافِظِينَ** اور پھر وہ فساد پیشہ بھی تھے جن کے لئے ارشاد باری ہے، **وَاللَّهُ كَذِبٌ كَذِبٌ**۔ اور انہوں نے اول الامر کی اطاعت بھی نہیں کی جو خدا کا محبوب، ہونے کا ذریعہ ہے، **قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ** اور اللہ سے دوستی کا ادعا ہے تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا دوست بنالے گا، اس طرح وہ **يُحِبُّوكُمْ وَتُحِبُّوهُ** کے تحت نہ آسکے نہ اس کا مصداق بن سکے اور جناب امیر کی اطاعت کے بدلے، جناب امیر پر ازراہ مجبور و سرکشی حکم چلاتے تھے، آپ کو ایذا اور صدمات پہنچاتے اس طرح تو وہ دمرتین کے بجائے موثرین بلکہ امیر المؤمنین پر غلبہ کرنے والے ہوئے، اور چونکہ بافیوں اور خارجوں سے خوفزدہ اور ڈرتے تھے تو **أَذَلَّتْ عَلَى الْكَافِرِينَ** کا فرد سے دہنے والے ہوئے اور جہاد سے جان چرانے کے باعث **يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ** سے دور جا پڑے اور بجائے **لَا يَخَافُونَ كُوفَةً لَا يَسِرُّوْنَ** کے **لَا يَسْتَكْبِرُونَ** نصیحتہ شاکرہم و ناصح کی نسبت نہیں سنتے تھے کی عبارت ان کے حالی کی زیادہ تر جمالی کرتی ہے کیونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی نسبت پر کان ہی نہ دھرتے تھے،

الغرض وہ اوصاف جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں بیان فرمائے ہیں، ان کا جناب امیر رضی اللہ عنہ کے لشکریوں پر چسپاں ہونا ناممکن اور محال ہے، کیونکہ دو ضدی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، پھر آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کی جدوجہد سے ارتداد کا فتنہ ختم ہو جائے گا اور دین اصلاح پذیر ہو جائے گا اس لئے کہ سلسلہ کلام موثرین کی تسلی اور تقریریت کے لئے ہے اور ان کے دل و لہجے مرتدین کا خوف نکالنا ہے۔

اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کہ رطایاں تو اصلاح کا سبب بنیں اور نہ ان کو غلبہ حاصل ہو سکا۔ اور بافیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا، اور فساد نے دین میں جڑ پکڑ لی،

پس ثابت ہو گیا کہ کتاب اللہ کی مذکورہ بالا تینوں آیات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کی خلافت و امامت کی واضح گواہ ہیں، اور اسے اندر وہ قیود و اقتیارات رکھتی ہیں کہ بجا مواصولی عقلیہ کسی غیر کا احتمال نہیں چھوڑتیں اور اگر عقلی قواعد سے ہٹ کر کجی شیعہ عالم انجام دیتے ہوئے کوئی دوزخ کار کا احتمال ذکر کرے تو وہ احتمال اس لئے لائق جواب اور قابل توجہ نہیں کہ ہمارا دہائے سنن اور خطاب اہل عقل و دانش سے ہے، وہم پرست اور اور انجانوں کی طرف نہیں،

اب جس کسی کو ان تمام استدہات کی تفصیل درکار ہو، اور اس بحث کی تکمیل مدنظر، اور دوسری آیات سے

استدلال کرنے والا ان مقدمات کو تسلیم نہ کرتا ہو۔

اب خدا اس دور انداز کا تاراجی، بلکہ تحریف اور بلکہ تکذیب پر نظر غور و فکر ڈال لینی چاہیے،
اولیٰ تو، معصوم کے کلام کو خلاف واقعہ منہ پر محولی کرنا جو خلاف عقل ہے،

پھر کلام کے مالہ وہ علیہ کو نظر انداز کرنا بھی ہے کہ اگر جناب امیر کو صرف الزام دینا ہی مقصود ہوتا تو وہ
بیعت تک حد تک کافی تھا اس سے آگے کی عبارت فایدا جتھوا الخ کو الزام سے کوئی تعلق نہیں، اور امام معصومؑ
فائدہ جھوٹ اپنی زبان پر لانا کیسے گوارہ کر سکتا ہے، پھر وہ جھوٹ بھی خدا پر بالفائدہ کان اللہ منی، اور وہ بھی تاکید
و تکرار کے ساتھ، العباد باللہ!

اور اگر ان باتوں سے قطع نظر بھی کریں تو الزامی دلیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے مقدمات کو فرقی مخالف
بھی تسلیم کرے ورنہ وہ تو الزامی دلیل نہیں رہے گی، اور یہاں جناب معاذیہ رضی اللہ عنہ نے یہ مقدمات کب اور کس موقع
پر تسلیم کئے تھے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کو ان پر الزام رکھنے کے لئے ان مقدمات کے ترتیب دینے اور تسلیم کرنے
کی ضرورت محسوس ہوئی،

پھر حال جناب امیر رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں جناب معاذیہ رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں جناب
معاذیہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ اور جواب دیا اور زید یہ کی کتابوں میں درج ہے، اس سے ان کا جو مذہب اور مسلک
بابت خلافت و امامت معلوم ہوتا کہ یہ ہے کہ۔

ہر قریشی مسلمان، خواہ مہاجرین اولین میں سے ہو یا بعد والوں میں سے جو وہ اگر احکام نافذ کرنے پر
قاد، کفار سے جہاد، ریاست کے انتظام و انصرام، تیرہویں لشکر حلقہ اسلام کی دیکھ بھال سرحدوں کی حفاظت اور
فسادات کو فرو کرنے پر متکفل و قادر ہو اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس سے بیعت کر لے خواہ وہ عراقی ہوں خواہ شامی
یا اہل مدینہ تو وہ شخص امام ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو،

اسی نظریے کے تحت وہ اپنی امامت کا دعویٰ کرتے تھے وہ اس بات کے مدعی نہیں تھے کہ ان کو مہاجرو انصار
میں سے کسی نے جہا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے،

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اتباع سے گریز اور ان کی امامت سے انکار کا سبب حضرت عثمان غنی رضی اللہ
عنہ کی شہادت اور ان کے تابعین کی حمایت کے الزامات ہیں، جو ان کے نزدیک فساد فی الارض کے مترادف تھے،
اصلاح احوال کے نہیں،

اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فسادات کے رفع و دفع کرنے، حدود اسلام کی حفاظت کرنے اور حکم نصاح کے
نافذ کرنے پر جو بلند مرتبہ قدر شرمی احکام ہیں اتنا نہیں سمجھتے تھے اور مہاجرین و انصار کی بیعت بھی ان کے علم
میں تھی اگر وہ اس کو فہم براسم وقت دیتے تو اپنی جانس اور غلطیوں میں ان کی برائیوں کو آشکارا کرتے بلکہ وہ
تو اس کے ساتھ یہ بھی کہتے تھے، کہ مہاجرین و انصار نے بیعت کر کے غلطی کی ہے،

یہی ان کا مذہب معصوم اور مسلک مشہور ہے اسی بنا پر وہ اپنے زمانہ امارت میں بار بار انصار کی شکایت
کرتے رہے، اور طنز و تخریب بھی ان کے مقابلہ میں مہاجرین و انصار کی بیعت کا ذکر کرنا دلیل تحقیقی ہے جو مقدمات

غفیرہ واقعہ سے مرکب ہوتی ہے، چاہے وہ مفادات فریق ثانی کو تسلیم ہوں یا نہ ہوں، لہذا علماء امامیہ کی یہ تاویل صحیح نہیں کہ یہ الزامی دلیل ہے،

محمّد اقرال حضرت کے ایک قول یہ ہے، جس کو رمیٰ نے اپنی کتاب بیج البلاغ میں جناب امیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، مگر طبعی مقتضی، اور اپنے مذہب کے پاس کی خاطر بس اتنی سی تحریف کر دی ہے کہ جناب امیر نے فرحضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام لیا تھا مگر اسنے وہاں فلاں بنا دیا، تاکہ اہل سنت اس سے استدلال نہ کر لیں، مگر اس کو بھول گیا کہ بعض اوقات اشارہ کیا یہ تصریح سے بھی زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور وہی بات یہاں بھی ہے کہ جناب امیر کے اس بیان میں جو اوصاف بیان ہوئے وہ بذات خود اسی شخصیت کی طرف پکار پکار کر اشارہ کر رہے ہیں جس کو رمیٰ نے فلاں کے پردہ میں روپوش کرنا چاہا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے،

آپ نے فرمایا ابو بکر فلاں قابل تعریف ہیں کہ کبھی کو سیدھا کیا اور براہوں کو برار سنت قائم کی بدعت کو مٹا دیا، کیا وہ پاکرا من تھے کم غیب والے خلافت کی بھلائی حاصل کر لی اور بلاں سے آگے بڑھ گئے اللہ کی اطاعت کی، اور کما حقہ پرہیزگاری برقی خود تو میل بسے مگر دوسروں کو دور رہے پر چھوڑ گئے، مگر اہل کوراستہ ملتا

اِنَّهٗ قَالَ لِلّٰہِ بَلَدًا اَبٰی تَجْعَلُہٗ فَلَیْسَ فِیْہِ الدُّوْدُ وَ
اَوْ لَعْنَةُ رَاۤیَہٗ اَسْتَخْلَفَ الْیَدُفَّةَ ذَہَبَ لَیْقَی
الشَّرِبَ تَوَلَّی الْعَیْبَ اَصَابَ خَیْرَہَا وَ اَسْبَقَ شَرَّہَا
اَدْرٰی اِنِّیْ اِلٰہِی طَاعَتُہٗ وَاَنْتَ لَا تَحْقِیْقُہٗ رَحِمَیْ وَ تَرْکُہُم
فِیْ طَرِیْقٍ مُّتَعَبَۃٍ لَا یُثَبِّتُہٗ فِیْہَا السَّالَ وَ لَا
یَسْتَبِہُ مِنْہَا الْمُنْکَدِیْ

ہے، نہ راہ باب کو یقین۔

اب بیج البلاغ کے شارحین امامیہ اس بات میں مختلف الرئے ہیں کہ فلاں سے مراد کون سے، بعض نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ اور بعض نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مگر اکثریت قرول اول کی موید ہے اور یہی صحیح و ظاہر ہے،

اس عبارت سراپا ہدایت و بشارت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دس بیسے اوصاف سے متصف فرمایا ہے اور اس کو قسم کھا کر پختہ اور موکہ کیا ہے،

(۱) سنت کو قائم کرنا (۲) بدعت سے بچنا (۳) حسن تدبیر سے فتنوں کا قلع قمع۔ (۴) دنیا سے پاکرا من جانا (۵) عیوب کی کمی۔ (۶) امامت و خلافت کا تقدیر معلوم، عدل۔ اور عروج دین الہی کا ان کے ذریعہ انجام پانا (۷) طاعت الہی جو بالانا۔ (۸) آخر عمر تک تقویٰ و پنداری پر کار بند رہنا۔

اور اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جس نوعیت کی امامت و خلافت مشہادت جناب امیر و قوع پذیر ہوئی اگر اس کو معراج خلافت و امامت کہیں تو بیجا نہیں۔

اور یہ مقام ہے جہاں شیعہ حضرات کے ہاتھ پاؤں چھول جاتے ہیں، اور ساری پرکڑیاں بھول جاتے ہیں، گھبراہٹ اور بکھلاہٹ میں ایسی برکیک اور ناز مینا تاویلات کا سہارا لے کر خفت و درک کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا نہ ذکر کرتا ہی، بھلا ہے ہاں جن توجیہات میں کچھ معجزانہ فہم و شعور کی کوئی رستی ہواں میں۔ سے چند اپنے ناظرین کے لئے پیش کرتے ہیں تاکہ وہ بھی اس فرقہ کے دانشمندوں کی قوت فکر و فہم کا اندازہ

لگالیں۔

ایک توجہ یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کبھی کبھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی تعریف اور خوبیاں محض اس لئے بیان کر دیا کرتے تھے کہ لوگوں کی دلجوئی ہو جائے اور رعایا میں سے جو طبقہ حضرت شیخین رضی اللہ عنہما کی سیرت حسنہ پر دلدادگی کی حد تک فریفتہ تھا، اور اس بات کا معتقد تھا کہ امور دین کے انتظام میں ان حضرات کا عہد مبارک زریں دور تھا ان کو اپنی طرف مائل کر لیں چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے متعلق جناب امیر کا یہ بیان اور اسی نوعیت کا ہے۔

لیکن ہر انصاف پسند صاحب عقل و شعور سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان ان کے نزدیک بس بھی ہے کہ آپ نے دس اوصاف قسم کھا کر جو بیان کئے ہیں ان کو آپ لوگ جھوٹا قرار دیں اور وہ بھی صرف دنیا کے حقیر لالچ کے خاطر کہ چند لوگوں کی دلجوئی ہو جائے اور ہرے ٹوٹ کر کچھ لوگ ادھر کو آ جائیں تاکہ ان کے ذریعہ انتظام ریاست درست ہو جائے حالانکہ اس کا بھی کوئی یقین نہیں تھا، بلکہ اس سے تو ایک حد تک سابقین کے طرز عمل کی وجہ سے ایسی ہر سچی اتنی معمولی باتوں کے خاطر اور حقیر دنیا کے لالچ میں زامہ سازی اور دھنڈائی کا الزام آپ کے منسوب اور ساتھی، لگائیں تو لگائیں اہل سنت تو ایسی باتوں کے تصور سے بھی ہزار بار اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

اور اسی کے ساتھ یہ عقل سے پیدل یہ نہیں سوچتے کہ ہم جناب امیر رضی اللہ عنہ کو کہاں کھینچنے لے جا رہے ہیں اس توجہ یہ تاویل سے تو دین کی غرض و غایت ہی انھوں نے نکلی جا رہی ہے کہ اس قسم کے فرائض جاہلہ کی طرح سرائی کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نافرمانی پر اتر آئے ہوں اور ہر تراز کی حد تک پہنچ چکے ہوں اور کتاب اللہ کی تحریف کی ہو اور وہ دین خدا کو بدل ڈالا ہو کہاں تک جائز ہے حالانکہ انہوں نے یہ حدیث صحیح ضرور سنی ہوگی اِذَا مِئِمَّةُ الْفَارِسِيِّ خَضِبَتِ الرَّبَّ دَجَبَ فَاَشَقَّ كِ تَعْرِيفُ كِ جَانَّةُ تَوَالِدِ تَعَالٰی كَا غَضَبِ تَوَالِدِ پڑتا ہے لہذا یہ سب کچھ دین و دیانت اور عقل و فراست سے کتنی بعید بات ہے جو یہ نادان دوست جناب امیر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

آخر ایسی کوئی ضرورت تھی جس کی وجہ سے اتنی تاکیدات مبالغہ اور سخت قسموں سے کام لیا گیا اور اگر ان کی مدح و تعریف کا مقصد اتنا ہی تھا کہ ایک آسان ترین مصلحت سے امور خلافت حسن انتظام سے انجام پاسکیں تو پھر ان دس جھوٹ، بصورت توصیف و تعریف بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کیلئے تو اتنا کہنا بھی کافی ہوتا تھا۔ **لِلّٰہِ بَلَدٌ فَلَا یَنْقُصُ جَاہِدُ الْکُفْرِ وَ الشَّامُ یَغْیِبُ اِذَا سَلَا مُ فِ الْبَلَدِ اِنْ وَوَحَّہِ الْبَحْرِیَّةِ وَ بَنَی الْمَسَاجِدَ وَ کَسَمَ نَعْمَ فِیْ خَلْدِ ذِئْبِہِ فَنَدَّہُ صَوْتُ اللّٰہِ ہٰی کَہُ لَئِیْ تَعْرِیْفُ ہٰی فَلَاحِ شَہْرُوں کِ الْبَتَّہِ جہاد کیا اس نے کافروں و مرتدوں سے اور اس کی کوشش سے شہروں میں اسلام پھیل گیا اس نے جزیہ مقرر کیا، اساجد بنوائیں اور اس کی خلافت میں کوئی فتنہ رونما نہ ہوا یا اس جیسی کوئی اور عبارت!**

پھر یہ مضامین جو جناب امیر رضی اللہ عنہ کی عبارت میں درج ہیں اور آپ کے دوسرے مضامین میں زمین و آسمان کا فرق ہے، در ایک معصوم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ باطل و ناحق کو اتنا سراپا ہے اور اپنے بیان سے اپنے تبیین